

الخَيْرُ الْكَثِيرُ شح الْفَوْزُ الْكَبِيرُ

تصنیف: امام اکبر اسد اللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ
 تعریب: محبت کرمیہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد متا یا کن پوری دامت برکاتہم
 تشریح: حضرت مولانا مفتی محمد امین بن یوسف صاحب پانکن پوری زید مجدہم

کتاب الایمان

شرح
الفقر الكبير

للم اكر مسند الهند حضرت شاه ولي الله صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ

موت کبیر حق مولانا مفتی سعید احمد منشا پالن پوری دامت برکاتہم

تشریح

حضرت مولانا مفتی محمد امین بن یوسف صاحب پالک پوری زید مجدہم

اردو بازار ایم ای جلد روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دَٰرُ الْإِشَاعَةِ

مولانا محمد امین پالپوری صاحب کی اجازت سے طبع شدہ

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : جولائی ۲۰۰۷ء علی گڑھ
صفحات : 504

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿..... ملنے کے پتے﴾

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ اتارگی لاہور
بیت العلوم ۲۲۰، بھروڑ لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ کامی اڈا۔ ایبٹ آباد

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگلی۔ پشاور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راج بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Hford Lane
Manor Park, London E12 5Qa
Tel : 020 8911 9797, Fax : 020 8911 8999
Email : sales@azharacademy.com
Website : www.azharacademy.com

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFE, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

فہرست مضامین

- پیش لفظ: از محدث کبیر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم ۱۵
- حرف آغاز ۲۳
- صاحب کتاب کا تعارف ۲۲-۲۷
- ولادت باسعادت اور نام ۲۷
- والدین ماجدین کا تعارف ۲۷
- تعلیم و تربیت ۲۸
- زیارت حرمین شریفین ۲۸
- خودنوشت سوانح (الجزء اللطیف کا خلاصہ از حضرت مولانا محمد منظور نعمانی قدس سرہ) ۲۹
- وفات حسرت آیات ۳۳
- اولاد کا تذکرہ ۳۳
- شاہ صاحب کا زمانہ ۳۳
- اصلاحی اور تجدیدی کارنامے ۳۴
- مشہور تصانیف کا تعارف ۳۵
- طرز تحریر اور تصنیفی خصوصیات ۳۹
- منظوم کلام ۴۰
- آپ کیا تھے؟ ۴۰
- مجدد وقت (نظم) ۴۲
- شاہ صاحب کی ایک وصیت ۴۲
- صاحب تعریف کا تعارف ۴۲-۴۳
- ولادت باسعادت اور نام ۴۳
- تعلیم و تربیت ۴۴
- مظاہر علوم میں داخلہ ۴۵
- دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ۴۵
- اول نمبر سے کامیابی ۴۷
- دارالافتاء میں داخلہ اور آپ کا پہلا شاگرد ۴۷
- قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید ۴۹

۳۹	• رائد یرمیں آپ کا تقرر
۵۰	• رائد یرمیں آپ کی خدمات
۵۰	• دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر
۵۱	• دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی خدمات
۵۳	• دیگر خدمات
۵۵	• تصنیفی خدمات
۵۸	• تبلیغی خدمات
۵۹	• انداز خطابت اور تصنیفی خصوصیات
۶۰	• ترقیات کا راز
۶۰	• اجازت بیعت و ارشاد
۶۱	• زیارت حرمین شریفین
۶۲	• رحلت والدین ماجدین
۶۳	• بھائیوں کی تعلیم و تربیت
۶۵	• اہل و عیال کی تعلیم و تربیت
۶۷	• حادثہ فاجعہ
۷۰	• ایک اہم وصیت جس کا تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں
۷۲	• علم تفسیر اور اصول تفسیر کا تعارف
۷۵	• مقدمۃ الکتاب (دیباچہ)
۷۶	• ہلم جزا کی تحقیق
۷۷	• الفوز الکبیر کی افادیت
۷۹	• الفوز الکبیر کے ابواب

باب اول

۸۲-۲۲۲

۸۲	• علوم خمسہ جو قرآن پاک میں صراحت بیان کئے گئے ہیں
۸۶	• علوم خمسہ پیش کرنے میں قرآن پاک کا انداز بیان
۸۸	• ایک غلط فہمی کا ازالہ
۸۹	• ہر آیت کا شان نزول ضروری نہیں
۹۲	• فصل اول: علم المجدل کا بیان
۹۳	• قیاس اقترانی کی مثال
۹۴	• قیاس اشتہائی کی مثال

۹۵ السبر والتقسیم کی مثال
۹۶ تسلیم کی مثال
۹۷ مشرکین کا تعارف
۹۸ ملت ابراہیمی کے شعائر
۹۹ خصال فطرت
۱۰۰ ملت ابراہیمی کے احکام اور مشرکین کا طرز عمل
۱۰۲ ملت ابراہیمی کے عقائد اور مشرکین کا نظریہ
۱۰۳ مشرکین کی گمراہیاں
۱۰۵ شرک کا بیان
۱۰۶ مشرکین عرب کا شرک
۱۰۹ تشبیہ کا بیان
۱۱۰ تحریف کا بیان
۱۱۲ بحار، سواب، حام اور استقسام بالازلام کے معنی
۱۱۳ انکار آخرت
۱۱۴ نبی کریم ﷺ کی رسالت کو مستبعد سمجھنا
۱۱۷ مشرکین کا نمونہ
۱۱۹ ملت ابراہیمی کی تجدید
۱۲۰ شرک کا رد
۱۲۳ تشبیہ کا رد
۱۲۵ تحریف کا رد
۱۲۶ استبعاد حشر و نشر کا رد
۱۲۸ منکرین رسالت کا رد
۱۳۲ وحی اور ایمان میں فرق
۱۳۳ مضامین بار بار دہرانے کی حکمت
۱۳۴ یہود کا تذکرہ
۱۳۵ تحریف کا بیان
۱۳۸ تحریف معنوی کی پہلی مثال
۱۴۱ تحریف معنوی کی دوسری مثال

۱۳۳	• تحریف معنوی کی تیسری مثال
۱۳۵	• کسٹمان آیات کی وجہ اور اس کی پہلی مثال
۱۳۷	• کسٹمان آیات کی دوسری مثال
۱۵۲	• افتراء کا بیان
۱۵۳	• تعق، تشدد اور استحسان کی وضاحت
۱۵۵	• تسابل فی الدین اور ارتکاب منافی کا سبب
۱۵۷	• نبی کریم ﷺ کی رسالت کو بعید سمجھنے کی وجہ
۱۵۹	• انبیائے کرام کا طریق اصلاح، اور اختلاف شرائع کی مثال
۱۶۲	• یہود کا نمونہ
۱۶۳	• نصاریٰ کا تذکرہ
۱۶۴	• موجودہ نصرانیت کا بانی
۱۶۵	• عقیدہ تثلیث کی وضاحت
۱۶۵	• باپ کی حقیقت
۱۶۶	• خدا کی ذات کو باپ سے تعبیر کرنے کی وجہ
۱۶۶	• ابن کی حقیقت
۱۶۶	• روح القدس کی حقیقت
۱۶۸	• عقیدہ حلول کی وضاحت
۱۶۸	• عقیدہ حلول کی دلیل اول
۱۶۹	• عقیدہ حلول کی دلیل دوم
۱۷۰	• دلیل اول کا جواب
۱۷۱	• دلیل دوم کا جواب
۱۷۳	• خلاصہ کلام
۱۷۴	• نصاریٰ کا نمونہ
۱۷۵	• عقیدہ مصلوبیت اور اس کی تردید
۱۷۸	• بشارت فارقلیط میں تحریف
۱۸۱	• نصاریٰ کی گمراہیوں کا خلاصہ
۱۸۲	• منافقین کا تذکرہ
۱۸۲	• منافقین کی قسمیں

۱۸۳	• نفاق عملی کی مختلف صورتیں
۱۸۷	• نفاق کی دونوں قسموں کی مزید وضاحت
۱۹۰	• قرآن کریم میں منافقین کے احوال کیوں ذکر کئے گئے ہیں؟
۱۹۰	• منافقین کا نمونہ
۱۹۲	• قرآن کریم ہر زمانہ کے لئے کتاب ہدایت ہے
۱۹۴	• فصل دوم: علوم خمسہ کے باقی مباحث کے بیان میں
۱۹۴	• علم التذکیر بآلاء اللہ کا بیان
۱۹۵	• ذات باری کا اثبات اور صفات خداوندی کا بیان
۱۹۹	• صفات خداوندی توقیفی ہیں
۲۰۰	• اللہ کی نعمتوں اور اس کی قدرت کی نشانیوں کا بیان
۲۰۲	• تذکیر بایام اللہ کا بیان
۲۰۴	• واقعات کا وہی حصہ ذکر کیا جاتا ہے جو مقصود ہوتا ہے
۲۰۵	• قرآن کریم میں بار بار آنے والے واقعات
۲۰۸	• صرف ایک بار یاد دہانی کے لئے واقعات
۲۱۰	• واقعات کے تذکرہ کا مقصد
۲۱۱	• تذکیر بالموت وابعاد کا بیان
۲۱۳	• علم الاحکام کا بیان
۲۱۶	• شریعت اسلامیہ نے ملت ابراہیمی کو کس طرح سنوارا ہے؟
۲۱۸	• وضاحت طلب تعریضات اور ان کی مثالیں
۲۲۲-۲۶۳	باب دوم
۲۲۳	• تفسیر میں پیش آنے والی دشواریاں اور ان کا حل
۲۲۶	• فہم مراد میں پیش آنے والی دشواریوں کے اسباب
۲۲۹	• فصل اول: غریب الفاظ کی تشریح کے بیان میں
۲۳۱	• نافع بن الازرق حروری کا تعارف
۲۳۱	• قدیم مفسرین کبھی لفظ کی لازم معنی سے تفسیر کرتے ہیں
۲۳۳	• فصل دوم: تاج و منسوخ کی معرفت میں
۲۳۳	• نسخ کے لغوی اور اصطلاحی معنی

۲۳۷ منسوخ آیتوں کی تعداد
۲۳۸ منسوخ آیتوں کی تفصیل
۲۳۹ پہلی آیت: وارث کے لئے وصیت کا حکم
۲۴۱ دوسری آیت: جو شخص بمشقت روزہ رکھ سکتا ہے اس کے لئے فدیہ کا حکم
۲۴۳ آیت کی سب سے بہتر توجیہ
۲۴۴ تیسری آیت: رمضان المبارک کی راتوں میں محبت کا جواز
۲۴۵ چوتھی آیت: اشہر حرم میں قتال کی ممانعت
۲۴۷ پانچویں آیت: متنی عنہا زوجہا کے لئے ایک سال تک متاع کی وصیت
۲۴۶ چھٹی آیت: ظاہر و باطن پر دار و گیر
۲۵۰ ساتویں آیت: اللہ سے کامل طور پر ڈرنا
۲۵۲ آٹھویں آیت: موالی کا حصہ
۲۵۳ نویں آیت: تقسیم میراث کے وقت رشتہ داروں، قییموں اور غریبوں کو کچھ دینے کا حکم
۲۵۵ دسویں آیت: بدکار عورتوں کو گھروں میں محبوس کرنا
۲۵۶ گیارہویں آیت: حرام مہینہ کو حلال کرنے کی ممانعت
۲۵۸ بارہویں آیت: غیر مسلموں کے معاملات میں فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار
۲۵۹ تیرہویں آیت: سفر میں غیر مسلم کو بوقت مرگ گواہ بنانا
۲۶۰ آیت نامہ کی سب سے بہتر تفسیر
۲۶۱ چودھویں آیت: دس گنا دشمنوں سے مقابلہ کرنا
۲۶۳ پندرہویں آیت: ہلکے اور بوجھل، جہاد کے لئے نکل پڑنا
۲۶۵ سولہویں آیت: زانی اور زانیہ سے نکاح کی برائی
۲۶۷ سترہویں آیت: غلاموں اور بچوں کے لئے اجازت طلبی کا حکم
۲۶۸ اٹھارہویں آیت: آنحضور ﷺ کیلئے موجودہ ازواج کے علاوہ عورتوں کا حلال نہ ہونا
۲۷۰ انیسویں آیت: رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے مدد کا حکم
۲۷۱ بیسویں آیت: جن کی بیویاں مکہ میں رہ گئیں ان کو مہر دینے کا حکم
۲۷۳ اکیسویں آیت: نماز تہجد کا حکم
۲۷۴ بحث کا خلاصہ
۲۷۶ فصل سوم: اسباب نزول کی شناخت میں
۲۸۰ دورہ ولایات جن کا اسباب نزول سے کوئی تعلق نہیں

- ۲۸۲ اسباب نزول اور مفسر کی ذمہ داری
- ۲۸۵ قصص الانبیاء اسراعیلیات کا پشتارہ ہیں
- ۲۸۷ منزلت فی کذا کا ایک اور مطلب
- ۲۸۹ بظاہر واقعہ مگر حقیقت میں واقعہ نہیں
- ۲۹۳ فرضی سوال و جواب
- ۲۹۵ رُتبی تقدم و تاخر، زمانی نہیں
- ۲۹۷ مفسر کے لئے دو قسم کی باتوں کا جاننا ضروری ہے
- ۲۹۹ فن توجیہ کا بیان
- ۳۰۰ توجیہ کی مثالیں
- اسباب نزول کی روایات اور مشکل مقامات کی توجیہات فتح الخیر میں دو فائدوں کے لئے جمع کی گئیں ہیں
- ۳۰۲ محمد بن اسحاق، واقدی اور کلبی کا غلو
- ۳۰۴ محمد بن اسحاق، واقدی اور کلبی کا تعارف
- ۳۰۵ فصل چہارم: فہم مراد میں دشواری پیدا کرنے والے دیگر اسباب
- ۳۰۶ حذف کا بیان
- ۳۰۷ قاعدہ: ان کی خبر، جزاء، مفعول، مبتداء اور ان کے مشابہ چیزوں کا حذف عام ہے
- ۳۱۳ قاعدہ: اذ کا عامل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں
- ۳۱۵ قاعدہ: کبھی اُن مصدریہ سے پہلے جار محذوف ہوتا ہے
- ۳۱۷ قاعدہ: لئو کا جواب تلاش کرنے کی ضرورت نہیں
- ۳۱۸ ابدال کا بیان
- ۳۱۹ ایک فعل کو دوسرے فعل سے بدلنا
- ۳۲۱ ایک اسم کو دوسرے اسم سے بدلنا
- ۳۲۲ ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا
- ۳۲۷ ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے بدلنا
- ۳۲۹ تنگیں کو تعریف سے بدلنا
- ۳۳۰ مذکر و مؤنث اور مفرد کو ان کی اُضداد سے بدلنا
- ۳۳۱ مشبیہ کو مفرد سے بدلنا
- ۳۳۲ جزاء اور جواب قسم کو مستقل جملہ سے بدلنا

۳۳۳ حاضر کو غائب سے بدلنا
۳۳۳ خبر کو انشاء سے بدلنا اور اس کے برعکس کرنا
۳۳۶ تقدیم و تاخیر، تعلق پابعد اور ان کے مانند امور کا بیان
۳۳۸ کلام میں زیادتی کا بیان
۳۳۹ صفت کے ذریعہ زیادتی کرنا
۳۴۰ بدل کے ذریعہ زیادتی کرنا
۳۴۰ عطف تفسیری کے ذریعہ زیادتی کرنا
۳۴۰ بکار کے ذریعہ زیادتی کرنا
۳۴۳ حرف جر کو زیادہ کرنا
۳۴۴ دو اتصال کا بیان
۳۴۵ قام اتصال کا بیان
۳۴۷ علامہ قسطلانی، سیبویہ اور زمخشری کا تعارف
۳۴۷ انتشار ضمائر اور ایک لفظ سے دو معنی مراد لینے کا بیان
۳۴۹ جعل، شبی، امر، نہی، خطبہ اور خیر و شر وغیرہ الفاظ کے مرادی معنی بدلتے رہتے ہیں
۳۵۰ انتشار آیات کا بیان
۳۵۲ بحث کا خلاصہ
۳۵۳ فصل پنجم: محکم، متشابہ، کنایہ، تعریض اور مجاز عقلی کے بیان میں
۳۵۳ محکم کا بیان
۳۵۴ متشابہ کا بیان
۳۵۵ کنایہ کا بیان
۳۵۶ معنویات کو محسوس پیکر میں بیان کرنا بھی کنایہ کی ایک صورت ہے
۳۵۸ عرف میں اس کی نظیر
۳۵۹ تعریض کا بیان
۳۶۲ مجاز عقلی کا بیان
۳۶۳ استعارہ مکدیہ کا بیان
۳۶۲-۳۶۵ باب سوم
۳۶۵ نظم قرآن کے لطائف کی توضیح، اور اس کے انوکھے انداز کی تشریح
۳۶۵ فصل اول: قرآن کریم کی ترتیب، اور سورتوں کے اسلوب کی وضاحت

- ۳۶۵ قرآن کریم کا تیب کے مجموعہ کی طرح ہے
- ۳۶۷ تدوین قرآن کی تاریخ
- ۳۶۹ سورتوں کی تقسیم اور ان کی ترتیب
- ۳۷۱ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کارنامہ
- ۳۷۳ اکثر سورتوں کا آغاز شاہی فرمانوں کے نچ پر ہوا ہے
- ۳۷۶ بعض سورتوں کے آغاز میں قصائد کا نچ ہے
- ۳۷۸ سورتوں کا اختتام بھی شاہی فرامین کے نچ پر ہوا ہے
- ۳۷۹ کبھی سورتوں کے نچ میں بیچ کلام ذکر کیا جاتا ہے
- ۳۸۱ فصل دوم: سورتوں کو آیتوں میں تقسیم کرنے کی حکمت اور سورتوں کے منفرد اسلوب کی وضاحت
- ۳۸۳ آیات و ابیات میں مشترک چیز حلاوت و مٹھاس ہے
- ۳۸۶ مختلف شاعریوں میں مشترک چیز تقریبی توافقی ہے
- ۳۸۷ صدر اور عجز کے معنی
- ۳۸۷ صدر، عروض، ابتداء، ضرب اور حشو کے معنی
- ۳۸۷ سبب، وقید اور فاصلہ کے معنی
- ۳۸۸ زحاف اور علت کے معنی
- ۳۸۸ زحاف منفرد اور مُزدوج کے معنی
- ۳۸۸ خن، وفص، اضمار اور طی کے معنی
- ۳۸۹ قبض، عقل، غضب اور کف کے معنی
- ۳۸۹ خبل، خزل، شگل اور نقص کے معنی
- ۳۹۰ قافیہ کی تعریف
- ۳۹۰ ردی کی تعریف
- ۳۹۰ مقیدہ، مطلقہ، مُردفہ اور موصولہ کے معنی
- ۳۹۰ ردیف کی تعریف
- ۳۹۳ دوسری قوموں کی شاعریوں میں بھی توافقی تقریبی ہے
- ۳۹۵ گفتگو کا خلاصہ
- ۳۹۶ قرآن کریم نے مشترک حسن اجمالی کی رعایت کی ہے
- ۳۹۹ سانس کی فطری درازی قرآن کریم کا وزن ہے
- ۴۰۱ سانس کا حرف مدہ پر ختم ہونا قرآن کریم میں قافیہ ہے

۲۰۲ کلمہ کے آخر میں الف کا آنا بھی قافیہ ہے
۲۰۳ آیتوں کے آخر میں ایک ہی حرف کا آنا، اور ایک ہی جملہ کو بار بار لانا لذت بخش ہے
۲۰۴ کبھی سورت کے آخری فاصلے ابتدائی فاصلوں سے مختلف ہوتے ہیں
۲۰۵ فاصلوں کے سلسلہ میں قرآن کا انداز
۲۰۷ چھوٹی آیتوں کے ساتھ لمبی آیت لانے، اور اس کے برعکس کرنے کی حکمت
۲۰۹ تین حصوں والی آیت
۲۱۰ دو فاصلوں والی آیت
۲۱۱ چھوٹی آیتوں کے ساتھ بہت لمبی آیت لانے کی حکمت
۲۱۳ بعض سورتوں میں مذکورہ وزن و قافیہ کی رعایت نہیں کی ہے
۲۱۵ نئے اوزان و قوافی اختیار کرنے کی وجہ
۲۱۸ فصل سوم: علوم خمسہ کو بار بار دہرانے اور ان کو غیر مرتب بیان کرنے کی وجہ
۲۲۱ علوم خمسہ کو ترتیب وار بیان نہ کرنے کی حکمت
۲۲۵ فصل چہارم: اعجاز قرآن کی وجوہات
۵۰۰-۲۲۲	باب چہارم
۲۲۲ تفسیر کے مختلف مناہج کا بیان، اور صحابہ و تابعین کی تفسیروں میں جو اختلاف ہے اس کا حل
۲۲۳ مفسرین کی مختلف جماعتیں
۲۲۷, ۲۲۲ جامع ترین تفاسیر
۲۲۸ علم تفسیر میں شاہ صاحب کا عالی مقام
۲۲۹ اجتہاد فی الہدھب کے معنی
۲۲۹ اونیسی ہونے کا مطلب
۲۲۹ کعبہ حساء کے معنی
۲۳۰ صلوة عظمیٰ کے معنی
	فصل اول: محدثین کی تفسیروں میں جو روایات مروی ہیں ان کا بیان، اور ان کے متعلق
۲۴۲ کچھ کارآمد باتیں
۲۴۲ اسباب نزول کی دونوں قسموں کے بارے میں اہم بات
۲۴۵ تفسیروں میں بے کار باتیں
۲۴۷ حقد میں کبھی برسیل احتمال تفسیر کرتے ہیں
۲۵۰ اسرا اٹلی روایتوں کو بیان کرنا ایک سازش ہے جو دین میں در آئی ہے
۲۵۳ قرآن کی قرآن سے تفسیر

۳۵۷	• استدراک
۳۵۸	• شرح غریب میں اختلاف کی وجہ اور مفسر کی ذمہ داری
۳۶۱	• شرح غریب میں شاہ صاحب کی چند تحقیقات
۳۶۳	• منسوخ آیات کی تعداد میں اختلاف، نسخ کے معنی میں اختلاف پر مبنی ہے
۳۶۶	• کبھی اجماع کو نسخ کی علامت بتایا جاتا ہے
۳۶۷	• کچھ اور باتیں جو محدثین کی تفسیروں میں مذکور ہیں۔
۳۶۹	• فصل دوم: باب چہارم کی باقی ماندہ باتیں
۳۶۹	• استنباط احکام کے سلسلہ میں ضروری بات
۳۷۱	• منطوق اور مفہوم کے معنی
۳۷۱	• توجیہ کی حقیقت اور اس کے درجات
۳۷۳	• بہترین توجیہات
۳۷۶	• توجیہ کی دیگر صورتیں
۳۷۸	• متکلمین کا غلو
۳۷۹	• قرآن کریم میں جھگڑا کرتا
۳۸۱	• لغات قرآن کے سلسلہ میں اہم ہدایت
۳۸۱	• نحوی ترکیب کے بارے میں اہم ہدایت اور انوکھی تحقیق
۳۸۳	• تفسیر میں علم معانی اور بیان کی حیثیت
۳۸۳	• تفسیر میں صوفیاء کے رموز کی حیثیت
۳۸۵	• فن اعتبار، اور اس کی اہمیت
۳۸۹	• فصل سوم: غرائب قرآن کی وضاحت
۳۹۳	• قرآن کریم کا ظہر و بطن
۳۹۶	• فصل چہارم: بعض وہی علوم کا بیان



إِنَّ الدِّينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ،
ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ (البروج-۱۱)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے بہشت کے ایسے
باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ بڑی کامیابی ہے!

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ؛ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ
فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (البقرہ-۲۶۹)

اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں دین کا فہم عطا فرماتے ہیں
اور جس کو دین کا فہم مل جاوے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



از: مفسر قرآن، محدث کبیر، فقیہ النفس، خطیب العصر، جلیل القدر صاحب قلم
حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

قرآن کریم کتاب تلاوت ہی نہیں، کتاب ہدایت بھی ہے اور اس کی ہدایت کا دائرہ مخصوص
لوگوں تک محدود نہیں، بلکہ وہ تمام لوگوں کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ سورہ بقرہ آیت ۱۸۵ میں ماہ
رمضان کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد پاک ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ
الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ، وَبَيِّنَاتٍ
مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ
اور حدیث شریف میں ہے کہ:

”اس میں پہلی امتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں، اس میں آئندہ رونما ہونے والے
حوادث کی آگہی ہے اور زمانہ حال کے مسائل کا حل ہے، وہ فضول بات نہیں ہے، بلکہ حکمت بھرا
نصیحت نامہ ہے، وہ اللہ کی مضبوطی ہے، صراطِ مستقیم ہے اور اس کی اتباع خیالات کو کجی سے محفوظ
رکھتی ہے“ (مشکوٰۃ، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر ۲۱۳۸)

دوسری حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کا عروج و زوال قرآن کریم سے وابستہ ہے، ارشاد ہے:

”اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے بہت سوں کو اونچا کریں گے، اور بہت سوں کو نیچے گرائیں گے“ (مشکوٰۃ حدیث نمبر ۲۱۱۵) یعنی مسلمان اگر قرآن مجید کو اپنا راہ نمائیا کریں گے اور اس کی تابعداری کریں گے تو وہ دنیا و آخرت میں سر بلند ہوں گے، اور اگر قرآن کریم سے انحراف اور اس کے احکامات سے سرکشی کریں گے تو وہ اگر آسمان کی بلندی پر بھی ہوں گے تو نیچے گرا دیئے جائیں گے، مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ اس حدیث کی صداقت کی گواہ اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی آئینہ دار ہے۔

دور اول میں شہر کوفہ کی، جو چھانوئی کے طور پر بسایا گیا تھا، قرآن مجید کے تعلق سے صورت حال کیا تھی؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے جو ابن ماجہ میں مروی ہے: فِرَظَةُ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں کوفہ کی طرف بھیجا اور رخصت کرنے کے لئے ہمارے ساتھ چلے۔ آپ مقام صرار تک ہمارے ساتھ چلتے رہے، پھر فرمایا: جانتے ہو میں آپ لوگوں کے ساتھ کیوں چلا ہوں؟ لوگوں نے جواب دیا: ہمارے صحابی اور انصاری ہونے کے حق کی وجہ سے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلکہ میں تمہارے ساتھ چلا ہوں، ایک خاص بات کہنے کے لئے۔ وہ بات میں آپ حضرات سے کہنا چاہتا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ تم میری بات کو یاد رکھو میرے تمہارے ساتھ چلنے کی تقریب سے (اور وہ بات یہ ہے کہ) آپ لوگ ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جن کے سینوں میں قرآن کی گڑ گڑاہٹ ہانڈی کی گڑ گڑاہٹ کی طرح ہے، پس جب وہ تم کو دیکھیں گے تو وہ تمہاری طرف اپنی گردنیں لمبی کریں گے اور کہیں گے: اللہ کے نبی کے صحابہ آئے! پس تم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرنا، پھر (جاؤ) میں تمہارا شریک ہوں (ابن ماجہ، متحدہ باب ۳ حدیث نمبر ۲۸)

پھر چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسی شہر کوفہ میں تبدیلی رونما ہوئی، آپ کے تلمیذ حضرت حارث اعمور رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار مسجد کوفہ میں کچھ لوگوں کو تلاوت قرآن چھوڑ کر فضول باتوں میں مشغول پایا۔ میں نے جاکر صورت حال کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع کی۔ آپ نے پوچھا: کیا واقعات انھوں نے ایسا کیا؟ (یعنی تلاوت چھوڑ کر فضول باتوں میں لگ گئے؟) حارث نے کہا: جی ہاں! اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے ایک دن ارشاد فرمایا: آگاہ ہو جاؤ، ایک بڑا فتنہ آنے والا

ہے (یعنی لوگوں میں بڑے اختلافات واقع ہوں گے، اور بڑے بڑے مذاہب نکلیں گے) حضرت علی ؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس فتنہ کے شر سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی کتاب (ذریعہ نجات ہے) پھر آپ ﷺ نے قرآن کریم کے وہ مناقب بیان فرمائے جس کا کچھ حصہ مع حوالہ اوپر آیا ہے کہ اس میں تم سے پہلی امتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں الخ

پھر دن بدن صورت حال جگمگاتی چلی گئی اور قرآن کریم کے فہم و تدبر سے امت سلسلہ کا تعلق بس برائے نام رہ گیا۔ ہندوستان کی صورت حال تو، عربی زبان بلکی زبان نہ ہونے کی وجہ سے، اور بھی اتر ہو گئی تھی۔

ہندوستان کی سرزمین میں قرآن کریم کے فہم و تدبر کو عام کرنے کی تحریک علمائے ہند کے سرخیل حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے زور و قوت کے ساتھ شروع کی، آپ نے فارسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا، اس پر مختصر تفسیری حواشی لکھے اور فارسی ہی میں، جو اس زمانہ میں ملک میں مادری زبان کی طرح رائج تھی، اصول التیسر میں مایہ ناز کتاب الفوز الکبیر لکھی، تاکہ عوام بھی قرآن کی ہدایات اور تعلیمات سے براہ راست فیض یاب ہو سکیں، نیز عوامی درس قرآن کا سلسلہ دہلی کی بعض مساجد میں شروع کیا۔

آپ کے بعد آپ کے گرامی قدر فرزندوں نے فہم قرآن کی اس تحریک کو آگے بڑھایا، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے اپنے تفسیری درس والی (فتح العزیز) کے ذریعہ فہم قرآن کا ایک نیا باب کھولا۔ حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہما اللہ نے اردو تراجم قرآنی کے ذریعہ ہندوستانی عوام کے لئے معانی قرآن تک رسائی آسان بنادی، ان حضرات نے دہلی کی بعض مساجد میں درس قرآن کے عوامی حلقے بھی قائم کئے، اس سے اہالیان دہلی میں فہم قرآن کا ذوق پیدا ہوا۔

اسی طرح ملک کے طول و عرض میں خاندان ولی اللہی سے، فیض یافتگان پھیلے اور اپنی اپنی جگہوں میں فہم قرآن کی شمعیں روشن کیں اور اس سلسلہ کو آگے بڑھایا، بیہمی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (تلمیذ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب) نے ”تفسیر مظہری“ جیسی عدیم الشال عربی میں دس جلدوں میں تفسیر لکھی۔ یہ سلسلہ اسی طرح بڑھتا رہا تا آنکہ ۱۸۵۷ء کے بعد مدارس

عربیہ کے قیام کا سلسلہ تیزی سے شروع ہوا اور دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ دارالعلوم دیوبند کے فرزند اول حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ نے اسارت مالٹا کے زمانہ میں شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ کے ترجمہ قرآن کو بنیاد بنا کر نیا ترجمہ قرآن تیار کیا۔ اور اس پر تفسیری حواشی لکھنے کا سلسلہ شروع کیا، جس کی تکمیل شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ نے کی۔ اس ترجمہ قرآن اور تفسیری حواشی کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی شہرت و قبولیت سے نوازا، مگر بایں ہمہ جب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ مالٹا کی اسارت سے رہا ہو کر دیوبند تشریف لائے تو علماء کے ایک خاص مجمع میں ارشاد فرمایا کہ:

”مالٹا جیل کی خلوتوں میں ہمیشہ یہ مسئلہ سامنے آیا کہ آج کل پوری دنیا میں مسلمانوں کی ذلت و پستی اور ہر جگہ مصائب و آفات میں مبتلا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ مسلسل غور و فکر کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس کے اسباب دو ہیں: اول: مسلمانوں کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوم: آپس میں لڑنا۔ اور فرمایا کہ میں مالٹا کی جیل سے یہ سبق لے کر آیا ہوں کہ اپنی پوری توانائی ان دو کاموں میں صرف کرنا ہے۔ ایک تو قرآن کو گاؤں گاؤں، محلے محلے اور گھر گھر عام کرنا کہ کم از کم اس کی لفظی تعلیم سے کوئی مرد و عورت، بچہ بوڑھا خالی نہ رہے، اور بڑی مسجدوں میں درس قرآن جاری کئے جائیں، جن میں آسان تفسیر قرآن عوام کو پڑھائی جائے۔ دوسرے آپس کی لڑائی جھگڑوں کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے، اجتہادی مسائل کے اختلاف کو جنگ و جدل اور باہمی آویزش کا رنگ دینے سے انتہائی گریز کیا جائے“

گویہ بات درست ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور برصغیر میں قائم ہونے والی اس کی شاخوں کی شبانہ روز محنتوں کی وجہ سے قرآن کریم کے فہم و تدبر کا دائرہ اور علوم قرآنی کا حلقہ بہت وسیع ہوا ہے، چودھویں صدی ہجری میں اردو زبان میں قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر کا اتنا بڑا ذخیرہ وجود میں آیا ہے جس کی نظیر کسی اور زبان میں تو کیا خود عربی زبان میں بھی ملنی مشکل ہے۔ ایک بیان القرآن ہی دسیوں تفسیروں پر بھاری ہے، اور یہ ثمرہ ہے مدارس عربیہ کے نصاب میں تفسیر اور اصول تفسیر کو خاص اہمیت دینے کا، مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ ہنوز تفسیر قرآن کا جو حق ہے وہ اس کو نہیں دیا جا سکا ہے، علوم عالیہ تین ہیں، ایک: تفسیر اور اصول تفسیر دوم: حدیث اور

اصول حدیث، سوم: فقہ اور اصول فقہ۔ تینوں کے عربی نصاب پر نظر ڈالیں آپ کو سب سے کمزور نصاب تفسیر اور اصول تفسیر کا نظر آئے گا۔ ماضی قریب تک تفسیر میں صرف جلالین شریف اور بیضاوی سورہ بقرہ پڑھائی جاتی تھی اور اصول تفسیر میں صرف الفوز الکبیر پڑھائی جاتی تھی اور وہ بھی جلالین کے بعد رواروی میں۔ اور اب اللہ کا شکر ہے کہ جلالین سے پہلے سال دو سال میں ترجمہ قرآن کریم پڑھایا جاتا ہے اور دارالعلوم دیوبند میں الفوز الکبیر کو مستقل گھنٹہ دیا گیا ہے، تاکہ بہ امعان نظر اس کو پڑھایا جاسکے مگر اس کے بدل بیضاوی سورہ بقرہ کو نصاب سے اُلٹ کر دیا گیا ہے۔ اس لئے حساب گویا برابر ہو گیا ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ دارالعلوم دیوبند میں دورہ تفسیر بھی تو پڑھایا جاتا ہے؟ تو اس سلسلہ میں تین باتیں عرض ہیں:

پہلی بات: یہ ہے کہ دورہ تفسیر تمام مدارس عربیہ میں نہیں پڑھایا جاتا، جس طرح دورہ حدیث پڑھایا جاتا ہے۔ میرے علم میں صرف دارالعلوم دیوبند میں اس کا نظم ہے۔ دوسرے مدارس اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

دوسری بات: دارالعلوم کا دورہ تفسیر، جس میں بیضاوی، ابن کثیر اور مظہری کی مدد سے قرآن کریم کی مکمل تفسیر پڑھائی جاتی ہے، یہ دورہ تفسیر کچھ زیادہ کامیاب نہیں۔ اور ناکامی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ تفاسیر اتنی طویل ہیں کہ ان کے پانچ پانچ پارے بھی ایک ایک گھنٹہ میں کماحقہ نہیں پڑھائے جاسکتے علاوہ ازیں ذی استعداد طلبہ از خود ان کا مطالعہ کر سکتے ہیں، انہیں ایک سال لگانے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر دورہ حدیث شریف عمدۃ القاری، فتح الملہم، بذل المجہود اور معارف السنن کی مدد سے پڑھایا جائے یعنی متون حدیث پڑھانے کے بجائے یہ شروح حدیث پڑھائی جائیں تو دورہ حدیث بھی پھیکا پڑ جائے گا۔ دورہ تفسیر میں بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ متن قرآن کریم کو بنیاد بنا کر شیخ الحدیث اور اساتذہ حدیث شریف کی طرح متخصصین تفسیر قرآن کریم کا درس دیں اور تمام تفاسیر سے استفادہ کریں اور خلاصہ بیان کریں تو دورہ تفسیر کی شان پیدا ہو سکتی ہے۔

تیسری بات: دورہ تفسیر فراغت کے بعد پڑھایا جاتا ہے۔ اس لئے جو طلبہ پڑھنا چاہتے بھی ہیں ان کو ان کے سرپرست موقع نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم فارغ ہو گئے اب پڑھنے کی کیا

ضرورت ہے؟ کام میں لگوا پھر وہ ایسے کام میں لگتے ہیں کہ از خود مطالعہ بھی نہیں کرتے۔
 غرض اصل نصاب میں تفسیر اور اصول تفسیر کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے۔
 دورہ تفسیر پڑھانے سے مقصد بر آری نہیں ہوتی۔ اور فضلاء کو بھی چاہئے کہ وہ زندگی بھر قرآن
 کریم کا مطالعہ جاری رکھیں، اور جگہ جگہ درس قرآن کے حلقے قائم کریں تاکہ عام مسلمان بھی
 قرآن کریم سے نزدیک آئیں۔



الفوز الکبیر فی اصول التفسیر: امام الطائفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی
 رحمہ اللہ نے ملکی زبان کی رعایت سے فارسی زبان میں تصنیف فرمائی تھی، تاکہ عام لوگ بھی اس
 سے استفادہ کر سکیں۔ مگر چونکہ حضرت شاہ صاحب لغز نویس ہیں، ان کی تمام نگارشات ایجاز
 واختصار کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ الفوز الکبیر میں بھی یہی انداز تحریر ہے۔ اس لئے یہ فارسی رسالہ بھی
 تدریس کا محتاج تھا، اور اپنے زمانہ میں شاہ صاحب خود یہ رسالہ طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے، پھر جب
 مدارس عربیہ کا دور آیا، اور ہندوستان میں فارسی زبان کمزور ہو گئی تو کسی ہندوستانی عالم نے اس
 کو عربی کا جامہ پہنایا۔ دراصل درجہ کر لیا گیا۔ چوتھائی صدی پہلے جب میں نے اس کی عربی شرح
 العون الکبیر لکھی تو ترجمہ کو اصل فارسی سے ضرورت کی جگہوں میں ملایا جگہ جگہ ترجمہ میں یا تعبیر
 میں سقم نظر آیا۔ اس وقت تو صحیح ترجمہ میں نے شرح میں درج کیا، اصل متن میں کوئی تبدیلی نہیں
 کی۔ مگر گزشتہ سال جب العون الکبیر کو کمپیوٹر پر لانے کا پروگرام بنا تو کتاب پر نظر ثانی کی، تو مزید
 بہت سی جگہیں قابل اصلاح نظر آئیں۔ اور اساتذہ کرام نے بھی تسہیل، ترمیم اور تہذیب و اضافہ
 عناوین کا مطالبہ کیا۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اصل عربی ترجمہ کی تہذیب کی جائے اور
 اس کو سنوارا جائے۔ چنانچہ میں نے یہ خدمت انجام دی اور پوری کتاب میں ضروری عناوین کا
 اضافہ کیا، جب کتاب تیار ہوئی تو دارالعلوم دیوبند کے مخلص مہتمم حضرت اقدس مولانا مرغوب الرحمن
 صاحب دامت برکاتہم نے اس کو دارالعلوم کی مجلس شوریٰ میں پیش کیا۔ موقر مجلس شوریٰ نے
 اس کی تدریس منظور کی، اب یہ جدید ترجمہ داخل نصاب کر لیا گیا ہے، اور اب وہی دارالعلوم
 دیوبند میں اور دیگر مدارس عربیہ میں پڑھایا جاتا ہے۔

اس صورت حال میں اس کی اردو شرح کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ کیونکہ جو شرحیں پہلے

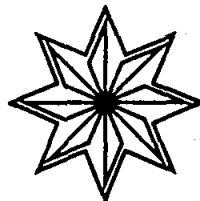
سے موجود تھیں ان سے استفادہ اب مشکل تھا، مجھے بے حد خوشی ہے کہ برادر مکرم جناب مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری زید مجدہم نے اس طرف توجہ مبذول فرمائی۔ موصوف دارالعلوم دیوبند میں درجہ علیا کے استاذ ہیں، اور عرصہ سے الفوز الکبیر پڑھاتے ہیں، اس لئے شرح لکھنے کا ان کو بجا طور پر حق پہنچتا ہے۔ موصوف نے ایک انوکھے انداز پر یہ شرح مرتب کی ہے۔ پہلے معنی خیز واضح عنوان قائم کیا ہے، پھر مسئلہ کی اُس طرح تقریر کی ہے جس طرح اساتذہ سبق میں کیا کرتے ہیں۔ تقریر میں مسئلہ کی وضاحت کے لئے مثالیں وغیرہ بھی بڑھائی ہیں اور مسئلہ کو خوب منبج کر دیا ہے، پھر عربی عبارت ضروری اعراب کے ساتھ رکھی ہے۔ پھر درسی انداز کا ترجمہ کیا ہے، کیونکہ کتاب فہمی کے لئے یہ ترجمہ بامحاورہ ترجمہ سے زیادہ مفید ہے۔ پھر مشکل لغات کو حل کیا ہے، کہیں ضروری فائدہ بھی بڑھایا ہے۔ غرض کتاب حل کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ میں نے یہ شرح از اول تا آخر حرف بہ حرف پڑھی ہے اور وثوق کے ساتھ میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ نئے ڈھنگ پر مرتب کردہ یہ شرح ان شاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگی، اللہ نے چاہا تو طلبہ اور اساتذہ کے لئے یہ کتاب بے حد نفع بخش ثابت ہوگی اللہ تعالیٰ موصوف کی محنت کو قبول فرمائیں اور امت کو اس سے فیض یاب فرمائیں، وما ذلک علی اللہ بعزیز، والحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علی النبی الکریم، و علی آلہ وصحبہ اجمعین۔

مکتبہ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دارالعلوم دیوبند

۱۱-۸-۱۴۲۰ھ = ۲۰-۱۱-۱۹۹۹ء





حرف آغاز

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ، وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا، فَيَمَّا لَيُنَدِرُ بِأَسَا شَدِيدًا
مَنْ لَدُنْهُ، وَيُنَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا؛ وَالصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ
عَلَى رَسُولِهِ الَّذِي أَرْسَلَهُ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا، وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا،
وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَعَلَمَاءِ أُمَّتِهِ الَّذِينَ فَسَّرُوا الْقُرْآنَ تَفْسِيرًا، وَفَارَزُوا افُوزًا كَبِيرًا.

المابعد: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جن بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں سب سے بڑی
نعمت قرآن کریم ہے، جس میں قیامت تک آنے والے لوگوں اور قوموں کے لئے ہدایت، اور
دنیا و آخرت کی ترقی اور راحت ہے، اسی لئے مفسرین عظام نے قرآن کریم کی ہدایات و تعلیمات
کو واضح کرنے، اور مراد خداوندی سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے چھوٹی بڑی بہت سی تفسیریں
لکھی ہیں، اور اسی مقصد کے لئے آج تمام مدارس عربیہ اور جامعات میں قرآن کریم کی متعدد
تفسیریں پڑھائی جاتی ہیں، مگر خاطر خواہ فائدہ نظر نہیں آتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ پڑھنے والے
تفسیر کے اصول و قوانین اور آداب سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ اگر ان کو تفسیر کی کوئی کتاب پڑھانے
سے پہلے تفسیر کے اصول و قوانین اچھی طرح سمجھا دیئے جائیں، تو ان شاء اللہ خاطر خواہ فائدہ ہو گا۔

اصول تفسیر میں سب سے عمدہ اور مختصر کتاب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ
کی مشہور و معروف کتاب ”الفوز الکبیر“ ہے، جو عام طور پر مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے،
مگر اکثر و بیشتر طلبہ اس کی اہمیت اور افادیت کا ادراک نہیں کر پاتے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہ
صاحب نے ”الفوز الکبیر“ دراصل فارسی زبان میں لکھی ہے، اور آج اکثر و بیشتر طلبہ فارسی
زبان سے نا بلد ہیں، اس لئے وہ شاہ صاحب کی کتاب سے نہ استفادہ کر سکتے ہیں، نہ اس کی افادیت
کا ادراک کر سکتے ہیں، اور اسی بناء پر آج فارسی کے بجائے عربی الفوز الکبیر پڑھی اور پڑھائی جاتی

ہے، لیکن جن صاحب نے ”الفوز الکبیر“ کو فارسی سے عربی میں منتقل کیا ہے، ان کی تعریف میں بہت سی خامیاں تھیں، اور ان ہی خامیوں کے پیش نظر ایک ندوی فاضل نے اس کی از سر نو تعریف کی ہے، اور یہ تعریف ندوہ میں داخل نصاب ہے مگر اس میں الفاظ کی پابندی کے ساتھ ترجمہ کے بجائے مضمون کتاب کی ترجمانی پر اکتفا کیا گیا ہے، نیز اس میں بغلی عنوانات بھی بہت زیادہ ہیں، جن کی وجہ سے مدرّس میں دشواری پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اصل فارسی کتاب اور سابقہ رائج تعریف سے بہت دور ہو گئی ہے، چنانچہ مدارس عربیہ نے عام طور پر اس تعریف کو نصاب میں شامل نہیں کیا، جبکہ ”الفوز الکبیر“ کی افادیت میں کوئی کلام نہیں، چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں کہ:

”اصول تفسیر پر کوئی چیز عام طور پر نہیں ملتی، صرف چند اصول و قواعد تفاسیر کے مقدمہ میں، یا اپنا طرز تصنیف بیان کرنے کے لئے بعض مصنفین چند سطروں میں لکھ دیتے ہیں۔ شاہ صاحب کی کتاب ”الفوز الکبیر فی اصول التفسیر“ بھی اگرچہ مختصر ہے، لیکن پوری کتاب سر اسر نکات و کلیات ہے، درحقیقت ایک جلیل القدر عالم کی، جس کو فہم قرآن کے مشکلات کا علمی تجربہ ہے، ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے، اس کی قدر وہ ہی لوگ جان سکتے ہیں، جن کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا ہو، بعض بعض اصول جو شاہ صاحب نے اپنے ذوق و وجدان اور فہم قرآن کی بناء پر لکھ دیئے ہیں، دوسری کتابوں کے سینکڑوں صفحات کے مطالعہ سے نہیں حاصل ہو سکتے..... بہر حال اس کتاب کا ہمارے ہاتھوں میں ہونا، خدا کی ایک نعمت، اور اس کا ہمارے

نصاب درس میں عام طور پر داخل نہ ہونا، اس نعمت کی ناقدری اور ناواقفیت، یا بد مذاتی ہے

(الفرقان بریلی کا شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۴۱ و ۳۴۲)

جب حضرت نے یہ مقالہ لکھا تھا، اس وقت عام طور پر مدارس عربیہ میں ”الفوز الکبیر“ داخل درس نہیں تھی، اب اکثر بیشتر مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے، مگر عام طور پر اتنی مفید اور اہم کتاب کو ”جلالین شریف“ کے بعد اس وقت پڑھایا جاتا ہے، جب عزیز طلبہ سالانہ امتحان کی تیاری میں مصروف ہو جاتے ہیں، اور اسباق سے زیادہ آموختہ کی طرف ان کی توجہ مبذول ہو جاتی ہے، اس لئے دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام نے تین سال قبل یہ فیصلہ فرمایا کہ ”الفوز الکبیر“ کو سال کے آغاز میں پڑھایا جائے، تاکہ پڑھنے والے اس کو اچھی طرح سمجھیں اور فرزند ان دارالعلوم قرآن فہمی کے اصول و ضوابط سے واقف ہو کر علم تفسیر میں کمال حاصل کریں۔

دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام کالیہ اقدام نہایت مفید ثابت ہوا، دوسرا مفید قدم بعض

اساتذہ کرام نے یہ اٹھایا کہ دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیا کے استاذ حدیث، اور الفوز الکبیر کی عربی شرح لکھنے والے بہترین صاحب قلم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم سے ”الفوز الکبیر“ کی تعریف قدیم کی تہذیب کی درخواست کی، موصوف نے اساتذہ کرام کی درخواست قبول فرما کر یہ فریضہ انجام دیا۔ اور سابقہ تعریف میں جو خامیاں تھیں ان کو دور فرما کر کتاب کو اصل فارسی کے مطابق بنادیا۔ اور ضروری عناوین بڑھا کر کتاب کی افادیت و اہمیت میں چار چاند لگا دیئے، علامات ترقیم اور مفید حواشی سے کتاب کو مزین فرما کر فہم مراد کو آسان کر دیا، یہ موصوف کا اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ پر بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ آل محترم کو دارین میں اس کا بہترین بدلہ عنایت فرمائیں! آمین!

ان ہی خوبیوں کی بناء پر دارالعلوم دیوبند میں اور دیگر بہت سے مدارس عربیہ میں ”الفوز الکبیر“ کی یہ نئی تعریف داخل نصاب ہو چکی ہے، اس لئے احقر نے اس کی اردو شرح لکھنے کا ارادہ کیا۔ اور اللہ جل شانہ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آخر میں اس شرح کے بارے میں چند باتیں جان لینی چاہئیں، تاکہ اس سے استفادہ کرنے میں آسانی ہو، اس شرح کا انداز عام شرحوں سے ذرا مختلف ہے، عام طور پر پہلے عبارت پھر اس کا ترجمہ، اس کے بعد حل لغات اور عبارت کی تشریح کی جاتی ہے۔

(۱) مگہ میں نے اس شرح میں درس کا انداز اپنایا ہے، یعنی پہلے عنوان قائم کر کے شاہ صاحب کی بات کو اپنے الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی ہے، اور جہاں ضرورت محسوس کی گئی وہاں شاہ صاحب کے بیان کردہ نکات کو مثالوں سے واضح کیا ہے، اس کے بعد عبارت پھر عبارت کا ترجمہ کیا ہے، پھر مشکل لغات کے معانی بیان کئے ہیں، اور بعض جگہ آخر میں عبارت کے تعلق سے کوئی فائدہ ذکر کیا ہے، البتہ دوسرے باب کی چوتھی فصل میں چونکہ نہایت آسان مثالیں ہیں اس لئے پہلے عبارت پھر اس کا مطلب خیر ترجمہ کیا ہے — یہ انداز میں نے دو وجہ سے اپنایا ہے۔ اولاً: اس وجہ سے کہ جب مبتدی طالب علم مشکل عبارت دیکھتا ہے، تو گھبرا جاتا ہے، اور یہ خیال کرتا ہے کہ یہ عبارت میری سمجھ سے بالاتر ہے، یہ خیال اس کے لئے نہایت مضر ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے پہلے مسئلہ کو آسان کر کے سمجھایا ہے۔ تاکہ مبتدی طالب علم جب مسئلہ اور بحث سمجھ کر عبارت پڑھے تو اس کو اجنبیت محسوس نہ ہو۔

ثانیاً: اس وجہ سے کہ جو سعادت مند طالب علم اپنے ساتھیوں کو تکرار کرانا چاہتا ہے، وہ یہ

انداز اپنا کر اپنی تکرار کو کامیاب بنائے، اور درس کا طریقہ سیکھے۔

(۲) میں نے الفوز الکبیر کی سابقہ تمام شرحوں کا مطالعہ کیا ہے، اور ”العون الکبیر“ سے خوب استفادہ کیا ہے۔ مگر اردو شروحات میں جو باتیں قابل اعتراض تھیں، ان پر کوئی تنقید نہیں کی، بلکہ جو بات صحیح تھی اسی کو بیان کیا ہے۔

(۳) یہ شرح مبتدی قراء کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس لئے اس میں ایسی تفصیلات سے احتراز کیا گیا ہے، جو مبتدی طلبہ کی سمجھ سے بالاتر ہیں، مگر شاہ صاحب کی بات چاہے کتنی ہی دقیق ہو، سمجھانے کی پوری کوشش کی گئی ہے، لہذا جو حضرات مزید تفصیلات دیکھنا چاہیں۔ وہ استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کی عربی شرح ”العون الکبیر“ کا مطالعہ کریں۔

(۴) میں دارالعلوم دیوبند میں تقریباً دس سال سے ”الفوز الکبیر“ پڑھا رہا ہوں، اس لئے مبتدی طالب علموں کو جو اشکالات ہو سکتے ہیں، ان کو حل کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ لہذا پوری بحث پڑھنے کے بعد آپ کے ذہن میں کوئی شبہ باقی رہے، تو پوری بحث کو دوبارہ غور سے پڑھئے، ان شاء اللہ آپ کا شبہ دور ہو جائے گا۔

(۵) الفوز الکبیر میں جہاں پہلے ایک بات اجمالی طریقہ پر بیان کی گئی ہے، پھر آگے اس کی تفصیل ہے، وہاں شرح میں اجمال کی صرف وضاحت کی گئی ہے، پھر جہاں شاہ صاحب نے اجمال کی تفصیل بیان فرمائی ہے، وہاں شرح میں تفصیل کی وضاحت کی گئی ہے۔ اگر آپ اس بات کو ذہن میں رکھیں گے، تو ان شاء اللہ کوئی اشکال اور شبہ باقی نہیں رہے گا۔

(۶) اس شرح کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو صاحب تعریف حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم نے ازاول تا آخر دیکھا ہے، اور اس کی نوک پلک کو خوب سنوارا ہے، فجزاہم اللہ احسن الجزاء

(۷) میں نے الفوز الکبیر کی اس شرح کا نام الخبیر الکبیر اس امید پر رکھا ہے کہ اگر آپ نے اس شرح کے ذریعہ الفوز الکبیر کو حل کر لیا۔ اور الفوز الکبیر میں ذکر کردہ اصول و نکات سے قرآن کریم کی تفسیر میں پورا استفادہ کیا، تو اللہ تعالیٰ آپ کو ”خیر کثیر“ سے نوازیں گے، اور بہت بڑی کامیابی نصیب فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز الکریم

محمد امین بن یوسف پالن پوری غفرلہ ولوالدیہ

خادم حدیث و فقہ دارالعلوم دیوبند

۱۹/ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ / ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ

صاحب کتاب کا تعارف

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کے مصنف: امام اکبر محدث اعظم، مفسر قرآن، اصول تفسیر اور اسرار شریعت کے مجدد و مدون، مجدد وقت، مفکر ملت، حکیم الامت، جامع شریعت و طریقت، آیۃ من آیات اللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فاروقی محدث دہلوی ہیں۔

ولادت باسعادت اور نام

آپ کی ولادت باسعادت عظیم مغل بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر رحمہ اللہ کی وفات سے چار سال قبل ۱۴ شوال ۱۱۱۴ھ بدھ کے دن طلوع آفتاب کے وقت قصبہ ”پُھلت“ ضلع مظفر نگر (یو، پی) میں ہوئی۔ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب کوشخ قطب الدین احمد بختیار کاکی اڈشی قدس سرہ نے خواب میں ایک نیک صالح لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دی تھی، اور یہ وصیت کی تھی کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام میرے نام پر ”قطب الدین احمد“ رکھنا، مگر جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد صاحب وصیت بھول گئے، اور آپ کا نام ”ولی اللہ“ رکھ دیا، پھر ایک مدت کے بعد جب بختیار کاکی کی وصیت یاد آئی، تو دوبارہ آپ کا نام ”قطب الدین احمد“ رکھا، اس لئے آپ کا پورا نام ”ولی اللہ قطب الدین احمد“ ہے اور تاریخی نام ”عظیم الدین“ کنیت ”ابو عبد العزیز“ اور ”ابو الفیاض“ ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام ”عبد الرحیم“ اور کنیت ”ابو الفیض“ اور دادا کا نام ”وجیہ الدین“ ہے، آپ کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک، اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظم رحمہ اللہ تک پہنچتا ہے۔

والدین ماجدین کا تعارف

آپ کے والد شاہ عبد الرحیم صاحب فقہ حنفی کے جید عالم اور دہلی کے بڑے مشائخ میں سے

تھے۔ معقولات کے ماہر اور علامہ میرزا ہد ہروی کے شاگرد تھے، بچپن ہی سے سنتوں کا اہتمام اور دنیا کی دولت و عزت سے نفرت اور آخرت کی فکر کرنے والے صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ فخر النساء بھی، جو شیخ محمد پھلتی کی صاحبزادی ہیں، علوم دینیہ میں خوب مہارت اور آداب طریقت و اسرار شریعت سے اچھی واقفیت رکھتی تھیں، صوم و صلوة کی پابند نیک پار ساختون تھیں۔

تعلیم و تربیت

پانچ سال کی عمر میں آپ نے تعلیم شروع کی، اور سات سال کی عمر میں قرآن کریم کی تکمیل فرمائی، ساتویں سال کے آخر میں آپ نے فارسی اور عربی کے ابتدائی رسائل پڑھنا شروع کئے، اور ایک سال میں ان کو مکمل کیا، اس کے بعد آپ نے صرف و نحو کی طرف توجہ فرمائی، اور دس سال کی عمر میں نحو کی معرکتہ الآراء کتاب شرح جامی تک پہنچ گئے، صرف و نحو سے فراغت کے بعد علوم عقلیہ اور نقلیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور پندرہ سال کی عمر میں تمام متداول درسی علوم سے فارغ ہو کر درس و تدریس کا آغاز فرمایا، اس عرصہ میں آپ نے اکثر و بیشتر کتابیں اپنے والد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب سے پڑھیں۔ اور ان ہی سے بیعت ہو کر سترہ سال کی عمر میں بیعت و ارشاد کی بھی اجازت حاصل کی، اور ۱۱۴۳ھ تک اپنے والد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب کی مسند درس و ارشاد کو سنبھالا اور خلق خدا کو فائدہ پہنچایا۔

زیارت حرمین شریفین

پھر ۱۱۴۳ھ میں جبکہ آپ کی عمر تیس سال کے قریب تھی، حرمین شریفین کی زیارت کا شوق آپ پر ایسا غالب ہوا کہ راستہ کی بد امنی کے باوجود حجاز مقدس کا سفر کیا، ۱۵ ازیقعدہ ۱۱۴۳ھ کو مکہ مکرمہ پہنچے، اور فریضہ حج ادا کیا، پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم گروی مدنی سے بخاری شریف کی سماعت فرمائی۔ اور صحاح ستہ (بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف) موطا امام مالک، مسند دارمی اور امام محمد کی کتاب الآثار کے اطراف ان کے سامنے پڑھے۔ اور بقیہ کتابوں کی ان سے اجازت حاصل کی، پھر مکہ مکرمہ آئے، دوسرا حج کیا، اور شیخ وفد اللہ مالکی کی سے موطا امام مالک پڑھی، اور شیخ تاج الدین

حنفی قلمی مکی، جو بخاری شریف کا درس دے رہے تھے، ان کے درسوں میں چند دن شریک ہوئے، اور ان سے صحاح ستہ وغیرہ کتابوں کے اطراف سنے، اور مذکورہ کتابوں کے مشکل مقامات حل کئے، اور ان سے تمام کتب حدیث کی اجازت حاصل کی۔

الغرض حجاز مقدس میں چودہ ماہ قیام اور دو حج کرنے اور حرمین شریفین کے محدثین عظام سے خاطر خواہ استفادہ کرنے کے بعد ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے، پورے چھ ماہ سفر میں گزرے، اور ۱۲ رجب ۱۱۴۵ھ جمعہ کے دن بصحت و عافیت دہلی پہنچے، چند دن آرام کرنے کے بعد پھر سے درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اور تیس سال تک تصنیف و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

خود نوشت سوانح

شاہ صاحب نے اپنے حالات و سوانح میں ایک مختصر رسالہ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف کے نام سے فارسی زبان میں لکھا ہے، مولانا محمد منظور نعمانی قدس سرہ نے الفرقان بریلی کے شاہ ولی اللہ نمبر میں اس کا خلاصہ پیش کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

بتاریخ ۱۴ شوال ۱۱۱۴ھ چہار شنبہ کے دن طلوع آفتاب کے وقت یہ فقیر پیدا ہوا، تاریخی نام عظیم الدین نکالا گیا، ولادت سے پہلے خود والدین ماجدین اور چند اور صلحاء نے میرے بارے میں بہت سے بشارتی خواب دیکھے، جن کو بعض دوستوں نے مستقل رسالہ القول الجلی میں بھی جمع کر دیا ہے۔ عمر کے پانچویں سال کتب میں بٹھادیا گیا، ساتویں سال والد ماجد نے نماز روزہ شروع کرایا، اور اس سال ”رسم سنت“ عمل میں آئی۔ اور جیسا کہ یاد رہ گیا ہے اسی ساتویں سال میں قرآن پاک ختم ہوا۔ اور فارسی تعلیم شروع ہوئی، یہاں تک کہ دسویں سال شرح ملا جامی پڑھ لی۔ اور مطالعہ کتب کی استعداد پیدا ہو گئی۔ چودھویں ہی برس میں شادی کی صورت پیدا ہو گئی، اور والد ماجد نے اس معاملہ میں انتہائی غفلت سے کام لیا، اور جب سسرال والوں نے والد ماجد کے تقاضوں کے جواب میں سامان شادی تیار نہ ہونے کا عذر کیا، تو آپ نے ان کو لکھ بھیجا کہ میری یہ ”جلد بازی“ بے وجہ نہیں ہے، بلکہ اس میں کوئی راز ہے، لہذا یہ مبارک کام بلا تاخیر ہی ہو جانا چاہئے، چنانچہ والد بزرگوار کے اصرار سے اسی سال یعنی عمر کے چودھویں ہی برس میں شادی ہو گئی، اور وہ راز بعد میں اس طرح ظاہر ہوا کہ نکاح سے تھوڑے ہی دن بعد میری

خوش دامن کا انتقال ہو گیا، اُس سے چند ہی روز بعد میری اہلیہ کے ناتانے وفات پائی، پھر چند ہی دنوں میں عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے صاحب زادے شیخ فخر عالم نے رحلت فرمائی، اور یہ صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ میرے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ ماجدہ نے (یعنی آپ کے والد ماجد شیخ عبدالرحیم کی پہلی بیوی نے) داغ مفارقت دیا، ان صدمات کے ساتھ ہی والد ماجد پر ضعف اور مختلف قسم کے امراض کا غلبہ ہوا، اور دیکھتے دیکھتے آپ کی وفات کا سانحہ عظیم بھی پیش آگیا۔۔۔۔۔ ان حوادث کے پیہم گذر جانے پر معلوم ہوا کہ شادی کے متعلق والد ماجد کی عجلت فرمائی میں کیا راز تھا؟ درحقیقت اگر اُس وقت یہ کام اس طرح عجلت سے انجام نہ پاتا، تو ان حوادث کی وجہ سے پھر مدتوں بھی اس کا موقع نہ آسکتا تھا۔

شادی سے ایک سال بعد پندرہ سال کی عمر میں والد ماجد کے ہاتھ پر میں نے بیعت کی، اور مشائخ صوفیہ بالخصوص حضرات نقشبندیہ کے اشتغال میں لگ گیا۔ اور توجہ اور تلقین اور آداب طریقت کی تعلیم و خرقة پوشی کی جہت سے میں نے اپنی نسبت کو دور ست کیا۔۔۔۔۔ اسی سال بیضاوی کا ایک حصہ پڑھ کر گویا ان دیار کے مردِ وجہ نصابِ تعلیم سے فراغت حاصل کی، والد ماجد نے اس تقریب میں بڑے پیانے پر خواص و عوام کی دعوت کی، اور مجھے درس کی اجازت دی، جن علوم و فنون کا درس اس ملک میں مروج ہے، ان میں ذیل کی کتابیں میں نے سبقاً سبقاً پڑھیں۔

حدیث میں پوری مشکوٰۃ شریف، سوائے کتاب المبیوع سے کتاب الآداب تک کے تھوڑے سے حصہ کے، اور صحیح بخاری کتاب الطہارت تک، اور شمائل ترمذی کامل۔۔۔۔۔ اور تفسیر میں تفسیر بیضاوی اور تفسیر مدارک کا ایک حصہ، اور حق تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت مجھ پر یہ ہوئی کہ کامل غور، فکر اور مختلف تفاسیر کے مطالعہ کے ساتھ والد ماجد کے درس قرآن میں مجھے حاضری کی توفیق ملی، اور اس طرح کئی بار میں نے حضرت سے متن قرآن پڑھا، اور یہی میرے حق میں ”فتح عظیم“ کا باعث ہوا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

اور علم فقہ میں شرح و قایہ اور ہدایہ پوری پڑھیں، اور اصول فقہ میں حسامی اور توضیح تلویح کا کافی حصہ، اور منطق میں شرح شمس (قطبی) پوری اور شرح مطالع کا کچھ حصہ، اور کلام میں شرح عقائد مع حاشیہ خیالی اور شرح مواقف کا بھی ایک حصہ۔۔۔۔۔ اور سلوک و تصوف میں عوارف اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ، اور علم الحقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح، مقدمہ

شرح لمعات اور مقدمہ نقد النصوص، اور فن خواص اسماء و آیات میں والد ماجد کا خاص مجموعہ، اور طب میں موجز، اور فلسفہ میں شرح ہدایت الحکمت وغیرہ، اور نحو میں کافیہ اور اس کی شرح از ملا جامی، اور علم معانی میں مطول اور مختصر المعانی اس قدر جتنے پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے، اور بیت و حساب میں بھی بعض مختصر رسالے پڑھے — اور الحمد للہ کہ اسی تحصیل کے زمانہ میں ہر فن سے خاص مناسبت پیدا ہو گئی، اور اس کے خاص مسائل اور اہم مباحث میرے ذہن کی گرفت میں آ گئے۔ میری عمر کے سترہویں سال والد ماجد مریض ہوئے اور اسی مرض میں واصل برحمت بن ہوئے، اور اس مرض و وفات ہی میں مجھے بیعت و ارشاد کی اجازت مرحمت فرمائی، اور اس اجازت میں کلمہ مبارکہ یدۃ کیدی (اس کا ہاتھ گویا میرا ہی ہاتھ ہے) مکرر ارشاد فرمایا۔

خدا تعالیٰ کا ایک بڑا احسان یہ ہے کہ حضرت والد ماجد جب تک رہے اس فقیر سے بے حد راضی رہے، اور اسی رضامندی کی حالت میں اس دنیا سے تشریف لے گئے، حضرت والد کو جیسی توجہ میرے حال پر رہی ایسی ہر باپ کو اپنے بیٹوں کے ساتھ نہیں ہوتی، میں نے کوئی باپ، کوئی استاذ اور کوئی مرشد ایسا نہیں دیکھا جو اپنی اولاد یا اپنے کسی شاگرد یا مرید کی طرف اس قدر توجہ اور شفقت رکھتا ہو، جو حضرت والد ماجد کو میرے ساتھ تھی۔ اللھم اغفر لی و لوالدی و ارحمھما کما ربتنا فی صغیرنا، و جازہما بكل شفقة و رحمة و نعمة منهما علی ما اضعافھا، انک قریب مجیب۔

پھر حضرت کی وفات کے بعد بارہ سال تک کتب دیدیہ اور معقولات کے درس میں اشتغال رہا، اور ہر علم و فن میں غور کرنے کا موقع ملا، اور مذاہب اربعہ کی فقہ اور ان کے اصول فقہ کی کتابوں، اور ان احادیث کے غائر مطالعہ کے بعد جن سے وہ حضرات اپنے مسائل میں استناد فرماتے ہیں، نورغبی کی مدد سے ”فقہائے محدثین“ کا طریقہ دلنشین ہوا۔

غرض والد ماجد کی وفات سے ۱۲ برس اس طرح گزرنے کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا، اور آخر ۱۲۳۳ھ میں یہ فقیر حج سے مشرف ہوا، اور ۱۲۴۲ھ میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی مجاورت، اور شیخ ابو طاہر قدس سرہ و دیگر مشائخ حرمین شریفین سے اخذ روایت حدیث کی سعادت حاصل ہوئی — مدینہ منورہ کے دوران قیام میں روضہ مقدسہ سرور عالم ﷺ میری توجہ کا خاص مرکز رہا، اور الحمد للہ کہ مجھ فقیر پر اس قدسی دربار سے فیوض و برکات کی بے پایاں

بارش ہوئی — نیز اس سفر مبارک میں حرمین شریفین اور عالم اسلامی کے بہت سے علمائے کرام کے ساتھ خوب رنگین صحبتوں کا موقع ملا، حضرت شیخ ابوطاہر مدنی قدس سرہ کی طرف سے تمام طرق صوفیہ کا جامع خرقہ بھی اسی بار کت سفر میں عنایت ہوا — پھر ۱۱۴۴ھ کے آخر میں حج سے مکرر مشرف ہو کر اوانکل ۱۱۴۵ھ میں وطن کی طرف واپسی ہوئی، اور بتاریخ ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ ٹھیک جمعہ کے دن بفضلہ تعالیٰ صحیح سلامت وطن مالوف دہلی پہنچ گیا۔

بہ تعیل ارشاد: ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ بعض خاص الخاص انعامات الہیہ کا بھی تذکرہ کرتا ہوں، حق تعالیٰ کا عظیم ترین انعام اس ضعیف بندہ پر یہ ہے کہ اس کو ”خلعت فاتحیت“ بخشا گیا ہے، اور اس آخری دورہ کا افتتاح اس سے کرایا گیا ہے، اس سلسلہ میں جو کام مجھ سے لئے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ: فقہ میں جو ”مرضی“ ہے اس کو جمع کیا گیا، اور فقہ حدیث کی از سر نو بنیاد رکھ کر اس فن کی پوری عمارت تیار کی گئی، اور آنحضرت ﷺ کے تمام احکام و ترغیبات، بلکہ تمامی تعلیمات کے اسرار و مصالح کو اس طرح منضبط کیا گیا کہ اس فقیر سے پہلے کسی نے یہ کام اس طرح نہیں کیا تھا — نیز سلوک کا وہ طریقہ جس میں حق تعالیٰ کی مرضی ہے، اور جو اس دورہ میں کامیاب ہو سکتا ہے مجھے اس کا الہام فرمایا گیا ہے، اور میں نے اس طریق کو اپنے دو رسالوں ”ہمعات“ اور ”الطاف القدس“ میں قلم بند کر دیا ہے۔

ایک کام مجھ سے یہ لیا گیا کہ متقدمین میں اہل سنت کے عقائد کو میں نے دلائل و براہین سے ثابت کیا، اور ”معقولیوں“ کے شکوک و شبہات کے خس و خاشاک سے ان کو قطعی پاک کر دیا، اور ان کی تقریر الحمد للہ ایسی کی جس کے بعد کسی بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی، علاوہ ازیں کمالات اربعہ (۱) ابداع (۲) خلق (۳) تدبیر (۴) اور تدلی کی حقیقت اور نفوس انسانیہ کی استعدادات کا علم مجھے عطا فرمایا گیا، اور یہ دونوں ایسے علم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کسی نے ان کے کوچہ میں قدم بھی نہیں رکھا۔

اور حکمت عملی (کہ اس دورہ (زمانہ) کی صلاح و فلاح اسی سے وابستہ بلکہ اسی میں منحصر ہے) مجھے بھرپور دی گئی، اور کتاب و سنت و آثار صحابہ سے اس کی تطبیق و تفصیل کی توفیق بھی نصیب ہوئی — اس سب کے سوا مجھے وہ ملکہ عطا فرمایا گیا، جس کے ذریعہ سے میں یہ تمیز کر سکتا ہوں کہ دین کی اصل تعلیم، جو فی الحقیقت آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی ہے وہ کیا ہے؟ اور وہ کون کون باتیں ہیں جو بعد میں اس میں ٹھونس گئی ہیں، یا جو کسی بدعت پسند فرقہ کی تحریف کا نتیجہ ہیں۔

اپنے یہ حالات اور حق تعالیٰ کے یہ انعامات بیان فرمانے کے بعد حضرت شاہ صاحب اپنی اس تحریر کو ان الفاظ پر ختم فرماتے ہیں:

وَلَوْ أَنَّ لِي فِي كُلِّ مَنَبَةٍ شَعْرَةٌ
لَسَانَا لَمَا اسْتَوْفَيْتُ وَاجِبَ حَمْدِهِ
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

وفات حسرت آیات

حرمین شریفین سے مراجعت کے بعد آخر عمر تک آپ تدریس و تصنیف میں مشغول رہے، اور ۲۹ / محرم الحرام ۱۷۶۷ھ مطابق ۲۰ / اگست ۱۷۶۲ء ہفتہ کے دن ظہر کے وقت انتقال فرمایا، اور اپنے والد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب کے مزار سے متصل دہلی کے مشہور قبرستان ”مہندیان“ میں آپ کے جد خاکی کو سپرد خاک کیا گیا، اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ کے والدین کی مغفرت فرمائیں اور جات بلند فرمائیں! اور قبروں کو منور فرمائیں! آمین یا رب العالمین!

اولاد کا تذکرہ

حضرت شاہ صاحب کی پہلی اہلیہ محترمہ یعنی آپ کے ماموں شیخ عبید اللہ صاحب پھلتی کی صاحب زادی کے بطن سے ایک صاحب زادے شیخ محمد، اور ایک صاحب زادی سیدہ امۃ العزیز تھیں، اور دوسری اہلیہ محترمہ یعنی شاہ ثناء اللہ صاحب کی صاحبزادی کے بطن سے چار صاحب زادے تھے، ان میں سے سب سے بڑے شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی، پھر شاہ رفیع الدین صاحب پھر شاہ عبد القادر صاحب پھر شاہ عبد الغنی صاحب تھے، جو شاہ اسماعیل شہید کے والد محترم ہیں، شاہ صاحب کی وفات کے بعد شاہ عبد العزیز صاحب آپ کے جانشین ہوئے اور اپنے تینوں بھائیوں اور شاہ اسماعیل شہید کی تربیت کی، مگر تینوں بھائی شاہ عبد العزیز صاحب کی حیات میں وفات پا گئے، اور مولانا اسماعیل شہید بعد میں سکھوں سے لڑتے ہوئے اپنے پیر و مرشد سید احمد بریلوی کے ساتھ شہید ہوئے، یہ سب حضرات اپنے زمانہ میں علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب اور نامور فضلاء تھے۔

شاہ صاحب کا زمانہ

شاہ صاحب کے زمانہ میں ہندوستان کی حالت ہر لحاظ سے ابتر تھی، اور نگ زیب عالم گیر

علیہ الرحمہ کے بعد شاہان وقت اپنے اسلاف کی دولتِ قص و سرود کی محفلوں اور حسن و جمال کے بازاروں میں لٹا رہے تھے، اور مغلیہ سلطنت پر سادات بارہہ (شیعوں) کا مکمل تسلط ہو چکا تھا، وہ جسے چاہتے بادشاہ بناتے، جسے چاہتے قتل کروا دیتے تھے، رعایا بد حال پریشان، غربت و افلاس کے ہاتھوں برباد، اور تم گروں کے مظالم سے پامال تھی، عوام کی اخلاقی حالت نہایت درجہ گری ہوئی تھی، اور دینی اعتبار سے مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی، حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی قدس سرہ کے الفاظ میں اس وقت ہندوستان کا حال یہ تھا:

”مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا، مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا، جھوٹے فقراء اور مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے، مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت کے ہنگاموں سے پر شور تھا، فقہ و فتاویٰ کی لفظی پریش ہر مفتی کے پیش نظر تھی، مسائل فقہ میں تحقیق و تدقیق، مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا، عوام تو عوام خواص تک قرآن پاک کے معانی و مطالب اور احادیث کے احکام و ارشادات اور فقہ کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے“

اصلاحی اور تجدیدی کارنامے

حرمین شریفین سے مراجعت کے بعد آپ نے مسلمانوں کی یہ صورت حال دیکھ کر ان کی اصلاح کی طرف کامل توجہ فرمائی، اس زمانہ کے طریقہ تعلیم اور نصاب کو بدلا، دین میں جو بدعات و خرافات اور بے سرو پا باتیں شامل کر دی گئی تھیں، ان کو الگ کیا، اور دین کو نکھار کر لوگوں کے سامنے اصلی شکل میں پیش کیا شیعہ عقائد کی تردید کی، عتقل و نقل دونوں اعتبار میں سے دین اسلام کو مطابق فطرت ثابت کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی، عجمی تصوف اور اس کی بے سرو پا باتوں کا خوب رد کیا، مختلف مکتب فکر کے لوگوں میں ہم آہنگی اور اتفاق پیدا کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی۔ قرآن کریم سے لوگوں کو قریب کرنے کے لئے رائج الوقت فارسی زبان میں قرآن کریم کا مطلب خیز ترجمہ کیا، تفسیر کے اصول و ضوابط وضع کئے، اسرار شریعت سے لوگوں کو آگاہ فرمایا۔ اور احادیث نبویہ سے ہندی مسلمانوں کو آشنا کیا، الغرض آپ نے تقریر و تحریر اور تصنیف و تدریس کے ذریعہ جو عظیم خدمات انجام دیں وہ ہر ہمتی دنیا تک فراموش نہیں کی جا سکتیں۔

مشہور تصانیف کا تعارف

”حیات ولی“ کے مصنف کی تحقیق کے مطابق شاہ صاحب کی جو تصانیف چھپی ہوئی ہیں، وہ پچاس کے قریب ہیں (مگر یہ بات تحقیق طلب ہے) چند مشہور تصانیف کا تعارف حسب ذیل ہے:

① فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن: یہ قرآن کریم کا فارسی زبان میں نہایت عمدہ اور مطلب خیز ترجمہ ہے، ترجمہ کے ساتھ جابجا فوائد بھی ہیں، جو نہایت مختصر اور جامعیت و افادیت میں بے مثل ہیں — شاہ صاحب کے زمانہ میں اکثر علماء اور بیشتر مشائخ کا یہ خیال تھا کہ قرآن کریم اخص الخواص کے مطالعہ، غور و فکر اور فہم و تفہیم کی کتاب ہے، اس کو عوام کے سامنے لانا، عوام کو براہ راست اس کے پڑھنے اور سمجھنے کی دعوت دینا سخت خطرناک ہے، عوام کو ذہنی انتشار میں مبتلا کرنا ہے اور خود رائی اور علماء سے بے نیازی بلکہ بغاوت و سرکشی کی دعوت دینا ہے — جبکہ امت میں پھیلے ہوئے الحاد و زندقہ، بدعات و خرافات اور احکام شریعت سے بے اعتنائی کا خاتمہ، اور دین کی صحیح سمجھ، جذبہ عمل، خوف خدا، فکر آخرت، بدعت سے نفرت اور سنت سے محبت پیدا کرنے کا سب سے بڑا موثر ذریعہ قرآن کریم ہی ہے، اس لئے شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کی عام فہم فارسی زبان میں قرآن کریم کا یہ ترجمہ کیا ہے — اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستان، پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش، اور دیگر بلادِ عجم میں قرآن فہمی کا چرچا آج جو کچھ نظر آ رہا ہے، یہ اردو، انگریزی، گجراتی، بنگالی اور پنجابی زبانوں میں جو بیسوں ترجمے شائع ہو چکے ہیں، یہ سارے چراغ اسی چراغ سے روشن ہیں۔

② الفوز الکبیر فی اصول التفسیر: یہ رسالہ بھی فارسی زبان میں ہے، اور اسی مقصد کے پیش نظر فارسی زبان میں لکھا ہے، جس مقصد کے پیش نظر قرآن کریم کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا ہے، اس میں قرآن فہمی اور تفسیر کے نادر اصول و ضوابط اور مفسرین کی تفسیروں کے بارے میں نہایت مفید نکات ہیں، اس کی مختلف حضرات نے تعریف کی ہے، سب سے بہتر تعریف حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم محدث کبیر دارالعلوم دیوبند کی ہے، موصوف نے اس کی عربی شرح بھی لکھی ہے، جس کا نام ”العون الکبیر“ ہے۔ الفوز الکبیر کی پرانی تعریف کی متعدد حضرات نے اردو شرحیں بھی لکھی ہیں، پہلے العون الکبیر بھی پرانی رائج تعریف کی شرح تھی،

اب وہ بھی نئی تعریب کے مطابق کر دی گئی ہے اور طبع ہو گئی ہے اور اس تعریب جدید کی جو دارالعلوم دیوبند اور دیگر معابد عربیہ میں شامل درس کر لی گئی ہے یہ پہلی اردو شرح ہے جو الخیر الکثیر کے نام سے آپ کے مبارک ہاتھوں میں ہے۔

(۳) فتح الخیر بما لا بد من حفظه فی علم التفسیر: یہ درحقیقت الفوز الکبیر کا پانچواں باب ہے جس کو شاہ صاحب نے مستقل رسالہ کی حیثیت دی ہے، مگر یہ فارسی کے بجائے عربی میں ہے، اس میں اسباب نزول، قرآن کریم کے غریب الفاظ کی تشریحات، اور مشکل آیتوں کی توجیہات جمع کی گئی ہیں، جو بخاری، ترمذی اور حاکم کی تفسیروں سے ماخوذ ہیں۔

(۴) تاویل الاحادیث: یہ عربی زبان میں ہے، اس میں انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے قصے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں، اور جن کو عام طور پر خرق عادت خیال کیا جاتا ہے، ان کی تاویلات و توجیہات کی گئی ہیں، اور ان کے مخفی اسباب بیان کئے گئے ہیں۔

(۵) مُصَفِّی شرح موطا: شاہ صاحب نے پہلے موطا امام مالک کی تلخیص کی ہے، پھر اس کی یہ فارسی زبان میں عمدہ شرح لکھی ہے، جو شاہ صاحب کے درس کا نمونہ ہے۔

(۶) مُسَوِّی شرح موطا: یہ موطا امام مالک کی عربی زبان میں مختصر شرح ہے، اور شاہ صاحب حدیث کے درس کا جو طریقہ رائج کرنا چاہتے تھے اس کا بہترین نمونہ ہے۔

(۷) حجة الله البالغة: یہ شاہ صاحب کی نہایت معرکۃ الآراء عربی تصنیف ہے، اور دو جلدوں میں ہے، اس میں فقہ الحدیث اور اسرار شریعت کا نہایت عمدہ بیان ہے، بہت سے جامعات میں داخل درس ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

”شاہ صاحب کی یہ مایہ ناز تصنیف آنحضرت ﷺ کے ان معجزات میں سے ہے، جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے امتوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے، اور جن سے اپنے وقت میں رسول اللہ ﷺ کا اعجاز نمایاں ہوا، اور اللہ کی حجت تمام ہوئی“

اس کے چار اردو ترجمے ہوئے ہیں، مگر کتاب نہایت دقیق ہے، اس لئے صرف ترجمہ کافی نہیں۔ حجة الله البالغة کے مضامین کی دقت کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے المصالح العقلية للأحكام النقلية کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

”اس بحث میں (یعنی مصالح عقلیہ کے بیان میں) ہمارے زمانہ سے کسی قدر پہلے زمانہ میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ لکھ چکے ہیں، سنا ہے کہ ترجمہ اس کا بھی ہو چکا ہے، مگر عوام کو اس کا (یعنی صرف ترجمہ کا) مطالعہ مناسب نہیں کہ (اصل کتاب) غامض زیادہ ہے (اس لئے صرف ترجمہ سے حل نہیں ہو سکتی)“

اس لئے شرح کی شدید ضرورت تھی، امت کے ذمہ ڈھائی سو سال سے یہ قرض باقی چلا آ رہا تھا۔ الحمد للہ اب حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم اس کی رحمة اللہ الواسعة کے نام سے اردو میں شرح لکھ رہے ہیں۔ موصوف دارالعلوم دیوبند میں ایک عرصہ سے حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیتے ہیں۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے علوم و معارف کے بہترین شارح ہیں۔ امید ہے کہ آپ کی شرح کتاب کو ہر عام و خاص کے لئے قابل استفادہ بنادے گی۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی عمر میں برکت فرمائیں اور شرح کی تکمیل و طباعت کے اسباب پیدا فرمائیں (آمین)

⑧ ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء: حجۃ اللہ البالغہ کی طرح یہ بھی شاہ صاحب کی دوسری معرکتہ الآراء فارسی تصنیف ہے، اس میں آپ نے خلفاء راشدین کی خلافت کا برحق ہونا قرآن کریم، احادیث شریفہ، کتب تفسیر اور تاریخ کے حوالوں سے ثابت کیا ہے، شیعہ و سنی اختلاف کو نہایت عدل و انصاف سے حل کیا ہے، جس سے شیعوں کی غلط فہمیاں اور شدت تعصب دور ہو سکتا ہے، اس کتاب میں اثبات خلافت کے ساتھ ساتھ سیرت، تاریخ اور سیاست و خلافت کے بارے میں بیش بہا نکات بھی بیان فرمائے ہیں، انداز بیان نہایت شگفتہ اور سلیس ہے، حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی مٹھی فرماتے ہیں کہ: اس موضوع پر پورے اسلامی لٹریچر میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں۔ اور مولانا فضل حق خیر آبادی کا ناثر یہ ہے کہ: ”جس نے یہ کتاب لکھی ہے، وہ تو ایک بحر بیکراں ہے، جس کے ساحل کا پتہ نہیں چلتا“

⑨ قرة العینین فی تفضیل الشیخین: یہ بھی فارسی زبان میں ہے، اس میں صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا بڑے حسین انداز میں بیان ہے، اور حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے فضائل و مناقب کا تذکرہ ہے۔

⑩ سرور المحزون: ابن سید الناس نے سیرت نبوی پر ایک ضخیم کتاب عیون الاثر فی

فنون المغازی والشمائل والسير لکھی تھی، پھر اس کا جامع خلاصہ نور العیون فی تلخیص سیر الامین والمامون کے نام سے کیا تھا۔ شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کے شیخ مرزا مظہر جان جاناں دہلوی کے اصرار پر اس کا فارسی میں خلاصہ کیلئے۔ یہ سیرت کے موضوع پر نہایت عمدہ رسالہ ہے۔ (۱۱) التفہیمات الالہیہ: یہ شاہ صاحب کا مشکول ہے، اس میں زیادہ تر تصوف و سلوک کی باتیں ہیں، اور بعض مقامات پر اپنے زمانہ کی خرابیوں اور لوگوں کے عیوب و نقائص کی نشاندہی کی ہے، اور معاشرہ کے ہر طبقہ کو مخاطب کر کے اصلاح پر ابھارا ہے، اس کے بعض مضامین عربی میں اور بعض فارسی میں ہیں۔

(۱۲) فیوض الحرمین: اس میں قیام حرمین کے دوران جو فیوض و برکات بصورت خواب یا بطریق الہام آپ کو حاصل ہوئے ہیں ان کا تذکرہ ہے، بعض جگہ پیشین گوئیاں، علم تصوف کے حقائق اور دیگر مسائل بھی ہیں، یہ کتاب عربی میں ہے اور اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ (۱۳) الخیر الكثير: اس میں شاہ صاحب نے علم سلوک اور تصوف کے معارف و حقائق عربی زبان میں بیان کئے ہیں۔

(۱۴) البدور البازغة: یہ نہایت دقیق کتاب ہے، اس میں حجۃ اللہ البالغہ کے بعض ابواب کا خلاصہ اور تصوف کے حقائق و معارف کا بیان ہے۔

(۱۵) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف: یہ رسالہ عربی میں ہے، اس میں صحابہ کرام، تابعین عظام اور ان کے بعد ائمہ مجتہدین کے درمیان دینی مسائل میں جو اختلاف رونما ہوا اس کا راز اور اس کی مفصل تاریخ بیان کی گئی ہے، حجۃ اللہ البالغہ کی قسم اول کے آخر میں تتمۃ کے عنوان سے یہ پورا رسالہ شامل کر لیا گیا ہے۔

(۱۶) عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید: یہ رسالہ بھی عربی میں ہے، اس میں تقلید اور عدم تقلید شخص پر محققانہ کلام کیا گیا ہے اور تقلید شخص کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

(۱۷) اطیب النعم فی مدح سید العرب والعجم: یہ سرکار عالم ﷺ کی مدح میں عربی قصیدہ ہے۔

(۱۸) الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین: یہ رسالہ عربی میں ہے، اس میں ان بشارتوں کا تذکرہ ہے، جو آپ کو اور آپ کے بزرگوں کو بارگاہ رسالت سے ملی ہیں۔

(۱۹) انفاس العارفين: اس میں شاہ صاحب نے اپنے بزرگوں کے احوال فارسی زبان میں قلم بند فرمائے ہیں۔

(۲۰) الجزء اللطيف: اس میں شاہ صاحب نے خود اپنے احوال فارسی زبان میں تحریر فرمائے ہیں، جس کا خلاصہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۲۱) المقالة الوضیة فی الوصیة والنصیحة: یہ شاہ صاحب کا فارسی میں وصیت نامہ ہے۔

طرز تحریر اور تصنیفی خصوصیات

آپ کی تحریروں میں تحقیق اور علمی نکات کے ساتھ ساتھ سوز و اخلاص اور خیر خواہی کے جوہر پائے جاتے ہیں، جس کے باعث وہ تحقیقی تصانیف ہونے کے ساتھ ایک دینی مصلح کا پیغام اور اخلاقی معلم کا درس بن گئی ہیں۔ آپ کی تصانیف نہایت پرفتن و پُر آشوب زمانہ کی ہیں، لیکن اکثر و بیشتر تصانیف میں اس کی کہیں جھلک نظر نہیں آتی۔ بلکہ نہایت توازن و اعتدال کے ساتھ قلم کو رواں رکھا ہے، اور مرکزی نقطہ خیال سے تجاوز نہیں فرمایا۔ علامہ سید سلیمان ندوی آپ کی اسی خصوصیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

”شاہ صاحب کی تصنیفات کے ہزاروں صفحے پڑھ جائیے، آپ کو یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ یہ بارہویں صدی ہجری کے پُر آشوب زمانہ کی پیداوار ہیں، جب ہر چیز بے اطمینانی اور بدامنی کی نذر تھی، صرف یہ معلوم ہوگا کہ فضل و علم کا ایک دریا ہے، جو کسی شور و غل کے بغیر سکون و آرام کے ساتھ بہہ رہا ہے، جو زمان و مکان کے خس و خاشاک کی گندگی سے پاک صاف ہے“

اس کے علاوہ آپ ایک نئے اسلوب اور جداگانہ طرز کے بانی و موجد ہیں، جو جامعیت، زور بیان، تجکّم و اعتماد، اور فصاحت و بلاغت میں نبی کریم ﷺ کے طرز تکلم سے مشابہ ہے، مولانا مناظر احسن گیلانی اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”عربی زبان میں انھوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں ان میں ایک خاص قسم کی انشاء کی جوان کا مخصوص اسلوب ہے پوری پابندی کی ہے، شاہ صاحب پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر جوامع کلام النبی الخاتم ﷺ کے طرز گفتگو کی پیروی کی ہے، حتیٰ الوسع وہ اس کی

کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدعا کا اظہار ان ہی لغات اور ان ہی محاورات سے کر بس جو لسان نبوت اور زبان رسالت سے خاص تعلق رکھتے ہیں“

نیز باوجود عجمی نژاد اور ہندوستانی ہونے کے آپ نے عربی فصاحت و بلاغت کا ایسا بے نظیر نمونہ پیش کیا ہے کہ جس کی عظمت کے اہل زبان بھی معترف ہیں، مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ:

”شاہ ولی اللہ صاحب پہلے ہندوستانی مصنف ہیں، جن کی عربی تصانیف میں اہل زبان کی سی روانی و قدرت، اور عرب کی سی عربیت ہے، اور وہ ان بے اعتدالیوں سے پاک ہیں، جو عجمی علماء کی عربی تحریر میں پائی جاتی ہیں“

منظوم کلام

شاہ صاحب جس طرح نثر نگاری میں یکتائے زمانہ تھے، اسی طرح عربی اور فارسی نظم کہنے میں بھی قادر الکلام شاعر تھے، عربی نظم میں اطیب النغم کے نام سے بنی کریم رحمۃ اللہ علیہ کی مدح و نعت میں ایک بسیط قصیدہ ہے، جس کا پہلا شعر یہ ہے:

كأنَّ نُجُومًا أَوْ مُضَيَّاتٍ فِي الْغِيَابِ عِيُونَُ الْأَفَاعِي أَوْ رُؤُوسُ الْعُقَارِبِ
اس کے علاوہ تین قصیدے اور ہیں، آپ کا عربی دیوان بھی ہے، جس کو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی نے جمع کیا ہے اور شاہ رفیع الدین صاحب نے مرتب کیا ہے، اور فارسی میں بھی آپ کی چند غزلیں اور رباعیاں ہیں، جو ”کلمات طیبات“ اور ”حیات ولی“ میں موجود ہیں، فارسی میں آپ ”امین“ تخلص فرماتے تھے۔

آپ کیا تھے؟

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سنوری فرماتے ہیں کہ:

”حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ سرزمین ہند کے ان اکابر میں سے ہیں، جن کی نظیر نہ صرف اپنے عصر میں اور نہ صرف ہندوستان میں، بلکہ بہت سے قرون اور ممالک اسلامیہ میں ڈھونڈھنے سے نہیں ملتی، حضرت موصوف بقول حمۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب

نانو تو ی بانی دارالعلوم دیوبند: ان افراد امت میں سے ہیں کہ سر زمین ہند میں اگر صرف شاہ ولی اللہ ہی پیدا ہوتے، تو ہندوستان کے لئے یہ فخر کافی تھا (الفرقان کا شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۶۰)

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں: آیۃ من آیات اللہ، ومعجزۃ نبیہ الکریم صلی اللہ علیہ وسلم: شاہ صاحب اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اس کے نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہیں (ظفر المحصلین ص ۶۰)

نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی اتحاف النبلاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اگر وجود اور صدر اول در زمانہ ماضی می بود امام اگر شاہ صاحب کا وجود گذشتہ زمانہ میں صدر اول الائمۃ و تاج المجتہدین شمر دہ می شد (حوالہ بالا) میں ہوتا، تو امام الائمۃ اور تاج المجتہدین شمار ہوتے علامہ شبلی فرماتے ہیں: ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ انھیں کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا، اس کے لحاظ سے یہ امید نہ تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اخیر زمانہ میں شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا، جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے ماند پڑ گئے (حوالہ بالا)

مفتی عنایت احمد کا کوری فرماتے ہیں کہ: حضرت شاہ ولی اللہ کا حال اس شجرہ طوبی کا سا ہے جس کی جڑ شاہ صاحب کے گھر میں ہے، اور اس کی شاخیں تمام مسلمانوں کے گھروں میں ہیں، مسلمانوں کا کوئی گھر اور کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اس شجرہ طوبی کی کوئی شاخ نہ ہو، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اس کی جڑ کہاں ہے؟ (العون الکبیر ص ۱۶)

اور آپ کے مدنی استاذ شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی فرماتے ہیں کہ:

إِنَّهُ لَيَسْنِدُ عَنِّي اللَّفْظَ، وَكُنْتُ شَاهِدًا عَلَى اللَّهِ مَجْهً سَلَفًا حَدِيثَ كِي سَنَدًا لَاتِي تَحْتَهُ أَصَحُّ مِنْهُ الْمَعْنَى (العون الکبیر ص ۱۶) اور میں ان سے معنی حدیث کی تصحیح کرتا تھا یہ تمام احوال اور فضائل الفوز الکبیر کی شرح العون الکبیر، الفوز العظیم، مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی کی ظفر المحصلین اور الفرقان بریلی کے شاہ ولی اللہ نمبر سے ماخوذ ہیں، اور اسی شاہ ولی اللہ نمبر کی ایک نظم پر امام اکبر، محدث اعظم مفسر قرآن، اصولی تفسیر اور اسرار شریعت کے موجد و مدون، مجدد وقت، مفکر ملت، حکیم الامت، جامع شریعت و طریقت، آیۃ من آیات اللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فاروقی قدس سرہ کے فضائل کا تذکرہ ختم کیا جاتا ہے۔

مجدد وقت

تو مبلغ تھا حدیث فخر موجودات کا تیرے آتے ہی جنازہ اٹھ گیا بدعات کا تو مفسر بھی، محدث بھی، فقیہ و شیخ بھی کون اندازہ لگائے تیرے محسوسات کا تیری فطرت بے نیاز درگاہ شاہ دوزیر تجھ کو دنیا میں بھروسہ تھا خدا کی ذات کا میں سمجھتا ہوں، مشیت کا وہی مفہوم تھا تو نے جو مطلب لیا قرآن کی آیات کا عقل و مذہب کو سمویا تو نے اس انداز سے صبح میں جیسے نمایاں ہو دُھند لکا رات کا تیرے ارشادات میں سامان تسکین ضمیر روح ایمان نقطہ نقطہ تیرے ملفوظات کا سادگی اسلام کی پھر سے نمایاں ہو گئی نور جب پھیلا جہاں میں تیری ”تہنیمات“ کا تیرے وارث ہیں تیرے نور ہدایت کی شبیہ اب بھی چرچاہے جہاں میں تیری تعلیمات کا (ماہر القادری، حیدر آباد، دکن)

شاہ صاحب کی ایک وصیت

اس تعارف کے آخر میں مجدد وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی ایک اہم وصیت ذکر کی جاتی ہے، تاکہ آپ اس پر عمل کر کے نزول قرآن اور بعثت رسول کے مقصد کو تقویت اور شاہ صاحب کی روح کو راحت پہنچائیں، وصیت حسب ذیل ہے:

اول وصیت اس فقیر: چنگ زدن است بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل، و پیوستہ بتدبر ہر دو مشغول شدن، و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن، و اگر طاقت خواندن ندارد ترجمہ

ورقے از ہر دو شنیدن

(المقالة الوضیة فی الوصیة)

ترجمہ: اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ: اعتقاد اور عمل دونوں میں کتاب و سنت (قرآن و حدیث) کو نہایت مضبوطی سے پکڑے، اور برابر دونوں میں تدبر (غور و فکر) جاری رکھے، اور ہر روز دونوں کا کچھ حصہ پڑھے، اور اگر پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، تو کسی دوسرے سے کم از کم ایک ورق دونوں کا ترجمہ ہی سن لیا کرے



صاحب تعریب کا تعارف

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کی یہ جدید تعریب اور قدیم تعریب کی تہذیب و ترتیب اور اضافہ عناوین کی خدمت جلیل القدر صاحب قلم، دارالعلوم دیوبند کے مقبول ترین استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے انجام دی ہے، موصوف کے تلامذہ کا حلقہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ آپ کے تلامذہ اور دوسرے حضرات موصوف کے احوال معلوم کرنے کی شدید خواہش رکھتے ہیں، لوگوں نے بار بار آپ سے اصرار کیا، مگر موصوف تواضع کی وجہ سے اپنے حالات کو قابل اشاعت نہیں سمجھتے۔ چونکہ یہ شرح جدید تعریب کی ہے اور اب جدید تعریب ہی داخل درس ہے اس لئے طلباء اور اساتذہ کی قدرتی خواہش یہ ہو سکتی ہے کہ موصوف کے کچھ احوال منظر عام پر آئیں تاکہ شائقین استفادہ کر سکیں، میں چونکہ حضرت موصوف کا اولین شاگرد اور شب و روز کا ساتھی ہوں اس لئے کوشش کرتا ہوں کہ مختصر طور پر کچھ حالات پیش کروں۔

ولادت باسعادت اور نام

آپ کی تاریخ ولادت محفوظ نہیں۔ البتہ والد محترم نے جب آپ ڈیڑھ، پونے دو سال کے تھے، ڈبھاڈ (آپ کا موجودہ وطن) کی زمین خریدی تھی اس کا بیج نامہ موجود ہے اس کی رو سے والد صاحب نے اندازے سے آپ کا سن پیدائش ۱۹۴۰ء کا آخر مطابق ۱۹۹۷ء سمت بکرمی مطابق ۱۳۶۰ھ بتایا ہے۔ آپ موضع ”کالیڑہ“ ضلع بناس کا ننھا (شمالی گجرات) میں پیدا ہوئے۔ بناس ایک ندی کا نام ہے اور کا ننھا گجراتی میں بمعنی کنارہ ہے۔ اور بناس کا ننھا ایک علاقہ کا نام ہے اور اب ایک ضلع ہے، جو بناس ندی کے جنوب میں واقع ہے، اس ضلع کا مرکزی شہر ”پالن پور“ ہے، جو آزادی سے پہلے مسلمان نواب کی اسٹیٹ تھی، کالیڑہ پالن پور سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر جنوب مشرق میں واقع ہے اور علاقہ پالن پور کی مشہور بستی ہے جہاں ایک عربی مدرسہ ”سلم العلوم“ کے نام سے قائم ہے، جس میں متوسطات تک کی تعلیم ہوتی ہے۔

آپ کا نام والدین نے صرف ”احمد“ رکھا تھا۔ کیونکہ آپ کے ایک بڑے اخیانی بھائی احمد نامی ہیں، ان کی یاد تازہ کرنے کے لئے والدہ صاحبہ نے آپ کا نام بھی احمد رکھا تھا۔ سعید احمد آپ نے اپنا نام خود رکھا ہے، جب آپ نے مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا تو اپنا نام سعید احمد لکھوایا تھا اس وقت سے آپ کی عالمی شہرت سعید احمد کے نام سے ہے، مگر پالن پور میں جو کتابیں آپ کو انعام میں ملی ہیں ان پر ”انعام احمد یوسف کالیڑہ“ لکھا ہوا ہے اور خاندان کے بڑے بوڑھے اب بھی آپ کو ”احمد بھائی“ ہی کہتے ہیں، اگرچہ اب ایسے بوڑھے دو چار ہی رہ گئے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی ”یوسف“ دادا کا نام ”علی“ ہے جو احتراماً ”علی جی“ کہلاتے تھے۔ آپ کا خاندان ”ڈھکا“ اور برادری ”مومن“ ہے، جس کے تفصیلی احوال ”مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں“ مذکور ہیں۔

تعلیم و تربیت

جب آپ کی عمر پانچ، چھ سال کی ہوئی، تو والد صاحب نے جوڈبھاڑ کے کھیتوں میں رہتے تھے آپ کی تعلیم کا آغاز فرمایا، لیکن والد مرحوم کھیتی باڑی کے کاموں کی وجہ سے موصوف کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکتے تھے، اس لئے آپ کو اپنے وطن ”کالیڑہ“ کے مکتب میں بٹھادیا، آپ کے مکتب کے اساتذہ یہ ہیں (۱) مولانا داؤد صاحب چودھری رحمہ اللہ (۲) مولانا حبیب اللہ صاحب چودھری زید مجدد ہم (۳) اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب جو نکیہ دامت برکاتہم، جو گزشتہ سال تک دارالعلوم آئند (گجرات) میں شیخ الحدیث تھے، اب فالج کی وجہ سے صاحب فراش ہیں اللہ تعالیٰ ان کو صحت و عافیت عطا فرمائیں۔

مکتب کی تعلیم مکمل کر کے موصوف اپنے ماموں مولانا عبد الرحمن صاحب شیرا قدس سرہ کے ہمراہ ”چھاپی“ تشریف لے گئے، اور دارالعلوم چھاپی میں اپنے ماموں اور دیگر اساتذہ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں چھ ماہ تک پڑھیں، چھ ماہ کے بعد آپ کے ماموں دارالعلوم چھاپی کی تدریس چھوڑ کر گھر آگئے، تو آپ بھی اپنے ماموں کے ہمراہ آگئے، اور چھ ماہ تک اپنے ماموں سے ان کے وطن ”جونئ سیندھنی“ میں فارسی کی کتابیں پڑھتے رہے۔

اس کے بعد مصلح امت حضرت مولانا محمد نذیر میاں صاحب پالن پوری قدس سرہ کے مدرسہ

میں جو پالن پور شہر میں واقع ہے داخلہ لیا، اور چار سال تک حضرت مولانا مفتی محمد اکبر میاں صاحب پالن پوری اور حضرت مولانا ہاشم صاحب بخاری رحمہما اللہ سے عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں۔ مصلح امت حضرت مولانا محمد نذیر میاں صاحب قدس سرہ وہ عظیم ہستی ہیں، جنہوں نے اس آخری زمانہ میں ”مومن برادری“ کو بدعات و خرافات اور تمام غیر اسلامی رسوم سے نکال کر ہدایت و سنت کی شاہراہ پر ڈالا، اور ”مومن برادری“ کی مکمل اصلاح فرمائی، آج علاقہ پالن پور میں جو دینی فضا نظر آرہی ہے، وہ حضرت مولانا ہی کی خدمات کا ثمرہ ہے۔ اور حضرت مولانا محمد اکبر میاں صاحب آپ کے چھوٹے بھائی اور آپ کے دست راست تھے۔ اور حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری، بخاری سے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے لئے تشریف لائے تھے، فراغت کے بعد پہلے پالن پور پھر امداد العلوم و ڈالی گجرات، پھر جامعہ حسینہ راندر (سورت) پھر دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی خدمات انجام دیں، اور آخر میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے، وہیں آپ کا انتقال ہوا، اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

مظاہر علوم میں داخلہ:

شرح جامی تک پالن پور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ نے ۱۳۷۷ھ میں سہارن پور (یو، پی) کا سفر کیا، اور مظاہر علوم میں داخلہ لے کر تین سال تک امام الخوادم المنطق حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جموی قدس سرہ سے نحو اور منطق و فلسفہ کی اکثر کتابیں پڑھیں، نیز حضرت مولانا محمد یامین صاحب سہارن پوری، حضرت مولانا مفتی یحییٰ صاحب سہارن پوری، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری رحمہم اللہ اور حضرت مولانا وقار علی صاحب بجنوری زید مجدہم سے بھی کتابیں پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

پھر فقہ، حدیث، تفسیر اور فنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر پہلے سال حضرت مولانا تفسیر احمد خاں صاحب بلند شہری مدظلہ العالی سے تفسیر جلالین مع الفوز الکبیر، حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی قدس سرہ سے ہدایہ اولین، اور حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہری رحمہ اللہ سے تصریح

بست باب، ”شرح خمینی“ رسالہ فتحیہ اور رسالہ شمسہ علم ہیئت کی کتابیں پڑھیں، اور دوسرے سال مشکوٰۃ شریف، ہدایہ آخرین تفسیر بیضاوی، وغیرہ کتابیں پڑھیں، اور ۱۳۸۲ھ موافق ۱۹۶۲ء میں جو کہ دارالعلوم دیوبند کا سوواں سال ہے دورہ حدیث کی تکمیل فرمائی، آپ نے دارالعلوم دیوبند میں جن حضرات اکابر سے پڑھا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی (۲) حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہری (۳) حضرت مولانا سید جن صاحب دیوبندی (۴) حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب کیرانوی (۵) حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی (۶) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبندی (۷) حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مراد آبادی (۸) حضرت مولانا محمد ظہور صاحب دیوبندی (۹) فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادی (۱۰) امام المعقول والمعتقل حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی (۱۱) مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری (۱۲) شیخ محمود عبد الوہاب محمود صاحب مصری قدس اللہ اسرارہم ونور اللہ قبورہم (۱۳) اور حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب، بلند شہری دامت برکاتہم وعتمت فیوہم۔

اس وقت آپ کے مذکورہ بالا اساتذہ کرام میں سے صرف دو حضرات بقید حیات ہیں، دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب مدظلہ اور مظاہر علوم میں حضرت مولانا وقار علی صاحب بجنوری زید مجدہم۔ باقی تمام اساتذہ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ موصوف اپنے بعض احوال اور کتب حدیث کے اساتذہ کرام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ: خاکپائے علماء: سعید احمد بن یوسف بن علی بن حیو (یعنی یحییٰ) بن نور محمد پالن پوری، گجراتی ثم دیوبندی، تاریخ ولادت محفوظ نہیں، والد ماجد رحمہ اللہ نے اندازے سے ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۲ء بتائی ہے، (والد صاحب کا بتایا ہوا اندازہ وہ ہے جو پہلے گذرا ہے) دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ۱۳۸۰ھ میں لیا، اور ۱۳۸۲ھ میں فاتحہ فراغ پڑھا، بخاری شریف حضرت فخر المحدثین سے، مقدمہ مسلم شریف و مسلم شریف کتاب الایمان و ترمذی شریف جلد اول حضرت علامہ بلیاوی سے، اور باقی مسلم شریف حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہری سے، اور ترمذی جلد ثانی مع کتاب العلل و شمائل اور ابوداؤد شریف حضرت علامہ فخر الحسن مراد آبادی سے، نسائی شریف حضرت مولانا محمد ظہور صاحب دیوبندی سے، طحاوی شریف حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوری سے، اور

مکتوٰۃ شریف حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندی سے، اور ان کے انتقال کے بعد جلد اول حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب دیوبندی سے، اور جلد دوم حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی سے پڑھی، اس سال موطا مالک حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی اور موطا محمد حضرت مولانا عبد الاحد صاحب دیوبندی کے پاس تھی۔ (مشاہیر محدثین و فقہائے کرام ص ۷۷ و ۷۸)

اول نمبر سے کامیابی

آپ بچپن سے ہی نہایت ذہین و فطین، کتب بنی اور محنت کے عادی تھے، اس پر مذکورہ بالا اساتذہ کرام کی تعلیم و تربیت نے آپ کی استعداد و صلاحیت کو بائیس سال کی عمر میں ہی بام عروج پر پہنچا دیا تھا، چنانچہ دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم دینی درسگاہ کے سالانہ امتحان میں آپ نے اول نمبر سے کامیابی حاصل کی تھی، جبکہ اس سال بعض پختہ استعداد والے فارغ شدہ فضلاء نے بھی دورہ حدیث میں محض اس غرض سے داخلہ لیا تھا کہ وہ اول نمبر سے کامیاب ہوں گے، آپ نے کتب حدیث کے سالانہ امتحان میں جو نمبرات حاصل کئے تھے اور اس پر جو انعام پایا تھا وہ حسب ذیل ہے:

نمبر اول: مولوی سعید احمد پالن پوری، بخاری شریف ۵۰، ترمذی شریف ۵۰، ابو داؤد شریف ۵۰، نسائی شریف ۵۰، ابن ماجہ شریف ۵۰، طحاوی شریف ۵۰، شمائل ۵۰، موطا امام مالک ۵۰، موطا امام محمد ۵۰، مسلم شریف ۴۵، عمومی انعام: قرآن مجید مجلد، شرح عقائد نفی، ملا حسن، خصوصی انعام: تفسیر بیان القرآن مکمل (رونداد ۱۳۸۲ھ)

دارالافتاء میں داخلہ اور آپ کا پہلا شاگرد

دورہ حدیث سے فراغت کے بعد آپ نے شوال ۱۳۸۲ھ میں تکمیل افتاء کے لئے درخواست دی، یکم ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ کو آپ کا دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہو گیا، اور حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری کی نگرانی میں کتب فتاویٰ کا مطالعہ اور فتویٰ نویسی کی مشق کا آغاز فرمایا۔

آپ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑے ہیں، اس لئے دورہ حدیث سے فراغت کے بعد اپنے بھائیوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، اور راقم الحروف کو ۱۳۸۲ھ میں اپنے ہمراہ دیوبند لائے، اور حضرت قاری کامل صاحب دیوبندی کی درسگاہ میں احقر کو حفظ قرآن

کریم کے لئے بٹھایا، مگر میں اپنی نااہلیت کی وجہ سے قاری صاحب مرحوم سے ٹھیک سے استفادہ نہ کر سکا تو میرے حفظ قرآن کی پوری ذمہ داری آپ نے سنبھالی، اور ڈیڑھ سال میں مجھے حافظ بنادیا۔ اسی سال آپ نے ساتھ الشیخ محمود عبد الوہاب محمود صاحب مصری کے پاس حفظ بھی شروع کیا، جو قرآن کریم کے جید حافظ اور مصری قاری تھے، اور جملعۃ الازہر قاہرہ کی طرف سے دارالعلوم دیوبند میں مبعوث تھے۔

الغرض ۱۳۸۲ھ اور ۱۳۸۳ھ میں آپ ایک طرف کتب فتاویٰ کا مطالعہ، فتویٰ نویسی کی مشق کرتے تھے، دوسری طرف احقر کو حفظ کراتے تھے اور خود بھی حفظ کرتے تھے، اور ان کاموں میں ایسے مصروف و منہمک تھے کہ رمضان المبارک میں بھی وطن تشریف نہیں لے گئے، اور میں بھی نہیں گیا۔ رمضان المبارک کے بعد اپنے دوسرے بھائی مولوی عبد المجید زید مجدہم کو بھی دیوبند بلالیا۔ ادھر افتاء کمیٹی نے آپ کی صلاحیتوں کو مزید پروان چڑھانے کے لئے دارالافتاء کے داخلہ میں ایک سال کی توسیع کر دی، چنانچہ ۸۲-۱۳۸۳ھ میں آپ بھائی مولوی عبد المجید صاحب کو فارسی کی کئی کتابیں پڑھاتے تھے، مجھے حفظ کراتے تھے، خود ایک طرف حفظ کرتے تھے دوسری طرف فتویٰ نویسی کی خوب مشق کرتے تھے، اور فتویٰ نویسی میں اتنی مہارت رکھتے تھے کہ چھ ماہ کے بعد دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام نے آپ کا معین مفتی کی حیثیت سے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں تقرر کر دیا، جبکہ اس زمانہ میں معین مفتی رکھنے کا رواج نہیں تھا، جیسا کہ اب ہے، مفتی سید مہدی حسن صاحب اپنی ایک رپورٹ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

”۱۳۸۳ھ میں میری غیبت میں کمیٹی نے بارہ طلباء کا انتخاب کیا تھا، جن میں پانچ امدادی اور سات غیر امدادی تھے، جن کو میں نے آکر مشق کرائی، اور ان کو رسم المفتی ختم کرائی اور سالانہ امتحان میں کامیاب ہوئے، جن کے نام ذیل میں درج ہیں:

مولوی سعید احمد پالن پوری: یہ وہی طالب علم ہیں جن کو بطور اجیر فتویٰ نویسی کے لئے رکھا گیا، جو مفتی محمود حسن (نانوتوی) صاحب کے معاون افتاء، اور استخراج جزئیات از کتب فقہ میں معین تھے..... والسلام

سید مہدی حسن غفرلہ خادم دارالافتاء

دارالعلوم دیوبند ۵-۱-۸۵ھ

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

۱۳۸۳ھ میں چونکہ مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری بیمار ہو کر اپنے وطن شاہ جہاں پور چلے گئے تھے، اس لئے دارالافتاء میں ایک نئے مفتی حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نانوتوی کا تقرر ہوا تھا اس زمانہ میں موصوف کو مفتی محمود حسن صاحب نانوتوی کا معین بنایا گیا تھا، آپ نے مفتی صاحب کا ایسا تعاون فرمایا، اور اپنی مہارت کا ایسا ثبوت پیش کیا کہ مفتی محمود حسن صاحب نانوتوی قدس سرہ نے ۱۳۸۴ھ کے آخر میں حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام ایک طویل تحریر لکھی، اور آپ کے تقرر کی سفارش فرمائی۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ نے مفتی صاحب کے حسب ایما افتاء کمیٹی کے ممبران کے نام ایک تحریر لکھی، اور دفتر کو روانہ کرنے کے لئے دی تو بعض حضرات نے وہ تحریر کو ادی اور آپ کا مستقل تقرر نہ ہو سکا۔ جب حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہ نے آپ کو اس کی اطلاع دی تو آپ کو قدرتی طور پر صدمہ ہوا اس پر حضرت علامہ نے ارشاد فرمایا کہ: ”مولوی صاحب! گھبراؤ نہیں، اس سے اچھے آؤ گے“ یہ پیشین گوئی نو سال کے بعد بحمد اللہ حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

راندیر میں آپ کا تقرر

الغرض اللہ جل شانہ و عم نوالہ کی طرف سے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کی تدریس اور فتویٰ نویسی کی جو راہیں کھلی تھیں، کرم فرماؤں کی کوششوں سے بند ہو گئیں، تو حضرت علامہ بلیاوی قدس سرہ کے توسط سے آپ کا تقرر دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں درجہ علیا کے استاذ کی حیثیت سے ہو گیا۔

۲۱ شوال ۱۳۸۴ھ کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند کو خیر باد کہہ کر آپ پہلے گھر تشریف لے گئے، ایک ہفتہ گھر پر قیام کیا، والدین کی زیارت کا شرف حاصل کیا، پھر بھائی مولوی عبد المجید صاحب کو جو احقر سے تقریباً دو سال بڑے ہیں اور مولوی حبیب الرحمن صاحب کو جو مجھ سے تقریباً سات آٹھ سال چھوٹے ہیں، اور راقم الحروف کو ساتھ لے کر راندیر (سورت) تشریف لے گئے۔ اور دارالعلوم اشرفیہ میں تدریس کا آغاز فرمایا۔

راندیر میں آپ کی خدمات

ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ سے شعبان ۱۳۹۳ھ تک (۹ سال) دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں موصوف نے ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، طحاوی شریف، شاکل، موطن، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف مع الفوز الکبیر، ترجمہ قرآن کریم، ہدایہ آخرین، شرح عقائد نسفی، اور حسامی وغیرہ بہت سی کتابیں پڑھائیں، اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، اسی عرصہ میں موصوف نے ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں، حرمت مصاہرت، العون الکبیر اور مولانا محمد بن طاہر پٹنی قدس سرہ کی ”المغنی“ کی عربی شرح وغیرہ تصانیف ارقام فرمائیں، جن میں سے پہلی تین تصنیفات شائع ہو چکی ہیں، اور آخری تصنیف ابھی تک شائع نہیں ہوئی، نیز اسی زمانہ میں موصوف نے قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی کتابوں اور علوم و فنون کی تسہیل و تشریح کا آغاز فرمایا۔ ایک مضمون ”افادات نانوتوی“ کے نام سے اسی زمانہ میں الفرقان لکھنؤ میں قسط وار شائع ہوا تھا، جو نہایت قیمتی مضمون ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر

موصوف کے استاذ محترم حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری نے جو پہلے جامعہ حسینیہ راندیر میں پڑھاتے تھے، پھر دارالعلوم دیوبند میں ان کا تقرر ہو گیا تھا موصوف کو خط سے مطلع کیا کہ دارالعلوم دیوبند میں ایک مدرس کی جگہ خالی ہے، لہذا آپ دارالعلوم میں تدریس کی درخواست بھیجیں۔ موصوف نے جناب مولانا حکیم محمد سعد رشید صاحب انجیری مدظلہ کے مشورہ سے درخواست بھیج دی، اس کے ہمراہ ایک مکتوب حضرت قاری محمد طیب صاحب کے نام ارسال فرمایا۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ نے اس کے جواب میں جو گرامی نامہ بھیجا وہ درج ذیل ہے:

محترمی و مکرمی زید مجدکم

سلام مسنون، نیاز مقرون، گرامی نامہ باعث مسرت ہوا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب پر کام کرنے کی اطلاع سے غیر معمولی خوشی ہوئی، جو صورت آپ نے اختیار فرمائی ہے وہ مناسب ہے، خود میرے ذہن میں ان کتب کی خدمت کی مختلف صورتوں میں سے ایک

یہ صورت بھی تھی، الفرقان میں پڑھنے کی نوبت نہیں آئی، ان شاء اللہ رسائل منگوا کر مستفید ہوں گا، اور جو رائے قائم ہوگی وہ عرض کروں گا۔

درخواست منسلکہ مجلس تعلیمی میں بھیج رہا ہوں، اس پر وہاں سے کوئی کارروائی ضرور کی جائے گی، اس کی اطلاع دی جائے گی، دعا کی درخواست، قاسم العلوم (کے) میرے پاس دو نسخے تھے، ایک نسخہ اسی ضرورت سے وہاں بھیجا گیا، مگر واپس نہیں ہوا، اب ایک رہ گیا ہے جو صاحبِ نقل کرنا چاہیں وہ ایک وقت مقرر کر کے میرے کتب خانہ میں ہی بیٹھ کر نقل فرمایا کریں۔ اور یہاں بحمد اللہ خیریت ہے والسلام

محمد طیب از دیوبند

۷-۷-۹۳ھ

یہ گرامی نامہ ۷/رجب ۱۳۹۳ھ کا لکھا ہوا ہے، اسی سال شعبان میں جب مجلس شوریٰ کا انعقاد ہوا، اور درجات عربیہ کے لئے ایک مدرس کے تقرر کا تذکرہ آیا تو حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی قدس سرہ نے موصوف کا نام پیش کیا اور اسی مجلس میں موصوف کا تقرر ہو گیا، موصوف کو شعبان ہی میں اس کی اطلاع دے دی گئی، رمضان المبارک کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے، اس وقت سے آج تک موصوف دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ موصوف کی عمر میں برکت عطا فرمائیں، اور ان کے فیوض و برکات کو عام اور تام فرمائیں! آمین یا رب العالمین!

دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی خدمات

شوال ۱۳۹۳ھ سے ان سطور کے لکھنے تک موصوف نے دارالعلوم دیوبند میں جو کتابیں پڑھائیں اور پڑھا رہے ہیں ان کی تفصیل سن وار درج ذیل ہے:

۹۳-۹۳ھ میں: مسلم الثبوت، ہدایۃ اول، سلم العلوم، ہدیۃ سعیدیہ، جلالین شریف نصف اول مع الفوز الکبیر، ملا حسن۔

۹۵-۱۳۹۳ھ میں: مسلم الثبوت، شرح عقائد جلالی، ملا حسن، جلالین شریف نصف ثانی مع الفوز الکبیر۔

- ۹۶-۱۳۹۵ھ میں: مسامرہ، دیوان متنبتی، میبذی، تفسیر بیضاوی پارہ ۲۱ تا ۲۵
- ۹۷-۱۳۹۶ھ میں: دیوان متنبتی، تفسیر بیضاوی پارہ ۲۶ تا ۳۰، ملا حسن، مشکوٰۃ شریف (عارضی)
- ۹۸-۱۳۹۷ھ میں: مشکوٰۃ شریف جلد ثانی مع نخبۃ الفکر، حسامی (صرف قیاس) ملا حسن، سبغہ معلقہ۔ ہدایہ رابع ثانی، موطا امام مالک۔
- ۹۹-۱۳۹۸ھ میں: دیوان حماسہ، سبغہ معلقہ، بیضاوی شریف سورۃ بقرہ، مشکوٰۃ شریف جلد ثانی مع نخبۃ الفکر، تفسیر مظہری پارہ ۱۶ تا ۲۰، موطا امام مالک، سراجی، نسائی شریف۔
- ۱۴۰۰ھ میں: مشکوٰۃ شریف جلد ثانی مع نخبۃ الفکر، بیضاوی شریف پارہ ۲۱ تا ۲۵، دیوان حماسہ، سبغہ معلقہ، موطا امام مالک، سراجی۔
- ۱۴۰۱ھ میں: مشکوٰۃ شریف جلد اول مع نخبۃ الفکر، بیضاوی شریف پارہ ۲۶ تا ۳۰، تفسیر مدارک پارہ ۱۶ تا ۲۰، سراجی، موطا امام محمد۔
- ۱۴۰۲ھ میں: ترمذی شریف، بیضاوی شریف سورۃ بقرہ، ابو داؤد شریف، بخاری شریف، جلد ثانی موطا امام مالک، موطا امام محمد۔
- ۱۴۰۳ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، بیضاوی شریف سورۃ بقرہ، مسلم شریف جلد اول، مقدمہ ابن صلاح، رشیدیہ، ابن ماجہ شریف،
- ۱۴۰۴ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، بیضاوی شریف سورۃ بقرہ، ہدایہ رابع، طحاوی شریف۔
- ۱۴۰۵ھ میں: ترمذی شریف جلد اول: بیضاوی شریف سورۃ بقرہ۔ ہدایہ ثالث، بخاری شریف جلد اول، طحاوی شریف۔
- ۱۴۰۶ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، تفسیر القرآن، ہدایہ رابع، طحاوی شریف۔
- ۱۴۰۷ھ میں: تلخیص الاقان، ترمذی شریف جلد اول، ہدایہ رابع، طحاوی شریف۔
- ۱۴۰۸ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، ہدایہ رابع، طحاوی شریف، حجۃ اللہ البالغہ۔
- ۱۴۰۹ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، ہدایہ رابع، طحاوی شریف، حجۃ اللہ البالغہ۔
- ۱۴۱۰ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، ہدایہ ثالث، طحاوی شریف، پڑھائیں — اور
- ۱۴۱۱ھ سے ان خدمات کے تذکرہ تک ترمذی شریف جلد اول، طحاوی شریف، اور حجۃ اللہ البالغہ پڑھا رہے ہیں۔

دیگر خدمات

مذکورہ بالا تعلیمی و تدریسی خدمات کے علاوہ موصوف نے دارالعلوم دیوبند میں جو خدمات انجام دیں، اور دے رہے ہیں ان کے مفصل تذکرہ کی اس مختصر تعارف میں گنجائش نہیں، صرف چند خدمات کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

① ۱۴۰۲ھ میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب زید مجدہم نے طویل رخصت بلے لی تھی، حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہ سہارن پور چلے گئے تھے، اور کچھ مفتیان کرام نے دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اس لئے ارباب انتظام نے موصوف اور راقم الحروف کو کتب متعلقہ کی تدریس کے ساتھ شعبہ افتاء کی نگرانی اور فتویٰ نویسی کا حکم دیا تھا، جس کو بحسن و خوبی موصوف اور راقم الحروف نے انجام دیا، دونوں حکموں کی نقل درج ذیل ہے:

نقل حکم ۳۵۳۲ برائے دارالافتاء مورخہ ۱۴/۱۰/۱۴۰۲ھ

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب ناظم شعبہ دارالافتاء نے طویل رخصت حاصل کی ہے، حضرت موصوف کی عدم موجودگی میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شعبہ کی نگرانی کریں گے، اور تمام جوابات ان کی تصحیح کے بعد ہی روانہ ہوں گے، اس لئے کوئی فتویٰ بغیر مولانا کے دستخط کے دارالافتاء سے روانہ نہ کیا جائے۔

(مولانا) نصیر احمد

نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

نقل حکم ۳۵۷۲

مولانا مفتی محمد امین صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند سلام مسنون، دارالافتاء میں افتاء کی ڈاک اور جوابات کے کام کے پیش نظر طے کیا گیا ہے کہ آپ روزانہ دو گھنٹہ دارالافتاء میں تشریف لا کر فتویٰ تحریر فرمادیا کریں۔

(مولانا) نصیر احمد

نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۶ شوال ۱۴۰۲ھ

اس سے پہلے ۱۳۹۵ھ میں بھی موصوف کو دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کی نگرانی سپرد کی گئی تھی، جس کی نقل حسب ذیل ہے:

گرامی خدمت مولانا سعید احمد صاحب مدرس دارالعلوم

سلام مسنون، دارالافتاء میں اس وقت نہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب ہیں، اور نہ دوسرے دونوں حضرات ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فارغ اوقات میں آپ دارالافتاء میں تشریف رکھ کر کاموں کی نگرانی فرمادیں۔ دارالافتاء میں بھی اس کی نقل ارسال کی جا رہی ہے۔

(مولانا) نصیر احمد

نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۳۹۵/۲/۷ھ

(۲) جب سے دارالعلوم دیوبند میں ”مجلس تحفظ ختم نبوت“ کا قیام عمل میں آیا ہے، آپ اس کے ناظم اعلیٰ ہیں ۱۳۱۹ھ میں آپ نے اس منصب سے سبکدوش ہونے کی مجلس شوریٰ سے درخواست کی تھی، مگر مجلس شوریٰ نے منظور نہیں فرمائی، اور ایک ہزار روپے ماہانہ الاؤنس کے طور پر طے فرمائے، مگر موصوف نے الاؤنس لینے سے انکار کر دیا، اور ذمہ داری کو سنبھال رہے ہیں، تجویز کی نقل حسب ذیل ہے۔

مکرمی و محترمی حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدکم

سلام مسنون، مجلس شوریٰ منعقدہ صفر ۱۴۱۹ھ کی منظور شدہ تجویز جناب کے ملاحظہ کے لئے ارسال ہے:

تجویز ۶، باجائز صدر:

جناب مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری کی تحریر تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ کے منصب کی ذمہ داری سے سبکدوشی کے بارے میں پیش ہوئی — شوریٰ جناب مولانا موصوف کی اس سلسلہ میں خدمات کو بنظر استعسان دیکھتی ہے، اور شعبہ کی اہمیت اور ضرورت کی بناء پر تحریر کو قبول نہ کرتے ہوئے، جناب مولانا موصوف کی بحیثیت ناظم اعلیٰ شعبہ سے

وابستگی کو برقرار رکھتی ہے، نیز موصوف کو مشغولیت اوقات کی بناء پر مبلغ ایک ہزار روپیہ ماہانہ الاؤنس دیا جانا منظور کرتی ہے۔

(مولانا) نصیر احمد

قائم مقام مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۳۱۹/۳/۶ھ

میں نے یہ وظیفہ لینے سے انکار کر دیا ہے

سعید احمد پالن پوری

(۳) مذکورہ بالا خدمات کے علاوہ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم جو تحریری اور تقریری خدمت موصوف کو سپرد فرماتے ہیں اس کو بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں جس کی تفصیل طویل ہے اس مختصر تعارف میں اس کی گنجائش نہیں۔

تصنیفی خدمات

موصوف کی تصانیف جو شائع ہو کر مشرق و مغرب میں پھیل چکی ہیں، ان کا تعارف درج ذیل ہے:

(۱) تفسیر ہدایت القرآن: یہ مقبول عام و خاص تفسیر ہے، پارہ ۳۰ اور ایک ۹۲ حضرت مولانا محمد عثمان کاشف البہاشی صاحب رحمہ اللہ کے لکھے ہوئے ہیں اور ۱۵ تا ۱۰ موصوف نے لکھے ہیں، آگے کام جاری ہے۔

(۲) الفوز الکبیر کی تعریب جدید: یہ سابقہ تعریب کی تہذیب ہے، دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے۔

(۳) العون الکبیر: یہ الفوز الکبیر کی بہترین عربی شرح ہے، پہلے قدیم تعریب کے مطابق تھی، اب جدید تعریب کے مطابق کردی گئی ہے۔

(۴) فیض المنعم: یہ مقدمہ مسلم شریف کی معیاری اردو شرح ہے، جو ترکیب، حل لغات اور فن حدیث کی ضروری بحثوں پر مشتمل ہے۔

(۵) تحفۃ الدور: یہ نخبۃ الفکر کی بہترین اردو شرح ہے، کتب حدیث پڑھنے والوں خصوصاً

مشکوٰۃ شریف پڑھنے والوں کے لئے نہایت قیمتی سوغات ہے۔

(۶) مبادی الفلفہ: اس میں فلسفہ کی تمام اصطلاحات کی عربی زبان میں مختصر اور عمدہ وضاحت کی گئی ہے، دارالعلوم دیوبند، اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے۔

(۷) معین الفلفہ: یہ مبادی الفلفہ کی بہترین ارزو شرح ہے، اور حکمت و فلسفہ کے پیچیدہ مسائل کی عمدہ وضاحت پر مشتمل معلومات افزا کتاب ہے۔

(۸) مفتاح التہذیب: یہ علامہ تفتازانی کی ”تہذیب المنطق“ کی ایسی عمدہ شرح ہے کہ اس سے ”شرح تہذیب“ جو مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے، خوب حل ہو جاتی ہے۔

(۹) آسان منطق: یہ تیسیر المنطق کی تہذیب ہے، دارالعلوم دیوبند اور بہت سے مدارس میں ”تیسیر المنطق“ کی جگہ پڑھائی جاتی ہے۔

(۱۰) آسان نحو (دو حصے)

(۱۱) آسان صرف (دو حصے) علم نحو اور علم صرف کی جو کتابیں اردو میں لکھی گئی ہیں، ان میں عام طور پر تدریج کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، جبکہ یہ بات نہایت ضروری ہے، اس نصاب کو ان ضرورت کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے، یہ نصاب نہایت مفید اور بہت سے مدارس میں داخل درس ہے۔

(۱۲) محفوظات: (تین حصے) یہ آیات و احادیث کا مجموعہ ہے، جو طلبہ کے حفظ کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ بہت سے مدارس و مکاتب میں داخل نصاب ہے۔

(۱۳) آپ فتویٰ کیسے دیں؟: یہ علامہ محمد امین بن عابدین شامی کی شہرہ آفاق کتاب ”شرح عقود رسم المفتی“ کی نہایت عمدہ شرح ہے۔

(۱۴) کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟: یہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی کتاب ”توثیق الکلام“ کی نہایت آسان عام فہم شرح ہے۔

(۱۵) حیات امام ابو داؤد: اس میں امام ابو داؤد سجستانی کی مکمل سوانح، سنن ابی داؤد کا تفصیلی تعارف، اور اس کی تمام شروحات و متعلقات کا مفصل جائزہ سائنس اور لٹریچر میں پیش کیا گیا ہے۔

(۱۶) مشاہیر محدثین و فقہائے کرام اور تذکرہ راویان کتب حدیث: اس میں خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ، ازواج مطہرات، بنات طیبات، مدینہ کے فقہائے سبعہ، مجتہدین امت، محدثین کرام،

روایان کتب حدیث، شارحین حدیث، فقہائے ملت، مفسرین عظام، متکلمین اسلام اور مشہور شخصیات کا مختصر جامع تذکرہ ہے۔ حدیث کے ہر استاد اور طالب علم کے پاس اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔

(۱۷) حیات امام طحاوی: اس میں امام ابو جعفر طحاوی کے مفصل حالات زندگی، ناقدین پر رد، تصانیف کا تذکرہ، نظر طحاوی کی توضیح اور شرح معانی الآثار کا تفصیلی تعارف ہے۔

(۱۸) اسلام تغیر پذیر دنیا میں: یہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جامعہ ملیہ دہلی کے سمیناروں میں پڑھے گئے چار قیمتی مقالوں کا مجموعہ ہے۔

(۱۹) نبوت نے انسانیت کو کیا دیا؟: یہ مقالہ جامعہ ملیہ دہلی کے ایک جلسہ میں پیش کیا گیا تھا، پہلے وہ علحدہ شائع ہوا تھا، اب اس کو ”اسلام تغیر پذیر دنیا“ میں شامل کر دیا گیا ہے۔

(۲۰) ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں: ناخن تراشنے، بغل کے بال اور زیر ناف لینے، مسواک کرنے، کلی اور ناک صاف کرنے، جسم کے جوڑوں کو دھونے، ختنہ کرنے، بانی سے استیفاء کرنے، بالوں میں مانگ نکالنے، مونچھیں تراشنے اور ڈاڑھی رکھنے کے متعلق واضح احکامات، مسائل، دلائل اور فضائل کا مجموعہ ہے، ڈاڑھی پر ہونے والے اعتراضوں کے جوابات بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔

(۲۱) حرمت مصاہرت: اس میں سرالی اور دلمادی رشتوں کے مفصل احکام، اور ناجائز انشقاق کا مدلل حکم بیان کیا گیا ہے۔

(۲۲) تسہیل اولہ کاملہ: یہ حضرت شیخ الہند کی مایہ ناز کتاب ”اولہ کاملہ“ کی نہایت عمدہ شرح ہے اس میں غیر مقلدین کے چھیڑے ہوئے دس مشہور مسائل کی مکمل تفصیل ہے۔ موصوف نے یہ کتاب مجھے املا کرائی تھی میں نے اس کو مرتب کیا ہے، یہ شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔

(۲۳) حواشی و عناوین ایضاح الادلۃ: ایضاح الادلۃ حضرت شیخ الہند کی شہرہ آفاق کتاب ہے، اس پر موصوف نے نہایت مفید حواشی ارقام فرمائے ہیں، اور بغلی عناوین بڑھائے ہیں، یہ کتاب بھی شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔

(۲۴) حواشی امداد الفتاویٰ: موصوف نے قیام راندیر کے زمانے میں یہ حواشی لکھنے شروع کئے تھے صرف جلد اول پر کام کیا تھا جو طبع ہو گیا ہے باقی جلدوں پر کام نہیں ہوا۔ یہ حواشی بھی اہل علم میں وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

(۲۵) افادات نانوتوی: یہ موصوف کا ایک نہایت قیمتی مضمون ہے، جس کو دارالعلوم اشرفیہ راندیر کی تدریس کے زمانہ میں ارقام فرمایا تھا، اور اسی زمانہ میں الفرقان لکھنؤ میں قسط وار شائع ہوا تھا۔

(۲۶) افادات رشیدیہ: یہ موصوف کا دوسرا نہایت مفید مضمون ہے، جس کو دارالعلوم دیوبند کی تدریس کے آغاز میں ارقام فرمایا تھا، اور اسی وقت رسالہ دارالعلوم دیوبند میں قسط وار شائع ہوا تھا یہ موصوف کی وہ تصانیف اور مضامین ہیں جو شائع ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ درج ذیل تصانیف بھی ہیں جو ابھی تک شائع نہیں ہوئیں۔

(۲۷) رحمة الله الواسعة: یہ حجتہ اللہ البالغہ کی مبسوط اردو شرح ہے، جو زیر تصنیف ہے حجتہ اللہ البالغہ کی تشریح ایک بھاری قرضہ ہے جو ڈھائی سو سال سے امت کے ذمہ باقی چلا آ رہا ہے۔ مولانا موصوف عرصہ سے دارالعلوم دیوبند میں حجتہ اللہ البالغہ پڑھاتے ہیں، اب آپ اس کی شرح تحریر فرما رہے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ شرح جلد پوری ہو اور منظر عام پر آئے (آمین)

(۲۸) تہذیب المغنی: المغنی علامہ محمد بن طاہر پٹنی قدس سرہ کی اسماء رجال پر بہترین کتاب ہے، موصوف نے اس کی عربی میں شرح لکھی ہے، مگر ابھی تک شائع نہیں ہوئی، کیونکہ ابھی اس کی تکمیل نہیں ہو سکی ہے، باب الراء تک لکھی گئی ہے۔

(۲۹) زبدۃ الطحاوی: یہ نام طحاوی کی شہرہ آفاق کتاب ”شرح معانی الآثار“ کی عربی تلخیص ہے، مگر جہاں تک عام طور پر طحاوی شریف پڑھائی جاتی ہے وہاں تک کام ہوا ہے اس لئے اس کو شائع نہیں کیا گیا ہے۔

(۳۰) موصوف کے فتاویٰ: موصوف کے بہت سے فتاویٰ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے رجسٹروں میں اور بعض نہایت قیمتی فتاویٰ حضرت کے ذاتی رجسٹر میں محفوظ ہیں، مگر ابھی تک شائع نہیں ہوئے۔

تبلیغی خدمات

مذکورہ بالا تعلیمی و تدریسی اور تصنیفی مصروفیات کے باوجود آپ ملک و بیرون ملک کے دورے کرتے رہتے ہیں، اور جو حضرات دینی باتیں سننے کے مشتاق ہیں، ان کو اپنی نواسنجیوں سے نوازتے

رہتے ہیں، اس کی تفصیل نہایت طویل ہے، مختصر یہ کہ آپ دارالعلوم دیوبند کی تدریس کو بحسن و خوبی انجام دیتے ہوئے اور تصنیفی کام جاری رکھتے ہوئے، درمیان سال میں وقتاً فوقتاً ملک و بیرون ملک کے مختصر دورے کرتے رہتے ہیں، اور رمضان المبارک کی طویل تعطیل میں کبھی برطانیہ کبھی کنڑا، کبھی افریقہ اور امریکہ تشریف لے جاتے ہیں، ایک دن میں کئی کئی تقریریں کرتے ہیں، سعادت مند سامعین کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت، خوف خدا و فکر آخرت اور اعمال صالحہ پر ابھارتے رہتے ہیں، حرام اور منکر باتوں سے نہایت مؤثر انداز میں باز رہنے کی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔

انداز خطابت اور تصنیفی خصوصیات

جس طرح موصوف کا انداز خطابت نہایت مؤثر، درس نہایت مقبول اور عام فہم ہوتا ہے، اسی طرح آپ کی تمام تصانیف نہایت آسان، عام فہم اور مقبول عام و خاص ہیں، آپ کی تقریریں نہایت مبسوط اور علمی نکات سے پر، اور تقریریں نہایت مرتب، واضح اور جامع ہوتی ہیں، اسی لئے آپ کی کئی تصانیف دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہیں، اور ان ہی خصوصیات کی بناء پر حضرت مولانا راشد مدنی صاحب، دامت برکاتہم تاظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند آپ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

محترم المقام حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جزاکم اللہ خیر الجزاء: آپ نے مصطلحات فلسفہ کو یکجا جمع فرمادیا، طالب علم کو ابتداء میں اس سے بڑی مدد ملے گی، ان مصطلحات کو یاد کر لینے اور سمجھ لینے کے بعد ان شاء اللہ اس فن کے مباحث بھی متحضر ہو سکیں گے، اس کی ضرورت ہے کہ دیگر فنون: علم نحو و صرف وغیرہ کے مبادیات و مصطلحات بھی اسی طرح مختصر انداز میں مرتب فرمادیں، تاکہ اساتذہ ان کو حفظ کرائیں، اور طالب علم کو ان فنون میں بصیرت ہو سکے، میں نے کچھ روز پیشتر مولوی خورشید انور صاحب سے کہا تھا کہ فقہ میں معاملات کی بحث میں بالخصوص جو اصطلاحی الفاظ

آتے ہیں، ان کی تعریفات جمع کر دی جائیں، تاکہ طالب علم ان تعریفات کو سمجھ لینے اور یاد کر لینے کے بعد کتاب میں پڑھتے ہوئے جزئیات کو ان پر منطبق کرنا چلے اور استاذ متنبہ کرنا ہے۔

الحمد للہ سلف صالح رحمہم اللہ سب کام کر گئے، ان کو تتبع اور تلاش کر کے جمع کر دیا جائے، ان شاء اللہ اس سے نفع کثیر کی توقع ہے، آپ جناب والا نے باحسن وجوہ فلسفہ کی اصطلاحات کو جمع فرمایا ہے، ضرورت ہے اس سلسلہ کو آگے بڑھائیں، اور ہر فن کے مبادیات کو جمع فرمادیں، تعلیم و تعلم کے لئے ان شاء اللہ یہ چیز نفع کثیر کا سبب بنے گی، امید ہے کہ اس گزارش کو قبول فرمائیں گے والسلام

ارشاد

۱۴۱۸/۳/۷ھ

ترقیات کا راز

استاذ محترم کو اللہ جل شانہ و عم نوالہ نے بہت سی خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے، آپ کا ذوق لطیف، طبیعت سادہ اور نفیس ہے، مزاج میں استقلال اور اعتدال ہے، فطرت میں سلامت روی اور ذہن رساکے مالک ہیں، زود نویس اور خوش نویس ہیں۔ حق و باطل اور صواب و خطا کے درمیان امتیاز کرنے کی وافر صلاحیت رکھتے ہیں اور حقائق و معارف کے ادراک میں یکماتے زمانہ ہیں۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ موصوف اپنے کاموں میں نہایت چست اور حالات کا جوانمردی سے مقابلہ کرنے والے ہیں، میں نے حضرت اقدس جیسا شب و روز محنت کرنے والا مصروف آدمی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، آپ کے تمام شاگرد جانتے ہیں کہ آپ کا درس کتنا مقبول ہے؟ اور جن حضرات کو آپ کی تصانیف دیکھنے، اور تقاریر سننے کا موقع ملا ہے، وہ جانتے ہیں کہ آپ کی تصانیف اور تقاریر کتنی پر مغز، مرتب اور جامع ہوتی ہیں؟ اور آپ کے خدام جانتے ہیں کہ حضرت اقدس اپنی اور اپنے متعلقین کی کتابوں کی تصحیح و طباعت کا کتنا اہتمام فرماتے ہیں اور اپنے بھائیوں اور اہل و عیال کی تعلیم و تربیت کا کس قدر خیال فرماتے ہیں؟

اجازت بیعت و ارشاد

موصوف جس طرح علوم ظاہری میں درک و کمال رکھتے ہیں، اسی طرح علوم باطنی سے بھی

بہرہ ور ہیں، مگر اس کا اس قدر اخفاء فرماتے ہیں کہ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ صرف علوم ظاہری میں مہارت رکھتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ طالب علمی کے زمانہ سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ سے بیعت ہیں، اور دیگر بزرگان دین سے بھی فیض یافتہ ہیں، خاص طور پر حضرت اقدس مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کی مجالس میں مظاہر علوم کی طالب علمی کے زمانہ میں شرکت کرتے رہے ہیں۔ اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مظاہری کے مجاز بیعت و ارشاد ہیں، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم و عمت فیوضہم کی سند اجازت مندرجہ ذیل ہے (جو میں نے مولانا سے بمشکل حاصل کی ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم و مکرم جناب مولانا الحاج المفتی سعید احمد صاحب، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کو تو کلاً علی اللہ قلبی اطمینان اور شرح صدر کے ساتھ اجازت بیعت و تلقین دیتا ہوں، الحمد للہ آپ میں علما و علماء ہر طرح سے اس کی صلاحیت و اہلیت موجود ہے، جو اجازت کی بناء ہے، ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء۔

حق تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے اصلاح و تربیت اور تعلیم و تلقین کا کام شروع فرمادیں، حضرت تھانویؒ کی تصانیف، موعظ و ملفوظات کا خود بھی مطالعہ فرماتے رہیں، اور کسی وقت پاس بیٹھنے والوں کو سنا دیا کریں، دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ آپ کو ترقیات ظاہرہ و باطنہ سے نوازے، احقر کو دعائیں یاد رکھیں، والسلام

مظفر حسین المظاہری ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

مدیر الجامعة الاسلامیۃ بمظاہر علوم (وقف)

سہارن پور (یو، پی) الہند۔

زیارت حرمین شریفین

موصوف کئی بار زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل کر چکے ہیں، سب سے پہلے ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں اہلیہ محترمہ کے ساتھ پانی کے جہاز سے سفر کیا، اور فریضہ حج ادا کیا۔ پھر

۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں افریقہ سے دوسرا حج کیا، چونکہ آپ پہلے فرض حج ادا کر چکے تھے، اس لئے موصوف نے یہ دوسرا حج آنحضرت ﷺ کی طرف سے حج بدل کے طور پر کیا ہے۔
 — پھر ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء میں سعودی وزارت حج وادعاف کے مہمان کی حیثیت سے تیسرا حج کیا۔ — اور ایک بار ربیع الاول ۱۴۱۴ھ میں عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔

رحلت والدین ماجدین

جس زمانہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی اور محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری ڈابھیل میں پڑھاتے تھے، اس وقت والد صاحب ڈابھیل میں پڑھتے تھے۔ اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ کے خادم خاص تھے، مگر گھریلو احوال کی وجہ سے تعلیم مکمل نہیں کر سکے تھے۔ اس لئے اپنے صاحب زادوں کو علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا بدر عالم میرٹھی، اور محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری جیسا عالم بنانے کا عظیم جذبہ رکھتے تھے، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ نے والد صاحب کو یہ وصیت کی تھی کہ:

”یوسف! اگر تم اپنے لڑکوں کو اچھا عالم بنانا چاہتے ہو، تو حرام اور ناجائز مال سے پرہیز کرنا، اور بچوں کو بھی ناجائز اور حرام مال سے بچانا، کیونکہ علم ایک نور ہے، ناجائز اور حرام مال سے جو بدن پروان چڑھتا ہے اس میں یہ نور داخل نہیں ہوتا۔ — یہ نصیحت حضرت مولانا نے والد ماجد کو اس لئے کی تھی کہ اس زمانہ میں ہماری ساری قوم بنیوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی اسی زمانہ میں ہمارے دادا نے بیٹے سے سودی قرض لے کر ایک زمین کرایہ پر لی تھی، والد صاحب اس زمانہ میں ڈابھیل کے طالب علم تھے، والد صاحب نے اس معاملہ میں دادا سے اختلاف کیا تو دادا نے والد صاحب کو الگ کر دیا چنانچہ والد صاحب کو حرام سے بچنے کے لئے مجبوراً تعلیم چھوڑ کر اپنا گھر سنبھالنا پڑا اور تہیہ کیا کہ چاہے بھوکا رہوں گا مگر حرام کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا تاکہ میں نہیں پڑھ سکا تو اللہ تعالیٰ میری اولاد کو علم دین عطا فرمائیں۔

چنانچہ والد صاحب، ناجائز اور حرام مال بلکہ مشتبہ مال سے بھی پرہیز کرتے تھے، اور اپنی اولاد کو بھی بچاتے تھے، اور ان کی تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ فرماتے تھے، صوم و صلوة کے ایسے

پابند تھے کہ میرے علم کے مطابق ان کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد والد صاحب نے قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا تھا سات آٹھ پارے حفظ کر لئے تھے، مگر عمر نے وفا نہیں کی، ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ میں ایک رات تہجد کی نماز کے لئے اٹھے، گرمی کا احساس ہوا تو غسل کیا، کپڑے بدل رہے تھے کہ سینہ میں تکلیف شروع ہوئی، بھائی عبد المجید کو آواز دی، بھائی عبد المجید جلدی سے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو دیکھا کہ والد صاحب کا پورا بدن پسینہ سے تر ہے، اور والد صاحب سینہ دبا کر چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہیں، جب بھائی مولوی عبد المجید صاحب نے یہ حالت دیکھی تو گھبرا گئے، بھائی عبد الرحمن جو ایک آدھ میل کے فاصلہ پر رہتے تھے ان کو اور ڈاکٹر کو بلانے کی فکر کرنے لگے، تو والد صاحب نے فرمایا کہ: ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت نہیں، یہ کہہ کر تھوڑی دیر میں اللہ کو پیارے ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف اور راقم الحروف کی والدہ ماجدہ دین کی ضروری باتوں سے واقف، امور خانہ داری میں ماہر، نہایت سلیقہ مند، نماز روزے کا خوب اہتمام کرنے والی صالحہ عابدہ اور صابرہ شاکرہ خاتون تھیں، ۱۰/۱۱ محرم الحرام ۱۴۹۹ھ کو عاشرہ کاروزہ رکھ کر اپنے سب سے بڑے بھائی حضرت مولانا ولی محمد صاحب زید مجدہم کی زیارت کا شرف حاصل کیا، جو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کے ڈابھیل کے زمانہ کے شاگرد ہیں، اور اب تک بقید حیات ہیں، مغرب کے وقت روزہ افطار کیا، نماز پڑھی۔ پھر سب نے کھانا کھایا، اور سب آرام کرنے کے لئے چارپائی پر دراز ہو گئے۔ جب عشاء کا وقت ہوا تو والد صاحب کو اور بھائی مولوی عبد المجید کو آواز دے کر اٹھایا اور نماز کے لئے روانہ کیا ہماری چھوٹی بہن سارہ خاتون اپنی بچی کو لے کر لیٹی ہوئی تھیں ان کو اٹھایا تاکہ عشاء کی نماز پڑھیں وہ اٹھ کر نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئیں۔ جب عشاء کی نماز پڑھ کر والد صاحب تشریف لائے تو دیکھا کہ والدہ ماجدہ کے بال چارپائی سے نیچے لٹک رہے ہیں، والد صاحب نے دو تین مرتبہ آواز دی کہ آپ اس طرح کیوں سو رہی ہیں؟ مگر والدہ ماجدہ نے کوئی جواب نہیں دیا، والد صاحب نے بالوں کو درست کرنے کے لئے ہاتھ لگایا تو معلوم ہوا کہ روح پرواز کر چکی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ والدین ماجدین کی بال بال مغفرت فرمائیں! جنت الفردوس کا مکین بنائیں! اور ان کی قبروں کو نور سے بھر دیں! آمین یا رب العالمین۔

اس حادثہ عظیمہ پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ نے برادر

محترم کے نام جو تعزیتی خط ارسال فرمایا تھا وہ حسب ذیل ہے:

۷۸۶

۹۹۹/۲۳

مکرم و محترم مولانا سعید احمد صاحب

سلام مسنون، آپ کے خط سے والدہ ماجدہ کے اچانک حادثہ ارتحال کی اطلاع سے ملال ہوا، انا اللہ وانا الیہ راجعون، والدین کا سایہ حقیقتاً ایک غنیمت کبریٰ اور سعادت عظمیٰ ہے، اس سے محرومی پر جتنا بھی قلق اور رنج ہو کم ہے، تاہم مشیت الہی پر راضی ہونے اور صبر کرنے کے بارہ میں آپ کے سامنے کیا عرض کیا جائے، حق تعالیٰ مرحومہ کو وہاں کی راحتیں عطا فرمائیں۔ اور متعلقین و اہل خاندان کو ان کی حسنت و برکات کا صحیح وارث بنائے، دارالعلوم میں ختم قرآن و ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، ہم سب کی طرف سے مضمون تعزیت اہل خاندان تک پہنچادیں۔ والسلام

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

بھائیوں کی تعلیم و تربیت

موصوف کے ایک اخیانی (ماں شریک) چار حقیقی بھائی اور چار حقیقی بہنیں ہیں، اخیانی بھائی کا نام احمد ہے، جو آپ سے بڑے ہیں، اور حقیقی بھائی بہنوں میں آپ سب سے بڑے ہیں، پھر بھائی عبدالرحمن، پھر بھائی مولوی عبدالجید، پھر راقم الحروف، پھر بھائی مولانا حبیب الرحمن صاحب ہیں جب آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اس وقت بھائی عبدالرحمن کی عمر پندرہ سال سے زیادہ ہو چکی تھی، راقم الحروف اور بھائی عبدالجید مکتب میں پڑھ رہے تھے، اس لئے پہلے احقر کو اپنے ہمراہ دیوبند لائے، پھر ایک سال کے بعد بھائی عبدالجید کو بھی بلا لیا۔ اور فتویٰ نویسی کی مشق اور کتب فقہ کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ ہم دونوں بھائیوں کو پڑھاتے رہے۔ جب آپ مدرس ہو کر راندر (سورت) تشریف لے گئے تو ہم دونوں اور سب سے چھوٹے بھائی مولانا حبیب الرحمن صاحب، جو اس وقت دارالعلوم اشرفیہ راندر میں ترمذی شریف وغیرہ کتابیں پڑھاتے ہیں، سب کو اپنے ہمراہ راندر لے گئے، اور دارالعلوم اشرفیہ کی تدریس کے ساتھ ساتھ ہم تینوں بھائیوں کو پڑھاتے رہے، یہ موصوف کی عجیب مصروفیت کا زمانہ تھا، ہم تینوں بھائی

چونکہ آپ ہی کے پاس پڑھتے تھے، اس لئے دو پہر کو جب پڑھا کر اپنی قیام گاہ پر آتے تھے، تو ہم تینوں بھائیوں کا پچھلا سبق سنتے تھے، آگے سبق پڑھاتے تھے، اور سب کے لئے سالن خود ہی پکاتے تھے، مگر ہفتہ میں صرف دو مرتبہ، روٹیاں کبھی آپ کبھی بھائی عبد المجید پکالیا کرتے تھے، پھر جب ہم نے عربی کی کتابیں شروع کیں، تو دارالعلوم اشرفیہ میں ہمارا داخلہ کر دیا، اور آپ کا بوجھ قدرے ہلکا ہوا، اس کے بعد تمام بھائیوں کی فراغت تک نگرانی کرتے رہے، فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

اہل و عیال کی تعلیم و تربیت

آپ کا رشتہ ازدواج اور عقد مسنون آپ کے ماموں حافظ مولوی حبیب الرحمن صاحب شیرا کی بڑی صاحب زادی سے ۱۳۸۴ھ کے اواخر میں ہوا، جو قرآن کریم کے جید حافظ تھے، اور اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد اکثر و بیشتر ۲۴ گھنٹہ میں ایک قرآن کریم ختم کر کے والدہ ماجدہ کو اس کا ثواب پہنچاتے تھے۔ مگر جوانی کے عالم میں دو صاحب زادیاں اور ایک صاحب زادے کو چھوڑ کر انتقال کر گئے تھے، ان کے انتقال کے بعد ان کے بچوں کی، بچوں کے دادا اور ہمارے نانا صاحب نے اور ماموں عبد الرحمن صاحب شیرا نے پرورش فرمائی، اور ان کی شادیاں کیں۔

موصوف کی اہلیہ محترمہ (اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائیں!) نہایت صابرہ شاکرہ اور عابدہ زاہدہ خاتون ہیں، قرآن کریم کی جید حافظہ ہیں اور اپنے اکثر بچوں کی حفظ قرآن میں استاذ ہیں، محترمہ نے نکاح کے بعد امور خانہ داری کو خود انجام دیتے ہوئے حضرت مولانا ہی سے پورا قرآن کریم حفظ کیا ہے، حفظ کے دوران اور حفظ کی تکمیل کے بعد اپنے صاحب زادوں اور صاحب زادیوں کو حفظ کرایا اور کراری ہیں — ان ہی نیک پارسا خاتون کے بطن سے موصوف کے گیارہ صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں پیدا ہوئیں، جن میں سب سے بڑے صاحب زادے ایک حادثہ میں شہید ہو گئے، اور ایک صاحب زادی بچپن میں انتقال کر گئی، دس صاحب زادے اور دو صاحب زادیاں بقید حیات ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمریں دراز فرمائیں! اور سب کو علم و عمل میں اپنے والد ماجد کا جانشین بنائیں۔

مولانا کے صاحب زادوں اور صاحب زادیوں کے نام مع تاریخ ولادت و مختصر احوال درج

ذیل ہیں:

- ① جناب حافظ مولوی مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ ولادت ۲۴ جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۶۶ء وفات ۱۵ شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۹۵ء، فراغت کے بعد آپ نے ایک سال راندر میں جامعہ حسینیہ میں متوسطات پڑھائی تھیں۔
- ② جناب حافظ سعید احمد صاحب سلمہ (یہ صاحب زادے بالکل آپ کے ہم نام ہیں) ولادت یکم ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ مطابق یکم فروری ۱۹۶۸ء آپ نے ہدایہ تک پڑھ کر تعلیم چھوڑ دی ہے، اور اب سورت میں رام پورہ کے دارالعلوم میں حفظ کے استاذ ہیں۔
- ③ جناب حافظ مولوی وحید احمد صاحب سلمہ۔ یہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں اور دیوبند میں مکتبہ وحیدیہ کے مالک ہیں، ولادت ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۶۹ء میں ہوئی۔
- ④ مرحومہ عائشہ، ولادت ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۷۱ء وفات بمقام راندر ۲۰ اپریل ۱۹۷۳ء مطابق ۱۶ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ بروز جمعہ۔
- ⑤ جناب حافظ مولوی حسن احمد صاحب سلمہ: ولادت ۱۴ محرم ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۸ فروری ۱۹۷۳ء آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں، اور گھر میں کمپیوٹر آپریٹر ہیں، یہ کتاب وہی کمپوز کر رہے ہیں۔
- ⑥ جناب حافظ مفتی مولوی حسین احمد صاحب سلمہ: ولادت ۲ جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۳ جون ۱۹۷۴ء بروز پیر، فاضل دارالعلوم دیوبند ہیں، فراغت کے بعد دو سال راندر میں دارالعلوم اشرفیہ میں پڑھایا، پھر تعلیم چھوڑ کر دارالافتاء کی تکمیل کی۔ اب امر وہہ کی جامع مسجد کے مدرسہ میں حدیث شریف کی کتابیں پڑھا رہے ہیں۔
- ⑦ جناب حافظ مولوی محمد ابراہیم صاحب سلمہ ولادت شعبان ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء: دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں اور اب نافع العلوم کورائنہ غازی آباد میں ہدایہ وغیرہ پڑھاتے ہیں
- ⑧ حافظ محمد قاسم سلمہ: ولادت ۱۵ مارچ ۱۹۷۸ء۔ عربی سوم تک پڑھ کر تعلیم سے دل برداشتہ ہو گئے ہیں۔ اب گھر میں بچوں کی تعلیم میں اپنے والد ماجد کے معاون ہیں۔
- ⑨ حافظہ عائشہ سلمہا: ولادت جنوری ۱۹۷۹ء اس وقت اپنے والد ماجد سے فارسی اور عربی پڑھ رہی ہیں۔

(۱۰) حافظ محمد سلمہ: ولادت فروری ۱۹۸۱ء اس سال دارالعلوم دیوبند میں عربی ششم کے طالب علم ہیں۔

(۱۱) حافظ احمد سلمہ: ولادت ۴ صفر ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۹۸۲ء دارالعلوم دیوبند میں عربی سوم کے طالب علم ہیں۔

(۱۲) حافظ فاطمہ سلمہا (تاریخ ولادت نہیں ملی) اپنے والد ماجد سے فارسی اور عربی پڑھ رہی ہیں

(۱۳) حافظ عبد اللہ سلمہ (تاریخ ولادت نہیں ملی) اپنے والد ماجد سے فارسی اور عربی پڑھ رہے ہیں

(۱۴) حافظ عبید اللہ سلمہ: ولادت ۹ صفر ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۸۸ء اس وقت حفظ

کر رہے ہیں۔

مولانا نے اور بھانج صاحبہ نے اپنے بچوں کی کس طرح پرورش اور تربیت فرمائی ہے اس کی تفصیل طویل ہے، ان ارواق میں اس کی گنجائش نہیں، مختصر یہ کہ موصوف کو قرآن کریم سے اس قدر لگاؤ ہے کہ فارغ ہونے کے بعد پہلے خود قرآن کریم حفظ کیا، راقم الحروف کو کر لیا، پھر اہلیہ محترمہ کو حافظہ بنایا۔ اور ان ہی کی بدولت اپنے تمام صاحب زادوں اور صاحب زادیوں کو حافظ قرآن بنایا، اور اب بھانج صاحبہ مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کے صاحب زادوں اور اپنے صاحب زادوں کی دہنوں کو حافظ قرآن بنا رہی ہیں۔ دود لہنیں حفظ کر چکی ہیں اور دوکر رہی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں اور کاموں میں برکت فرمائیں (آمین)

حادثہ فاجعہ

موصوف کے سب سے بڑے صاحب زادے حافظ مولوی مفتی رشید احمد رحمہ اللہ، جن کا نکاح ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ میں حضرت مولانا مفتی محمد آدم صاحب بھیلوٹی زید مجدہم کی سب سے بڑی صاحب زادی سے ہوا تھا، نکاح کے بعد دو صاحب زادے پیدا ہو چکے تھے (۱) عزیز مسیح اللہ سلمہ (۲) عزیز مسیح اللہ سلمہ، مرحوم کی اہلیہ اپنے میکہ میں تھیں، والد محترم حضرت مولانا سعید احمد صاحب لندن میں تھے کہ ۴ شوال ۱۴۱۵ھ کو کسی ضرورت سے مفتی رشید احمد عصر کے بعد مظفر نگر گئے، لوٹنے میں دیر ہو گئی، دیوبند آنے والی آخری بس نہ مل سکی، دیوبند آنے والی سڑک پر کھڑے تھے کہ ایک ٹرک آیا جو دیوبند آ رہا تھا، اور اس میں تیزاب کے ڈرم بھرے ہوئے تھے مرحوم کے ساتھ دیوبند آنے والے تیس چالیس آدمی اور تھے، سب نے ٹرک ڈرائیور کو اشارہ کیا، ڈرائیور نے ٹرک

روک کر دیوبند کی تمام سواریاں لے لیں، چونکہ ٹرک میں تیزاب کے ڈرم بھرے ہوئے تھے، اس لئے تمام لوگ ایک طرف کھڑے ہو گئے، ٹرک روانہ ہوا، مگر تمام سواریوں کے ایک طرف کھڑے ہونے کی وجہ سے ٹرک کا توازن صحیح نہیں رہا، تھوڑی دور جا کر ٹرک ایک طرف جھک گیا، جھکتے ہی تمام سواریاں نیچے گر پڑیں، اور تیزاب کے ڈرم ان کے اوپر گرے، گرتے ہی ان کی ڈائیں کھل گئیں، اور تمام سواریاں تیزاب سے تربتر ہو گئیں، مظفر نگر کا سرکاری اسپتال چونکہ جائے حادثہ سے بہت قریب تھا، اس لئے تمام زخمیوں کو فوری طور پر اسپتال پہنچایا گیا، اکثر زخمی اسپتال میں پہنچتے ہی مر گئے، مرحوم مفتی رشید احمد صاحب بھی بری طرح زخمی تھے، پھر بھی گھر کا فون نمبر بتایا، رات گیارہ بجے کے قریب فون آیا کہ مولوی رشید احمد صاحب کی حالت نازک ہے، فوراً مظفر نگر سرکاری اسپتال پہنچیں، گھر والوں نے فوراً احقر کو بلایا، اور صورت حال سے آگاہ کیا، احقر فوراً عزیزم حافظ سعید احمد سلمہ، اور حافظ امیر عالم صاحب اور بھائی غیوب کے ہمراہ ٹیکسی کے ذریعہ رات بارہ بجے مظفر نگر پہنچا، تو دیکھا کہ مفتی رشید احمد صاحب کی زبان بند ہو چکی ہے، ڈاکٹر پاس کھڑا ہے، اور دو آدمی مرحوم کو تھامے ہوئے ہیں، ہمیں دیکھتے ہی وہ آدمی اپنے مریضوں کے پاس چلے گئے۔ پورا ہال زخمیوں سے بھر اڑا تھا، اور تمام زخمی تڑپ رہے تھے، ایک طالب علم بری طرح چلا رہا تھا، اور اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا، قیامت کا منظر بپا تھا، زخمیوں کے مرنے پر ہر طرف آہ و بکا اور گریہ و زاری کا عالم تھا، ہم نے مرحوم کو بلانے کی بہت کوشش کی، مگر مرحوم نے کوئی جواب نہیں دیا، ڈاکٹر نے ہمیں دو ایسوں کا ایک پرچہ دیا اور کہا کہ یہ دو آئیں جلدی سے لے آؤ، عزیزم سعید احمد اور بھائی غیوب دونوں مرحوم کے پاس رہے، احقر اور حافظ امیر عالم صاحب دونوں بازو دایاں لینے کے لئے گئے، لیکن رات آدھی ہو چکی تھی، تمام میڈیکل اسٹور بند ہو چکے تھے، بڑی مشکل سے ایک میڈیکل اسٹور کھلوا یا، اور دوائیاں لے کر اسپتال پہنچے تو دیکھا کہ بھائی غیوب اور عزیزم سعید احمد سلمہ دونوں باہر کھڑے ہیں، ہمیں دیکھتے ہی دونوں آب دیدہ ہو کر کہنے لگے کہ: مرحوم اللہ کی رحمت میں چلے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

احقر نے عزیزم سعید احمد سلمہ اور حافظ امیر عالم صاحب کو گھر بھیجا، تاکہ گھر والوں کو سانحہ ارتحال کی اطلاع کریں اور ان کو سنبھالیں، احقر اور بھائی غیوب دونوں رات بھر ہسپتال میں رہے، صبح گیارہ بجے پوسٹ مارٹم کے بعد جنازہ کو لے کر دیوبند پہنچے، فوراً غسل دیا گیا، اور ظہر کے بعد

احاطہ مولسری میں نماز جنازہ پڑھ کر دارالعلوم کے قبرستان میں حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندی کے آغوش میں دفن کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی قبر کو نور سے بھر دیں، ان پر رحمتوں کی بارشیں برسائیں، والدین کو صبر جمیل عطا فرمائیں، اور ان کے دونوں بچوں کو ان کے حسنات و کمالات کا جانشین بنائیں، آمین یا رب العالمین!

اس سانحہ ارحمال پر دارالعلوم دیوبند کی مجلس عاملہ نے جو تجویز تعزیت منظور کی وہ مندرجہ ذیل ہے:

باسمہ تعالیٰ

مکرمی و محترمی حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج بخیر و عافیت ہوں گے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس عاملہ منعقدہ ۲۳ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ نے اپنے اجلاس میں مولانا رشید احمد پالن پوری رحمہ اللہ کے سانحہ ارحمال پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار فرماتے ہوئے دعائے مغفرت کی، اور تجویز تعزیت منظور کی، جس کی کاپی ہم رشتہ عریضہ ارسال ہے۔ مجلس کی طرف سے جملہ پسماندگان اور اہل خاندان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش فرمادیں، شکر گزار ہوں گا۔ والسلام

(مولانا) مرغوب الرحمن عفی عنہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۱۴۱۶ھ

تجویز تعزیت:

جناب مولانا رشید احمد صاحب پالن پوری مرحوم پسر حضرت مولانا سعید احمد صاحب

پالن پوری زید مجدہم

مجلس عاملہ کا یہ اجلاس جواں سال فاضل دارالعلوم دیوبند مولانا رشید احمد پالن پوری مرحوم کے جانگداز سانحہ وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ اور بارگاہ خداوندی میں مرحوم کی مغفرت اور ترقی درجات کے لئے دعا گو ہے۔

مولانا رشید احمد پالن پوری مرحوم نے اپنے والد محترم حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم کی تربیت میں علوم دینیہ کی تکمیل کی، اور صرف چھ سال پہلے ۱۴۱۰ھ میں وہ

دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے تھے پھر ایک سال انھوں نے دارالافتاء میں صرف کیا، اسی دوران مرحوم نے بعض درسی کتابوں کی شرح لکھی، جن میں سے کچھ طبع بھی ہوئیں، طبیعت میں علم دوستی، صالحیت اور سلامتی کے جوہر نمایاں تھے، اور امید کی جاتی تھی کہ والد محترم کی زیر تربیت روشنی حاصل کرنے والا یہ جوان مستقبل میں ایک درخشندہ ستارہ بن کر چمکے گا، مگر قضاء و قدر کے فیصلوں میں لب کشائی کی گنجائش نہیں، افسوس کہ مظفر نگر سے دیوبند آتے ہوئے مرحوم ایک جاںگداز حادثہ میں جان بحق ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مجلس عاملہ مولانا رشید احمد مرحوم کے حادثہ وفات پر گہرے دلی رنج و غم کا اظہار کرتی ہے۔ اور مرحوم کے اہل خاندان خصوصاً ان کے والد محترم حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتی ہے، اور دعا گو ہے کہ پروردگار عالم مرحوم کو جو ار رحمت میں جگہ دے، اور تمام اہل خاندان کو صبر جمیل عطا فرما کر اجر جزیل کا مستحق بنائیں۔ آمین۔
مرغوب الرحمن عفی عنہ

ایک اہم وصیت جس کا تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں

لڑکوں کی موجودگی میں پوتوں کا میراث سے محروم ہونا فرائض کا ایک معروف مسئلہ ہے، اور یہ فرائض کے معروف ضابطہ الأقرب فالأقرب پر متفرع ہے۔ اسی ضابطہ سے باپ کی موجودگی میں دادا محروم رہتا ہے، بھائی کی موجودگی میں دوسرے بھائی کی اولاد محروم رہتی ہے، مگر پوتوں کے مسئلہ کو لے کر بہت سے لوگ اسلامی تعلیمات پر لب کشائی کرتے ہیں کہ یہ کیسا انصاف ہے کہ لڑکے تو میراث پائیں اور پوتے پوتیاں، جو عام طور پر کمزور اور بے سہارا رہ جاتے ہیں، محروم ہو جائیں؟ یہ اعتراض درحقیقت مسلمانوں کے غلط طرز عمل سے پیدا ہوا ہے۔ اسلامی تعلیمات تو ہر طرح کامل و مکمل ہیں، مگر مسلمان ان پر صحیح طریقہ سے عمل نہ کریں تو اس کا کیا علاج؟ اسلام نے تہائی ترکہ میں میت کا وصیت کا حق تسلیم کیا ہے تاکہ وہ ایسی ناگہانی ضروریات میں اس حق کو استعمال کرے، دادا کو چاہئے کہ وہ پہلی فرصت میں پوتوں پوتیوں کے لئے تہائی میں سے وصیت کرے، اور بوقت حاجت ان کے لئے بیٹوں کے حصہ سے زیادہ بھی وصیت کر سکتا ہے۔ اب اگر دادا امروز و فردا کرتا رہے یا مال کی محبت میں وصیت کی ہمت نہ کرے اور اچانک چل بے اور پوتے پوتیاں محروم رہ جائیں تو یہ اسلامی تعلیمات کا قصور نہیں بلکہ دلواری کو تاہی اس کا باعث ہے۔ اور شریعت

نے پوتے پوتیوں کا حق اس لئے متعین نہیں کیا کہ داد اپنے لڑکوں سے زیادہ اگر ضرورت متقاضی ہو تو دے سکے، مسئلہ کی اس ضروری وضاحت کے بعد اب میں حضرت والا کے اس مختصر تعارف کو ان کی ایک وصیت پر ختم کرتا ہوں تاکہ جو لوگ آپ جیسے حالات سے دوچار ہوں وہ موصوف کی طرح اپنے پوتوں پوتیوں کے لئے بروقت وصیت کر دیں، لیت و لعل نہ کریں، زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، خدا نخواستہ اچانک چل دے اور وصیت نہ کی تو ان بچوں کی پریشانی کے علاوہ داد اکا یہ عمل اسلامی تعلیمات پر اعتراض کا باعث بن جائے گا۔

جب مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کی اچانک شہادت کا قصہ پیش آیا اور وطن سے تمام بھائی بہن اور اعزاء تعزیت کے لئے دیوبند آئے تو بھائی صاحب نے اپنے بیٹوں اور بھائیوں اور بہنوں کے سامنے مرحوم کے بچوں کے لئے یہ وصیت کی کہ:

”جب تک میں زندہ ہوں مرحوم کے دونوں بچوں کی اپنے بچوں کی طرح پرورش کرتا رہوں گا، میری وفات کے بعد میرے ترکہ میں سے مرحوم کے ہر بچے کو ایک ایک لڑکے کے برابر حصہ ملے گا، کیونکہ دو لڑکوں کی میراث بھی تہائی سے کم رہے گی اور مجھے تہائی میں وصیت کا حق ہے، سب اہل خاندان اس کے گواہ ہیں (مرحوم کی اہلیہ کی دوسری جگہ شادی ہو گئی ہے) اس وصیت کے بعد موصوف کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا کہ: اللہ کالا کھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میرا ایک بچہ لے لیا، اور اس کے بدل میں دو بچے عنایت فرمائے، اب میرے بارہ لڑکے ہو گئے (یہ حضرت مولانا کا ایک اشارہ ہے جس کی تفصیل طویل ہے۔ مولانا پندرہ سال سے برابر اپنی اہلیہ صاحبہ سے یہ بات فرماتے رہتے تھے کہ میری قسمت میں لڑکے بارہ ہیں۔ یہ بات اس طرح پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے گیارہ میں سے ایک لے لیا اور اس کے دو دیدیئے تو بارہ کی تعداد مکمل ہو گئی) — اللہ ان کی عمریں دراز فرمائیں، اور سب کو موصوف کی خوبیوں اور نیکیوں کا وارث بنائیں! آمین یا رب العالمین!

محمد امین بن یوسف پالن پوری غفرلہ ولوالدہ

خادم حدیث و فقہ دارالعلوم دیوبند (یو، پی)

۶ شعبان ۱۴۲۰ھ ۱۵ نومبر ۱۹۹۹ء بروز پیر



علم تفسیر اور اصول تفسیر کا تعارف

”تفسیر“ کے لغوی معنی ہیں: واضح کرنا، کھولنا۔ اس علم میں چونکہ قرآن کریم کے معانی اور مطالب کھول کر بیان کئے جاتے ہیں، اس لئے اس کو ”علم تفسیر“ کہتے ہیں، قدیم زمانہ میں ”تفسیر“ کا اطلاق قرآن کریم کے معانی اور مطالب کی توضیح و تشریح پر ہی ہوتا تھا، اسی لئے علامہ زرکشی نے ”علم تفسیر“ کی یہ تعریف کی ہے:

هو علمٌ يُعرَفُ بِهِ فَهْمُ كِتَابِ اللَّهِ الْمُنْزَلِ
عَلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبَيَانُ
مَعَانِيهِ وَاسْتِخْرَاجُ أَحْكَامِهِ وَحُكْمِهِ
تفسیر وہ علم ہے جس سے قرآن کریم کا
مفہوم، اس کے معانی کی تفصیل اور اس
کے احکام اور حکمتوں کی تخریج کی جاسکتی
ہے۔ (البرہان ج ۱ ص ۱۳)

لیکن جب اس نے ایک مدون علم کی صورت اختیار کر لی، اور مختلف پہلوؤں سے اس کی خدمت کی گئی، تو یہ نہایت وسیع اور پہلو دار علم بن گیا، اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اس میں تفصیلات کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اب ”علم تفسیر“ جن تفصیلات کو شامل ہے، اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے۔
هو علمٌ يُبْحَثُ فِيهِ عَنِ كَيْفِيَةِ النُّطْقِ
بِالْفَافِ الْقُرْآنِ، وَمَدْلُولَاتِهَا، وَأَحْكَامِهَا
الْإِفْرَادِيَّةِ وَالتَّرْكِيبِيَّةِ، وَمَعَانِيهَا الَّتِي
تُحْمَلُ عَلَيْهَا حَالَةُ التَّرْكِيبِ، وَتَبَيَّنَاتُ
لِذَلِكَ (روح المعانی ج ۱ ص ۴)
تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی
کے طریقوں اور ان کے معانی، اور ان کے
انفرادی اور ترکیبی احکام، اور ان معانی سے جن پر
الفاظ ترکیب کی حالت میں دلالت کرتے ہیں، اور
اس (علم) کے تنصوٹوں سے بحث کی جاتی ہے۔

اس تعریف کے پیش نظر ”علم تفسیر“ میں جن امور سے بحث کی جاتی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے: یعنی الفاظ قرآن کو جتنے طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے، ان کی تفسیر میں وضاحت کی جاتی ہے، اسی لئے بعض مفسرین اپنی تفسیروں میں ہر آیت کے ساتھ اس کی منقول قرائتیں بیان کرتے ہیں، اور اس میں ”علم القراءات“ سے مدد لیتے ہیں۔

(۲) الفاظ قرآن کے معانی: یعنی الفاظ قرآن کے لغوی معنی بھی تفسیر میں بیان کئے جاتے ہیں، اسی بناء پر تفسیر کی کتابوں میں علمائے لغت کے حوالے اور عربی ادب کے شواہد بکثرت ملتے ہیں، اس کے لئے ”علم لغت“ سے پوری طرح واقف ہونا ضروری ہے۔

(۳) الفاظ قرآن کے انفرادی احکام: یعنی ہر مشکل اور غریب لفظ کے بارے میں یہ بتانا کہ اس کا مادہ کیا ہے؟ یہ موجودہ صورت میں کس طرح آیا ہے؟ اس کا وزن اور باب کیا ہے؟ اور اس باب اور وزن کے معانی اور خواص کیا ہیں؟ ان باتوں کے لئے ”علم صرف“ کی ضرورت پڑتی ہے۔

(۴) الفاظ قرآن کے ترکیبی احکام: یعنی ہر لفظ کے بارے میں یہ بتانا کہ وہ دوسرے الفاظ کے ساتھ مل کر کیا معنی دے رہا ہے؟ اس کی نحوی ترکیب کیا ہے؟ اس پر موجودہ حرکات کیوں آئی ہیں؟ اور کن معانی پر دلالت کر رہی ہیں؟ اس کام کے لئے ”علم نحو“ اور ”علم معانی“ سے مدد لی جاتی ہے۔

(۵) الفاظ قرآن کے ترکیبی معانی: یعنی تفسیر میں سب سے زیادہ توجہ اس پر دی جاتی ہے کہ ترکیب کی حالت میں الفاظ کس معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور پوری آیت اپنے سیاق و سباق میں کیا معنی دے رہی ہے؟ تفسیر کا یہ بنیادی مقصد ہے، اور اس کے لئے مختلف علوم سے مدد لی جاتی ہے، مذکورہ علوم کے علاوہ کبھی ”علم بیان“ سے کام لیا جاتا ہے، کبھی ”علم حدیث“ اور کبھی ”علم اصول فقہ“ سے مدد لی جاتی ہے۔

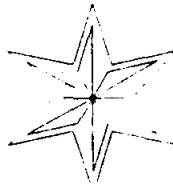
(۶) علم تفسیر کے تتمات: یعنی تفسیر میں ناخ و منسوخ، اسباب نزول اور قرآن کریم کی تعریضات وغیرہ کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اس غرض کے لئے زیادہ تر ”علم حدیث“ اور ”علم التفسیر“ سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر کا میدان اتنا وسیع و عریض ہے کہ اس میں دنیا کے ہر علم و فن کی معلومات کھپ سکتی ہیں، اور تفسیر کے اس آخری جز میں عقل و تدبر، تجربات و مشاہدات کے ذریعہ انتہائی متنوع مضامین شامل ہو جاتے ہیں (ماخوذ از ”علوم القرآن“ مصنفہ حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی زید مجدہم)

الحاصل ”علم تفسیر“ وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقوں — ان کے معانی — ان کے انفرادی اور ترکیبی احوال — کلام خداوندی کی مراد — اور اس کے تتموں سے بحث کی جاتی ہے۔

اور علم تفسیر کا موضوع: نظم قرآن کریم ہے، مگر مطلقاً نہیں، بلکہ مراد خداوندی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے — اور اس کی غرض: مراد خداوندی کو واضح کرنا، اور قرآن کریم کا صحیح فہم حاصل کرنا ہے — اور اس کی غایت: صراطِ مستقیم پر گامزن رہنا، اور سعادت دارین حاصل کرنا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم کا صحیح فہم عطا فرمائیں! اور صراطِ مستقیم کی ہدایت اور دارین کی سعادت نصیب فرمائیں! آمین! یا رب العالمین!

اصول تفسیر کا تعارف: اصول: اصل کی جمع ہے، اور ”اصل“ کے لغوی معنی ہیں: جڑ، بنیاد، اور عرفی معنی ہیں: قانون اور قاعدہ، اور ”اصول تفسیر“ کے اصطلاحی معنی ہیں: وہ قوانین و قواعد جن پر علم تفسیر کی بنیاد ہے، لہذا ”علم اصول تفسیر“ کی تعریف اس طرح ہوگی۔

علم اصول تفسیر: وہ علم ہے جس میں قرآن کریم کی تفسیر کے قوانین و ضوابط، اور مفسرین کی تفسیروں کے بارے میں مفید نکات بیان کئے جاتے ہیں — اور اس کا موضوع وہی ہے جو علم تفسیر کا ہے۔ یعنی نَظْمُ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ مِنْ حَيْثُ دَلَالَتُهُ عَلَىٰ مَرَادِ اللَّهِ تَعَالَىٰ — اور اس کی غرض: تفسیر کے اصول و آداب سے باخبر ہونا ہے — اور اس کی غایت: قرآن کریم کا صحیح فہم حاصل کر کے اس پر عمل کرنا، اور دارین کی سعادت حاصل کرنا ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مُقَدِّمَةُ الْكِتَابِ

آلَاءُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى هَذَا الْعَبْدِ الضَّعِيفِ لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصَى؛ وَأَجَلُهَا: التَّوْفِيقُ لِفَهْمِ الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ. وَمَنْ صَاحِبِ النُّبُوَّةِ وَالرِّسَالَةِ — عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ — عَلَى أَحَقِّ الْأُمَمِ كَثِيرَةً؛ وَأَعْظَمُهَا: تَبْلِيغُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفُرْقَانِ الْكَرِيمِ؛ لَقَدْ نَبِئُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ الْجَيْلَ الْأَوَّلَ وَهُمْ أَبْلَغُوهُ لِلْجَيْلِ الثَّانِي وَهَلُمُّ جَزْأً، حَتَّى بَلَغَ هَذَا الضَّعِيفُ أَيْضًا حَظًّا مِنْ رِوَايَتِهِ وَدِرَايَتِهِ.

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى هَذَا النَّبِيِّ الْكَرِيمِ: سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَشَفِيعِنَا، أَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ، وَأَيُّمَنَ بَرَكَاتِكَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ، وَعِلْمَاءِ أُمَّتِهِ أَجْمَعِينَ، بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ.

دیباچہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس ناتواں بندے پر بے شمار اور اُٹکت ہیں؛ اور ان (نعمتوں) میں سب سے بڑی نعمت قرآن عظیم سمجھنے کی توفیق ہے، اور صاحب نبوت و رسالت ﷺ کے احسانات کمترین امت پر بہت ہیں؛ اور ان میں سب سے بڑا احسان قرآن کریم کو امت تک پہنچانا ہے، نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بالمشافہ تلقین کیا؛ اور انھوں نے اس کو تابعین عظام تک پہنچایا؛ اس طرح (سلسلہ) چلتا رہا یہاں تک کہ اس ناتواں کو بھی قرآن کریم کے الفاظ و معانی میں سے وافر حصہ ملا۔

اے اللہ! اس کریم نبی پر — جو ہمارے سردار، آقا اور سفارش کرنے والے ہیں — اپنی رحمتوں میں سے بہترین رحمت؛ اور اپنی برکتوں میں سے عمدہ ترین برکت نازل فرما؛ اور آپ کی تمام آل اطہار، صحابہ کرام اور علمائے امت پر بھی؛ اپنے فضل و کرم سے؛ اے مہربانوں میں سب سے زیادہ مہربان!!

لغات:

آلاء: نعمتیں؛ سورہٴ حٰجٰہ میں یہ لفظ بار بار آیا ہے ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ اس کا واحد تین اوزان پر آتا ہے (۱) الْآلَاءُ بِرُوزَنْ اَلْهَوٰی (۲) اَلْاِلٰلٰی بِرُوزَنْ اَلْعِدٰی (۳) اَلْاِلٰلٰی بِرُوزَنْ اَلْحَبْرِ وَالْقِدْرِ لَا تُعَدُّ مضارع مجہول سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے؛ عَدَّ (ن) عَدًّا وَتَعَدَّدَا الشَّيْءُ: شمار کرنا، گننا لَا تُحْصِي بھی مضارع مجہول سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے؛ اَحْصٰی الشَّيْءُ اِحْصَاءً (باب افعال) شمار کرنا، احاطہ کرنا اَحْصٰی (اسم تفضیل) سب سے بڑا، جَلَّ (ن) جَلَالَةً: بڑے مرتبہ والا ہونا التَّوْفِیْقُ باب تفعیل کا مصدر ہے، وَفَّقَهُ اللّٰهُ کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کا بندے کی خواہش کے موافق خیر کے اسباب بہم پہنچانا مِنْ، مِنْنَ کی جمع ہے: احسان لَقْنَةُ الْكَلَامِ: بالمشافہ سمجھانا الْجَبَلُ: لوگوں کا ایک گروہ، ایک زمانہ کے لوگ جِ اَجْبَالٍ وَجَبِلَان: یہاں الْجَبَلُ الاول سے صحابہ کرام علیہ السلام اور الْجَبَلُ الثانی سے تابعین عظام مراد ہیں رَوَايَةً (ض) نقل کرنا، بیان کرنا دِرَايَةً (ض) جاننا؛ یہاں ”روایت“ سے نظم قرآنی اور ”روایت“ سے فہم معانی مراد ہے حَطَّ: حصہ، جمع حُطُوطٌ؛ حَطَّ میں تنوین تکثیر کے لئے ہے اَيْمَنَ (اسم تفضیل) بڑا بابرکت، بَمَنْ (ف، س) يُمْنَا لقومہ وعلی قومہ: بابرکت ہونا۔ بِرَحْمَتِكَ، صَلَّ سے متعلق ہے۔

هَلَمَّ جَزَأُ کی تحقیق: هَلَمَّ اسم فعل ہے بمعنی اِنْتَبَ (آؤ) اور اتیان سے اتیان حسی یعنی مشی بالاقدام مراد نہیں ہے بلکہ مداومت اور استمرار علی الشیء مراد ہے، جیسے اِمَشَّ علی هذا الامر میں اِمَشَّ سے مشی بالاقدام مراد نہیں ہے، بلکہ دوام اور استمرار علی الامر مراد ہے — نیز اس جملہ سے جو بظاہر معنی طلبی مفہوم ہوتے ہیں وہ بھی مراد نہیں ہیں، بلکہ معنی خبری مراد ہیں، لہٰذا اس جملہ کا عطف جملہ خبریہ پر کرنا جائز ہے۔

اور جَوْرًا مصدر ہے جَوْرًا (کھینچنا) کا، بقال جَوْرًا اِذَا جَذَبَهُ وَسَخَبَهُ، اور جر سے بھی جَوْرًا
حسی مراد نہیں ہے، بلکہ مداومت اور استمرار کے معنی میں مستعمل ہے، اور یہ هَلَمَّ کا مفعول مطلق
ہے، من غیر لفظہ جیسے قعدت جَلوسًا، پس اس جملہ کے معنی ہیں: اِسْتَمَرَّ اِسْتَمَرَّ اَزًا چلتا رہا۔



الفوز الکبیر کی افادیت

”الفوز الکبیر“ قرآن فہمی کے اصول و قواعد پر نہایت مختصر مگر بہت مفید اور اہم کتاب ہے،
جس میں قرآن کریم کی تفسیر کے تمام بنیادی اصول و قواعد نہایت ربط و ضبط کے ساتھ بیان
کئے گئے ہیں، اگر کوئی طالب علم اچھی طرح ان اصول و قواعد کو یاد کر لے تو قرآن کریم کے سمجھنے
کی ایسی صلاحیت اور استعداد پیدا ہو سکتی ہے جو عمر بھر کتب تفسیر کا مطالعہ کرنے اور پوری زندگی
مفسرین کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے کے بعد بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ آزادی کے علمبردار
حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”ہم نے امام فخر الدین رازی (محمد بن عمر متوفی ۶۰۶ھ) کی تفسیر پڑھی، نیز جلال اللہ زختری
(محمود بن عمر متوفی ۵۳۸ھ) کی تفسیر کا مطالعہ کیا، ان کے علاوہ معالم التنزیل (از ابو محمد حسین بن
مسعود فراء بنغوی متوفی ۵۱۰ھ) اور تفسیر حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر المعروف بہ
ابن کثیر (متوفی ۷۷۷ھ) بھی پڑھی، ان سے ہمیں اپنی استطاعت کے مطابق سوائے تفسیر
کے کچھ نصیب نہیں ہوا۔ اگر طالب علمی کے عہد میں ہم نے نجم الائمہ حضرت شیخ الہند قدس
سرہ (متوفی ۷۳۹ھ) سے چند آیتوں کی تفسیر نہ سنی ہوتی جو کتابوں میں نہیں ملتی، اور ہمارے
لئے وہ اطمینان کا ذریعہ بن سکی، اور اس کے ساتھ ہی شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب
نانوتوی (متوفی ۷۹۷ھ) کے بعض تفسیری جملے ہم نے نہ پڑھے ہوتے تو ہم علم تفسیر کے
حاصل کرنے سے قطعاً مایوس ہو جاتے، ہم مانتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں نے انہی
کتابوں سے قرآن سمجھا تھا، جب وہ قرآن کی حکومت مجتہدانہ اصول پر قائم کر رہے تھے، مگر
اس قسم کی تفسیروں سے قرآن فہمی ہمارے لئے ناممکن ہے۔

ہم نے مولانا شیخ الہند قدس سرہ سے ”اصول تفسیر“ پر کتابیں مانگیں، آپ نے کتاب

الاتقان فی علوم القرآن (از حافظ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ) ہمیں مرحمت فرمائی، میں نے پوری کوشش سے ساری کتاب بار بار پڑھی، سوائے چند اوراق کے مجھے اس میں کوئی چیز دلچسپ نظر نہ آئی؛ جسے اصول کا درجہ دیا جاسکے، یہ زمانہ ایسا تھا کہ میں اصول فقہ سے فارغ ہو کر اس میں ایک مستقل تصنیف لکھ چکا تھا، اسی زمانہ میں حضرت مولانا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مختصر سار سالہ اصول تفسیر میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی لکھا ہے، جس کا نام ”الفوز الکبیر“ ہے۔

جب میں سندھ پہنچا تو مجھے ”الفوز الکبیر“ کا نسخہ ملا، اس سے پیشتر میں امام رازی کی تفسیر کا مطالعہ کر کے کافی پریشان ہو چکا تھا، فصل اول کا مطالعہ ختم کر لینے کے بعد میں مطمئن ہو گیا کہ ان شاء اللہ علم تفسیر مجھے آسکتا ہے، پھر اس دن سے آج تک میں ان کے مسلک سے باہر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کر سکا۔ (۱) اہنامہ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۷۲۳-۲۳۸ جلد ۷ بابت ماہ رمضان، شوال، ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ)

أما بعد: فيقول الفقيرُ وَلِيُّ اللَّهِ بنِ عَبْدِ الرَّحِيمِ — عَامِلُهُمَا اللَّهُ تَعَالَى بِلُطْفِهِ الْعَظِيمِ —: لَمَّا فَتَحَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيَّ أَبَا مَنْ فَهَمَ كِتَابِهِ الْمَجِيدِ، خَطَرَ بِيَالِي أَنْ أَجْمَعَ وَأَقَيِّدَ بَعْضَ النِّكَاتِ النَّافِعَةِ الَّتِي تَنْفَعُ الْأَصْحَابَ فِي رِسَالَةٍ مُخْتَصَرَةٍ؛ وَالْمَرْجُوُّ مِنْ لُطْفِ اللَّهِ — الَّذِي لَا انْتِهَاءَ لَهُ — أَنْ يَفْتَحَ لِطَلَبَةِ الْعِلْمِ — بِمَجَرَّدِ فَهْمِ هَذِهِ الْقَوَاعِدِ — شَارِعًا وَاسِعًا فِي فَهْمِ مَعَانِي كِتَابِ اللَّهِ، بِحَيْثُ لَوْصَرَفُوا عُمْرَهُمْ فِي مُطَالَعَةِ التَّفَاسِيرِ، وَالْقِرَاءَةِ عَلَى الْمَفْسَرِينَ — عَلَى أَنَّهُمْ أَقَلُّ قَلِيلٍ فِي هَذَا الزَّمَانِ — لَمْ تَتَحَصَّلْ لَهُمْ هَذِهِ الْفَوَائِدُ بِهَذَا الضُّبْطِ وَالرَّبْطِ. وَسَمَّيْتُهَا بـ ﴿الْفَوْزِ الْكَبِيرِ فِي أَصُولِ التَّفْسِيرِ﴾ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ، وَهُوَ حَسْبِي، وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.

ترجمہ: حمد و صلوة کے بعد فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم — اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ اپنی عظیم مہربانی کا معاملہ فرمائیں — کہتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنی بزرگ کتاب کے سمجھنے

کا دروازہ کھولا، تو میرے دل میں خیال آیا کہ بعض مفید نکات جو ساتھیوں کو کار آمد ہو سکتے ہیں؛ ایک مختصر رسالہ میں جمع کروں اور لکھ دوں، اور اللہ تعالیٰ کی نوازش سے۔ جس کی کوئی انتہا نہیں — امید ہے کہ طالب علموں کے لئے عرف ان قواعد کے سمجھ لینے سے ایسی کشادہ شاہراہ کتاب اللہ کے مطالب سمجھنے میں کھل جائے گی؛ کہ اگر وہ اپنی عمریں کتب تفسیر کا مطالعہ کرنے میں اور مفسرین سے پڑھنے میں صرف کریں — اگرچہ ایسے حضرات اس زمانہ میں بہت ہی کم ہیں — تب بھی ان کو یہ نفع بخش باتیں اس ربط و ضبط کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتیں، اور میں نے اس رسالہ کا نام الفوز الکبیر فی اصول التفسیر رکھا، اور میری (تصنیف کی) درنگی اللہ ہی (کی مدد) سے ہے، اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں، وہ میرے لئے کافی ہیں، اور اچھے کار ساز ہیں۔

لغات:

نکات، نُکْتَة کی جمع ہے: مشکل مسئلہ جو وقت و نظر سے حاصل ہو..... الْمَوْجُوءُ (اسم مفعول): وہ چیز جس کی امید کی جائے، رَجَا الشَّيْءَ (ن) رَجَاءً وَرَجُوءًا: امید کرنا..... شَارِعٌ: شاہراہ جمع شَوَارِعٌ..... الْحَسْبُ (مصدر): کافی ہونا؛ کہا جاتا ہے: حَسْبُكَ دِرْهَمٌ اور بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ: تمہارے لئے ایک درہم کافی ہے..... اَلْوَكِيلُ: کار ساز جمع وَكِلَاءٌ



الفوز الکبیر کے ابواب

”الفوز الکبیر“ کو شاہ صاحب نے پانچ ابواب پر مرتب فرمایا ہے؛ مگر پانچویں باب کو مستقل رسالہ کی حیثیت دے کر اس کا نام ”فتح الخبیر“ رکھا ہے، خود شاہ صاحب نے اس کتاب کے دوسرے باب کی پہلی فصل کے بالکل آخر میں اس کی وضاحت فرمائی ہے، اور پانچویں باب کے شروع میں ارقام فرمایا ہے کہ: اس باب کو علمدہ خطبہ سے اس لئے شروع کیا گیا ہے کہ مستقل رسالہ ہو جائے، اگر کوئی چاہے تو اس کو الفوز الکبیر سے جدا کرے، نیز شروع کے چار ابواب شاہ صاحب نے فارسی زبان میں ارقام فرمائے ہیں؛ اور پانچواں باب عربی میں تحریر فرمایا ہے؛ اور اس میں شرح غریب اور شان نزول کے تعلق سے تفسیری روایات کو جمع کیا ہے، یہ تفسیری روایات چونکہ دورہ حدیث میں طلبہ پڑھتے ہیں اس لئے پانچواں باب الفوز الکبیر کے ساتھ درس میں

شامل نہیں کیا گیا۔ پہلے پانچوں ابواب ایک ساتھ شائع کئے جاتے تھے، مگر پانچواں باب چونکہ داخل درس نہیں ہے اس لئے اب ناشرین نے پانچویں باب کی طباعت موقوف کر دی ہے، اور چوتھے باب کی آخری پانچویں فصل جس میں حروف مقطعات کے معانی بیان کئے گئے ہیں وہ بھی درس میں داخل نہیں ہے اس لئے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے اس کی جو تعریب، شیخ الادب والفقه حضرت مولانا اعجاز علی صاحب قدس سرہ نے کی ہے اس کو کتاب میں شامل نہیں کیا ہے، البتہ موصوف نے اپنی شرح العون الکبیر (عربی) میں اس کو شامل کیا ہے تاکہ ذی علم حضرات اس سے استفادہ کر سکیں۔

ومقاصدُ هذه الرسالة منحصرة في خمسة أبواب:

الباب الأول: في بيان العلوم الخمسة، التي يدل عليها القرآن العظيم نصاً وكذا: نزول القرآن بالإصالة كان لهذا الغرض.

الباب الثاني: في بيان وجوه الخفاء في معاني نظم القرآن، بالنسبة إلى أهل هذا العصر، وإزالة ذلك الخفاء بأوضح بيان.

الباب الثالث: في بيان لطائف نظم القرآن، وشرح أسلوبه البديع، بقدر الطاقة والإمكان.

الباب الرابع: في بيان مناهج التفسير، وتوضيح الاختلاف الواقع في تفاسير الصحابة والتابعين.

الباب الخامس: في ذكر جملة صالحة من شرح غريب القرآن، وأسباب النزول التي يجب حفظها على المفسر، ويمتنع ويحرم الخوض في كتاب الله بدونها.

ترجمہ: اس رسالہ کے مقاصد پانچ بابوں میں منحصر ہیں:

پہلا باب: ان پانچ علوم کے بیان میں ہے جن پر قرآن عظیم صراحت دلاتا کرتا ہے؛ گویا قرآن کریم کا نزول دراصل اسی مقصد کے لئے ہوا ہے۔

دوسرا باب: اپنے زمانہ کے لوگوں کی طرف نظر کرتے ہوئے نظم قرآن کے مطالب (سمجھنے) میں جو دشواری پیش آتی ہے اس کی وجوہات کے بیان میں ہے؛ اور اس دشواری کو نہایت وضاحت کے ساتھ حل کرنے کے بیان میں ہے۔

تیسرا باب: نظم قرآن کے لطائف کے بیان میں ہے؛ اور اس کے انوکھے طرز بیان کی، طاقت و امکان کے بقدر تشریح میں ہے۔

چوتھا باب: تفسیر کے طریقوں کے بیان میں ہے؛ اور اس اختلاف کی تشریح میں ہے جو صحابہ کرام اور تابعین عظام کی تفسیروں میں واقع ہوا ہے۔

پانچواں باب: قرآن کے غریب الفاظ کی شرح کی وافر مقدار، اور اسباب نزول کے بیان میں ہے، جس کو یاد رکھنا مفسر کے لئے ضروری ہے، اور اس کے بغیر کتاب اللہ میں غور و خوض کرنا ممنوع اور حرام ہے۔

لغات:

نَصًّا: صراحۃً؛ نَصُّ الشَّيْءِ (ن) نَصًّا: ظاہر ہونا..... الْخَفَاءُ: پوشیدگی، دشواری، خَفِيَ (س) خَفَاءً پوشیدہ ہونا، جو چیز پوشیدہ ہوتی ہے اس کا دراک دشوار ہوتا ہے اس لئے خَفَاءُ کا ترجمہ دشواری کیا گیا ہے..... لَطَائِفُ، لَطِيفَةٌ کی جمع ہے: نکتہ جس سے انبساط پیدا ہو..... اُسْلُوبٌ: انداز بیان، طرز بیان جمع اَسَالِيبُ..... بَدِيعٌ: انوکھا، نرالا، بَدْعُ (ک) بَدْعًا وَبَدَاعَةً: انوکھا ہونا..... مَنَاهِجٌ، مَنَهْجٌ، مَنَهْجٌ اور مَنَهْجٌ کی جمع ہے: کشادہ راستہ، یہاں مَنَاهِجُ التَّفْسِيرِ سے تفسیر کے وہ طریقے مراد ہیں جو مفسرین نے اپنائے ہیں..... جُمْلَةٌ صَالِحَةٌ: وافر مقدار..... الْغَرِيبُ مِنَ الْكَلَامِ: وہ کلام جس کا سمجھنا دشوار ہو، مشکل کلام غُرُبُ الْكَلَامِ (ک) غَرَابَةً: پوشیدہ ہونا۔ جو لفظ کثیر الاستعمال ہوتا ہے اس کے معنی ظاہر ہوتے ہیں؛ اور جو لفظ قلیل الاستعمال ہوتا ہے اس کے معنی خفی اور پوشیدہ ہوتے ہیں، اور جس کے معنی خفی ہوں اس کا سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے ”غریب“ سے ایسا لفظ یا ایسا کلام مراد ہوتا ہے جس کا سمجھنا دشوار ہو، یعنی اس کے معنی معلوم نہ ہوں۔



باب اول

علوم خمسہ جو قرآن پاک میں صراحتہ بیان کئے گئے ہیں

قرآن عظیم میں جس قدر علوم ہیں ان کا احاطہ ناممکن اور محال ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

مَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَتَوَرَّ الْقُرْآنَ، فَإِنَّ فِيهِ
عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ (رواہ البیہقی
فی المدخل)

کسی شاعر نے خوب کہا ہے

جَمِيعُ الْعُلُومِ فِي الْقُرْآنِ لَكِنْ تَقَاصَرَتْ عَنْهُ أَفْهَامُ الرِّجَالِ
تمام علوم قرآن پاک میں موجود ہیں لیکن لوگوں کے ذہن اس کے اور ایک سے قاصر ہیں
اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک میں بے شمار علوم ہیں، لیکن جو علوم قرآن پاک میں
صراحتہ بیان کئے گئے ہیں وہ کتنے ہیں؟ اس میں علمائے کرام کی رائیں مختلف ہیں، قاضی ابوبکر
بن العربی کہتے ہیں کہ وہ تین ہیں: (۱) توحید (۲) تذکیر (۳) اور احکام، اور ابن جریر طبری کے
نزدیک بھی تین ہیں، مگر تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں: (۱) توحید (۲) اخبار (۳) اور دیانات،
اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ چار ہیں: (۱) امر (۲) نہی (۳) خبر (۴) اور استخبار، اور کسی نے کہا کہ
چھ ہیں: (۱) امر (۲) نہی (۳) خبر (۴) استخبار (۵) وعدہ (۶) اور وعید۔

مگر اس بارے میں سب سے بہتر اور عمدہ بات وہ ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے
ارقام فرمائی ہے کہ جو علوم قرآن پاک میں صراحتہ بیان کئے گئے ہیں وہ کل پانچ ہیں: (۱) علم
الاحکام (۲) علم الجدل (۳) علم التذکیر بالآء اللہ (۴) علم التذکیر بآیام اللہ (۵) اور علم

التذکیر بالموت وما بعده

(۱) علم الاحکام: قرآن کریم ایک ایسا نظام حیات پیش کرتا ہے، جس پر عمل کر کے انسان دنیا و آخرت میں امن و سکون اور فلاح و کامیابی پاسکتا ہے، قرآن کریم زندگی کے تمام شعبوں میں بندوں کی رہنمائی کرتا ہے، اور ضروری ہدایات و احکام دیتا ہے؛ خواہ ان احکام کا تعلق عبادات سے ہو؛ یا معاملات سے، خواہ ان کا تعلق تدبیر منزل سے ہو یا سیاست مدینہ سے — اس مضمون کی آیتوں کو ”آیات احکام“ کہا جاتا ہے، اور ان کی تفصیلات کے مجموعہ کا نام ”علم الاحکام“ ہے، ان آیتوں کی تشریح کرنا فقہائے کرام کی ذمہ داری ہے۔

(۲) علم الجدَل: قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ اور مشرکین و منافقین کی بہت سی گمراہیوں اور بد اخلاقیوں کا رد فرمایا ہے؛ اور اُن کے شبہات کا تشفی بخش جواب دیا ہے — اس مضمون کی آیتوں کو ”آیات جدل“ اور آیات خاصہ“ کہتے ہیں، اور ان کی تفصیلات کے مجموعہ کا نام ”علم الجدَل“ ہے، ان آیتوں کی مکمل وضاحت کرنا متکلمین کی ذمہ داری ہے۔

(۳) علم التذکیر بآلاء اللہ: قرآن کریم جگہ جگہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلاتا ہے، تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بنیں، نیز قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بکثرت تذکرہ کیا گیا ہے، تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح پہچان کر اس کی عبادت شوق و رغبت سے کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں — جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور صفات کاملہ کو بیان کیا گیا ہے ان کی تفصیلات کے مجموعہ کا نام علم التذکیر بآلاء اللہ ہے۔

(۴) علم التذکیر بآیام اللہ: آیام یوم کی جمع ہے اور آیام اللہ سے مراد وہ واقعات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اطاعت شعار بندوں کو نوازنے اور نافرمانوں کو سزا دینے کی غرض سے ظاہر فرمایا ہے، مثلاً انبیائے کرام اور ان کی نافرمان قوموں کے قصے، اور دیگر نافرمان اور فرمان بردار بندوں کے واقعات جو قرآن پاک میں بیان کئے گئے ہیں ان کا مقصد تاریخی احوال بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ قرآن پاک ان واقعات سے تذکیر و موعظت کا سامان مہیا کرتا ہے، تاکہ لوگ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں، اور ان لوگوں کی پیروی نہ کریں جو آفت خداوندی میں ہلاک و برباد ہوئے ہیں، بلکہ ان لوگوں کے نقش قدم پر چلیں جو رحمت خداوندی سے سرفراز ہوئے ہیں — جن آیتوں میں یہ واقعات اور قصے بیان کئے گئے ہیں یا جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا

ہے ان کی تفصیلات کے مجموعہ کا نام ”علم التذکیر بآیام اللہ“ ہے۔

(۵) علم التذکیر بالموت وما بعدہ: موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات بھی قرآن پاک میں بکثرت ذکر کئے گئے ہیں، مثلاً موت کی سختیاں، جنت کی نعمتیں، دوزخ کی سزائیں اور قیامت کی ہولناکیاں بیان کر کے نصیحت کی گئی ہے۔ ان آیتوں کی تفصیلات کا نام ”علم التذکیر بالموت وما بعدہ“ ہے۔

آخری تینوں علوم کی آیتوں کو ”آیات تذکیر“ کہا جاتا ہے۔ ان علوم ثلاثہ کی تشریح کرنا، اور ان علوم ثلاثہ سے تعلق رکھنے والی احادیث اور آثار کو ذکر کرنا مذکرین اور واعظین کا کام ہے۔

الباب الأول

فی

بیان العلوم الخمسة التي يدل عليها القرآن العظيم نصاً

ليعلم أن معاني القرآن المنصوصة لا تخرج عن خمسة علوم:

۱- علم الأحكام: وهي الواجب والمندوب والمباح والمكروه والحرام؛ سواء كانت من قسم العبادات، أو من قسم المعاملات، أو من تدبير المنزّل أو من السياسة المدنيّة؛ وتفصيل هذا العلم منوط بدمّة الفقيه.

۲- علم الجدّل: وهو المباحّة مع الفرق الأربع الضالّة: من اليهود والنصارى والمشرّكين والمنافقين؛ وتبيان هذا العلم منوط بدمّة المتكلّم.

۳- علم التذکیر بآلاء اللّٰہ: وهو بيان خلق السماوات والأرض، وإلهام العباد ما يحتاجون إليه، وبيان صفات اللّٰہ الكاملة.

۴- علم التذکیر بآیام اللّٰہ: وهو بيان الوقائع التي أخذتها اللّٰہ سبحانه وتعالى من قبيل تنعيم المطيعين، وتعذيب المجرمين.

۵- علم التذکیر بالموت وما بعدہ: من الحشر والنشر والحساب.

والميزان والجنة والنار.

وتفصيل هذه العلوم الثلاثة ، وذكر الأحاديث والآثار المتعلقة بها يرجع إلى الواعظ والمذكر.

- ترجمہ: پہلا باب ان پانچ علوم کے بیان میں ہے جن پر قرآن عظیم صراحت دلائی کرتا ہے: جاننا چاہئے کہ قرآن کریم کے صریح مضامین پانچ علوم سے باہر نہیں نکلتے ہیں
- (۱) علم الاحکام: اور احکام سے مراد: واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام ہے، چاہے وہ (احکام) عبادتوں کے قبیل سے ہوں یا معاملات کے قبیل سے، یا تدبیر منزل سے (تعلق رکھتے ہوں) یا سیاست مدنیہ سے، اور اس علم کی تفصیل کرنا فقیہ کی ذات سے وابستہ ہے۔
- (۲) علم الجدل: اور وہ چار گراہ فرقوں کے ساتھ مباحثہ کرنا ہے، یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین منافقین، اور اس علم کی مکمل وضاحت کرنا متکلم کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے۔
- (۳) علم التذکیر بالاء اللہ: اور وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا بیان، اور بندے جن باتوں کے محتاج ہیں ان کو دل میں ڈالنے کا بیان، اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کی وضاحت ہے۔
- (۴) علم التذکیر بایام اللہ: اور وہ ان واقعات کی وضاحت ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے فرمان برداروں کو نوازنے اور نافرمانوں کو سزا دینے کے قبیل سے۔
- (۵) علم التذکیر بالموت وما بعده: یعنی حشر و نشر حساب، میزان اور جنت و دوزخ (یہ مابعد موت کی تفصیل ہے)
- ان تینوں علوم کی تشریح کرنا، اور ان علوم سے تعلق رکھنے والی احادیث اور آثار کو ذکر کرنا واعظ اور مُذَكِّر کی ذمہ داری ہے۔

لغات:

الْمَنْصُوصَةُ (اسم مفعول واحد مؤنث): تصریح کردہ، نَصُّ الشَّيْءِ (ن) نَصًّا: ظاہر ہونا۔
فن معاملات: وہ علم ہے جس میں ترقی یافتہ تمدن یعنی شہری زندگی میں تبادلہ اشیاء، باہمی تعاون اور ذرائع معاش کو وجود میں لانے کی صورتوں سے بحث کی جاتی ہے۔
علم تدبیر منزل: وہ علم ہے جو ترقی یافتہ تمدن میں خاندانی تعلقات کی نگہداشت سے بحث کرتا ہے۔

علم سیاست مَدَنیَّہ یعنی انتظام مملکت، یہ وہ فن ہے جس میں کسی ایک شہر یا ایک ملک کے لوگوں کے درمیان ربط و تعلق کو محفوظ رکھنے کے طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔

مَنْوُط (اسم مفعول): معلق، وابستہ، کہا جاتا ہے: ہَذَا مَنْوُطٌ بِہ: یہ اس کے ساتھ وابستہ ہے، نَاطَةُ يَنْوُطُ نَوَاطًا وَيَنْاطًا: لُكَانَا..... ذِمَّةٌ: وہ ذات جس کے ساتھ کوئی عہد وابستہ ہو جمع ذِمَمٌ..... الْجَدَلُ: جھگڑا، جَدَلٌ (س) جَدَلًا: سخت جھگڑا، جھگڑا کرنا، مباحثہ کرنا، مناظرہ کرنا..... تَبَيَّنَ (مصدر): بیان کرنا، کا خیال رہے..... حَاجَةٌ مُّحَاجَّةٌ: جھگڑا کرنا، مباحثہ کرنا، مناظرہ کرنا..... بَيَانٌ (ض) بَيَانًا وَتَبَيَّنَا..... أَلْهَمَهُ اللَّهُ: سکھانا، دل میں ڈالنا..... أَيَّامُ اللَّهِ: آفات و انعامات خداوندی..... ذَكَرَ الشَّيْءَ وَذَكَرَ بِهِ تَذَكُّيرًا: یاد دلانا، ذَكَرَ الْقَوْمَ: وعظ، نصیحت کرنا..... حَشَرَ (ن، ض) حَشَرًا النَّاسَ جمع کرنا..... نَشَرَ سَهَابًا: بشارت و نشور: زندہ کرنا..... وَعَظَ: وعظ و نصیحت کرنے والا جمع وَعَظُونَ، وَعَظًا اور مُذَكِّرٌ کے بھی یہی معنی ہیں۔



علوم خمسہ پیش کرنے میں قرآن پاک کا انداز بیان

اللہ تعالیٰ نے وابستہ پانچوں علوم کو پیش کرنے میں قدیم عربوں کا انداز بیان اور اسلوب کلام اختیار فرمایا ہے، متاخرین علماء کے نہج کو نہیں اپنایا ہے، چنانچہ آیات احکام میں اہل متون کی طرح نہ بہت زیادہ اختصار سے کام لیا ہے، نہ اصولیوں کی طرح قواعد کو غیر ضروری قیودات کو حذف کر کے متعین کیا ہے، اور نہ آیات جدل میں منطقیوں کی طرح براہین کی تہذیب و تنقیح کو پسند فرمایا ہے، بلکہ مشہور مسلمہ باتوں اور مقبول عام قضایا اور عام فہم دلائل کے ذریعہ اہل باطل کی تردید فرمائی ہے، تاکہ آسانی سے ہر شخص رد کو سمجھ سکے، اگر منطقیوں کی طرح براہین کی تہذیب و تنقیح کی جاتی تو عوام کے لئے ان کا سمجھنا دشوار ہوتا۔

الغرض علوم خمسہ پیش کرنے میں اللہ تعالیٰ نے متقدمین عربوں کا اسلوب بیان اختیار فرمایا ہے، اس لئے ان علوم کو پیش کرنے میں نہ کسی ترتیب کا لحاظ فرمایا ہے، نہ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونے میں کسی مناسبت کا خیال فرمایا ہے، جیسا کہ متاخرین مصنفین کا طریقہ ہے، بلکہ جس بات کا بندوں کے سامنے پیش کرنا اہم سمجھا اس کو تقدیم و تاخیر کا لحاظ کئے بغیر ذکر

فرمایا ہے، چنانچہ کہیں علم الاحکام سے سورت کا آغاز فرمایا ہے، تو کہیں علم التذکیر بآلاء اللہ سے سورت کو شروع فرمایا ہے، اسی طرح کہیں احکام کے بعد خاصہ کو ذکر فرمایا ہے، تو کہیں احکام سے تذکیر کے مضامین کی طرف انتقال فرمایا ہے، اور اس کی حکمت شاہ صاحب نے تیسرے باب کی تیسری فصل میں بیان فرمائی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن پاک کا انداز بیان اور اسلوب خطابی ہے؛ کتابی نہیں، یعنی خطابوں، تقریروں اور بیانیوں میں جو اسلوب اختیار کیا جاتا ہے وہی اسلوب قرآن پاک کا ہے، تصنیف و تالیف کے اسلوب پر قرآن پاک نازل نہیں ہوا ہے، کیونکہ یہ نیا اسلوب ہے جس سے قرآن پاک کے اولین مخاطب واقف نہیں تھے۔

أَسْلُوبُ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ فِي عَرْضِ الْعُلُومِ الْخَمْسَةِ

وَأِنَّمَا وَقَعَ بَيَانُ هَذِهِ الْعُلُومِ عَلَى أَسْلُوبِ الْعَرَبِ الْأَوَّلِينَ، لِأَعْلَى مِنْهَا حَاجَةُ الْعُلَمَاءِ الْمَتَأَخِّرِينَ، فَلَمْ يَلْتَزِمُ سَبْحَانَهُ وَتَعَالَى فِي آيَاتِ الْأَحْكَامِ اخْتِصَارًا يَخْتَارُهُ أَهْلُ الْمُتُونِ، وَلَا تَنْقِيحَ الْقَوَاعِدِ مِنْ قِيُودٍ غَيْرِ ضَرُورِيَّةٍ، كَمَا هُوَ صِنَاعَةُ الْأَصُولِيِّينَ؛ وَاخْتَارَ سَبْحَانَهُ وَتَعَالَى فِي آيَاتِ الْمُخَاصَصَةِ الْإِزَامَ الْخَصْمَ بِالشَّهَوْرَاتِ الْمُسَلَّمَةِ وَالْخَطَابِيَّاتِ النَّافِعَةِ لَا تَنْقِيحَ الْبَرَاهِينِ عَلَى طَرِيقَةِ الْمَنْطِقِيِّينَ؛ وَلَمْ يُرَاعَ سَبْحَانَهُ وَتَعَالَى الْمُنَاسَبَةَ فِي الْإِنْتِقَالِ مِنْ مَوْضُوعٍ إِلَى مَوْضُوعٍ، كَمَا يُرَاعِيهَا الْأَدَبَاءُ الْمَتَأَخِرُونَ؛ بَلْ نَشَرَ كُلُّ مَا أَهَمَّ الْقَاوِدَ عَلَى الْعِبَادَةِ، سَوَاءً كَانَ مُقَدِّمًا أَوْ مُؤَخَّرًا.

ترجمہ: علوم خمسہ کے پیش کرنے میں قرآن کریم کا انداز بیان: ان علوم (خمسہ) کا بیان متقدمین عربوں کے انداز بیان پر واقع ہوا ہے، نہ کہ متاخرین علماء کے نسخ پر، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیات احکام میں ایسے اختصار کا التزام نہیں فرمایا جس کو اہل متون نے اختیار کیا ہے، نہ قواعد کو غیر ضروری قیودات سے نکھارنے کا التزام فرمایا ہے، جیسا کہ وہ اصولیوں کا طریقہ ہے، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آیات خاصہ میں مشہور مسلمہ باتوں اور نفع بخش خطابیات کے ذریعہ فریق مخالف کی تردید کو پسند فرمایا ہے۔ منطقوں کے طریقہ پر براہین کے نکھارنے کو پسند نہیں فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونے میں مناسبت کا (بھی) لحاظ نہیں فرمایا، جس طرح متاخرین

مصنفین مناسبت کا لحاظ کرتے ہیں، بلکہ ہر اس بات کو بیان فرمایا ہے جس کا بندوں کے سامنے پیش کرنا اہم سمجھا ہے، خواہ وہ مقدم ہو یا مؤخر۔

لغات:

عَرَضَ الشَّيْءُ (ض) عَرَضًا: پیش کرنا..... مُتَوْنٌ، مَتْنٌ کی جمع ہے، لغت میں مَتْنٌ مضبوط اور قوی چیز کو کہتے ہیں، اور فقہاء کے یہاں ”مَتْنٌ“ سے مراد وہ کتابیں ہیں جن کو فوقیت حاصل ہے، جیسے وقایہ، کنز الدقائق، المختصر القدوری، اور مَجْمَعُ الْبَحْرَيْنِ وغیرہ..... نَفَّحَ الْكَلَامَ تَنْفِيحًا: درست کرنا، نکھارنا..... صِنَاعَةٌ وَصِنَاعَةٌ: پیشہ، کہا گیا ہے کہ صِنَاعَةُ بِالْفَتْحِ کا استعمال محسوسات میں ہوتا ہے، اور صِنَاعَةٌ بِالْكَسْرِ کا معانی میں، جمع صِنَاعَاتٌ وَصِنَائِعٌ..... المشهوراتُ الْمُسَلَّمَةُ: وہ قضایا جو مخالف و موافق سب کے نزدیک مسلم ہوں، جیسے زمین و آسمان کے خالق صرف اللہ تعالیٰ ہیں، کیونکہ اس بات کو مسلمانوں کی طرح مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ سبھی تسلیم کرتے تھے..... خُطَابِيَّاتٌ: وہ قضایا اور دلائل جو مقبول یا نئی مقدمات سے مرکب ہوں جیسے بزرگوں کے اقوال اور ظنی باتیں، اس کا واحد خُطَابِيَّةٌ ہے جو خطابی کا مؤنث ہے، اور خُطَابِيٌّ، خُطَابَةٌ کی طرف منسوب ہے اور خُطَابَةٌ مصدر ہے، خُطِبَ (ن) خُطْبَةً وَخُطْبًا وَخُطَابَةً: وعظ کہنا، تقریر کرنا، لکچر دینا، خُطَابَةٌ اور خُطَابِيٌّ میں خاء پر فتح ہے، کسرہ نہیں اور کتابی کے مقابلہ میں جو خُطَابِيٌّ ہے اس کی خا پر کسرہ ہے اس کا خیال رہے..... بَوَاهِنٌ، بُوْهَانٌ کی جمع ہے: وہ قیاس جو مقدمات یقینیہ سے مرکب ہو خواہ وہ مقدمات بدیہی ہوں یا نظری..... بَوَاعٌ، رَاعِيٌ بَوَاعِيٌّ مُرَاعَاةً (حفاظت کرنا) سے مضارع معروف کا صیغہ ہے، جس پر لَمْ داخل ہوا ہے اصل میں بَوَاعِيٌّ تھا، حرف علت ”لَمْ“ کی وجہ سے گر گیا ہے..... نَشَرُ الْخَيْرِ (ن، ض) نَشَرًا: انشاء کرنا، پھیلانا، اسی سے ناشر ہے..... الْفَاءُ: ذالنا، پیش کرنا، یہ باب افعال کا مصدر ہے..... اَهَمُّ الْأَمْرِ فُلَانًا: رنجیدہ کرنا، پس مَا أَهَمُّ الْفَاءُ کا لفظی ترجمہ ہے: جس کے پیش کرنے نے رنجیدہ کیا، بے چین کیا — مگر یہ ترجمہ معنی مرادی کو واضح نہیں کرتا، اس لئے سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: مذکورہ عبارت میں شاہ صاحب آیتوں کے درمیان جو باہم ربط اور مناسبت ہے، اس کی نفی کرنا نہیں چاہتے، کیونکہ خود شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن ”فتح الرحمن“ میں آیتوں کے درمیان ربط اور مناسبت کو واضح فرمایا ہے، بلکہ شاہ صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ

جس طرح مصتفین فن کے مباحث کو خاص ترتیب سے بیان کرتے ہیں، اور ایک بحث سے دوسرے بحث کی طرف منتقل ہونے میں مناسبت کا پورا خیال کرتے ہیں۔ مثلاً فقہائے کرام فقہ کی کتابوں کا آغاز کتاب الطہارت سے کرتے ہیں، اور طہارت کے احکام بیان کرنے کے بعد نماز کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کے مسائل بیان نہیں کرتے، کیونکہ طہارت اور نماز کے درمیان مناسبت ہے۔ اور زکوٰۃ کا طہارت سے کوئی تعلق نہیں ہے، پھر نماز کے مسائل بیان کرنے کے بعد زکوٰۃ کے مسائل ذکر کرتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ۳۱ جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے پھر روزوں کا پھر حج کا تذکرہ کرتے ہیں الخ۔ اسی طرح تمام مصتفین فن کے مباحث کو مقدم اور مؤخر ذکر کرنے میں مناسبت کا پورا خیال کرتے ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ نے مباحث احکام اور تذکیر کے مضامین کو ذکر کرنے میں مناسبت کا خیال نہیں فرمایا، بلکہ تقدیم و تاخیر کا لحاظ کئے بغیر جو بات اہم سمجھی اس کو بیان فرمایا ہے۔

اسی طرح پہلے شاہ صاحب نے جو فرمایا ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ نے آیات خاصہ میں مشہور مسلمہ باتوں اور خطابی دلیلوں سے فریق مخالف کی تردید فرمائی ہے، منطقیوں کی طرح براہین کی تہذیب کو پسند نہیں فرمایا“۔ اس کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ اہل باطل کی تردید براہین سے نہیں کی گئی ہے، صرف مشہورات مسلمہ اور خطابیات سے کی گئی ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ منطقیوں کی طرح براہین کی تہذیب و تنقیح فرما کر شکل اول یا شکل ثانی وغیرہ کی صورت میں پیش کرنے کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ سادہ اور عام فہم انداز میں براہین کو ذکر کیا ہے، تاکہ ہر شخص آسانی سے بات سمجھ سکے، اگر منطقیوں کی طرح براہین کی تہذیب و تنقیح کی جاتی تو قرآن پاک کے اولین مخاطبین کے لئے بات کا سمجھنا دشوار ہو جاتا کیونکہ وہ منطق سے بالکل نا آشنا تھے۔



ہر آیت کا شان نزول ضروری نہیں

جمہور مفسرین احکام و مخاصمہ کی آیتوں کو کسی خاص قصے سے جوڑ دیتے ہیں، اور اس قصے کو آیت کا شان نزول قرار دیتے ہیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم کی آیتیں دو طرح کی ہیں (۱) کچھ آیتیں ایسی ہیں جن کا سمجھنا شان نزول پر موقوف ہے (۲) اور اکثر آیتیں ایسی ہیں

جن کا سمجھنا شان نزول پر موقوف نہیں۔۔۔ پہلی قسم کی آیتوں کا شان نزول بیان کرنا مفسر کے لئے ضروری ہے، مگر دوسری قسم کی آیتوں کا شان نزول بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، اس لئے کہ نزول قرآن کا مقصد اصلی عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ کی تردید اور دلوں کی تہذیب ہے، پس لوگوں میں عقائد باطلہ کا پایا جانا آیاتِ جدل کے نزول کا سبب ہے، اور اعمال فاسدہ کا پایا جانا اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کا پایا جانا آیاتِ احکام کے نزول کا سبب ہے، اور آلاء اللہ، ایام اللہ اور موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کو ذکر کئے بغیر لوگوں کا خواب غفلت سے بیدار ہونا مشکل تھا اس لئے آیاتِ تذکیر کو نازل کیا گیا ہے، اور ہر آیت کے ذیل میں جو جزوی تفسیریں بیان کیا کرتے ہیں ان کا فہم قرآن میں کچھ بہت زیادہ دخل نہیں ہے۔

البتہ وہ آیات جن میں کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ آیا ہے اور وہاں قاری قرآن اس واقعہ کی تفصیلات کا منتظر رہتا ہے جس کی طرف آیت میں اشارہ آیا ہے تو وہاں بیشک تفصیل کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے علوم خمسہ کی تشریح اس طرح پیش کی ہے کہ اس کی مدد سے آپ جزوی قصوں کے بغیر قرآن کریم کو سمجھ سکتے ہیں۔

لا یحتاج کلُّ آیۃٍ إلی سببِ النزولِ

وقد رَبَطَ عَامَّةُ الْمُفَسِّرِينَ كُلِّ آیۃٍ مِنْ آیَاتِ الْجَدَلِ وَالْأَحْكَامِ بِقِصَّةٍ، وَيُظَنُّونَ أَنَّ تِلْكَ الْقِصَّةَ هِيَ سَبَبُ نَزُولِهَا.

وَالْحَقُّ: أَنَّ الْقِصَّةَ الْأَصْلِيَّةَ مِنْ نَزُولِ الْقُرْآنِ هُوَ تَهْذِيبُ النُّفُوسِ الْبَشَرِيَّةِ، وَدَمْعُ الْعُقَايِدِ الْبَاطِلَةِ، وَتَفْطِيلُ الْأَعْمَالِ الْفَاسِدَةِ؛ فَوْجُودُ الْعُقَايِدِ الْبَاطِلَةِ فِي خَوَاطِرِ الْمُكَلِّفِينَ سَبَبُ نَزُولِ آیَاتِ الْجَدَلِ؛ وَوُجُودُ الْأَعْمَالِ الْفَاسِدَةِ، وَشُيُوعُ الْمَظَالِمِ فِيمَا بَيْنَهُمْ سَبَبُ نَزُولِ آیَاتِ الْأَحْكَامِ؛ وَعَدَمُ تَقْطِظِهِمْ وَتَنْبِيهِهِمْ بِغَيْرِ ذِكْرِ آلاءِ اللَّهِ، وَآيَّامِ اللَّهِ، وَوَقَائِعِ الْمَوْتِ وَمَا بَعْدَهُ سَبَبُ نَزُولِ آیَاتِ التَّذْكِيرِ.

وَأَمَّا الْأَسْبَابُ الْخَاصَّةُ وَالْقِصَصُ الْجُزْئِيَّةُ الَّتِي تَجَسَّمُ الْمَفْسُورُونَ بِبَيَانِهَا فَلَيْسَ لَهَا مَدْخَلٌ فِي ذَلِكَ، يُعْتَدُّ بِهِ، إِلَّا فِي بَعْضِ الْآيَاتِ الْكَرِيمَةِ، حَيْثُ وَقَعَتِ الْإِشَارَةُ فِيهَا إِلَى

حَادِثَةٌ مِنَ الْحَوَادِثِ الَّتِي وَقَعَتْ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، أَوْ قَبْلَهُ ؛ وَلَا يَزُولُ مَا يَغْرِضُ لِلْسَّمَاعِ مِنَ التَّرْقُبِ وَالْإِنْتِظَارِ ، عِنْدَ سَمَاعِ ذَلِكَ التَّعْرِیضِ إِلَّا بِسَبْطِ الْقِصَّةِ ؛ فَلَزِمَ أَنْ نُنْشِخَ هَذِهِ الْعُلُومَ بِوَجْهِ لَانْتِجَاجٍ إِلَى إِبْرَادِ الْقِصَصِ الْجَزْئِيَّةِ

ترجمہ: ہر آیت شان نزول کی محتاج نہیں: جمہور مفسرین مختصہ اور احکام کی آیتوں میں سے ہر آیت کو کسی قصے کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں، اور گمان کرتے ہیں کہ یہی قصہ اس (آیت) کا شان نزول ہے۔

اور حق بات یہ ہے کہ نزول قرآن کا بنیادی مقصد بشری نفوس کی اصلاح کرنا، اور باطل عقائد کو ناپید کرنا، اور فاسد اعمال کو ختم کرنا ہے، پس باطل عقائد کا احکام شرعیہ کے مخاطبین کے دلوں میں پایا جانا آیات جدل کے نزول کا سبب ہے، اور فاسد اعمال کا پایا جانا اور ظلم و زیادتیوں کا آپس میں پھیلنا آیات احکام کے نزول کا سبب ہے، اور اللہ کی نعمتوں اور آفات و انعامات خداوندی، موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کو ذکر کئے بغیر ان (مکلفین) کا بیدار اور متنبہ نہ ہونا آیات تذکیر کے نزول کا سبب ہے۔

اور خصوصی اسباب نزول اور جزوی قصے جن کو بیان کرنے کی مفسرین نے زحمت اٹھائی ہے ان کا اس (شان نزول) میں ایسا دخل نہیں جس کا اعتبار کیا جائے (یعنی ان جزوی قصوں کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں) مگر بعض آیتوں میں جہاں آیتوں میں اشارہ واقع ہوا ہے ان واقعات میں سے کسی واقعہ کی طرف جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں، یا اس سے پہلے پیش آئے ہیں، اور ختم نہ ہو وہ امید و انتظار جو سننے والے کو اس تعریض کے سننے کے وقت پیش آتا ہے مگر قصے کی وضاحت سے، پس ضروری ہے کہ ہم ان علوم (شمسہ) کی اس طرح تشریح کریں کہ جزوی قصے (یعنی ہر آیت کا شان نزول) ذکر کرنے کی ہمیں ضرورت پیش نہ آئے۔

لغات:

دَمَعُ الْحَقِّ الْبَاطِلُ: نیست و نابود کرنا، ناپید کرنا..... خَوَاطِرُ: خَاطِر کی جمع ہے: دل اور نفس..... مُكَلِّفِينَ: احکام شرعیہ کے مخاطبین..... مَظَالِمٌ: مَظْلَمَہ کی جمع ہے: ظلم و زیادتی..... تَجَسَّمُ الْأَمْرَ: مشقت سے کام کرنا..... أَوْرَدَ الشَّيْءَ إِبْرَادًا: ذکر کرنا۔

﴿فائدہ﴾ یہاں تک علوم خمسہ کا اجمالی تعارف تھا، آگے اس کی تفصیل ہے، مگر تفصیل میں شاہ صاحب نے علم الاحکام کی وضاحت سب سے اخیر میں فرمائی ہے، پہلے فصل اول میں علم الجدل کی تفصیل بیان فرمائی ہے، پھر فصل دوم میں پہلے تذکیر کے علوم ثلاثہ کی تفصیل ذکر کی ہے، پھر علم الاحکام کی قدرے تشریح فرمائی ہے، پس شاہ صاحب کے کلام میں لف و نشر غیر مرتب ہے، اور ایسا شاہ صاحب نے اس لئے کیا ہے کہ فقہائے کرام نے آیات احکام کی خاطر خواہ وضاحت فرمادی ہے، مگر متکلمین اسلام نے آیات جدل کی؛ اور داعظین و مذکرین نے آیات تذکیر کی جیسی تشریح کرنی چاہئے تھی نہیں کی — اگر آپ آیات جدل اور آیات تذکیر کو اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں تو آگے شاہ صاحب جو کچھ فرما رہے ہیں اس کو غور سے پڑھیں۔ نہایت قیمتی مضامین ہیں۔ فَجَزَاهُ اللَّهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ



فصل اول

علم الجدل کا بیان

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں باطل فرقوں کی بہت سی گمراہیوں کو رد کیا ہے۔ اور گمراہ لوگوں کی بے ہودہ باتوں کا تشفی بخش جواب دیا ہے۔ یہی علم الجدل اور علم الخاصہ ہے، اور اس مضمون کی آیتوں کو آیات جدل اور آیات خاصہ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آیات جدل میں چار گمراہ فرقوں یعنی مشرکین، یہود و نصاریٰ اور منافقین کے نظریات و خیالات کو دو طریقوں سے رد فرمایا ہے:

(۱) کہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل نظریات اور فاسد خیالات کی صرف قباحت بیان فرمائی ہے، اور ان کا امر منکر ہونا بیان فرمایا ہے، دلائل و براہین سے تردید نہیں فرمائی، مثلاً مشرکین عرب کے اس عقیدے کو کہ ”فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں“ رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَنَهُ، وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ! وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ، يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ، أَيُمْسِكُ عَلَيْهَا وَهُوَ

أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ، أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (سورہ نحل آیت ۵۷-۵۹)

ترجمہ: اور (مشرکین) اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ وہ اس سے پاک ہے۔ اور اپنے لئے من پسند چیز! اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے، تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، اور دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے، اور لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے جس چیز کی اس کو خوشخبری دی گئی ہے اس کے عار سے، آیا اس کو ذلت سے قبول کر کے رہنے دے، یا مٹی میں داب دے۔ خوب سن لو! ان کی یہ تجویز بہت ہی بری ہے۔

اسی طرح یہود و نصاریٰ کے اسی قسم کے عقیدے کو رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ: عُزَيْرُ ابْنِ اللَّهِ، وَقَالَتِ النَّصَارَى: الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ، ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ، يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَتَلْنَاهُمُ اللَّهَ، أَنَّى يَكُونُ؟ (سورہ توبہ آیت ۳۰)

ترجمہ: اور یہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں، اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں، یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے، یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں، خدا ان کو غارت کرے، یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں؟

(۲) اور کہیں چاروں گمراہ فرقوں کے بے ہودہ خیالات کو بیان کرنے کے بعد دلائل قطعیہ اور خطابیہ سے ان کی مکمل تردید فرمائی ہے، مثلاً ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ، وَخَلَقْنَاهُمْ﴾ اور لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک ٹھہرایا، حالانکہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے (سورہ انعام آیت ۱۰۰) اس ارشاد میں دلیل خطابی سے شرک کی تردید کی گئی ہے کہ سبھی لوگ جانتے اور مانتے ہیں کہ شریک اور سا جھی ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو ہم پہلے اور ہم رتبہ ہو، اور جنات اللہ کے ہم پہلے اور ہم رتبہ نہیں ہیں، کیونکہ اللہ خالق ہیں اور وہ مخلوق، لہذا جنات کو اللہ تعالیٰ کا شریک و سا جھی ٹھہرانا باطل ہے۔

قیاس اقرانی:

اور منطقی انداز کے دلائل قطعیہ بھی قرآن کریم میں موجود ہیں، منطقی دلائل کی سب سے اہم اور کثیر الاستعمال قسم وہ ہے جسے اصطلاح میں ”قیاس اقرانی“ کہا جاتا ہے۔ اس قیاس میں عام طور

پر ایک کلیہ بیان کیا جاتا ہے، اور اپنے دعوے کو اس منطبق کیا جاتا ہے، قرآن کریم میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ سورہ طہ میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادو گروں سے مقابلہ ہوا، اور ان کی رسیاں اور لائٹھیاں سانپ بن کر چلنے لگیں، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کچھ خوف محسوس ہوا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں، آپ ہی سربلند رہیں گے۔ یہ لوگ فلاح نہیں پاسکتے، اس لئے کہ:

إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدًا سَاجِرًا، وَلَا يُفْلِحُ السَّاجِرُ حَيْثُ أَتَى
جو کچھ انھوں نے کیا ہے وہ ایک جادوگر کی ترکیب ہے، اور جادوگر خواہ کہیں چلا جائے،
(سورہ طہ آیت ۶۹) اُسے فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔

یہ قیاس اقتراہی کی وہ مثال ہے جس میں صغریٰ اور کبریٰ دونوں موجود ہیں، اور ایسی مثالیں تو بے شمار ہیں جن میں کوئی مقدمہ محذوف ہے، مثلاً کفار کہا کرتے تھے کہ جب انسان کی ہڈیاں خاک بن کر ختم ہو جائیں گی، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قیامت کے دن انہیں دوبارہ زندہ کر دیا جائے؟ اِيَخْسَبُ الْإِنْسَانُ اَلْأَن نَّجْمَعُ عِظَامَهُ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عین ممکن ہے۔

بَلَىٰ فَاِذْ رَيْنَ عَلٰى اَنَّ نُّسَوٰى بَنَانًا
کیوں نہیں، ہم اس بات پر قادر ہیں کہ انسان کی انگلیوں کے پوروں کو برابر کر دیں
(سورہ قیامہ آیت ۴)

یہ صغریٰ ہے، اور کبریٰ محذوف ہے کہ جو ذات پوروں کو برابر کرنے پر قدرت رکھتی ہے، وہ یقیناً ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، کیونکہ پوروں کا برابر کرنا ہڈیوں کو زندہ کرنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔

قیاس استثنائی

منطقی دلائل میں سے دوسری اہم قسم ”قیاس استثنائی“ ہے، یہ دلیل عام طور پر کسی چیز کی نفی کرنے کے لئے لائی جاتی ہے، اور اس کے دو جز ہوتے ہیں، پہلے جز یعنی صغریٰ میں جس چیز کی نفی کرنا مقصود ہوتا ہے، اُسے کسی دوسری چیز پر موقوف کر دیا جاتا ہے۔ اور دوسرے جز یعنی کبریٰ میں اس چیز کی نفی کر دی جاتی ہے جس پر پہلی چیز کو موقوف کیا گیا تھا، اس قسم کی دلیلیں بھی قرآن کریم میں بہت ہیں، مثلاً شرک کی نفی اور توحید کا اثبات کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

لَوْ كُنَّا فِيهِمَا آلِهَةً إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے، تو دونوں خراب ہو جاتے (سورہ انبیاء آیت ۲۲)

یہ صغریٰ ہے، اور کبریٰ محذوف ہے کہ ”لیکن زمین و آسمان فاسد نہیں ہوئے“ لہذا معلوم ہوا کہ زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔

السُّبْرُ وَالتَّقْسِيمُ

منطقی دلائل میں سے ایک اہم دلیل ”السُّبْرُ وَالتَّقْسِيمُ“ بھی ہے، جس کے ذریعہ مخالف کے دعوے کو رد کیا جاتا ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مخالف سے یہ کہا جائے کہ تمہارے دعوے کے ثابت ہونے کے لئے اتنے احتمالات میں سے کوئی ایک احتمال پایا جانا ضروری ہے۔ اور یہاں ان میں سے ایک بھی نہیں پایا جا رہا ہے اس لئے تمہارا دعویٰ باطل ہے۔ قرآن کریم میں اس کی بڑی واضح مثال موجود ہے۔

کفار حلال جانوروں میں سے بسا اوقات ز جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لیا کرتے تھے۔ اور بعض دفعہ ماداؤں کو، اللہ تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے سورہ انعام میں فرماتے ہیں کہ: ”تمہارے اس حرام قرار دینے کی علت اور وجہ کیا ہے؟ عقلاً صرف چار صورتیں ممکن ہیں، جن کے سوا کوئی پانچویں صورت نہیں ہو سکتی۔ (۱) یا تو تم ان کو مذکر ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیتے ہو، (۲) یا مونث ہونے کی بناء پر (۳) یا رحم مادر میں رہنے کی وجہ سے (۴) یا تم اس لئے حرام سمجھتے ہو کہ خدا نے ان کو حرام قرار دیا ہے — اور ان چاروں باتوں میں سے کسی کو بھی سبب حرمت نہیں بنا سکتے، نہ ہونے کو سبب حرمت اس لئے نہیں بنا سکتے کہ تم صرف ز جانوروں کو حرام قرار نہیں دیتے، بلکہ بعض دفعہ ماداؤں کو بھی حرام ٹھہراتے ہو — اور دوسری بات یعنی مادہ ہونے کو بھی سبب حرمت نہیں ٹھہرا سکتے، کیونکہ تم کبھی ز جانوروں کو بھی حرام سمجھتے ہو — اور رحم مادر میں رہنا اس لئے سبب حرمت نہیں ہو سکتا کہ تم بعض ز اور بعض مادہ کو حلال سمجھتے ہو، اگر یہ سبب حرمت ہو تا تو تمام ز اور مادہ جانور حرام ہوتے — اور چوتھی بات بھی سبب حرمت نہیں ہو سکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نازل نہیں فرمایا ہے، لہذا تمہارا حلال جانوروں میں سے کبھی ز کو اور کبھی مادہ کو حرام قرار دینا باطل ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ، وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ، اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے اونٹ میں سے دو، اور
 قُلُوبًا الذَّكَرَيْنِ حَرَمٌ أَمِ الْإُنثَيْنِ أَمَّا اشتملت علیہ ازحام الأنثیین؟ ام
 كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّيْنَاهُ اللَّهُ بِهِذَا؟ مادہ کے رحم مشتمل ہیں؟ یا تم اس وقت حاضر تھے
 جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات کا حکم دیا تھا؟ (سورۃ انعام آیت ۱۴۴)

تسلیم

منطقی دلیلوں میں سے چوتھی اہم دلیل ”تسلیم“ ہے، یعنی مخالف کی کسی بات یاد عوے کو تسلیم کر کے یہ کہنا کہ تمہاری بات مان لینے کے باوجود مقصود حاصل نہیں ہوتا، مثلاً کفار کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس انسان کے بجائے کسی فرشتہ کو پیغمبر بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے کئی طریقوں سے دیا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا، اور اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے، تب بھی اُسے
 وَلَلْبَشَرِ لَآلِئُهُمْ مَا يَلْبِسُونَ (سورۃ مرد کی شکل میں بھیجتے، اور ان کو اسی شبہ میں
 انعام آیت ۹) ڈالتے جس میں اب پڑے ہوئے ہیں۔

یعنی بفرض محال اگر تمہاری بات تسلیم کر کے فرشتہ بھیج بھی دیا جاتا، تب بھی تمہارا مقصود حاصل نہ ہوتا، کیونکہ فرشتہ کو اس کی اصلی شکل و صورت میں بھیجا جاتا تو تم اس کو دیکھ نہ سکتے، لہذا لا محالہ اُسے مرد کی صورت میں بھیجا جاتا، اور تم کو اس کے پیغمبر ہونے میں وہی اشکال ہوتا جو انسان کے پیغمبر ہونے کی صورت میں ہو رہا ہے۔

الفصلُ الأولُ

فی

عِلْمِ الْجَدَلِ

قد وقعتُ المُخَاصَمةُ فی القرآنِ العظیمِ معَ الفِرَقِ الأربَعِ الضَّالَّةِ: المشرکینَ
 والیہودَ والنصارى والمنافقینَ؛ وهذه المُخَاصَمةُ علی طَرِيقَتَیْنِ:

الأول: أن يَذْكُرَ سبحانه وتعالى العقيدة الباطلة، مع التنصيص على شناعيتها، ويَذْكُرَ استِنكارَها فحَسْبُ.

والثاني: أن يبين شُبُهَاتِهِم الواهية ويَذْكُرَ حلَّها بالأدلة البرهانية أو الخطابية

ترجمہ: پہلی فصل: علم الجدل کے بیان میں: تحقیقِ خاصہ واقع ہوا ہے قرآنِ عظیم میں چار گراہ فرقوں کے ساتھ، یعنی مشرکین، یہود و نصاریٰ اور منافقین (کے ساتھ) اور یہ خاصہ دو طریقوں پر (واقع ہوا) ہے:

پہلا طریقہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ باطل عقیدے کو ذکر فرماتے ہیں اس کی قباحت کی تصریح کے ساتھ، اور صرف اس کا منکر ہونا بیان فرماتے ہیں۔

دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لغو خیالات کو بیان فرماتے ہیں، اور برہان اور خطابی دلیلوں سے ان کا حل پیش فرماتے ہیں۔

لغات:

التنصيصُ (مصدر): تصریح کرنے میں مبالغہ کرنا..... شناعَة: قباحت، شنع (ک) شناعَة: قبیح ہونا..... شُبُهَات: شُبُهَة کی جمع ہے: جس میں حق و باطل یا حلال و حرام کا اشتباہ ہو، یہاں شُبُهَات سے باطل نظریات اور لغو خیالات مراد ہیں..... وَاهِيَة (اسم فاعل مؤنث): کمزور، بودا، وَهَى الشَّيْءُ يَهِي وَهْيًا: کمزور ہونا، بوسیدہ ہونا..... حَلَّ الْعُقْدَةِ (ن) حَلًا: کھولنا، اور اصطلاح میں ”حل“ سوء فہم کا منشاء ظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔



مشرکین کا تعارف

کسی بھی فرقہ کی تردید کو کماحقہ سمجھنے کے لئے اس کے احوال کا جاننا ضروری ہے، اس لئے شاہ صاحب پہلے مشرکین عرب کے کچھ احوال ذکر فرماتے ہیں:

مشرکین عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین و مذہب کو مانتے تھے، اور اس کے شعائر پر کار بند تھے، اسی لئے وہ اپنے آپ کو ”حُنَفَاء“ کہتے تھے، ”حنیف“ اس کو کہا جاتا ہے جو ملت

ابراہیمی کا پیر و اور اس کے شعائر کا پابند ہو۔۔۔۔۔ نیز مشرکین عرب ملت ابراہیمی میں جو اعمال حسنه تھے ان کو اچھا، اور جو کام حرام تھے ان کو برا سمجھتے تھے، مگر میدان عمل میں خواہشات نفس کی پیروی کرتے تھے، چنانچہ اکثر مشرکین اعمال صالحہ کے تارک، اور حرام کاموں کے ارتکاب میں بے باک تھے۔۔۔۔۔ نیز مشرکین عرب ملت ابراہیمی کے عقائد کو بھی فی الجملہ تسلیم کرتے تھے، ان پر ان کے اشعار دلالت کرتے ہیں، مگر جمہور مشرکین شکوک و شبہات کی وجہ سے ان عقائد کو بعید سمجھتے تھے، اور طرح طرح کی گمراہیوں اور بد اعمالیوں میں مبتلا تھے، یہ مشرکین کا مختصر تعارف ہے، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ذکر المشرکین

وقد کان المشرکون یُسَمُّونَ أَنْفُسَهُمْ حُنَفَاءَ وَیَدْعُونَ التَّائِیْنَ بِمِلَّةِ سَیِّدِنَا اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ؛ وَانْمَا یَقَالُ "الْحَنِیْفُ" لِمَنْ تَدَّیْنَ بِالْمِلَّةِ الْاِبْرَاهِیْمِیَّةِ، وَالتَّزَمَ شِعَارَهَا.

ترجمہ: مشرکین کا تذکرہ: مشرکین اپنے آپ کو "حنفاء" کہتے تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اپنانے کا دعویٰ کرتے تھے، اور "حنیف" اسی کو کہا جاتا ہے جس نے شریعت ابراہیمی کو اپنایا ہو، اور اس کے شعائر کو لازم پکڑا ہو۔

لغات:

حُنَفَاءُ؛ حَنِیْفُ کی جمع ہے: ادیان باطلہ کو چھوڑ کر دین حق کی طرف مائل ہونے والا، اور عرف میں "حنیف" اس شخص کو کہتے ہیں جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کو اپنایا ہو، اور اس کے شعائر کا پابند ہو..... تَدَّیْنَ بِالْمِلَّةِ: دین اختیار کرنا، مذہب کو اپنانا۔



ملت ابراہیمی کے شعائر

شُعَارُ؛ شَعِیْرَةُ کی جمع ہے، اور شَعِیْرَةُ کے لغوی معنی ہیں: علامت، اور شعائر کے اصطلاحی معنی ہیں: وہ امتیازی باتیں جن سے کسی ملت کی پہچان ہو، اور ملت ابراہیمی کے شعائر یہ ہیں: بیت اللہ شریف کا حج کرنا، نماز میں اس کی طرف چہرہ کرنا، جنابت لاحق ہونے پر غسل کرنا، ختنہ

کرنا، مونچھیں پست کرنا، ڈاڑھی رکھنا، سواک کرنا، کلی کرنا، ناک صاف کرنا، ناخن تراشنا، بدن کے جوڑوں کو دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیر ناف کو مونڈنا، پانی سے استنجاء کرنا، قابل احترام مہینوں اور مسجد حرام کی تعظیم کرنا، نسبی اور رضاعی محرمات کو حرام سمجھنا، حلق میں ذبح کرنا، سینہ کے بالائی حصہ میں نحر کرنا، ذبح اور نحر کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا، خصوصاً ایام حج میں قربانی کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنا وغیرہ۔

شعائر الملة الإبراهيمية:

وشعائرُها: حجُّ البيت الحرام، واستقباله في الصلوات، والغسل من الجنابة، والاختتان، وسائرُ خصالِ الفطرة وتحریمُ الأشهرِ الحُرُم، وتعظيمُ المسجدِ الحرام، وتحریمُ المُحرّماتِ النَّسَبیَّةِ والرُّضَاعیَّةِ، والدَّبْحُ فی الحَلْقِ، والنَّحْرُ فی اللَّبَّةِ، والتَّقَرُّبُ بالدَّبْحِ والنَّحْرِ إلى الله تعالى، لا سِمْما فی ایامِ الْحَجِّ.

ترجمہ: ملت ابراہیمی کے شعائر: اور اس (ملت) کے شعائر: بیت اللہ کا حج کرنا، نمازوں میں اس کی طرف چہرہ کرنا، جنابت سے غسل کرنا، ختنہ کرنا، دیگر فطری سنتیں، قابل احترام مہینوں کا احترام کرنا، مسجد حرام کی تعظیم کرنا، نسبی اور رضاعی محرمات کو حرام سمجھنا، حلق میں ذبح کرنا، سینہ کے بالائی حصہ میں نحر کرنا، ذبح اور نحر کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا، خصوصاً ایام حج میں (یہ سب ملت ابراہیمی کے شعائر) ہیں۔

لغات:

الأشهرُ الحُرُم: ادب و احترام کے مہینے یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، اور محرم اللَّبَّة: سینہ کا بالائی حصہ جس پر ہار پڑا ہوتا ہے، جمع لَبَات لَا سِمْما: کلمہ استثناء ہے، اور لائے نفی جنس، مِسیٰ (برابر، مثل) اور ماحرفیہ یا اسمیہ سے مرکب ہے۔

خصال فطرت:

وہ خصوصی صفات اور امتیازی اعمال جو فطرت انسانی اور جبلت بشری کے عین مطابق ہیں ان کو ”خصال فطرت“ کہا جاتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول

اکرم ﷺ نے فرمایا: دس چیزیں فطرت میں سے ہیں (۱) مونچھیں پست کرنا (۲) ڈاڑھی بڑھانا (۳) مسواک کرنا (۴) ناک میں پانی لے کر اس کی صفائی کرنا (۵) ناخن تراشنا (۶) بدن کے جوڑوں کو دھونا (۷) بغل کے بال اکھاڑنا (۸) زیر ناف کو موٹنا (۹) پانی سے استنجاء کرنا (۱۰) اور کلی کرنا (مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف) اور بعض احادیث میں ہے کہ (۱۱) ختنہ کرنا (۱۲) اور مانگ نکالنا بھی فطرت میں سے ہیں، اور یہ تمام امور مشرکین عرب میں رائج تھے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

وَإِنَّ مِنْ أَبْوَابِ الْعِبَادَةِ الطَّهَارَةَ، وَمَا زَالَ
الْفُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ سُنَّةَ مَعْمُولَةٍ عِنْدَهُمْ،
وَكَذَلِكَ الْخِتَانُ وَسَائِرُ خِصَالِ الْفِطْرَةِ
(ج ۱ ص ۱۷۷)

اور
مشرکین کے یہاں جنابت سے غسل کرنے
کا طریقہ رائج تھا، اسی طرح ختنہ اور دیگر
خصال فطرت بھی رائج تھے۔



ملت ابراہیمی کے احکام اور مشرکین کا طرز عمل

جب یہ بات آپ نے جان لی کہ مشرکین عرب میں ملت ابراہیمی کے تمام شعائر رائج تھے، تو اب یہ بھی جان لینا چاہئے کہ ملت ابراہیمی میں جو کام مشروع تھے یعنی وضو، نماز، زکوٰۃ، اور صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنا، یتیموں اور مسکینوں پر صدقہ کرنا، آفاتِ سماوی میں لوگوں کی مدد کرنا، مسافروں اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرنا، صلہ رحمی کرنا وغیرہ، ان کو اگرچہ اکثر مشرکین نہیں کرتے تھے، مگر ان کو اچھا سمجھتے تھے، اور جو شخص ان کاموں کو کرتا تھا، اس کی تعریف کرتے تھے، اسی طرح ملت ابراہیمی میں جو کام حرام تھے یعنی قتل، چوری، زنا، سود اور غصب وغیرہ، ان کو اگرچہ اکثر مشرکین کرتے تھے، مگر فی الجملہ ان کو برا سمجھتے تھے، اور جو شخص ان کاموں کو کرتا تھا اس کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

”حکمائے عرب بھی وضو کیا کرتے تھے، اور ان میں کچھ لوگ نماز بھی پڑھتے تھے، حضرت

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے تین سال سے نماز

پڑھا کرتے تھے۔ اور قُتُس بن سائدہ زیادہ بھی نماز پڑھتے تھے۔

اسی طرح ان میں زکوٰۃ کا بھی رواج تھا، اور مہمانوں اور مسافروں کی مہمان نوازی کرنا، بے سہارے کو سہارا دینا، غریبوں اور مسکینوں پر صدقہ کرنا، صلہ رحمی کرنا، اور آفاتِ سماوی میں لوگوں کی مدد کرنا بھی رائج تھا، اور ان امور کی وجہ سے لوگوں کی تعریف بھی کی جاتی تھی، اور مشرکین جانتے تھے کہ انسان کی سعادت و کمال کا مدار ان ہی امور پر ہے، چنانچہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا: ”خداے پاک کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں فرمائیں گے، کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، بے سہارا کو سہارا دیتے ہیں اور آفاتِ سماوی میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں“ اور ابنِ دُغْنَّہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی ایسا ہی کہا تھا۔

نیز مشرکین میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنے کا بھی رواج تھا، قریش مکہ زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، اسی طرح مسجد میں اعتکاف کرنے کا بھی رواج تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی، اور آنحضرت ﷺ سے اس کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا تھا، اور عاص بن وائل نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے اتنے اتنے غلام آزاد کرنا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل جاہلیت مختلف قسم کی عبادتیں کیا کرتے تھے، اور حج بیت اللہ، شعائر حج اور اَشْهُرِ حُرْم کی تعظیم کرنا، تو اس قدر واضح ہے کہ کسی سے پوشیدہ نہیں (حجۃ اللہ ج ۱ ص ۱۲) نیز حرام کاموں کی مذمت اور برائی بھی فی الجملہ مشرکین عرب میں پائی جاتی تھی، زید بن عمرو بن نفیل، فساق و فجار کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے

عَجِبْتُ وَفِي اللَّيَالِي مُفْجِئَاتٍ ÷ وَفِي الْأَيَّامِ يَعْرِفُهَا الْبَصِيرُ
بِأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَفْنَى رِجَالًا ÷ كَثِيرًا كَانَ مَشَانِهِمُ الْفُجُورُ

ترجمہ: میں تعجب کرتا ہوں — حالانکہ راتوں اور دنوں میں بہت سے تعجب خیز امور ہیں جن کو صاحب بصیرت پہچانتا ہے — اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے جواں مردوں کو فنا کر دیا ہے، جن کا شیوہ فسق و فجور تھا۔

شَرَائِعُهَا

وقد كان الوضوء والصلاة، والصوم من طلوع الفجر إلى غروب الشمس، والصدقة على اليتامى والمساكين، والإعانة على نوائب الحق، وصلوة الأرحام مشروعة في أصل الملة، وكان التَّمَلُّحُ بهذه الأعمال شائعاً فيما بينهم، إلا أن جُمهورَ المشركين قد تركوها، حتى صارت هذه الأعمال في حياتهم العَمَلِيَّة كَأَن لم تكن شيئاً.

وقد كان تحريمُ القتل والسَّرِقَةِ والزنا والربا والغصب أيضاً ثابتاً في أصل الملة؛ وكان استنكارُ هذه الأفعال باقياً عندهم في الجُمْلَةِ؛ ولكنَّ جُمهورَ المشركين كانوا يرتكبونها، ويتَّبِعُونَ النفسَ الأُمَّارَةَ فِيهَا.

ترجمہ: ملت ابراہیمی کے احکام: وضو، نماز اور صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنا، یتیموں اور مسکینوں پر صدقہ کرنا، آفاتِ سماوی میں مدد کرنا، اور صلہ رحمی کرنا ملت ابراہیمی میں مشروع تھا، اور ان کاموں کی مدح سرائی ان کے درمیان رائج تھی، مگر اکثر مشرکین ان (کاموں) کو ترک کر چکے تھے یہاں تک کہ یہ کام ان کی عملی زندگی میں کالعدم ہو چکے تھے۔

اور قتل، چوری، زنا، سود اور غصب کی حرمت بھی اصل ملت (ابراہیمی) میں ثابت تھی، اور ان کاموں کی قباحیت ایک درجہ میں ان کے نزدیک باقی تھی، لیکن اکثر مشرکین ان (کاموں) کا ارتکاب کرتے تھے۔ اور ان (کاموں) میں نفسِ مارہ کی پیروی کرتے تھے۔



ملت ابراہیمی کے عقائد اور مشرکین کا نظریہ

جس طرح مشرکین عرب ملت ابراہیمی کے احکام کو فی الجملہ (کسی درجہ میں) مانتے تھے۔ اسی طرح ملت ابراہیمی کے عقائد کو بھی فی الجملہ تسلیم کرتے تھے، چنانچہ وہ اللہ کے وجود کو تسلیم کرتے تھے، اور یہ بھی مانتے تھے کہ زمین اور بلند آسمانوں کو اسی نے پیدا کیا ہے، اور وہی بڑے بڑے حوادث کا مدبر ہے، اور پیغمبروں کو بھیجے اور بندوں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دینے پر قادر

ہے، اسی طرح تقدیر الہی کو بھی فی الجملہ مانتے تھے، اور فرشتوں کو اللہ کے مقرب بندے اور لائق تعظیم سمجھتے تھے، چنانچہ جاہلی شعراء کے اشعار ان تمام عقیدوں پر دلالت کرتے ہیں، لیکن اکثر مشرکین ان عقیدوں کو بعید سمجھتے تھے، اور ان کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا تھے، جاہلی شاعر ابوالصلت بن ابی ربیعہ ثقفی واقعہ فیل کے بارے میں کہتا ہے

إِنَّ آيَاتَ رَبَّنَا ثَاقِبَاتٌ ÷ لَا يَمَارِي فِيهِنَّ إِلَّا الْكَفُورُ
خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ فَكُلٌّ ÷ مُسْتَبِينٌ، حِسَابُهُ مَقْدُورُ
ثُمَّ يَجْلُو النَّهَارَ رَبِّ رَحِيمٌ ÷ بِمَهَابَةٍ شُعَاعُهَا مَنشُورُ
حَبَسَ الْفِيلَ بِالْمَغْمَسِ حَتَّى ÷ ظَلَّ يَجُورُ كَأَنَّهُ مَعْقُورُ

ترجمہ: ہمارے رب کی نشانیاں روشن ہیں، ان میں ناشکرے کے علاوہ کوئی بھی شک نہیں کرتا، رات اور دن کو اس نے پیدا کیا، چنانچہ ہر ایک نمایاں ہے، اور اس کا ضابطہ متعین ہے، پھر مہربان رب نے دن کو روشن کیا، ایسے سورج سے جس کی شعائیں (کرنیں) پھیلی ہوئی ہیں اس نے ہاتھی کو مغمس میں روک دیا یہاں تک کہ وہ سرین کے بل چلنے لگا گویا اس کے پیر کٹے ہوئے ہیں۔
نوٹ: مغمس طائف کے راستے میں مکہ مکرمہ سے تقریباً تین فرسخ کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔

عقائدہا:

وقد كانت عقيدة إثبات الصانع سبحانه وتعالى، وأنه هو خالق الأرض والسموات العلوى، وأنه مدبر الحوادث العظام، وأنه قادر على إرسال الرسل وجزاء العباد بما يعملون، وأنه مقدّر للحوادث العظيمة قبل وقوعها، وأن الملائكة عبادُه المقربون، وأنهم يستحقون التعظيم، كل ذلك كان ثابتاً عندهم، ويدل على ذلك أشعارهم؛ ولكن جمهور المشركين قد وقعوا في شبهات كثيرة تُجَاه هذه المعتقدات لاستبعادها، وعدم الفهم يادراكيها.

ترجمہ: ملت ابراہیمی کے عقائد: خالق کائنات سبحانہ و تعالیٰ کے وجود کا عقیدہ، اور یہ (عقیدہ) کہ وہی بلند آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں۔ اور وہی بڑے بڑے حوادثات کی تدبیر اور انتظام کرنے والے ہیں، اور یہ (عقیدہ) کہ دور سولوں کے بھیجنے پر، اور بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ

دینے پر پوری قدرت رکھتے ہیں، اور وہ بڑے بڑے حوادث کو رد و نما ہونے سے پہلے فیصل کرنے والے ہیں، اور یہ (عقیدہ) کہ فرشتے اس کے مقرب بندے ہیں، اور تعظیم کے مستحق ہیں، یہ سب عقیدے ان کے نزدیک ثابت تھے، اور اس (کے ثبوت) پر ان کے اشعار دلالت کرتے ہیں، لیکن اکثر مشرکین ان عقیدوں کے پیش نظر بہت سے شکوک و شبہات میں مبتلا تھے، ان کو بعید سمجھنے کی وجہ سے؛ اور ان کے علم و ادراک سے الفت و رغبت نہ ہونے کی وجہ سے۔

لغت:

تَجَاه، تَجَاه اور تَجَاه کے معنی ہیں: سامنے، مقابل، کہا جاتا ہے: قَعِدُوا تَجَاهَهُ: وہ لوگ اس کے سامنے بیٹھے، حدیث شریف میں ہے: اِحْفَظِ اللّٰہَ تَجَاهَهُ اللّٰہُ تَجَاهَكَ: اللّٰہ کے حقوق کی حفاظت کر، اس کو اپنے سامنے پائے گا (مشکوٰۃ شریف باب التوکل ص ۴۵۳)



مشرکین کی گمراہیاں

مشرکین عرب اگرچہ خفاء یعنی ملت ابراہیمی کے پیرو تھے، مگر اس کے باوجود شرک اور تشبیہ کے دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، ملت ابراہیمی میں تحریف اور آخرت کا انکار کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کی رسالت کو بعید اور من گھڑت باتوں کو دین سمجھتے تھے، برے کاموں اور ظلم و زیادتی میں بے باک اور عبادتوں کو ملیا میٹ کرنے والے تھے۔

ضلال المشرکین

وكان من ضلالهم: الشرك، والتشبيه، والتحريف، وجحود الآخرة، واستبعاد رسالة النبي صلى الله عليه وسلم، وشيوع الأعمال القبيحة والمظالم فيما بينهم، وابتداع التقاليد الباطلة، وأندراس العبادات.

ترجمہ: مشرکین کی گمراہی: اور مشرکین کی گمراہی میں سے تھا (۱) شرک (۲) تشبیہ (۳) تحریف (۴) اور آخرت کا انکار کرنا (۵) نبی کریم ﷺ کی رسالت کو بعید سمجھنا (۶) برے اعمال اور ظلم و ستم کا ان کے درمیان پھیل جانا (۷) باطل مذہبی باتوں کو ایجاد کرنا (۸) اور عبادتوں کا مٹ جانا۔



شرک کا بیان

اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات میں سے کسی صفت کو غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا شرک ہے، مثلاً: اسباب و آلات کے بغیر صرف ارادہ سے کائنات میں تصرف کرنا اللہ کی صفت خاصہ ہے، اسی طرح علم ذاتی یعنی عقل و حواس اور خواب و الہام وغیرہ اسباب علم کے بغیر حاصل شدہ علم بھی اللہ کی خاص صفت ہے، نیز بیمار کو شفا یاب کرنا، کسی کو دنیا و آخرت کی بھلائیوں اور سعادتوں سے محروم کرنا، اور کسی کو دنیا اور آخرت کی بھلائیوں اور سعادتوں سے نوازنا، اللہ جل شانہ کی مخصوص صفات ہیں، ان صفات میں سے کسی صفت کو غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔

بیان الشِّرْک

وَالشِّرْکُ: أَنْ يُثَبَّتَ لِغَيْرِ اللَّهِ تَعَالَى شَيْئًا مِنَ الصِّفَاتِ الْمُخْتَصَّةِ بِهِ تَعَالَى كَالْتَصَرُّفِ فِي الْعَالَمِ بِالْإِرَادَةِ الَّتِي يَعْبُرُ عَنْهَا بِ «كُنْ فَيَكُونُ» أَوْ الْعِلْمِ الذَّاتِيِّ الَّتِي لَا يَحْصُلُ بِالْاِكْتِسَابِ عَنْ طَرِيقِ الْخَوَاسِّ وَدَلِيلِ الْعَقْلِ وَالْمَنَامِ وَالْإِلْهَامِ وَنَحْوِ ذَلِكَ، أَوْ الْإِجَادِ لِشِفَاءِ الْمَرِيضِ، أَوْ اللَّعْنِ عَلَى شَخْصٍ وَالسَّخَطِ عَلَيْهِ حَتَّى يُقَدَّرَ عَلَيْهِ الزَّرَقُ، أَوْ يَمْرَضَ، أَوْ يَشْقَى بِسَبَبِ ذَلِكَ السَّخَطِ، أَوْ الرَّحْمَةِ لِشَخْصٍ حَتَّى يُبْسَطَ لَهُ الزَّرَقُ، وَيَصِحَّ بَدَنُهُ، وَيُسَعَّدَ بِسَبَبِ هَذِهِ الرَّحْمَةِ

ترجمہ: شرک کا بیان: شرک یہ ہے کہ ثابت کرے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ماسوا کے لئے کوئی صفت ان صفات میں سے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، جیسے کائنات میں بالارادہ تصرف کرنا جس کو «كُنْ فَيَكُونُ» سے تعبیر کیا جاتا ہے، یا (جیسے) علم ذاتی، جو حاصل نہیں ہوتا ہے حواس کے ذریعہ کسب کرنے سے، اور عقل کی رہنمائی اور خواب و الہام وغیرہ سے کسب کرنے سے، یا بیمار کو شفا بخشنا، یا کسی شخص پر لعنت کرنا، اور اس سے ناراض ہونا یہاں تک کہ اس پر روزی تنگ ہو جائے، یا بیمار ہو جائے، یا بد بخت ہو جائے اس ناراضگی کی وجہ سے، یا کسی شخص پر مہربان ہونا یہاں تک کہ اس کے لئے روزی کشادہ ہو جائے، اور اس کا بدن تندرست ہو جائے، اور وہ نیک بخت ہو جائے اس مہربانی کی وجہ سے۔

لغات:

قَدَّرَ (ن، ض) قَدَرًا، وَقَدَّرَ عَلَى عِيَالِهِ: اہل و عیال پر نان و نفقہ میں تنگی کرنا..... شَقَى (س)

شَقَاوَةٌ: بد بخت ہونا..... بَسْطُ (ن) بَسْطًا: پھیلا نا، کشادہ کرنا..... مَعَادَةٌ (س) مَعَادَةً: نیک بخت ہونا..... الشِّرْكَ؛ أَشْرَكَ کا اسم ہے: شریک حصہ، ساجھی، پائٹنر جمع أَشْرَاكَ؛ أَشْرَكَ بِاللّٰهِ شَرِيكَ مُخْبِرًا، شرک کرنا۔

﴿فائدہ﴾ زیر شرح عبارت میں شاہ صاحب نے شرک فی الصفات کی تعریف کی ہے، کیونکہ مشرکین عرب کا شرک اسی قسم کا تھا — شرک کی پوری تعریف یہ ہے کہ دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کی ذات میں یا اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے کسی صفت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک و ساجھی ہے — ذات میں شریک ماننے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرح کسی اور ہستی کو واجب الوجود اور قدیم مانے جیسے آتش پرستوں کا عقیدہ ہے کہ خداداد ہیں (۱) يَزِدَانِ (خبر کا خالق) (۲) اور اَهْوَمَنْ (شرک کا خالق) — اور صفات خداوندی میں شریک ماننے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی صفات خاصہ میں سے کسی صفت کو غیر اللہ کے لئے ثابت مانے، مثلاً یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح فلاں ہستی عبادت کے لائق ہے، یا فلاں بزرگ بارش برسا سکتے ہیں، یا شفا یاب کر سکتے ہیں، یا بیٹا بیٹی دے سکتے ہیں، یا مارنا جلانا ان کے قبضہ قدرت میں ہے، یا یہ اعتقاد رکھے کہ فلاں پیغمبر یا ولی خدا کی طرح غیب کا علم ذاتی رکھتے ہیں، اور کائنات کے ذرہ ذرہ کا ان کو علم ذاتی ہے۔



مشرکین عرب کا شرک

مشرکین عرب کائنات کے پیدا کرنے میں، اور عظیم الشان امور کی تدبیر و انتظام میں نہ کسی کو اللہ کا شریک و ساجھی مانتے تھے، نہ کسی کے لئے اللہ کے قطعی فیصلہ کو رد کرنے کی قدرت ثابت کرتے تھے، صرف لوگوں کے معاملات میں اور بشری ضرورتوں میں دوسروں کو اللہ کا شریک و ساجھی مانتے تھے۔

مشرکین عرب کا یہ گمان تھا کہ جس طرح ایک عظیم الشان بادشاہ اپنی رعایا کا انتظام خود نہیں کرتا، بلکہ ان کے معاملات کا نظم و نسق مقربین بارگاہ کو سونپ دیتا ہے، اور رعایا پر ان کی اطاعت واجب کر دیتا ہے۔ اور ان کی سفارش ان کے خداؤں اور مقربین کے معاملات میں قبول کرتا ہے اسی طرح اللہ جل شانہ نے اپنے بعض مقرب بندوں کو الوہیت کا مرتبہ عطا فرمایا ہے، اور

اپنے دیگر بندوں کے معاملات کا نظم و نسق ان کو سونپ دیا ہے، لہذا ان مقرب بندوں کو خوش رکھنا ضروری ہے، تاکہ وقت ضرورت وہ سفارش کریں، اور ان کے توسط سے اللہ جل شانہ تک رسائی آسان ہو جائے۔

ان خیالی باتوں کے پیش نظر مشرکین ان مقرب بندوں کے لئے سجدہ کرنے اور قربانی کرنے کو، نیز ان کی قسمیں کھانے، اور اہم امور میں ان کی قدرت کاملہ سے مدد مانگنے کو جائز سمجھتے تھے۔ پھر مشرکین نے ان مقرب بندوں کی طرف توجہ ہونے کے لئے ان کی مورتیاں بنائیں، اور ان کو قبلہ توجہ بنایا، مگر رفتہ رفتہ جاہل اور ناسمجھ لوگ ان مورتیوں ہی کو معبود حقیقی سمجھنے لگے، تو عقیدوں میں بہت بڑا فساد اور بگاڑ پیدا ہو گیا۔

ولم یکن هؤلاء المشرکون یشرکون أحداً فی خلقی الجواهر، وتدبیر الأمور العظام، ولا یثبتون لأحد قدرة الممانعة إذا أوبرم الله تعالى أمراً؛ وإنما کان إشراکهم فی أمور خاصة ببعض العباد، ویظنون أن سلطاناً عظیماً من السلاطین كما یُرسل عبیدہ المخصوصین إلى نواحی مملکته، ویجعلهم مختارین مُتصرفین فی أمور جزئیة، إلى أن یصدّر عنه حکم صریح فی أمر خاص، ولا یقوم بشئون الرعیة وأمورهم الجزئیة بنفسه، بل یکل الرعیة إلى الولاة والحکام، ویقبل شفاعتهم فی حق الذین یتخیمونهم، یتوسلون بهم؛ كذلك قد خلّع الملیک علی الإطلاق علی بعض عبادہ خلعة الألوهیة، وجعل سخطهم ورضاهم مؤثراً فی عبادہ الآخرين. فیروّن التزلّف إلى أولئک العباد المقربین واجباً لیتیسر لهم حسن القبول فی حضرة الملیک المطلق، وتقبل شفاعتهم للمتقربین بهم فی مجاری الأمور.

وكانوا یجوزون نظراً إلى هذه الأمور: أن یسجد لهم، ویذبح لهم، ویخلف بهم، ویستعان بقدرتهم المطلقة فی الأمور البهیمة. ونحتوا صوراً کصورهم من الحجر والصفر وجعلوها قبلة للتوجه إلى تلك الأرواح؛ حتی اعتقد الجهال شیئاً فشیئاً تلك الصور معبودة بذواتها؛ فطرق الفساد العظیم إلى المعتقدات.

ترجمہ: یہ مشرکین نہیں شریک ٹھہراتے تھے کسی کو کائنات کی چیزوں کے پیدا کرنے میں، اور بڑے بڑے معاملات کی تدبیر و انتظام میں، اور نہیں ثابت کرتے تھے کسی کے لئے روکنے اور رد کرنے کی

قدرت جب اللہ تعالیٰ قطعی فیصلہ فرمادیں کسی کام کا، اور بیشک ان کا شرک ایسے معاملات میں تھا جو بعض بندوں کے ساتھ خاص ہیں، اور وہ گمان کرتے تھے کہ بادشاہوں میں سے ایک عظیم الشان بادشاہ جس طرح اپنے مخصوص بندوں کو اپنی مہلت کے اطراف و جوانب میں بھیجتا ہے، اور ان کو جزوی معاملات میں مختار و متصرف بنادیتا ہے، اس (عظیم الشان بادشاہ) کی طرف سے صریح حکم صادر ہونے تک کسی خاص معاملہ میں، اور وہ (بادشاہ) رعیت کے معاملات اور ان کے جزوی کاموں کو خود انجام نہیں دیتا، بلکہ رعیت (کے معاملات) سرداروں اور حاکموں کو سپرد کردیتا ہے، اور ان کی سفارش ان لوگوں کے حق میں قبول کرتا ہے، جو ان (حکام) کی خدمت کرتے ہیں، اور ان کو وسیلہ بناتے ہیں۔ اسی طرح شہنشاہ کامل (یعنی اللہ تعالیٰ) نے اپنے بعض بندوں کو الوہیت کا مرتبہ عطا فرمایا ہے، اور ان کی ناراضگی اور رضامندی کو اپنے دوسرے بندوں کے حق میں مؤثر بنایا ہے، پس وہ (شرکین) ان مقرب بندوں کے تقرب کو ضروری خیال کرتے ہیں، تاکہ آسانی سے ان کو اچھی مقبولیت حاصل ہو جائے شہنشاہ کامل کی بارگاہ میں، اور ان (مقرب بندوں) کی شفاعت روزمرہ کے معاملات میں ان لوگوں کے لئے قبول کی جائے جو ان کے وسیلہ سے قرب خداوندی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ان خیالی باتوں کے پیش نظر وہ (شرکین) جائز سمجھتے تھے ان کے واسطے سجدہ کرنے کو، اور ان کے لئے قربانی کرنے کو، ان کی قسم کھانے کو اور اہم معاملات میں ان کی قدرت کاملہ سے مدد مانگنے کو، اور ان شرکین نے ان (مقرب بندوں) کی شکل و صورت جیسی پتھر اور پیتل کی مورتیاں تراش رکھی تھیں، اور ان (مورتیوں) کو ان (مقرب بندوں) کی ارواح کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ بنایا تھا، یہاں تک کہ نادانوں نے رفتہ رفتہ ان مورتیوں ہی کو حقیقی معبود مان لیا، پس عظیم بگاڑ نے عقیدوں تک پہنچنے کی راہ پالی۔

لغات:

جَوَاهِر: جَوَہر کی جمع ہے: وہ چیز جو قائم بالذات ہو، اور اپنے وجود میں محل کی محتاج نہ ہو، اس کا مقابل ”عرض“ ہے: یہاں جو اہر سے مراد کائنات کی مادی چیزیں ہیں..... اَبْرَمَ الْأُمُور: مضبوط کرنا، اٹل فیصلہ کرنا..... نَوَاحِی: نَاحِیۃ کی جمع ہے: جانب، جہت..... قَامَ بِالْأُمُورِ یَقُومُ قِیَامًا: انتظام کرنا..... وَكُلَّ یَكُلُ وَكُلًّا وَوُكُلًا إِلَیْهِ الْأُمُورُ: سپرد کرنا..... وَالْهَى: والی کی جمع ہے: حاکم شہر..... خِلْعَة: کپڑے جو عزت کے طور پر ملیں، مجازاً عزت و مرتبہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے خَلَعَ عَلَیْهِ ثَوْبًا (ف) خَلَعْنَا: خَلَعْتَ دینا..... تَوَلَّفَ: تقرب..... مَجَارَى: مَجْرَى کی جمع ہے، اور مَجَارَى

الامور سے آئے دن پیش آنے والے امور مراد ہیں..... نَحَتَ (ن، ض) نَحَتْنَا الْحَجَرُ: پتھر کو تراش کر ہموار کرنا..... الصُّفْرُ: پیتل، سونا..... تَطَرَّقَ إِلَيْهِ: راستہ پالینا۔



تشبیہ کا بیان

تشبیہ یہ ہے کہ بشری صفات میں سے کسی صفت کو اللہ جل شانہ کے لئے ثابت کیا جائے مثلاً شکل و صورت اور جسم والا ہونا، یا بیٹا بیٹی والا ہونا بشری صفات ہیں، ان صفات میں سے کسی صفت کو اللہ جل شانہ کے لئے ثابت کرنا تشبیہ ہے۔

مشرکین عرب کی تشبیہ یہ تھی کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے، اور اُن کا یہ بھی خیال تھا کہ جس طرح ایک عظیم الشان بادشاہ اپنی مرضی کے خلاف بڑے بڑے امراء کی بات مان لیتا ہے اسی طرح اللہ جل شانہ اپنے مقرب بندوں کی سفارش قبول کرتے ہیں، چاہے وہ اللہ کی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، نیز مشرکین عرب اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے باری تعالیٰ کی صفات سمع و بصر اور علم کو اپنی صفتوں پر قیاس کرتے تھے کہ جس طرح ہم دیکھنے، سننے اور جاننے میں آنکھ کان وغیرہ اعضاء کے محتاج ہیں، اسی طرح باری تعالیٰ بھی آنکھ کان وغیرہ اعضاء کے محتاج ہیں، اور وہ اسی کوتاہ فہمی کی وجہ سے اس گمراہی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ شکل و صورت اور جسم والے ہیں۔ اور تمیز و تمسک ہیں۔ شاہ صاحب جتہ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

وَمُعْظَمُ الْخَطَا شَيْنَانِ: اَنْ يُعْتَقَدَ فِي
الواجِبِ صفاتُ المخلوقِ، او يُعْتَقَدَ فِي
المخلوقِ صفاتُ الواجبِ، فالأَوَّلُ هو
التشبيهُ، وَمَنْشُؤُهُ قِيَاسُ الغائبِ عَلَى
الشاهدِ، والثاني هو الاِشْرَاقُ وَمَنْشُؤُهُ
رُؤْيَةُ الآثَارِ الخارِئَةِ مِنَ المخلوقين
فَيُظَنُّ أَنَّهَا مُضَافَةٌ إِلَيْهِمْ بِمعْنَى الخلقِ
وَأَنَّهَا ذَاتِيَّةٌ لَهُمْ (ج ۱ ص ۵۷)

دو گمراہیاں بہت بڑی ہیں: (۱) واجب تعالیٰ میں مخلوق کی صفات مان لینا (۲) یا مخلوق میں صفات خداوندی تسلیم کرنا، اول تشبیہ ہے، اور اس کا منشا غائب کو حاضر پر قیاس کرنا ہے، اور دوسری شرک ہے۔ اور اس کا منشا مخلوقات سے خرق عادت امور و آثار کا مشاہدہ کرنا ہے، پس یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان امور و آثار کے خالق یہی ہیں، اور یہ ان کے ذاتی آثار ہیں

بیان التَّشْبِیْهِ

والتَّشْبِیْهِ: عبارة عن إثبات الصفات البشرية لله تبارك وتعالى، فكانوا يقولون: إن الملائكة بناتُ الله، وإنه تعالى يَقْبَلُ شفاعَةَ عبادِهِ، وإن لم يرَضَ بها، كما يفعل الملوك أحياناً مثل ذلك مع الأمراء الكبار؛ ولَمَّا لم يستطيعوا إدراكَ علمِهِ تعالى وَسَمِعِهِ وَبَصَرِهِ، كما يليق بشأن الألوهية، قاسوها على علمهم وَسَمِعِهِم وَبَصَرِهِم، فوقعوا في عقيدة التَّجْسِيم، ونسبوا التَّحْيُزَ إلى الله تعالى شأنه.

ترجمہ: تشبیہ کا بیان: تشبیہ کے معنی ہیں: بشری صفات کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا، چنانچہ مشرکین کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اور یہ (بھی کہتے تھے) کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی سفارش قبول کرتے ہیں، اگرچہ وہ اس (شفاعت) سے خوش نہ ہوں، جیسا کہ سلاطین بڑے بڑے حکام کے ساتھ کبھی کبھی ایسا کرتے ہیں، اور جب مشرکین اللہ تعالیٰ کے علم اور سمع و بصر کا — جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں — اور اک نہ کر سکے، تو انھوں نے ان (صفات خداوندی) کو اپنے علم اور سمع و بصر پر قیاس کیا، پس وہ تجسیم کی گمراہی میں مبتلا ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف تحیز کی نسبت کی (یعنی اللہ تعالیٰ کو متحیز و متمکن مان لیا)

لغات:

تَجْسِيم: جسم والا سمجھنا، اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ جسم والے ہیں، اور جسم اس کو کہتے ہیں جس میں طول، عرض، اور عمق ہوں..... تَحْيُز: حیز یعنی جگہ میں ہونا، اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ حیز اور مکان میں ہیں۔ یہ دونوں عقیدے گمراہ کن ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ جسم والے ہیں، نہ کسی چیز میں ہیں۔



تحریف کا بیان

مشرکین عرب کی تیسری گمراہی ”تحریف“ ہے، تحریف کے لغوی معنی ہیں: بدل دینا، ترمیم کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: دین میں من گھڑت باتیں داخل کر کے شریعت الہیہ کو بدل دینا۔ تحریف کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اپنے جدا مجد حضرت ابراہیم

علیہ السلام کے دین و مذہب پر گامزن تھی، اور ملت ابراہیمی کے احکامات و عبادات کی پابند تھی، مگر حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے تقریباً تین سو سال پہلے مکہ مکرمہ میں یہ رواج عام ہو چلا تھا کہ جب کوئی شخص سفر میں جاتا تو حرم مکہ کا کوئی پتھر تبر کا اپنے ساتھ لے جاتا، کچھ لوگ اس پتھر کو مقدس سمجھ کر اس کا طواف بھی کرتے تھے، پھر معاملہ آگے بڑھا تو جو بھی پتھر ان کو پسند آتا اس کو اٹھا لیتے، اور خانہ کعبہ کی طرح اس کا طواف کرنے لگتے — اسی اثناء میں عمرو بن لُحی جو بیت اللہ کا دربان تھا اور ملک شام کے بہت سے شہروں کی سیر کر چکا تھا، وہ ”ماب“ نامی بستی میں پہنچا، جو وادی اردن میں واقع ہے، وہاں قوم عمالقہ آباد تھی، جو بتوں کی پرستش کرتی تھی، عمرو بن لُحی نے جب ”ماب“ میں پتھروں کی مورتیاں دیکھیں تو وہ اسے بہت بھلی معلوم ہوئیں، اس نے ان کے پجاریوں سے پوچھا کہ ان مورتیوں کی حقیقت کیا ہے جن کی تم پرستش کرتے ہو؟ انھوں نے کہا یہ ہمارے معبود ہیں، جو ہماری طلب پر بارش برساتے ہیں، اور ہر کام میں ہماری نصرت و مدد کرتے ہیں، عمرو بن لُحی نے ان سے کہا کہ ایک مورتی مجھے دو، تاکہ میں اس کو ملک عرب میں لے جاؤں، انھوں نے عمرو بن لُحی کو ایک پتھر کی مورتی دے دی، جس کا نام ”ہُئیل“ تھا عمرو بن لُحی نے اس کو مکہ میں نصب کر دیا، اور لوگوں کو اس کی تعظیم اور پرستش کرنے کی دعوت دینے لگا، چونکہ اہل مکہ پہلے سے پتھروں کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس لئے انھوں نے عمرو بن لُحی کی دعوت کو بہت جلد قبول کر لیا، اور دیگر عرب چونکہ اہل مکہ کی پیروی کرتے تھے اس لئے تمام عرب بت پرستی میں مبتلا ہو گئے، جب عمرو بن لُحی نے دیکھا کہ لوگ بتوں کی خوب تعظیم کرتے ہیں تو اس نے بتوں کے نام پر مختلف قسم کے جانور چھوڑنے کی رسم ایجاد کی، اور تیروں کے ذریعہ قسمت آزمائی کی بنیاد ڈالی، اس طرح ملت ابراہیمی کو جو تمام ادیان و مذہب میں سب سے بہتر دین تھا بدل دیا، پھر بعد میں آنے والے اپنے آباء و اجداد کے نقش قدم پر چلنے لگے، اور بت پرستی وغیرہ اعمال شرکیہ کے جواز میں اپنے بزرگوں کی روایات سے استدلال کرنے لگے، اور ان کو دلائل قطعیہ سمجھنے لگے۔

بیان التَّحْرِيفِ

وَأَمَّا التَّحْرِيفُ فَإِنَّ قِصَّتَهُ: أَنَّ أَوْلَادَ سَيِّدِنَا إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانُوا عَلَى شَرِيعَةٍ

جَدَّہم الکَرِیم: سَیِّدُنَا اِبْرَہِیمَ عَلَیْہِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، حَتّٰی جَاءَ عَصْرُ عَمْرُو بْنِ لُحَیٍّ
 — لَعَنَهُ اللّٰهُ — فَوَضَعَ لَهُمُ الْاَصْنَامَ، وَشَرَعَ لَهُمُ عِبَادَتَهَا، وَاخْتَرَعَ لَهُمُ تَحْرِیرَ
 الْبَحَائِرِ وَالسَّوَابِ وَالْحَامِی، وَالِاسْتِقْسَامَ بِالْاَزْلَامِ، وَامَثَالَ هَذِهِ الطُّقُوسِ. وَقَدْ كَانَ
 هَذَا الْحَادِثُ قَبْلَ بَعَثَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقُرَابَةِ ثَلَاثِ مِائَةِ سَنَةٍ، وَكَانُوا
 یَتَمَسَّکُونَ فِی هَذَا الْبَابِ بِآثَارِ اَبَائِهِمْ، وَیُرَوْنَهَا مِنَ الْحُجَجِ الْقَاطِعَةِ.

ترجمہ: تحریف کا بیان: ربی تحریف تو اس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد
 اپنے شریف و نخی دادا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت پر تھی، یہاں تک کہ عمرو بن لُحی کا
 زمانہ آیا — اللہ کی لعنت ہو اس پر — پس اس نے ان کے لئے بت نصب کئے، اور بنو اسماعیل کے
 لئے ان کی عبادت کو جائز کیا، اور اسی نے ایجاد کیا ان کے لئے بحیرہ، سائبہ اور حام کے آزاد چھوڑنے
 کو، اور تیروں کے ذریعہ قسمت آزمائی کرنے کو اور ان دینی رموز کے مانند دیگر باتوں کو، اور یہ واقعہ
 پیش آیا نبی کریم ﷺ کی بعثت سے تقریباً تین سو سال پہلے، اور وہ (بنو اسماعیل) اس باب میں (یعنی
 بت پرستی اور من گھڑت دینی باتوں کے جواز کے بارے میں) اپنے آباء و اجداد کی روایات سے استدلال
 کرتے تھے، اور ان (روایات و آثار) کو دلائل قطعیہ میں سے سمجھتے تھے۔

لغات:

بَحَائِرُ، بَحِیْرَةُ کی جمع ہے: وہ اونٹنی یا بکری جس کے کان اچھی طرح چیر دیئے گئے ہوں.....
 مُشْرِکِیْنَ کی یہ رسم تھی کہ جب کوئی اونٹنی یا بکری مسلسل دس مادہ بچے جنتی تو دسویں بچے کو بتوں کے نام
 پر آزاد چھوڑ دیتے، اور نشانی کے لئے اس کے کان چیر دیتے۔

سَوَابِی، سَوَابِیَّة کی جمع ہے: آزاد چھوڑی ہوئی اونٹنی یا بکری..... مشرکین کی یہ بھی رسم تھی کہ
 جو اونٹنی یا بکری مسلسل دس مادہ بچے جنتی اس کو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے، نہ اس پر سوار ہوتے
 تھے، نہ اس کی اون کاٹتے تھے، نہ اس کے دودھ کو سوائے اس کے بچے اور مہمان کے کوئی پیتا تھا، اور
 گھاس پانی وغیرہ سے بھی اس کو نہیں روکا جاتا تھا..... اور بعض حضرات کے نزدیک سائبہ اس اونٹنی یا
 بکری کو کہا جاتا ہے جو کسی مرض سے شغلیاب ہونے پر، یا کسی مقصود کے پورا ہونے پر بتوں کے نام
 پر آزاد چھوڑ دی جاتی تھی۔

الْحَامِي (اسم فاعل از حَمَى (ض) جَمِيَّةٌ وَحَمَايَةٌ: روکنا، پرہیز کرنا): نراونٹ یا بکرا جس کو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیا گیا ہو..... مشرکین کی یہ بھی رسم تھی کہ جس اونٹ یا بکرے کی جفتی سے مسلسل دس مادہ بچے پیدا ہوتے اور درمیان میں کوئی نہ ہوتا اس سے پرہیز کرتے، نہ اس پر سوار ہوتے، نہ اس پر بوجھ لادتے، نہ اس کی اون کاٹتے، نہ اس کو چارے پانی سے روکتے، بلکہ سائڈ کے مانند اس کو آزاد چھوڑ دیتے۔

إِسْتِفْسَامٌ بِالْأَزْلَامِ؛ اِسْتِفْسَامُ كَلْمٌ مَعْنَى هِيَ: قسمت آزمائی کرنا، اور اَزْلَامٌ؛ زَلَمٌ كِي جَمْعُ هِيَ: وہ تیر جس میں پر نہ ہوں، پس اِسْتِفْسَامٌ بِالْأَزْلَامِ كَلْمٌ مَعْنَى هِيَ: تیروں کے ذریعہ قسمت آزمائی کرنا، یعنی خیر و شر معلوم کرنا..... مشرکین کی یہ بھی رسم تھی کہ جب کوئی اہم کام درپیش ہوتا جیسے سفر، جنگ، تجارت یا نکاح وغیرہ تو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ اُن تیروں کے ذریعہ کرتے تھے، جو خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے، ان میں سے کسی پر اَنْوَنِي رَبِّي (میرے رب نے مجھے حکم دیا) اور کسی پر نَهَانِي رَبِّي (میرے رب نے مجھے منع کیا) لکھا ہوا تھا، اور کسی پر کچھ لکھا ہوا نہیں تھا، ان تیروں کو کعبہ کا دربان کسی تھیلے میں رکھ کر قسمت آزمائی کرنے والے کے ہاتھ میں دے دیتا، وہ اس کو گھماتا پھر اس میں سے ایک تیر نکالتا اگر حکم دینے والا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتا، اور منع کرنے والا تیر نکلتا تو اس کام سے باز رہتا، اور اگر خالی تیر نکلتا تو پھر تھیلے کو گھما کر دوبارہ تیر نکالتا یہاں تک کہ امر یا نہی والا تیر نکل آئے۔ طُقُوسٌ؛ طُقُوسٌ كِي جَمْعُ هِيَ: طریقہ خصوصاً دینی اور مذہبی طریقہ اور رسم..... الْقُرَابَةُ: قَرِيب..... اَنْارٌ؛ اَنْارٌ كِي جَمْعُ هِيَ: نشان قدم، روایت۔



انکار آخرت

انبیائے سابقین نے حشر و نشر اور قیامت کے احوال بیان کئے تھے، مگر اتنی تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان نہیں کئے تھے، جتنی تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ قرآن عظیم میں مذکور ہیں، اس لئے اکثر مشرکین حشر و نشر اور قیامت کے احوال سے بہت کم واقف تھے، اور اسی عدم واقفیت کی وجہ سے طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا تھے، اور دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن اور محال سمجھتے تھے، چنانچہ وہ کبھی یہ شبہ پیش کرتے کہ ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد کون ان کو

زندہ کرے گا؟ ﴿مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾ (سورہ یس آیت ۷۸) اور کبھی یوں سوال کرتے کہ جب ہم مرکز میں مل جائیں گے اور فقط ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائیں گے تو ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ ﴿هَآءِ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ (سورۃ الصّٰفّٰت ۱۶) اور کبھی دعویٰ کرتے کہ ہمارے لئے یہی دنیوی زندگی ہے، اور ہم کو دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا ﴿اِنْ هٰی اِلَّا حٰیٰتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ (سورہ انعام ۱۹)

جحدُ الآخرة

وقد بَيَّنَّ الْأَنْبِيَاءُ السَّالِفُونَ الْحَشَرَ وَالنَّشْرَ؛ وَلَكِنْ لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ الْبَيَانُ بِشَرْحٍ وَبَسْطٍ مِّثْلَ مَا تَضَمَّنَهُ الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ، وَلِذَلِكَ كَانَ جَمْعُهُورُ الْمُشْرِكِينَ قَلِيلِي الْأُطْلَاعِ عَلَيْهِ، وَكَانُوا يَسْتَبْعِدُونَ وَقُوعَهُ.

ترجمہ: آخرت کا انکار: اور گذشتہ انبیائے کرام نے یقیناً حشر و نشر کی وضاحت فرمائی ہے، لیکن وہ وضاحت ایسی تشریح و تفصیل کے ساتھ نہیں تھی جیسی تشریح و تفصیل پر قرآن عظیم مشتمل ہے، اسی وجہ سے اکثر مشرکین اس سے کم واقف تھے، اور اس کے وقوع کو بعید سمجھتے تھے



نبی کریم ﷺ کی رسالت کو مستبعد سمجھنا

مشرکین عرب کے لئے نبوت و رسالت کو کوئی انوکھی چیز نہیں تھی، وہ اپنے اجداد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نبوت کے قائل تھے، بلکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو بھی تسلیم کرتے تھے، جبکہ وہ ان کے ابنائے عم (بنی اسحاق) میں سے تھے اور چونکہ بنی اسرائیل، بنو اسماعیل کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، اس لئے باہم تافربھی تھا، تاہم مشرکین عرب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو مانتے تھے، مگر وہ خود اپنی برادری کے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت و رسالت کو دو وجہ سے مستبعد (بعید از قیاس) سمجھتے تھے: ایک: بشری صفات کا حجاب، تسلیم نبوت کی راہ میں مانع بنتا تھا دوسری وجہ: اس حکمت کو نہ سمجھنا تھی جو بعثت انبیاء میں ملحوظ ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) بشری صفات ہمیشہ لوگوں کے لئے اعترافِ کمال کی راہ میں مانع بنتی رہی ہیں، لوگ گذشتہ بزرگوں کے توقائل ہوتے ہیں، مگر زندہ بزرگوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ نبی کریم ﷺ بھی چونکہ دیگر انبیاء کی طرح ایک انسان تھے، کوئی فرشتہ نہیں تھے، اس لئے آپؐ بھی بشری صفات کے ساتھ متصف تھے۔ کھانے پینے کی حاجتیں اور دیگر انسانی ضروریات رکھتے تھے اس لئے یہی بشری صفات آپؐ کی نبوت کے جمالِ کامل کے لئے حجاب بن گئیں۔ مشرکین عرب کے اذہان کو اس بات نے پرانہ کر دیا تھا کہ جو عام انسانوں کی طرح چلتا پھرتا، کھاتا پیتا اور حاجتیں رکھتا ہو وہ نبی کیونکر ہو سکتا ہے؟ ان کے خیال میں نبی کے لئے مافوق الفطرت ہستی ہونا ضروری تھا۔ اس لئے وہ گذشتہ انبیاء کی نبوت کو تسلیم کرنے کے باوجود آپ ﷺ کے نبی ہونے کو مستبعد خیال کرتے تھے۔

(۲) مشرکین کی رائے میں رسول (بھیجے ہوئے) اور مرسل (بھیجنے والے) میں مماثلت (یگانگت) ضروری تھی ان کے خیال میں رسول اور نبی وہی ہو سکتا ہے جو خدائی اوصاف و کمالات کا حامل ہو، اور بشری صفات سے پاک ہو، اور سرکارِ دو عالم ﷺ نہ خدائی اوصاف و کمالات کے مالک تھے، نہ بشری صفات سے بالاتر تھے، اس لئے وہ پہلے انبیاء کرام کی رسالت و نبوت کو تسلیم کرنے کے باوجود سرکارِ دو عالم ﷺ کی رسالت و نبوت پر حیرت زدہ تھے، اور کہتے تھے کہ: یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا ہے، اور بازاروں میں پھرتا ہے؟ ﴿وَقَالُوا مَا لِهَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْسُكُ فِي الْأَسْوَاقِ﴾ (سورۃ الفرقان ۷) کبھی کہتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟ اور کبھی کہتے کہ: ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے؟ ﴿لَوْلَا أَنْزَلْنَا عَلَيْنَا الْفُلُكُ﴾ (سورۃ الفرقان ۲۱) اسی طرح کے لچر شکوک و شبہات پیش کرتے رہتے تھے، اور اس حکمتِ خداوندی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے جو بعثتِ انبیاء میں مضمر ہے۔

بعثتِ انبیاء میں مضمر حکمت:

حکمتِ خداوندی کا تقاضا یہ ہے کہ رسول ان ہی لوگوں میں سے ہو جن کی طرف اس کو بھیجا گیا ہے، وہی لوگوں کے احوال اچھی طرح سمجھ سکتا ہے، اور ان اسباب و علل کو جان سکتا ہے جن سے ان کے عقائد و اعمال میں فساد اور خلل واقع ہوتا ہے، ایسا رسول لوگوں کی جتنی عمدہ

اصلاح کر سکتا ہے دوسرا کوئی نہیں کر سکتا، نیز لوگوں کے لئے اپنی قوم کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے استفادہ آسان ہوتا ہے، اسی حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يُمْسُونَ مُظْمِئِينَ لَنَزَلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا فرشتے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیجتے (سورہ اسر ایل آیت ۹۵)

اس کے علاوہ اور بہت سی حکمتیں ہیں جن کی وجہ سے انسانوں کی طرف انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا جاتا ہے، کسی فرشتے کو رسول بنا کر نہیں بھیجا جاتا، لیکن مشرکین ان حکمتوں کو نہیں جانتے تھے اس لئے ناقابل سماعت شکوک و شبہات پیش کرتے رہتے تھے، اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی رسالت و نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

استبعاد رسالۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وهؤلاء الجماعة وإن كانوا معترفين بنبوة سيدنا إبراهيم وسيدنا إسماعيل عليهما السلام؛ بل بنبوة سيدنا موسى عليه السلام أيضًا ولكن كانت الصفات البشرية — التي هي حجاب لجمال الأنبياء الكامل — تُشَوِّشُهُم تشويشًا؛ وكذلك لما لم يعرفوا حقيقة تدبير الله الذي هو مقتضى بعثة الأنبياء، استبعدوا الرسالة، لاعتقادهم أن الرسول ينبغي أن يكون مثل المُرْسَل، فكانوا يوردون لأجل ذلك شبهات واهية، غير مسموعة، فيقولون مثلاً: كيف يكون النبي محتاجاً إلى الطعام والشراب؟ ولما ذال لم يُرْسَلِ الله ملكاً رسولاً؟ ولماذا لا يُوحى إلى كل أحد على حدة؟ وعلى هذا الأسلوب.

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کی رسالت کو بعید از قیاس سمجھنا: یہ (مشرکین کی) جماعت اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نبوت کا اعتراف کرتی تھی، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا بھی، لیکن بشری صفات نے — جو انبیائے کرام کے جمال کامل کے لئے حجاب (پردہ) ہیں — ان لوگوں کو سخت تشویش میں ڈال رکھا تھا، اسی طرح جب وہ اس

تدبیر الہی کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے جو انبیاء کی بعثت کو چاہنے والی ہے تو وہ آپ کی رسالت کو بعید سمجھنے لگے، اس لئے کہ ان کا خیال تھا کہ رسول، مرسل کے مشابہ ہونا چاہئے، اسی وجہ سے وہ لہجہ اور ناقابل سماعت شہادت پیش کرتے تھے، مثلاً وہ کہتے تھے کہ: نبی کہنا پینے کا محتاج کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟ اور اللہ تعالیٰ نے ہر شخص پر الگ الگ وحی کیوں نہیں بھیجی؟ اور اسی انداز پر (دیگر شہادت پیش کرتے تھے)

لغات:

شَوْشَ الْأَمْرَ: مضطرب بنانا، تشویش میں ڈالنا..... مُقْتَضًی (اسم فاعل): چاہنے والا.....
وَاهِيَةً (اسم فاعل مؤنث) کزور، لہجہ، وَهَى وَوَهَى يَهِي وَهْيًا: کزور ہونا..... جمال کامل سے مراد
وصف نبوت ہے۔ یہی وصف انبیائے کرام کے لئے باعث افتخار وصف ہے۔



مشرکین کا نمونہ

مشرکین عرب کے جو احوال و اعمال اور عقائد و نظریات ماقبل میں پیش کئے گئے ہیں، اگر ان کو آپ اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں اور صحیح صورت حال سے واقف ہونا چاہتے ہیں، تو اس زمانہ کے جاہل اور ناخواندہ مسلمانوں کے احوال و اعمال اور خیالات و نظریات میں غور کریں خصوصاً ان مسلمانوں کے خیالات اور اعمال کو ملاحظہ کریں جو ایسی بستیوں میں رہتے ہیں جہاں اسلامی شعائر و احکام رائج نہیں ہیں، اور دینی تعلیم سے لوگ نا آشنا ہیں۔

مشرکین عرب انبیائے سابقین کی رسالت و نبوت کو تسلیم کرنے کے باوجود سرکار دو عالم ﷺ کی رسالت و نبوت پر حیرت زدہ تھے جس طرح آج جاہل اور ناخواندہ مسلمان اولیاء متقدمین کی ولایت کا اعتراف کرتے ہوئے بھی اپنے زمانہ کے بزرگوں اور اولیاء کی ولایت کو تسلیم نہیں کرتے — مشرکین بتوں کو سجدہ کرتے تھے، اور آج جاہل مسلمان بزرگان دین کی قبروں پر اپنی پیشانیاں رگڑتے ہیں — مشرکین ان ہستیوں کو جن کے نام پر بت بنائے گئے تھے حاجت روا، مشکل کشا اور مختار سمجھتے تھے، اسی طرح آج جاہل مسلمان انبیائے کرام اور اولیاء عظام کو حاجت روا، مشکل کشا، اور مختار کل کہتے ہیں اور یا غوث المدد، یا خواجہ المدد کے نعرے

لگاتے ہیں — نیز مشرکین عرب نے ملت ابراہیمی میں من گھڑت باتیں داخل کر کے اس کو مخ کر دیا تھا، اسی طرح آج کے بدعتیوں نے بھی دین اسلام میں من گھڑت باتیں داخل کر کے دین اسلام کے حسین چہرے کو داغ دار بنا دیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مشرکین کی گمراہیوں میں سے کوئی گمراہی ایسی نہیں ہے جو آج مسلمانوں میں نہ پائی جاتی ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں ان گمراہیوں سے محفوظ رکھیں! آمین یا رب العالمین!

نَمُودُ جُ المشرکین

وإن كنتَ غيرَ مُهتدٍ في تصويرِ حالِ المشرکین وعقائِدِهِم وأعمالِهِم، فانظرِ إلى حالِ المُخترِقین من أهلِ عصرِنَا، لاسيما الذين يَقْطُنون منهم بأطرافِ دارِ الإسلامِ ما هي تَصَوُّرَاتُهُم عن "الولاية"؟ فمع أنهم يعترفون بولايةِ الأولياءِ المتقدمين، يرون وجودَ الأولياءِ في هذا العصرِ من قَبْلِ المُستَحِيلاتِ، ويذهبون إلى القبورِ والعتَباتِ، ويرتكبون أنواعاً من الشرکِ؛ وكيف تَطَرَّقَ إِلَيْهِم التشيُّعُ والتحريفُ؟ ونرى طبقَ الحديثِ الصحيح: "لَتَبْعَنَّ سَنَنَ من كان قبلکم" أنه ما من بَلِيَّةٍ من البَلایا إلا وطائفةٌ من أهلِ عصرِنَا يرتكبونها، ويعتقدون مِثْلَهَا، عافانا الله سبحانه وتعالى من ذلك.

ترجمہ: مشرکین کا نمونہ: اگر آپ راہِ پائے والے نہیں ہیں مشرکین کے احوال اور ان کے عقائد و اعمال کی تصویر کشی میں، تو ہمارے زمانہ کے پیشہ ور مسلمانوں کے احوال دیکھئے، خاص طور پر ان پیشہ وروں کو دیکھئے جو دارالاسلام کے اطراف و جوانب میں سکونت پذیر ہیں، ولایت کے بارے میں ان کے خیالات کیا ہیں؟ اس کے باوجود کہ وہ اولیائے متقدمین کی ولایت کا اعتراف کرتے ہیں، اس زمانہ میں اولیاء کے وجود کو از قبیل محال سمجھتے ہیں، اور قبروں اور آستانوں کی طرف جاتے ہیں، اور طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور ان تک تشبیہ اور تحریف نے کیونکر راہِ پالی ہے؟ اور اس حدیث صحیح کے مطابق کہ "تم ضرور اگلے لوگوں کے طریقہ پر چلو گے" ہم دیکھتے ہیں کہ ان آفتوں میں سے کوئی آفت نہیں ہے، مگر ایک گرد و ہمارے زمانہ کے لوگوں میں سے اس آفت میں مبتلا ہے، اور اسی جیسی گمراہی کا اعتقاد رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان آفات سے بچائیں!

لغات:

صَوَّرَ الْأَمْرَ تَصْوِيرًا: منظر کشی کرنا، صورت حال کو اچھی طرح بیان کرنا..... مُخْتَرِف (اسم فاعل): پیشہ ور، کاروبار کرنے والا، اِخْتَرَفَ اِخْتِرَافًا: پیشہ اختیار کرنا..... قَطَنَ (ن) قُطُونًا فی المكان وہ: اقامت کرنا، وطن بنانا..... عَتَبَاتٌ عَتَبَاتٌ عَتَبَاتٌ: عَتَبَاتٌ عَتَبَاتٌ عَتَبَاتٌ: چوکھٹ، آستانہ..... تَطَرَّقَ الیہ: راستہ پالینا، گھس آنا..... سَنَنٌ: طریقہ، کہا جاتا ہے: اِسْتَقَامَ فَلَانٌ عَلٰی سَنَنِ وَاحِدٍ: فلاں ایک ہی طریقہ پر قائم رہا، اِمَضِ عَلٰی سَنَتِكَ: تم اپنے طریقہ پر چلے چلو۔

﴿فائدہ﴾ متن میں مذکور حدیث بخاری شریف میں اس طرح ہے: عَنْ ابی سعید الخدری عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالَ: لَتَتَّبِعَنَّ سَنَنَ مَنْ (كَانَ) قَبْلُکُمْ شِیْرًا شِیْرًا وَ ذِرَاعًا ذِرَاعًا (شِیْرًا بِشِیْرِ وَ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ) حَتّٰی لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ، قُلْنَا یَا رَسُولَ اللّٰهِ! الْیَهُودُ وَالنَّصَارَى؟ قَالَ: فَمَنْ؟ (ج ۲ ص ۱۰۸۸)

ترجمہ: تم ضرور اگلے لوگوں کے طریقہ پر چلو گے برابر سر ابر ٹھیک ٹھیک یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے، ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! اگلے لوگوں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: پھر کون؟! یعنی وہی مراد ہیں۔



ملت ابراہیمی کی تجدید

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عرب ملت ابراہیمی کو مانتے تھے مگر ملت ابراہیمی میں بہت سی من گھڑت باتیں داخل کر کے اس کو مخ کر دیا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے سرکارِ دو عالم ﷺ کو ان میں مبعوث فرمایا۔ اور آپ کو ملت ابراہیمی کے سیدھا کرنے کا حکم دیا، یعنی مشرکین عرب نے اپنی طرف سے ملت ابراہیمی میں جو باتیں داخل کر دی تھیں ان کو رد کرنے کا حکم دیا۔ اور قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے ان سے مباحثہ اور مجادلہ فرمایا، اور مجادلہ میں ان کے مسلمات سے استدلال کیا، یعنی مشرکین عرب ملت ابراہیمی کی جن باتوں کو مانتے تھے ان سے ان کی گمراہیوں کو رد فرمایا، تاکہ الزام اچھی طرح ثابت ہو جائے۔

وَبِالْجُمْلَةِ: فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى بَعَثَ سَيِّدَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — بِفَضْلِهِ وَرَحْمَتِهِ — فِي الْعَرَبِ، وَأَمَرَهُ بِإِقَامَةِ الْمِلَّةِ الْحَنِيفِيَّةِ، وَخَاصِمِهِمْ فِي الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ، وَاسْتَدْلَ فِي الْمَخَاصِمَةِ بِمُسْلِمَاتِهِمُ الَّتِي هِيَ مِنْ بَقَايَا الْمِلَّةِ الْحَنِيفِيَّةِ، لِيَتَحَقَّقَ الْإِلْزَامُ.

ترجمہ: الحاصل اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور مہربانی سے سید الانبیاء ﷺ کو عربوں میں مبعوث فرمایا، اور آپ کو ملت ابراہیمی کے سیدھا کرنے کا حکم دیا، اور قرآن عظیم میں ان (عربوں) سے مباحثہ اور مجادلہ فرمایا، اور مجادلہ میں ان کے مسلمات سے استدلال کیا، جو ملت ابراہیمی کی باقی ماندہ باتوں میں سے تھے، تاکہ الزام پوری طرح ثابت ہو جائے۔



شرک کا رد

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں شرک کو چار طریقوں سے رد فرمایا ہے: پہلا طریقہ: کہیں مشرکین سے دلیل کا مطالبہ کیا ہے کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو دلیل پیش کرو، لیکن مشرکین کے پاس اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کے سوا کوئی دلیل نہیں تھی، اس لئے تقلید آباء سے استدلال پر تنقض وارد کر کے ان سے دلیل قطعی کا مطالبہ کیا گیا ہے مثلاً سورۃ انعام میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿سَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا: لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاءَنَا وَلَا حَرَمًا مِنْ شَيْءٍ؛ كَذَبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّى دَأَفُوا بِأَنفُسِنَا؛ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا؛ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ﴾ (سورۃ الانعام ۱۴۸)

یہ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو نہ ہم شرک کرتے، نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کرتے، اسی طرح جھٹلاتے رہے ان سے اگلے لوگ یہاں تک کہ انھوں نے ہمارے ہندو مذہب کا مزہ چکھا، آپ فرمادیجئے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل ہے کہ اس کو ہمارے سامنے پیش کرو، تم محض خیالی باتوں پر چلتے ہو، اور صرف اٹکل سے باتیں بناتے ہو

دوسرا طریقہ: اور کہیں شرک کے رد میں معبودان باطل اور اللہ تعالیٰ کے درمیان عدم

مساوات کو واضح فرما کر اس بات کو ثابت کیا ہے کہ عبادت یعنی نہایت اعلیٰ درجہ کی تعظیم کے مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اور یہ بندے جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں۔ مثلاً سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، فَاتَىٰ تُوَفَّقُونَ (آیت ۳)

اے لوگو! تم پر جو اللہ کے احسانات ہیں ان کو یاد کرو، کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو تمہیں غنیمت دے؟ آسمان اور زمین سے روزی پہنچاتا ہو؟ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، پھر تم (شرک کر کے) توفیق کون (آیت ۳) کہاں لائے جا رہے ہو؟

یعنی تم مانتے ہو کہ پیدا کرنا اور روزی کا سامان بہم پہنچا کر زندہ رکھنا سب اللہ کے قبضہ اور اختیار میں ہے، پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کدھر سے ہو گیا؟ جو خالق و رازق حقیقی ہے وہ ہی معبود ہونا چاہئے (نوائد عثمانی)

تیسرا طریقہ: کہیں شرک کے رد میں تمام انبیائے کرام کا مسئلہ توحید پر متفق ہونا بیان فرمایا ہے۔ مثلاً سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْ بِإِلَهِهِ : أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا ، فَاعْبُدُونِ (آیت ۲۵)

ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس کے پاس یہ وحی بھیجی ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو۔

یعنی تمام انبیاء و مرسلین کا اجماع عقیدہ توحید پر رہا ہے، کسی پیغمبر نے کبھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا، ہمیشہ یہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں، تو جس طرح عقلی اور فطری دلائل سے توحید کا ثبوت ملتا ہے، اور شرک کا رد ہوتا ہے، ایسے ہی نقلی حیثیت سے انبیائے کرام کا اجماع دعوت توحید کی حقیقت پر قطعی دلیل ہے (نوائد عثمانی)

چوتھا طریقہ: اور کہیں شرک کے رد میں بت پرستی کی شاعت و قباحت کو واضح فرمایا ہے، اور پتھروں اور بتوں کا مرتبہ انسانی سے فروتر ہونا ثابت فرمایا ہے کہ جو پتھر اور بت انسانی کمالات سے محروم ہیں وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ مثلاً سورہ حج میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاستَمِعُوا لَهُ؛ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا، وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ؛ وَإِنْ يَسْأَلْهُمْ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَفِيدُوهُ مِنْهُ؛ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ (آیت ۷۳)

اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو، اس میں کوئی شک نہیں کہ جن کی تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، اگرچہ سارے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے، عابد و معبود دونوں لچر اور بوسے ہیں

اور شرک کے رد کا یہ چوتھا طریقہ صرف ان لوگوں کے سامنے اختیار کیا گیا ہے جو بتوں کو معبود حقیقی سمجھتے تھے، کیونکہ جو لوگ بتوں کو صرف قبلہ توجہ خیال کرتے ہیں ان کو یہ جواب خاموش نہیں کر سکتا۔

فردُ الإشراكِ

أولاً: بِمُطَالَبَتِهِم بِالدَّلِيلِ عَلَى مَا يَزْعُمُونَ، وَنَقْضِ تَمَسُّكِهِمْ بِتَقْلِيدِ آبَائِهِمْ.
 وثانياً: بِإثباتِ عدمِ التَّساوَى بَيْنَ هَؤُلَاءِ الْعِبَادِ وَبَيْنَ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى؛ وَبَيَانِ اخْتِصَاصِهِ تَعَالَى بِاسْتِحْقَاقِ أَقْصَى غَايَةِ التَّعْظِيمِ، بِخِلَافِ هَؤُلَاءِ الْعِبَادِ.
 وثالثاً: ببيانِ إجماعِ الأنبياءِ على هذهِ المسئلةِ كما قال تعالى: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ: أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا، فَاعْبُدُونِ﴾
 ورابعاً: ببيانِ شناعةِ عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ، وَأَنَّ الْأَحْجَارَ سَاقِطَةٌ عَنْ مَرْتَبَةِ الْكَمَالِ الْإِنْسَانِيِّ، فَكَيْفَ يَنَالُونَ مَرْتَبَةَ الْأُلُوْهِيةِ؟ — وَهَذَا الرَّدُّ مَسْئُوقٌ لِقَوْمٍ يَعْتَقِدُونَ الْأَصْنَامَ مَعْبُودَةً لِدَوَاتِهَا.

ترجمہ: پس شرک کی تردید: اولاً: ان سے اس چیز پر جس کا وہ دعویٰ کرتے تھے دلیل کا مطالبہ کر کے، اور ان کے آباء کی تقلید سے استدلال کو توڑ کر (کی گئی ہے)

اور ثانياً: ان بندوں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے درمیان عدم مساوات کو ثابت کر کے، اور انتہائی غایت تعظیم کے استحقاق کے ساتھ باری تعالیٰ کے خاص ہونے کو بیان کر کے (کی گئی ہے) برخلاف ان بندوں کے۔

اور ثالثاً: اس مسئلہ (توحید) پر تمام انبیائے کرام کے اجماع اور اتفاق کو بیان کر کے (کی گئی ہے) جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ہم نے آپ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا، مگر اس کے پاس یہ وحی بھیجی ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو۔

اور رابعاً: بت پرستی کی قباحت بیان کر کے، اور اس بات کو واضح کر کے کی گئی ہے کہ پھر کمال انسانی کے مرتبہ سے گرے ہوئے ہیں — اور یہ رد پیش کیا گیا ہے ان لوگوں کے لئے جو بتوں کو معبود بالذات سمجھتے ہیں۔

لغات:

أَفْصَى (اسم تفضیل) زیادہ دور، فَصَا يَفْصُو فَصُورًا وَفُصَا، وَفَصَا وَفَصَى يَفْصِي
فَصَا الْمَكَانُ: دور ہونا..... مَسُوقُ (اسم مفعول) بیان کیا ہوا، پیش کیا ہوا۔ سَاقِ الْحَدِيثِ يَسُوقُ
سَوْفًا: بیان کرنا۔



تشبیہ کا رد

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں تشبیہ کو تین طریقوں سے رد فرمایا ہے:
پہلا طریقہ کبھی تقلید آباء سے استدلال پر نقض وارد کر کے مشرکین سے دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے، مثلاً سورہ صفت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَلَا إِنَّهُمْ مِنْ أَفْكِهَمْ لَيَقُولُونَ: وَلَدَ اللَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ، أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ، أَفَلَا تَذَكَّرُونَ، أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُبِينٌ، فَاتُّوا بِكُنْهِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ
سنو! یہ لوگ (دلیل کچھ نہیں رکھتے، بلکہ محض) اپنی سخن تراشی سے کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہیں، اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں، کیا اللہ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں زیادہ پسند کیں؟ تم کو کیا ہو گیا؟ کیسے فیصلے کرتے ہو؟ کیا تم سوچ سے کام نہیں لیتے ہو؟ یا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟ پس لاؤ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو۔ (آیت ۱۵۱-۱۵۷)

ان آیتوں میں ان کے باطل عقیدے پر نقض وارد کیا گیا ہے، پھر ان سے دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے، کہ آخر یہ مہمل اور بے تکی بات نکالی کہاں سے؟ عقل و فہم اور علمی اصول سے تو اس کا لگاؤ نہیں،

پھر کیا کوئی نفی سند اس عقیدے کی رکھتے ہو؟ ایسا ہے تو بسم اللہ وہی دکھاؤ (نواسد عثمانی)
 دوسرا طریقہ: کبھی تشبیہ کی نفی کرتے ہوئے اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ اولاد کا والد کے
 ہم جنس اور مشابہ ہونا ضروری ہے، جو باری تعالیٰ میں مفقود و معدوم ہے، مثلاً سورہ اخلاص میں ہے:
 اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ جُنَاۓًا اَوْ رِنَةٌ اَسْءَلُ اللّٰهَ تَعَالٰی بے نیاز ہیں، اس نے نہ کسی کو جنم دیا، نہ وہ کسی سے
 کُفُوًا اَخَذَ
 کیا کوئی نہیں تو جو رو یا بیٹا کہاں سے ہوا؟!)

تیسرا طریقہ: کبھی تشبیہ کو اس طرح رد کیا ہے کہ جس چیز کے وجود کو لوگ اپنے لئے باعث
 نیک و عار سمجھتے ہیں، اس کو پروردگار عالم کے لئے ثابت مانتے ہیں، اس جہالت و حماقت کا کیا
 ٹھکانہ؟! مثلاً سورہ صفت میں ہے:

اَلْبَرُّ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ (آیت ۱۳۹) کیا تیرے رب کیلئے بیٹیاں اور ان کیلئے بیٹے ہیں؟!
 رد کا یہ طریقہ ان لوگوں کی تردید کے لئے اختیار کیا گیا ہے جو مشہور باتوں اور خیالی توہمات
 کے خوگر تھے، اور چونکہ مشرکین کی اکثریت کا حال ایسا ہی تھا اس لئے اس کو بھی بیان کر دیا، ورنہ
 ظاہر ہے کہ اس سے بالکلیہ اولاد کی نفی نہیں ہوتی، جبکہ اللہ تعالیٰ اولاد سے بالکل پاک ہیں۔

وَرَدُّ التَّشْبِيْهِ

أولاً: بمطالبتهم بالدليل على دعواهم، ونقض تمسكهم بتقليد آبائهم.

وثانياً: ببيان ضرورة التجانس بين الوالد والولد؛ وهو مفقود بالبداية.

وثالثاً: ببيان شناعة نسبة ما هو مكروه ومذموم لديهم إلى الله تعالى، كما قال

تعالى: ﴿الْبَرُّ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ؟﴾ — وهذا الرد مسوق لقوم اعتادوا

المقدمات المشهورة، والمتوهّمات الشّعريّة؛ وكان أكثرهم من هذا القبيل.

ترجمہ: اور تشبیہ کی تردید: اولاً: ان سے ان کے دعوے پر دلیل کا مطالبہ کر کے، اور تقلید آباء سے
 استدلال پر نقض وارد کر کے (کی گئی ہے)

اور ثانیاً: ولد اور والد کے درمیان مجانست کے ضروری ہونے کو بیان کر کے (کی گئی ہے) جبکہ

وہ (مجانست) معدوم ہے بداہتہ (یعنی بغیر دلیل کے ہر شخص جانتا ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان مجانست نہیں ہے)

اور ثالثاً: جو چیز ان کے نزدیک ناپسندیدہ اور بُری ہے اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کی قباحت کو بیان کر کے (کی گئی ہے) — اور یہ رد (کا طریقہ) بیان کیا گیا ہے ان لوگوں کے لئے جو مشہور باتوں اور خیالی توہمات کے عادی ہیں، اور اکثر مشرکین اسی قسم کے تھے۔

لغات:

مُقَدَّمَات مَشْهُورَة: وہ باتیں ہیں جو کسی قوم کے نزدیک مسلم ہوں، خواہ وہ سچی ہوں جیسے مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ خدا کے سوا خدائی اختیارات کا کوئی مالک نہیں۔ یادہ باتیں جھوٹی ہوں جیسے مشرکین کا یہ عقیدہ کہ دیوی دیوتا خدائی قوت کے مالک ہیں۔

مَتَوَهَّمَات: وہ تقضایا ہیں جو محض دہمی اور جھوٹے ہوں، جیسے ہر موجود چیز اشارہ کے قابل ہے، اور جو چیز اشارے کے قابل ہے وہ جسم والی ہے، پس ہر موجود چیز جسم والی ہے۔

شِعْرِيَّة: وہ تقضایا جن کا منشاء خیال محض ہو، خواہ واقع میں سچے ہوں یا جھوٹے، جیسے زید چاند ہے، اور ہر چاند روشن ہوتا ہے، پس زید روشن ہے۔



تحریف کا رد

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تحریف کو دو طریقوں سے رد فرمایا ہے: پہلا طریقہ: اولاً یہ واضح فرمایا ہے کہ شرک و تشبیہ وغیرہ گمراہ کن باتیں انبیائے کرام سے منقول نہیں ہیں، مثلاً سورہ احقاف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

إِنِّي بَكُتِبٍ مِنْ قَبْلِ مِيرے پاس کوئی کتاب لاؤ جو اس سے پہلے کی ہو، یا هَذَا، أَوْ اثَرَةٍ مِنْ عِلْمِهِ إِنَّ کوئی اور مضمون (جو زبانی) منقول ہوتا چلا آیا ہو، اگر تم كُنْتُمْ صَادِقِينَ (آیت ۴) (دعوئے شرک میں) سچے ہو۔

یعنی اگر اپنے دعوئے شرک میں سچے ہو تو کسی آسمانی کتاب کی سند لاؤ، یا کسی ایسے علمی اصوا سے ثابت کرو، جو عقلاء کے نزدیک مسلم چلا آتا ہو (فوائد عثمانی)

دوسرا طریقہ: ثانیاً یہ ثابت فرمایا ہے کہ یہ سب ایسے لوگوں کی ایجاد کردہ باتیں ہیں جو ضلالت و گمراہی سے معصوم نہیں تھے، مثلاً سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ اللَّهُ تَعَالَىٰ نَزَّلَ الْوَيْلَ عَلَىٰ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ مُنِيبًا
وَلَا وَصِيلَةَ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ مُنِيبًا
كَفَرُوا بِآيَاتِهِ عَلَىٰ اللَّهِ الْكَذِبُ، وَهُوَ الَّذِي يَجْعَلُ الْوَيْلَ عَلَىٰ الْكَافِرِينَ
وَكَثُرَتْ لَهُمْ لَافِقُلُونَ (آیت ۱۰۳) رکھتے۔

ورد التحریف

أولاً: بَيَانُ أَنَّهُ لَمْ يُؤْتَرِ عَنْ أَيْمَةِ الْمِلَّةِ الْحَنِيفِيَّةِ.

وِثَانِيًا: بَيَانُ أَنَّ ذَلِكَ كُلَّهُ اخْتِرَاعَاتٌ وَابْتِدَاعَاتٌ مِمَّنْ لَيْسُوا بِمَعْصُومِينَ.

ترجمہ: اور تحریف کی تردید: اولاً: اس بات کو واضح کر کے کی گئی ہے کہ یہ (تحریف شدہ باتیں) دین حنیف کے اماموں یعنی انبیائے کرام سے منقول نہیں ہیں۔

اور ثانیاً: اس بات کو بیان کر کے کی گئی ہے کہ یہ سب باتیں ایسے لوگوں کی ایجاد کردہ اور گھڑی ہوئی ہیں جو معصوم نہیں تھے۔



استبعاد حشر و نشر کا رد

مشرکین عرب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو بعید از عقل اور ناممکن سمجھتے تھے اور آخرت کا انکار کرتے تھے، اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو طریقوں سے رد فرمایا ہے:

پہلا طریقہ: اولاً حشر و نشر کی مختلف نظیریں پیش کر کے یہ ثابت فرمایا ہے کہ دوبارہ زندہ کرنا ناممکن نہیں ہے بلکہ ہر طرح سے ممکن ہے، اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں، چنانچہ کہیں مردہ زمین کو بارش کے ذریعہ زندہ کرنے کی نظیر پیش فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ: ﴿كَذَلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ﴾ (اعراف آیت ۵۷) اسی طرح ہم مردوں کو زمین سے نکالیں گے، اور کہیں پہلی مرتبہ پیدا کرنے کی نظیر پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ﴾ (انبیاء

آیت ۱۰۴) اور کہیں اپنی قدرت کاملہ کو ثابت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ، بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ (سورہ ابراہیم آیت ۸۱)

والا ہے

دوسرا طریقہ: ثانیاً یہ واضح فرمایا ہے کہ تمام آسمانی کتابوں نے حشر و نشر کی خبر دی ہے، لہذا یہ آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنے والوں کا اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ ہے، مثلاً سورہ انبیاء میں ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ﴾ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (سورہ زبور آیت ۱۰۵)

ہوں گے۔

یعنی یہ بات کہ لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے اور جنت میں مومنین ہی جائیں گے۔ مضمون صرف قرآن ہی میں نہیں ہے، سابقہ کتابوں میں بھی ہے، غرض حشر و نشر کا عقیدہ تمام آسمانی کتابوں کا اجماعی عقیدہ ہے۔

ورد استبعاد الحشر والنشر

أولاً: بالقياس على إحياء الأرض بعد موتها، وما أشبه ذلك وتنقيح المناط الذي هو شمول القدرة، وإمكان الإعادة.

وثانياً: ببيان موافقة أهل الكتب السماوية كلهم في الإخبار به.

ترجمہ: حشر و نشر کے بعید سمجھنے کی تردید: اولاً مردہ زمین کو زندہ کرنے پر اور اس کے مشابہ چیزوں پر قیاس کر کے (کی گئی ہے) اور حشر و نشر کی علت واضح کر کے کی گئی ہے، جو قدرت کا شامل ہونا، اور اعادہ کا ممکن ہونا ہے۔

اور ثانیاً: حشر و نشر کی خبر دینے میں تمام آسمانی کتابیں ماننے والوں کی موافقت کو بیان کر کے کی گئی ہے۔

لغات:

تنقيح: خالص کو ردی سے جدا کرنا..... مناط: لگانے کی جگہ، اور اصطلاح میں اس وصف کو کہتے

ہیں جس پر حکم کا مدار ہوتا ہے یعنی حکم کی علت، اور اس وصف کو متعین کرنا جس پر حکم کا مدار ہے ”تنقیح مناط“ کہلاتا ہے۔ اور شمول القدرت کے معنی ہیں عموم قدرت باری تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، ہر ممکن چیز ان کے احاطہ قدرت میں ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں) اور معدوم کا اعادہ ممکن ہے، اس میں کوئی عظمیٰ استحالہ نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر کیوں نہیں؟



منکرین رسالت کا رد

مشرکین عرب سابقہ انبیائے کرام کی رسالت و نبوت کو تسلیم کرتے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت کے منکر تھے، وہ رسالت و نبوت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے۔ قرآن کریم میں ان کے اس انکار کو تین طرح سے رد فرمایا ہے:

پہلا طریقہ: اولایہ بیان کیا ہے کہ پہلی امتوں میں جتنے انبیاء مبعوث ہوئے ہیں وہ سب انسان تھے، فرشتے نہیں تھے، لہذا بشریت کو رسالت کے منافی سمجھنا جہالت ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا اور ہم نے آپ سے پہلے مختلف بستی والوں میں

نُوحِيْ اِلَيْهِمْ مِنْ اَهْلِ الْقُرْاٰی (یوسف سے جتنے (رسول) بھیجے وہ سب مرد ہی تھے کہ وحی بھیجتے تھے ہم ان کو

(آیت ۱۰۹)

یعنی پہلے بھی ہم نے آسمان کے فرشتوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجا، انبیائے سابقین ان ہی بستیوں کے رہنے والے مرد تھے (نواسد عثمانی)

اور سورۃ الرعد میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: لَنْتَ مُرْسَلًا، اور یہ کافر لوگ یوں کہہ رہے ہیں کہ آپ پیغمبر

قُلْ: كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِيْ نہیں، آپ فرمادیجئے کہ میرے اور تمہارے

وَبَيْنَكُمْ، وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ درمیان اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جس کے پاس کتاب کا

الكِتٰبِ (آیت ۴۳)

علم ہے کافی گواہ ہیں۔

دوسرا طریقہ: ثانیاً رسالت و نبوت کی حقیقت واضح کی ہے کہ رسول ہونے کا مطلب بس

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو برگزیدہ فرما کر اس کے پاس وحی بھیجیں۔ ارشاد خداوندی ہے:
 قُلْ: اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ اِلَيَّ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (سورہ کہف آیت ۱۰، حم السجدہ آیت ۶) میرے پاس وحی آتی ہے
 پھر وحی کی وضاحت فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی کوئی ناممکن اور محال بات نہیں
 ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ لِشَيْءٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَخِيًا اَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُؤْحِیْ بِاٰذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلٰی حَكِيْمٍ (سورہ شوریٰ آیت ۵۱)
 کسی بشر کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے گفتگو کریں مگر اشارہ سے، یا پردہ کے پیچھے سے، یا کسی فرشتے کو بھیجیں کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہو پیغام پہنچائے، وہ بڑے عالی شان اور بڑی حکمت والے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں وحی کے تین بنیادی طریقے بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے کوئی طریقہ بھی ایسا نہیں ہے جو ناممکن اور محال ہو۔

تیسرا طریقہ: مشرکین جن شبہات اور وساوس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے، ان کے جوابات دیئے گئے ہیں، مثلاً وہ کہتے تھے کہ اگر یہ واقعی رسول ہیں تو ہم جن معجزات کی فرمائش کرتے ہیں، وہ کیوں نہیں دکھاتے؟ اگر اللہ تعالیٰ کو رسول بھیجنا ہی ہے تو ہم جس شخص کو تجویز کرتے ہیں اس کو نبوت سے سرفراز کیوں نہیں کیا جاتا؟ اسی طرح وہ کہتے کہ اللہ کے یہاں کر دیوں کی کمی نہیں ہے، پھر انھوں نے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟ ان کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ ہم میں سے شخص کے پاس وحی آنی چاہئے۔ ان سب باتوں کا جواب دیا گیا ہے کہ فرمائشی معجزات کا ظاہر نہ ہونا، لوگوں کے تجویز کردہ شخص کو رسول نہ بنانا، اسی طرح کسی فرشتہ کو رسول بنا کر نہ بھیجنا اور شخص کی طرف وحی نازل نہ کرنا ایک مصلحت کی وجہ سے ہے جو لوگوں کی فہم سے بالاتر ہے۔ چنانچہ فرمائشی معجزات نہ دکھانے کی حکمت و مصلحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْآيَاتِ اِلَّا اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُونَ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۵۹) ہم کو خاص (فرمائشی) معجزات بھیجنے سے یہی امر مانع ہوا کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب کر چکے ہیں۔

یعنی فرمائشی نشان دکھلانا خدا تعالیٰ کو کچھ دشوار نہ تھا، لیکن پہلے لوگوں کو ان کی فرمائش کے مطابق نشان دکھلائے گئے تب بھی نہ مانے، بلکہ سرکشی میں اور ترقی کر گئے، آخر سنت اللہ کے موافق اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالکل نیست و نابود کر دیئے گئے، اب اگر تمہاری سب فرمائشیں پوری کر دی جائیں، اور خدا کے علم میں ہے، بلکہ تمہارے احوال سے بھی ظاہر ہے کہ تم پھر بھی ماننے والے نہیں، تو سنت اللہ کے موافق اس کا نتیجہ وہی استیصال اور اہلاک کلی ہونا چاہئے، جو اس امت کے حق میں خلاف مصلحت و حکمت ہے، خدا تعالیٰ کا ارادہ اس آخری امت کی نسبت یہ نہیں کہ گذشتہ اقوام کی طرح عذاب مُستأصل بھجج کر بالکلیہ تباہ کی جائے، پہلی امتوں کو فرمائشی نشان دکھلانا اس بناء پر جائز رکھا گیا کہ ان کی بالکلیہ تباہی خدا کے نزدیک اس قدر لائق التفات نہ تھی، اور آخر میں آنے والی امت کو نمونے دکھلانے تھے، کہ فرمائشی نشان مانگنے والوں کا حشر ایسا ہوتا ہے۔

چنانچہ اس آیت میں ان ہی تاریخی نظائر کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا کہ اگر فرمائشی نشان دیکھنے کے بعد تکذیب کی، (اور یقیناً کرو گے) تو جو حشر پہلوں کا ہو اسی تمہارا ہوگا، لیکن حکمت الہیہ متنبہ نہیں کہ تم کو اس طرح تباہ کیا جائے، لہذا فرمائشی نشانات کا بھیجنا موقوف کیا گیا (نوائد عثمانی) اسی طرح مشرکین کے تجویز کردہ شخص کو رسول نہ بنانے، اور ہر شخص کے پاس وحی نہ بھیجنے کی حکمت و مصلحت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (انعام) اس جگہ کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جہاں اپنا پیغام بھیجتے ہیں۔ (آیت ۱۲۴)

یعنی یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ کون شخص اس کا اہل ہے کہ منصب پیغامبری پر سرفراز کیا جائے۔ اور اس عظیم الشان امانت الہیہ کا حامل بن سکے، یہ نہ کوئی کبھی چیز ہے کہ دعا یا ریاضت یا دنیوی جاہ و جلال اور مال و دولت وغیرہ سے حاصل ہو سکے، اور نہ ہر کس و نا کس کو ایسی جلیل القدر اور نازک ذمہ داری پر فائز کیا جاسکتا ہے۔

نیز فرشتے کو رسول بنا کر نہ بھیجنے کی حکمت و مصلحت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا اور اگر ہم کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو وہ بھی وَلَلْبَشَرِ لَآلِيهِمْ مَائِلَ بَسْرًا آدمی ہی کی صورت میں ہوتا، اور ان کو اسی شبہ میں ڈالتے جس میں اب مبتلا ہیں۔ (انعام آیت ۹)

یعنی اگر فرشتہ اپنی اصل صورت میں آئے تو لوگ ایک منٹ کے لئے اس کا تحمل نہ کر سکیں، اس کے رعب و ہیبت سے دم نکل جائے، اور اگر فرشتہ کو انسان کی صورت میں بھیجا جائے تو منکرین کے شبہات کا ازالہ نہیں ہو سکتا، جو شکوک و شبہات رسول کے بشر ہونے پر کرتے تھے، وہ فرشتے کے بصورت بشر آنے پر بدستور کرتے رہیں گے۔

والرّد علیٰ منکری الرّسالة

أولاً: بَيَانِ وجودها في الأُمم المتقدّمة، كما قال تعالى ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِنْ اَهْلِ الْقُرَى﴾ وقال تعالى ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا، قُلْ: كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ، وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾

وثانياً: بدفع الاستبعاد بَيَانِ أَنَّ الرّسالة هنا عبارة عن الوحي، قال تعالى: ﴿قُلْ: اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحِي اِلَيَّ﴾ ثم يُفسّرُ الوحي بما لا يكون من المُستحيلات كما قال تعالى: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا، اَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ، اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيْ بِاِذْنِهِ مَا يَشَاءُ، اِنَّهٗ عَلَيَّ حَكِيْمٌ﴾

وثالثاً: بَيَانِ اَنَّ عدم ظهور المعجزات التي يقتربونها وعدم موافقة الله تعالى اياهم في تعيين شخص يتوحدون رسالته وعدم ارساله تعالى الملائكة رُسُلًا، وعدم ايجابه تعالى الى كُلِّ شخص، كُلُّ ذلك لمصلحة كلية، يَتَضَرَّعُ عَلَيْهِمْ عَنْ ادراكها.

ترجمہ: منکرین رسالت کی تردید: اولاً: رسالت کے پہلی امتوں میں ہونے کو بیان کر کے کی گئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”اور ہم نے آپ سے پہلے بستیوں میں، بنے والوں میں سے جتنے (رسول) بھیجے وہ سب مرد ہی تھے کہ وحی بھیجتے ہیں ہم ان کی طرف“ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”اور یہ انکار کرنے والے یوں کہہ رہے ہیں کہ آپ ﷺ پیغمبر نہیں، آپ فرمادیتے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے کافی گواہ ہیں“

اور ثانیاً: یہ واضح کر کے استبعاد کو دور فرمایا ہے کہ رسالت کا مطلب یہاں وحی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”آپ فرمادیتے کہ میں تم ہی جیسا بشر ہوں کہ وحی آتی ہے میرے پاس“، پھر وحی کی ایسی وضاحت کی گئی جو ناممکنات میں سے نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”کسی بشر کے لئے ممکن

نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے گفتگو کریں مگر اشارہ سے، یا پردہ کے پیچھے سے، یا کسی فرشتے کو بھیجیں کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے، بیشک وہ بڑے عالیشان بڑی حکمت والے ہیں“ اور ثالثاً: یہ بیان کر کے (تردید کی گئی ہے) کہ اُن معجزات کا ظاہر نہ ہونا جن کی منکرین فرمائش کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا ان کی موافقت نہ کرنا اس شخص کی تعین میں جس کی رسالت کو یہ چاہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو رسول بنا کر نہ بھیجنا، اور اللہ تعالیٰ کا شخص کی طرف وحی نہ بھیجنا، یہ سب ایک مصلحت کلی کی بناء پر ہے جس کا ادراک کرنے سے ان کا علم و فہم قاصر ہے۔

لغات:

اِفْتَحَ عَلَيْهِ كَذَا او بكَذَا: سختی سے اور بغیر سمجھے بوجھے سوال کرنا..... تَوَحَّى الْاَمْرَ: طلب کرنا، چاہنا..... وَحَى اور اِيْحَاء کے لغوی معنی ہیں: اشارہ کرنا، ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَفَتَحَ عَلٰی قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ حضرت زکریا علیہ السلام حجرہ میں سے اپنی قوم کے سامنے تشریف لائے، اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرتے رہو (مریم آیت ۱۱) اور وحی کے اصطلاحی معنی ہیں: كَلَامُ اللّٰهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰی نَبِیٍّ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ کلام خداوندی جو کسی نبی پر نازل کیا گیا ہے (عمدة القاری)

وحی اور ایحاء میں فرق:

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ: ”وحی“ اور ”ایحاء“ دونوں الگ الگ لفظ ہیں، اور دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، ”ایحاء“ کا مفہوم نام ہے، انبیاء پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا، اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے، لہذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کے برخلاف ”وحی“ صرف اس الہام خداوندی کو کہتے ہیں جو انبیائے کرام پر نازل ہو، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں لفظ ”ایحاء“ نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، لیکن لفظ ”وحی“ کو سوائے انبیاء کے کسی کے لئے استعمال نہیں کیا گیا (فیض الباری ج ۱ ص ۱۹)

مضامین بار بار دہرانے کی حکمت

ہادی عالم ﷺ کی بعثت جن لوگوں کی طرف ہوئی ہے، ان میں اکثر و بیشتر چونکہ مشرکین تھے، جو توحید و رسالت اور حشر و نشر وغیرہ کا انکار کرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان مضامین کو بہت سی سورتوں میں مختلف انداز سے پوری تاکید کے ساتھ ثابت فرمایا ہے۔ اور بار بار دہرانے سے گریز نہیں فرمایا، کیونکہ جاہلوں اور نادانوں کے سامنے ایک بات کو بار بار دہرانا عین حکمت ہے، اور بے وقوفوں اور کم عقلوں کے سامنے تاکید کی کلام پیش کرنا نہایت ضروری ہے۔

وَلَمَّا كَانَ أَكْثَرُ النَّاسِ الَّذِينَ بَعَثَ اللَّهُ إِلَيْهِمُ الرُّسُولَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُشْرِكِينَ، ذَكَرَ هَذِهِ الْمَعَانِي فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ فِي سُورٍ كَثِيرَةٍ بِأَسَالِبٍ مُتَعَدِّدَةٍ وَتَاكِيدَاتٍ بَلِيغَةٍ؛ وَلَمْ يَتَحَاشَ عَنْ تَكَرُّرِهَا وَتَرْدَادِهَا؛ نَعْمَ هَكَذَا يَنْبَغِي أَنْ تَكُونَ مَخَاطَبَةُ الْحَكِيمِ الْمَطْلُوقِ مَعَ هَؤُلَاءِ الْجَهْلَةِ؛ وَالْكَلَامُ فِي مَقَابِلَةِ هَؤُلَاءِ السَّفَهَاءِ جَدِيدٌ بِهَذَا التَّأَكِيدِ الْبَلِيغِ، ﴿ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾

ترجمہ: اور جب ان لوگوں میں سے اکثر جن کی طرف رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے مشرکین تھے، تو ان (سابقہ) مضامین کو قرآن کریم میں بہت سی سورتوں میں مختلف طریقوں اور پوری تاکیدوں سے ثابت فرمایا ہے، اور ان مضامین کو بار بار بیان کرنے اور دہرانے سے گریز نہیں فرمایا جی ہاں! ایسا ہی ہونا چاہئے حکیم مطلق کا خطاب ان نادانوں کے ساتھ، اور ان بے عقلوں کے مقابلہ میں گفتگو ایسی ہی بلیغ تاکید کے ساتھ کرنا مناسب ہے۔ یہ زبردست جاننے والے کا اندازہ ہے۔

لغات:

أَسَالِبٍ؛ اُسْلُوبُ کي جمع ہے: انداز بیان، طریقہ..... تَحَاشَى عَنْ الشَّيْءِ: پرہیز کرنا، گریز کرنا..... تَرْدَادُ: تکرار..... جَدِيدٌ: لائق، جَدْرٌ (ک) جَدَارَةٌ بكذا: لائق ہونا..... قَدَّرَ الْأَمْرَ تَقْدِيرًا: فیصلہ کرنا۔



یہود کا تذکرہ

یہود تورات پر ایمان رکھتے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے تھے، مگر اس کے باوجود تورات میں تحریف لفظی اور معنوی کرتے تھے، تورات کی بعض آیتوں کو چھپاتے تھے، من گھڑت باتیں دین میں داخل کرتے رہتے تھے، تورات کے احکام نافذ کرنے اور ان پر عمل کرنے میں کوتاہی اور سستی کرتے تھے، اپنے دین و مذہب کی بیجا حمایت کرتے تھے، اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت و نبوت کا انکار کرتے تھے، آپ کی شان اقدس میں گستاخیاں کرتے رہتے تھے، او طعن و تشنیع سے باز نہیں آتے تھے، چنانچہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ جب یہود آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے، تو السّلامُ عَلَیْکَ کے بجائے السّامُ عَلَیْکَ کہتے، السّامُ کے معنی ہیں: موت، پس السّامُ عَلَیْکَ کا مطلب ہوا: تو مر! اسی طرح یہود اللہ تعالیٰ کی شان اقدس میں بھی گستاخیاں کرتے رہتے تھے چنانچہ کبھی کہتے ﴿إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنَاءُ﴾ اللہ تعالیٰ تنگ دست ہیں اور ہم مالدار ہیں (آل عمران آیت ۱۸۱) اور کبھی کہتے ﴿يَذُ اللَّهُ مَغْلُولَةٌ﴾ (مائدہ آیت ۶۴) خدا کا ہاتھ بند ہو گیا ہے یعنی نعوذ باللہ خدا تعالیٰ بخیل ہو گئے ہیں، حالانکہ وہ خود بخ و حرض و غیرہ رذائل میں مبتلا تھے۔ یہود کی ان گراہیوں کی وضاحت آگے حضرت شاہ صاحب خود کریں گے، اس لئے ہم نے تفصیل سے گریز کیا ہے۔

ذِکْرُ الْيَهُودِ

وقد کان اليهود، آمنوا بالتوراة، وکان من ضلّالہم:

۱۔ تحریف احکام التوراة، سواء کان تحریفاً لفظياً أو تحریفاً معنوياً.

۲۔ وکتمان آیات التوراة.

۳۔ وإلحاق ماليس منها بها، افتراء منهم.

۴۔ والتقصير في تنفيذ أحكامها.

۵۔ والعصية الشديدة لِدِيَانَتِهِمْ.

۶۔ واستنكار رسالة نبينا صلى الله عليه وسلم، وسوء الادب والطعن عليه صلى الله عليه وسلم، بل بالنسبة إلى الرب تبارك وتعالى أيضًا.

۷۔ وابتلاؤهم بالبخل والحرص ونحو ذلك من الرذائل.

ترجمہ: یہود کا تذکرہ: یہود تورات پر ایمان رکھتے تھے، اور ان کی گمراہیوں میں سے چند یہ ہیں:

(۱) تورات کے احکام میں تحریف کرنا، چاہے تحریف لفظی ہو یا معنوی۔

(۲) اور تورات کی آیتوں کو چھپانا۔

(۳) اور ان باتوں کو تورات کے ساتھ ملانا جو اس میں سے نہیں ہیں، اپنی طرف سے گھڑ کر۔

(۴) اور تورات کے احکام نافذ کرنے میں کوتاہی کرنا۔

(۵) اور اپنے مذہب کی نہایت بیجا حمایت کرنا۔

(۶) اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت کا انکار کرنا، اور آپ کی شان میں گستاخی کرنا، اور طعن

وتشعیر کرنا، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں بھی (گستاخیاں کرنا)

(۷) اور ان کا بخل و حرص وغیرہ بری خصالتوں میں مبتلا ہونا۔

لغات:

الْعَصِيَّةُ، تعصّب، بیجا حمایت کرنا..... دِيَانَةُ: ملت و مذہب جمع دِيَانَات..... رَذَائِلُ، رَذِيلَةُ کی

جمع ہے: بری خصلت۔



تحریف کا بیان

تحریف و تبدیلی کی دو صورتیں ہیں: لفظی اور معنوی، پھر تحریف لفظی یعنی لفظی رد و بدل کی تین صورتیں ہیں: (۱) ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دینا (۲) کسی لفظ کو بڑھا دینا (۳) یا کسی لفظ کو کم کر دینا — اور تحریف معنوی یہ ہے کہ راہِ حق سے انحراف کرتے ہوئے کسی آیت کی ایسی تفسیر و تشریح کرنا جو مراد خداوندی کے خلاف ہو، یعنی فاسد تاویل اور باطل تفسیر کو تحریف معنوی کہتے ہیں۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تورات میں تحریف معنوی ہوئی ہے، اور تحریف لفظی کے بارے میں تین مذہب ہیں (۱) جمہور کی رائے یہ ہے کہ تورات میں تحریف معنوی کی طرح تحریف لفظی بھی بہت ہوئی ہے (۲) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ تورات میں تحریف لفظی ہوئی ہے، مگر بہت کم، زیادہ تر تحریف معنوی ہوئی ہے، (۳) اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی رائے یہ ہے کہ تورات میں صرف تحریف معنوی ہوئی ہے، تحریف لفظی بالکل نہیں ہوئی، اور شاہ صاحب کے خیال میں یہی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

مگر علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ تورات میں صرف تحریف معنوی ہوئی ہے تو قرآن کریم کو بھی محرف ماننا ہوگا، کیونکہ قرآن کریم میں بھی تحریف معنوی کچھ کم نہیں ہوئی، اس لئے میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ تورات میں لفظی تحریف بھی ہوئی ہے، چاہے دانستہ ہوئی ہو یا نادانستہ (فیض الباری ج ۳ ص ۲۹۵)

نیز شاہ صاحب نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف جس قول کی نسبت کی ہے اس کو رد کرتے ہوئے علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ: حضرت عبد اللہ بن عباس "تحریف لفظی کا کیسے انکار کر سکتے ہیں جبکہ واقعہ اس کے برخلاف ہے، اور قرآن کریم باوازا بلند کہہ رہا ہے کہ یہود اپنے ہاتھوں سے لکھ کر کہتے تھے کہ:

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ، وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ

یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔

یہی تو تحریف لفظی ہے، لہذا حضرت عبد اللہ بن عباس کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ یہود بالقصد لفظی تحریف نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے اسلاف نے اپنی فہم کے مطابق تورات کی جو مراد لکھی تھی اس کو بعد میں آنے والوں نے اصل تورات میں داخل کر دیا، اس طرح وہ تفسیر تورات کے ساتھ مخلوط ہو گئی (فیض الباری ج ۴ ص ۵۳۷)

بیان التحریف

وقد تحقّق لدى الفقير أن تحريفهم اللفظي قد كان في ترجمة التوراة وأمثالها،

لا في أصل التوراة؛ وهو قول ابن عباس رضي الله عنهما

والتحریفُ المعنوی: هو تاویلٌ فاسدٌ یَحْمِلُ الآیةَ علی غیرِ معناها، یَتَعَسَّفُ
وانحرافٌ عن سِواءِ السبیلِ.

ترجمہ: تحریف کا بیان: اور فقیر کے نزدیک یہی حق ہے کہ ان کی تحریف لفظی تورات کے ترجمہ
وغیرہ میں تھی، نہ کہ اصل تورات میں، اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔
اور تحریف معنوی: غلط مطلب بیان کرنا ہے آیت کو اس کے معنی (مرادی) کے علاوہ پر محمول
کر کے بے راہ روی سے یعنی سیدھے راستہ سے انحراف کرتے ہوئے۔

لغات:

تَعَسَّفَ: بے راہ روی، تَعَسَّفَ فی القولِ: بے راہ روی کرنا، یَتَعَسَّفُ وانحراف میں عطف
تفسیری ہے..... اِنْحَرَفَ عَنْهُ: ایک جانب کو جھٹلنا۔ روگردانی کرنا۔

﴿فائدہ﴾ شاہ صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جس قول کا حوالہ دیا ہے اس کو مفسرین
نے ﴿وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ
يَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ آیت ۷۵) کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ:

يسمعون التوراة ويؤولوها تاويلاً فاسداً يهود تورات سننے تھے، اور اس کی حسب منشاء
حَسَبَ أَغْرَاضِهِمْ، وَإِلَى ذَلِكَ ذَهَبَ ابْنُ عَبَّاسٍ تفسیر کرتے تھے، اور یہی ابن عباس کا
عباس رضی اللہ عنہ، والجمهور علی ان تحریفها مذہب ہے، اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ
بتبدیل کلام من تلقائهم تورات کی تحریف اپنی طرف سے کلام الہی کو

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۹۸) بدل دینا ہے۔

لیکن اس آیت کا تعلق تورات کی تحریف سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق اس واقعہ سے ہے
جو کوہ طور پر پیش آیا تھا، اور ”فَرِيقٌ“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے ساتھ کلام الہی سننے کے لئے گئے تھے، انھوں نے وہاں سے آکر یہ تحریف کی کہ بنی اسرائیل
سے کہہ دیا کہ ہم نے تمام کلام کے آخر میں یہ بھی سنا ہے کہ: ”ان احکام پر اگر عمل کر سکو تو کرنا، ورنہ
ان کے ترک کا بھی تم کو اختیار ہے“ پس اس آیت میں تحریف تاویل فاسد کے ہم معنی ہے۔

اور تورات میں جو تحریف ہوئی ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کی آیت ۱۳ اور آیت ۴۱

میں بیان فرمایا ہے، مگر وہاں مفسرین نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ذکر نہیں کیا، اس لئے یقین سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول وہی ہے جو شاہ صاحب نے اختیار فرمایا ہے۔

بلکہ امام بخاری نے کتاب الشہادۃ میں باب لا یسنل اهل الشوک عن الشہادۃ وغیرہا کے ذیل میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے: وَقَدْ حَدَّثَنَا اللَّهُ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ بَدَّلُوا مَا كُتِبَ اللَّهُ، وَغَيَّرُوا بِأَيْدِيهِمُ الْكِتَابَ فَقَالُوا: مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا! اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب وہی ہے جو جمہور کا ہے۔

البتہ امام بخاری نے باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ﴾ کے تحت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ يُحَرِّفُونَ: يُزِيلُونَ؛ وَلَيْسَ أَحَدٌ يُزِيلُ لَفْظَ كِتَابٍ مِنْ كُتُبِ اللَّهِ، وَلَكِنَّهُمْ يُحَرِّفُونَهُ: يَتَوَلَّوْنَهُ عَلَى غَيْرِ تَأْوِيلِهِ، پس ہو سکتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب اخذ کیا ہو، لیکن یہ اثر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب پر صراحت دلائی نہیں کرتا، کیونکہ ہو سکتا ہے وَلَيْسَ أَحَدٌ يُزِيلُ الْخَبَرَ ابْنَ عَبَّاسٍ کا قول نہ ہو، بلکہ امام بخاری کا وضاحتی نوٹ ہو، بلکہ یہی رائج ہے جیسا کہ بخاری کے حاشیہ سے واضح ہے۔ قال المحشى: قوله وَلَيْسَ أَحَدٌ الْخَبَرَ مِنْ كَلَامِ الْبُخَارِيِّ ذَيْلٌ بِهِ تَفْسِيرُ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ بَقِيَّةُ كَلَامِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي تَفْسِيرِ الْآيَةِ (بخاری شریف ص ۱۱۷)



تحریف معنوی کی پہلی مثال

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر مذہب و ملت میں کافر اور فاسق کے درمیان فرق بیان کیا ہے کہ کافر یعنی دین و مذہب کا منکر ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اور فاسق یعنی گناہ گار مؤمن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، انبیاء کی شفاعت سے اس کو دوزخ سے ضرور نکالا جائے گا۔

اور ہر مذہب و ملت میں گناہ گار مؤمن کا حکم بیان کرتے وقت ہر مذہب کے پیرو کا مخصوص نام ذکر کیا ہے، چنانچہ یہی حکم — یعنی گناہ گار مؤمن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، انبیاء کرام کی شفاعت سے اس کو دوزخ سے ضرور نکالا جائے گا — تورات میں یہود کے لئے، انجیل میں

نصاری کے لئے، اور قرآن کریم میں مسلمانوں کے لئے ثابت فرمایا ہے، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دوزخ سے نجات پانا اور جنت میں جانا کسی فرقہ کی ذاتی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ نجات کا ہر صحیح ایمان اور ہر زمانہ کے نبی کی اطاعت و فرماں برداری پر ہے۔

لیکن یہود کا دعویٰ یہ ہے کہ جو یہودی اور غیری ہو گا وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، چند دن دوزخ میں رہے گا، پھر انبیائے کرام کی شفاعت سے نجات پا کر ضرور جنت میں جائے گا، چاہے مدار نجات پایا جائے یا نہ پایا جائے یعنی ایمان کی دولت سے بالکل محروم ہو تب بھی دوزخ سے نجات پائے گا اور ضرور جنت میں جائے گا، حالانکہ یہ بات سر اسر غلط اور خالص جہالت کا نتیجہ ہے۔ قرآن کریم چونکہ سابقہ کتابوں کے مضامین کا محافظ و نگہبان اور قابل اشتباہ باتوں کی کامل وضاحت کرنے والا ہے، اس لئے اس شبہ کی وضاحت اور یہود کے دعوے کو رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ، فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (سورۃ البقرۃ آیت ۸۱)

(یہود ہمیشہ دوزخ میں) کیوں نہیں (رہیں گے، جبکہ قانون خداوندی یہ ہے کہ) جس نے گناہ کیا؛ اور اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا، سو ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

أَمْثَلَةُ التَّحْرِيفِ الْمَعْنَوِي:

۱۔ فَمِنْ جُمْلَةِ ذَلِكَ: أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ بَيَّنَّ الْفُرْقَ بَيْنَ الْمُتَدَبِّينِ الْفَاسِقِ وَالْكَافِرِ الْجَاهِدِ فِي كُلِّ مَلَّةٍ، وَتَوَعَّدَ الْكَافِرَ بِالْخُلُودِ فِي النَّارِ وَالْعَذَابِ الْأَلِيمِ، وَجَوَّزَ خُرُوجَ الْفَاسِقِ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ الْأَنْبِيَاءِ، وَصَرَّحَ بِذَلِكَ فِي كُلِّ دِيَانَةٍ بِاسْمِ الْمُتَدَبِّينِ بِنَتِكَ الدِّيَانَةِ، فَأُثْبِتَ ذَلِكَ فِي التَّوْرَةِ لِلْيَهُودِ وَالْعِبْرِيِّينَ وَفِي الْإِنْجِيلِ لِلنَّصْرَانِيِّينَ، وَفِي الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ لِلْمُسْلِمِينَ؛ وَمَنَاطُ الْحُكْمِ: هُوَ الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَالْإِيمَانُ بِالنَّبِيِّ الَّذِي يُعْثُ إِلَيْهِمْ، وَالْإِنْقِيَادُ لَهُ، وَالْعَمَلُ بِشَرَائِعِ مِلَّتِهِ، وَالاجْتِنَابُ عَنْ نَوَاهِيهَا؛ لِاتَّخَصُّصِ الْحُكْمِ بِفَرْقَةٍ مِنَ الْفُرُقِ لِدَاتِهَا.

وَلَكِنَّ الْيَهُودَ زَعَمُوا أَنَّ كُلَّ مَنْ كَانَ يَهُودِيًّا أَوْ عِبْرِيًّا فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ،

وَتَخْلَصُ شَفَاعَةُ الْأَنْبِيَاءِ مِنَ الْعَذَابِ، وَلَا يَمُكُّكَ فِي النَّارِ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ، وَإِنْ لَمْ يَتَحَقَّقْ ذَلِكَ الْمَنَاطُ، وَلَمْ يَكُنْ إِيْمَانُهُ بِاللَّهِ تَعَالَى عَلَى الْوَجْهِ الصَّحِيحِ، وَلَمْ يُذَرِّكَ حَقًّا مِنَ الْإِيْمَانِ بِالْآخِرَةِ، وَرِسَالَةِ النَّبِيِّ الْمَبْعُوثِ إِلَيْهِمْ. وَهَذَا خَطَا صَرَفَ وَجْهًا مَخْصُصًا، وَقَدْ كَشَفَ الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ هَذِهِ الشَّبَهَةَ عَلَى أَتَمِّ وَجْهِهِ، لِأَنَّهُ كَانَ مُهْمِّمًا عَلَى الْكُتُبِ السَّابِقَةِ، مُبَيِّنًا لِمَوَاضِعِ الْإِشْكَالِ فِيهَا، فَقَالَ تَعَالَى: ﴿بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ، فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

ترجمہ: تحریف معنوی کی مثالیں:

۱- اس (تحریف معنوی) میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرق بیان کیا ہے دین کی تصدیق کرنے والے نافرمان اور دین کا انکار کرنے والے کافر کے درمیان ہر مذہب میں، اور دھمکی دی ہے کافر کو دوزخ میں ہمیشہ رہنے کی اور دردناک عذاب کی، اور نافرمان کا دوزخ سے نکلنا جائز ٹھہرایا ہے انبیائے کرام کی سفارش سے، اور اس حکم کو بیان کیا ہے ہر مذہب میں اس مذہب کے ماننے والے کے نام سے، چنانچہ یہ حکم ثابت کیا ہے تورات میں یہودیوں اور عبریوں کے لئے، اور انجیل میں نصرانیوں اور عیسائیوں کے لئے، اور قرآن کریم میں مسلمانوں کے لئے، اور حکم کی علت: اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان لانا ہے، اور اس نبی کی تصدیق کرنا ہے جو ان کی طرف بھیجا گیا ہے، اور اس (نبی) کی اطاعت کرنا اور اس کی ملت کے اوامر پر عمل کرنا اور اس (ملت) کے ناجائز امور سے پرہیز کرنا ہے، حکم کو ان فرقوں میں سے کسی فرقہ کی ذات کے ساتھ خاص کرنا (مقصود) نہیں ہے۔

لیکن یہود نے یہ گمان کیا کہ یہودی اور عبری اہل جنت میں سے ہے، اور انبیائے کرام کی شفاعت اس کو عذاب سے نجات دلائیگی، اور وہ دوزخ میں نہیں ٹھرے گا مگر چند دن، اگرچہ نہ پائی جائے وہ علت، اور نہ ہو اس کا ایمان اللہ تعالیٰ پر صحیح طریقہ پر، اور نہ پایا ہو اس نے کوئی حصہ آخرت اور اس نبی کی رسالت پر ایمان سے جو ان کی طرف بھیجا گیا ہے، یہ سر اسر غلط اور خالص جہالت ہے، اور قرآن عظیم نے اس شبہ کو مکمل طریقہ پر دوا شگاف کیا ہے، اس لئے کہ قرآن پاک نگہبان اور محافظ ہے کتب سابقہ کا، اور ان (کتب سابقہ) میں جو مواقع قابل اشتباہ ہیں ان کو دوا شگاف کرنے والا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہے: کیوں نہیں جس نے گناہ کیا اور اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا سو ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں، اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

لغات:

الْمُتَذَيِّنُ (اسم فاعل): دین کی تصدیق کرنے والا، مؤمن، تَذَيِّنَ بِالْمَعْلَةِ: دین اختیار کرنا.....
جَاحِد: منکر، انکار کرنے والا..... مُهَيِّجِن (اسم فاعل): نگران، نگہبان هَيَّجَنَ عَلٰی كَذَا هَيَّجَنَةً: نگہبان ہونا..... عِبْرَتِي، عِبْرَانِي اور اسرائیلی سب مصداق کے اعتبار سے ایک ہیں، یہود اپنے آپ کو اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسرائیلی کہتے ہیں، اور دوسرے لوگ ”عابر“ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو عِبْرَتِي اور عِبْرَانِي کہتے ہیں، اور عابر ”یہود کے جد اعلیٰ ہیں، یا دریا عبور کرنے پر دلالت کرتا ہے، اب عِبْرَتِي اور عِبْرَانِي دونوں لفظ یہودی زبان کے لئے بولے جاتے ہیں (المجد)



تحریف معنوی کی دوسری مثال

اللہ تعالیٰ نے ہر ملت و مذہب میں امت کو ان کے زمانہ کی مصلحتوں کے موافق احکام دیئے ہیں، اور ہر امت کی اچھی عادتوں اور نیک خصلتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے شرعی قانون بنایا ہے، اور ہر امت کو ملت و مذہب اختیار کرنے کا تاکید حکم دیا ہے، اور اس پر ہمیشہ عمل کرنے اور اعتقاد رکھنے کی سخت تاکید فرمائی ہے، اور حق کو ہمیشہ کے لئے اس ملت میں منحصر کر دیا ہے، مگر دواہ سے دوام حقیقی مراد نہیں بلکہ دوام اضافی اور ظاہری مراد ہے، یعنی جب تک دوسرا نبی اور نئی شریعت نہ آئے تب تک حق اس میں منحصر ہے، لیکن یہود اس کو دوام حقیقی پر محمول کر کے ملت یہودیت کے ناقابل نسخ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، یہی تورات کی تحریف معنوی اور سراسر غلط تفسیر ہے۔

نیز یہود کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو ملت یہودیت پر ہمیشہ قائم و دائم رہنے کی وصیت کی تھی، جو ملت یہودیت کے ناقابل نسخ ہونے کی واضح ترین دلیل ہے — اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کا حضرت یعقوب علیہ السلام پر افتراء ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کا یہ مطلب ہر گز نہیں تھا، بلکہ ان کی وصیت کا مطلب یہ

تھا کہ تم ایمان اور اعمال صالحہ پر مرتے دم تک گامزن رہنا، یہ وصیت یہودیت کے تعلق سے نہیں تھی، عام تھی مگر یہود نے خصوصیت کا اعتبار کرتے ہوئے یہ بات گھڑ لی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو ہمیشہ یہودیت پر برقرار رہنے کی وصیت کی ہے۔

۲۔ ومن جملة ذلك: أنه تعالى قد بين في كل ملّة احكامًا تُناسبُ مصالح ذلك العصر. ورُوِيت في التشريع عادات القوم الصالحة، وأُعيد الأمرُ بالأخذِ بها، وإدامة العملِ عليها، والاعتقادِ بها، وحُصرِ الحَقِيقَةِ فيها؛ والمرادُ أن الحقَّ منحصرٌ فيها في ذلك العصر، وأن المداومةَ عليها إضافية، لاحقِيقَةِ أُنَى مالِم يات نبي آخر، ومالم يُكشِفِ السَّتارُ عن وجه رسالته.

ولكن اليهود حملوا ذلك على استحالة نَسْخِ اليهودية؛ وكان معنى وصية التَّمَسُّكِ بها هو الوَصَايَةُ بالإيمان بالله والتمسك بالأعمال، ولم تكن خصوصية تلك الملة معتبرة لذاتها؛ ولكن اليهود اعتبروا الخصوصية، فظنوا أن يعقوب عليه السلام وَصَّى بِنَيْهِ بالتمسك باليهودية أبدًا.

ترجمہ: اور اس (تحریف معنوی) میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مذہب میں ایسے احکام بیان فرمائے ہیں جو اس زمانہ کی مصلحتوں کے موافق ہیں، اور شرعی قانون بنانے میں قوم کی اچھی عادتوں کی رعایت کی گئی ہے، اور تاکید کی حکم دیا ہے اس ملت کو اختیار کرنے کا، اور اس (ملت) پر ہمیشہ عمل کرنے کا اور اعتقاد رکھنے کا، اور حق کو اس (ملت) میں منحصر کرنے کا، اور مراد یہ ہے کہ حق اس (ملت) میں منحصر ہے اُس زمانہ میں، اور اس (ملت) پر ہمیشہ گامزن رہنا اضافی ہے، حقیقی نہیں، یعنی جب تک نہ آئے کوئی دوسرا نبی، اور جب تک نہ کھولا جائے اس کے روئے رسالت سے پردہ۔

لیکن یہود نے اس کو محمول کیا نسخِ یہودیت کے محال ہونے پر، اور اس (ملتِ یہودیت) کو مضبوطی سے تھامنے کی وصیت کا مطلب تھا اللہ پر یقین کامل رکھنے کی اور اعمال کو مضبوطی سے تھامنے کی وصیت کرنا، اور اس ملت کی ذاتی خصوصیت معتبر نہیں تھی، لیکن یہود نے خصوصیت کا اعتبار کر کے یہ گمان کیا کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو ہمیشہ کے لئے یہودیت کو مضبوطی سے تھامنے کی وصیت کی ہے۔

لغات:

شَرْعَ (ف) شَرْعًا لِلْفَوْمِ، وَشَرْعَ تَشْرِيعًا: قانون بنانا، شریعت جاری کرنا۔۔۔ اَلَسْتَارُ: پردہ جمع سُتُر، کہا جاتا ہے: مَدَّ اللَّيْلُ سِتَارَهُ: رات نے اپنے پردہ کو پھیلا دیا، یعنی تاریکی پھیل گئی۔۔۔۔۔ تَمَسَّكَ بِهِ: چمکا، مضبوطی سے تھامنا۔۔۔۔۔ الوَصَايَةُ وَالْوَصَايَةُ: وصیت جمع وَصَايَا۔

☆

☆

☆

تحریف معنوی کی تیسری مثال

اللہ تعالیٰ نے ہر مذہب و ملت میں انبیائے کرام اور ان کی کامل اتباع کرنے والوں کو قرب خداوندی پر دلالت کرنے والے معزز اور پیارے خطابوں سے نوازا ہے، اور منکرین ملت کا تذکرہ ذلت آمیز اور قابل نفرت اوصاف سے کیا ہے، اور ان خطابوں میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو ہر قوم میں رائج اور شائع و ذائع تھے، پس اللہ تعالیٰ نے محبوب و مقرب کے بجائے کسی کو بیٹا کہہ دیا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ عام بول چال میں محبوب کو بیٹا کہا جاتا ہے، مثلاً کتاب الاستثناء کے چودھویں باب کی پہلی آیت میں ہے:

تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو، تم مردوں کے سبب سے اپنے آپ کو زخمی نہ کرنا، اور نہ اپنے آبرو کے بال منڈوانا (کتاب مقدس)

نیز کتاب الاستثناء کے بیسویں باب کی انیسویں آیت، اور کتاب اَشْعِيَاء کے پہلے باب کی دوسری آیت، اور تیسویں باب کی پہلی آیت، اور تریسٹھویں (۶۳) باب کی آٹھویں آیت، اور کتاب ہوشع کے پہلے باب کی دسویں آیت میں تمام بنی اسرائیل کو ابناء اللہ (خدا کے فرزند) کہا گیا ہے (بحوالہ العون الکبیر)

لیکن یہود ان معزز و مقرب اور پیارے خطابوں کی بناء پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ اعزاز و اکرام اور تقرب و شرافت یہودی، عبری اور اسرائیلی ناموں کے ساتھ خاص ہے، اور وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اس اعزاز و اکرام اور تقرب و شرافت کا مدار صرف اطاعت و انکساری اور راہ حق کو اختیار کرنے پر ہے۔

الحاصل اسی قسم کی بہت سی فاسد تاویلیں اور غلط تفسیریں ان کے دلوں میں راسخ ہو چکی تھیں،

جن کو وہ اپنے آباء و اجداد سے سنتے چلے آئے تھے، جب قرآن کریم نازل ہوا تو اس نے ان فاسد تاویلوں اور باطل خیالوں کی قلعی کھول دی اور ان کی مکمل ترویج فرمائی، مثلاً سورہ مائدہ میں ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى: نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (آیت ۱۸)

اور یہود و نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، آپ کہئے کہ پھر کیوں سزا دیتے ہیں تم کو تمہارے گناہوں پر؟ بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک معمولی آدمی ہو۔

یعنی جو قوم علانیہ بغاوتوں اور شدید ترین گناہوں کی بدولت یہاں بھی کئی طرح کی رسوائیوں اور عذاب میں گرفتار ہو چکی ہے اور آخرت میں بھی جہنم دوزخ کی سزا کا عقلاً و نقلاً استحقاق رکھتی ہے، کیا ایسی باغی اور عاصی قوم کی نسبت ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی ذی شعور یہ خیال کر سکتا ہے کہ وہ خدا کی محبوب اور پیاری ہوگی، خدا سے کسی کا نسبی رشتہ نہیں، اس کا پیار اور محبت صرف اطاعت اور حسن عمل سے حاصل ہو سکتی ہے۔ نیز تم کو خدا کا بیٹا اور پیارا تو درکنار، شریف اور ممتاز انسان بھی نہیں کہا جاسکتا، صرف خدا کے پیدا کئے ہوئے ایک معمولی آدمی کہلائے جاسکتے ہو۔ (نوائد عثمانی)

۳۔ ومن جملة ذلك: ان الله تعالى شَرَّفَ الأنبياء، والتابعين لهم بإحسان، في كل ملة بوصفِ الْمُقَرَّبِ والمحبوب، وَوَصَفَ الذين ينكرون الملة بالمغضوب؛ وَأَطْلَقَ في هذا الباب لفظاً شائعاً في كل قوم، فلا عَجَبَ لَوِ اسْتَعْمَلَ كلمة "الأبناء" مقامَ المحبوبين؛ ولكن ظَنَّ اليهودُ أنَّ هذا التشريفَ دائرٌ مع اسم اليهودي والعبري والإسرائيلي، ولم يعرفوا أنه دائرٌ مع صِفَةِ الإنقيادِ والخُضوعِ، والسَّيْرِ على الْحَقِّ الذي أنزله اللهُ على الأنبياء لا غير.

وَقَدْ ارْتَكَبَ في خِطابِهِمْ كَثِيرٌ مِنَ التَّأْوِيلَاتِ الفاسدةِ من هذا القبيل، وتَلَقَّوْهَا وَتَوَارَثُوهَا عَنْ آبَائِهِمْ وَأَجْدَادِهِمْ؛ فَدَحَضَ الْقُرْآنُ الْكَرِيمُ هَذِهِ الشُّبُهَاتِ عَلَى أَتَمِّ وَجْهِ.

ترجمہ: اور اس (تحریف معنوی) میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعزاز بخشا ہے انبیائے کرام اور ان کی اچھی طرح اتباع کرنے والوں کو ہر ملت میں مقرب اور محبوب کے لقب سے، اور منکرین ملت

کا تذکرہ کیا ہے قابلِ نفرت وصف کے ساتھ، اور اس باب میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو ہر قوم میں رائج تھے، پس کوئی تعجب کی بات نہیں اگر اللہ تعالیٰ نے استعمال کیا ہو لفظ ابناء کو محبوبوں کی جگہ میں (کیونکہ عام بول چال میں محبوب کو بیٹا کہا جاتا ہے) لیکن یہود نے گمان کیا کہ یہ اعزاز و اکرام دائرہ دسائر ہے یہودی، عبری اور اسرائیلی کے نام کے ساتھ، اور وہ یہ نہ جان سکے کہ یہ اعزاز و اکرام دائرہ دسائر ہے تابعداری اور انکساری کے وصف کے ساتھ، اور صرف اس راہِ حق پر چلنے کے ساتھ جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے انبیائے کرام پر۔

اور رائج ہو گئی تھیں ان کے ذہنوں میں اسی قبیل کی بہت سی فاسد تاویلیں، اور انہوں نے وہ (تاویلیں) حاصل کی تھیں اور میراث میں پائی تھیں، اپنے آباء و اجداد سے، پس قرآن کریم نے ان فاسد خیالات کو مکمل طریقہ پر رد فرمایا ہے۔

لغات:

شَوْفَهُ تَشْرِيفًا: تعظیم کرنا، بزرگی دینا، عزت کرنا..... سَارَ (ض) سَيَرًا: چلنا..... إِنْقَادَ إِنْقِيَادًا
لِفُلَانٍ تَابِعْدَارَ ہونا، فروتنی کرنا، اطاعت کرنا..... خَضَعَ (ف) خُضُوعًا: عاجزی کرنا..... تَلَقَّى
الشَّيْءَ مِنْهُ: سیکھنا..... تَوَارَثَ الْقَوْمُ: ایک دوسرے کا وارث ہونا، کہا جاتا ہے: تَوَارَثُوا الْمَجْدَ
كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ: انھوں نے اپنے باپ دادا سے بزرگی پائی..... دَخَضَ الْحُجَّةَ (ف) دَخَضًا
وَدَخُوضًا: باطل کرنا، رد کرنا۔



کتمان آیات کی وجہ اور اس کی پہلی مثال

یہود جو کہ دینی سیادت و قیادت کے مالک تھے، اپنی سیادت و قیادت کو بچانے کے لئے یا بلند رتبہ حاصل کرنے کے لئے تورات کی بعض آیتوں اور اس کے احکام کو چھپاتے تھے، تاکہ عوام ان سے بدظن نہ ہو جائیں اور ان آیتوں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان کو ملامت نہ کریں، مثلاً زانی کو رجم (سنگ سار) کرنے کا حکم آج بھی تورات میں موجود ہے، چنانچہ سفیر اخبار کے بیسویں باب میں ہے:

اور جو شخص دوسرے کی بیوی سے زنا کرے وہ زانی اور زانیہ دونوں جان سے مار دیئے جائیں

(آیت ۱۱) اور جو شخص اپنی سوتیلی ماں سے صحبت کرے اس نے اپنے باپ کے بدن کو بے پردہ کیا، وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں، ان کا خون انہی کی گردن پر ہوگا (آیت ۱۲) اور اگر کوئی شخص اپنی بہو سے صحبت کرے تو وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں، انھوں نے اوندھی بات کی ہے، ان کا خون انہی کی گردن پر ہوگا (آیت ۱۳) (بائبل)

مگر علمائے یہود نے رجم کے بجائے کوڑے مارنے پر اور منہ کالا کرنے پر اتفاق کر لیا تھا، اس لئے وہ آیات رجم کو چھپاتے تھے، تاکہ عوام کے سامنے رسوائی نہ ہو۔

مسلم شریف میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے کچھ لوگ ایک یہودی کو لے کر گذرے، جس کا منہ کالا کر کے کوڑے لگائے گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر پوچھا: کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی سزا پاتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، پھر آپ نے ان کے علماء میں سے ایک عالم کو بلا کر فرمایا: میں تجھے اس خدائے پاک کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری ہے، کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی سزا پاتے ہو؟ اس عالم نے جواب دیا: نہیں، اگر آپ قسم نہ کھاتے تو میں آپ کو ہرگز نہ بتاتا، حقیقت یہ ہے کہ سزا تو رجم ہی ہے، مگر ہمارے اشراف میں اس کی کثرت ہو گئی، جب ہم کسی شریف کو پکڑتے تو چھوڑ دیتے، اور جب کسی کمزور کو پکڑتے تو اس پر حد جاری کرتے، پس ہم نے کہا: آؤ ہم ایسی بات پر اتفاق کریں جس کو شریف اور حقیر دونوں پر جاری کر سکیں، لہذا ہم نے رجم کے بجائے منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کو تجویز کر لیا۔ (مسلم شریف، باب حد الزنا ج ۲ ص ۷۰)

بیانِ کتمانِ الآیات

أَمَّا كِتْمَانُ الْآيَاتِ: فَهُوَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُخْفُونَ بَعْضَ الْأَحْكَامِ وَالْآيَاتِ لِلْمَحَافَظَةِ عَلَى جَاهٍ شَرِيفٍ، أَوْ لَطَلَبِ مَنْصَبٍ عَزِيزٍ، لِنَلَا يَتَلَا شَيْءَ إِبْتِغَاءَ الْعَامَّةِ فِيهِمْ، وَلَا يَلَامُوا عَلَى تَرْكِ الْعَمَلِ بِتِلْكَ الْآيَاتِ. أَمْثَلُهُ

۱۔ فمن جملة ذلك: أن حكمَ رجم الزاني مُصرَّحٌ في التوراة، ولكنهم أهملوه لإجماع أخبارهم على إهماله، وإقامة الجلد وتسخيم الوجه مقامه، وكانوا يُخفون تلك الآيات خَشْيَةَ الفضيحة.

ترجمہ: کتمان آیات کا بیان: رہا (تورات کی) آیتوں کو چھپانا تو وہ یہ ہے کہ یہود (تورات) کے بعض احکام اور آیتوں کو چھپاتے تھے بلند مرتبہ پر برقرار رہنے کے لئے، یا معزز عہدہ کو حاصل کرنے کے لئے، تاکہ ختم نہ ہو جائے ان کے بارے میں عوام کی عقیدت، اور ان کو ملامت نہ کی جائے ان آیتوں پر عمل نہ کرنے پر۔

کتمان آیات کی مثالیں: چنانچہ اس (کتمان آیات) میں سے ایک یہ ہے کہ زانی کو سنگ سار کرنے کا حکم تورات میں صراحتاً مذکور ہے، لیکن یہود نے اس کو چھوڑ دیا تھا ان کے علماء کے اتفاق کرنے کی وجہ سے رجم چھوڑنے اور کوڑے لگانے اور منہ کالا کرنے کو اس کے قائم مقام کرنے پر، اور وہ ان آیتوں کو چھپاتے تھے رسوائی کے خوف سے۔

لغات:

کَتَمَ (ن) کَتَمْنَا وَکَتَمْنَا الشَّيْءَ: چھپانا جَاءَ: مرتبہ مَنَصَّبَ: حسب و شرافت، عہدہ، رتبہ جمع مَنَاصِبَ تَلَا شَيْءًا تَلَا شَيْئًا الشَّيْءُ: معدوم ہونا مضاعف ہونا، اس کا مادہ لَشَوُ ہے أَهْمَلَهُ أَهْمَالًا: چھوڑ دینا أَخْبَارٌ: حَبْرٌ وَحَبْرٌ کی جمع ہے: نصاریٰ کے نزدیک بڑا عالم، اور یہود کے نزدیک کاہنوں کا سردار جَلَدَهُ (ض) جَلَدًا: کوڑے مارنا سَخِمَ اللَّهُ وَجْهَهُ تَسْخِيمًا: سیاہ رو کرنا، منہ کالا کرنا۔



کتمان آیات کی دوسری مثال

تورات میں ایسی بہت سی آیات آج بھی موجود ہیں جن میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں ایک عظیم الشان پیغمبر کے مبعوث ہونے کی بشارت دی گئی ہے، اور ایسی آیات بھی ہیں جن میں ایک ایسی عالم گیر ملت کے وجود کا اشارہ موجود ہے جس کا ظہور اور شہرہ سرزمین حجاز میں ہوگا، جس کی وجہ سے عرفات کی پہاڑیاں صدائے لَبَّيْكَ سے گونج اٹھیں گی، اور اطراف عالم سے لوگ وہاں پہنچیں گے، یہ تمام پیشین گوئیاں آج بھی تورات میں موجود ہیں،

سِفْرِ تِکوین (پیدائش) کے باب ۷ کی آیت ۲۰ میں ہے:

اور اسماعیل کے حق میں میں نے تیری (دعا) سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا، اور اُسے

برو مند کروں گا، اور اسے بہت بڑھاؤں گا، اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے، اور میں اسے بڑی قوم کے لئے بناؤں گا۔ ”میں اسے بڑی قوم کے لئے بناؤں گا“ اس جملہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سید الکونین کے علاوہ کوئی شخص اس شان کا نہیں ہوا ہے۔

اور کتاب استثناء کے باب ۳۳ کی دوسری آیت میں ہے:

فار ان ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قد سیوں کے ساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ (میں) ایک آتش شریعت ان کے لئے تھی۔ فار ان (جو مکہ مکرمہ کا ایک پہاڑ ہے) کے پہاڑ سے جو نبی جلوہ گر ہوئے وہ سرکارِ دو عالم ﷺ ہیں، اور آپؐ بی فتح مکہ کے وقت دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ شہر مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور اسلام کا جھنڈا بلند کیا، لہذا اس پیشین گوئی کا مصداق حضور اکرم ﷺ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

نیز کتاب الاستثناء کے باب ۱۸ کی آیت ۱۸ میں ہے:

میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔ غور کیجئے کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد بنی اسماعیل کے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟ اگر خود بنی اسرائیل مراد ہوتے تو ”ان کے بھائیوں“ کے بجائے ”ان ہی میں سے“ ہوتا، لہذا اس آیت میں جس نبی کے برپا کرنے کی بشارت دی گئی ہے اس سے سرکارِ دو عالم ﷺ ہی مراد ہیں۔

اور کتاب یسعیاہ کے باب ۴۲ میں ہے:

دیکھو! میرا بندہ جس کو میں سنبھالتا ہوں، میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے، میں نے اپنی روح اس پر ڈالی، وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا (آیت ۱) وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا، اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی (آیت ۲) وہ نہ مانده ہو گا اور نہ ہمت ہارے گا، جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کر لے، جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے (آیت ۴) دیکھو! اپنی باتیں پوری ہوئیں، اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں، اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں (آیت ۹) اے سمندر پر گزرنے والو! اور اس میں بسنے والو! اے جزیرو! اور ان کے باشندو! خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ، زمین پر سرتاسر اُسی کی ستائش کرو (آیت ۱۰)

بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں، سلع کے بسنے والے گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے لکاریں (آیت ۱۱) وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں، اور جزیروں میں اس کی شاخوئی کریں (آیت ۱۲) خداوند بہادر کے مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کے مانند اپنی غیرت دکھائے گا، وہ نعرے مارے گا، ہاں وہ لکارے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا (آیت ۱۳)

ان آیتوں میں سے پہلی دوسری اور چوتھی آیت میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے شاکل و خصائل بیان کئے گئے ہیں، اور نویں آیت میں ساہو شریعتوں کے منسوخ ہونے کی طرف اشارہ ہے، اور ”نئے گیت گاؤ“ سے مراد عبادتوں کے وہ نئے طریقے ہیں جو شریعتِ محمدی میں پائے جاتے ہیں، اور جزیروں، شہروں اور خشکی کے تمام علاقوں کے لئے ان کے عام ہونے سے سرکارِ دو عالم ﷺ کی نبوت کے عام ہونے کی جانب اشارہ ہے، بالخصوص لفظ ”قیدار“ اس کی طرف قوی اشارہ ہے کہ محمد ﷺ قیدار بن اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں۔

اور ”سَلْع“ مدینہ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، جو قدیم زمانہ میں بھی اسی نام سے مشہور تھا، اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی ”سَلْع“ کے نام سے مشہور و معروف تھا، اور آج بھی اسی نام سے مشہور ہے، اب اس جملہ پر غور کیجئے، ”سَلْع کے بسنے والے گیت گائیں“ کون نہیں جانتا کہ سرکارِ دو عالم آقائے مکی و مدنی جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ منورہ کی بچیاں یہ عربی نغمہ گارہی تھیں

طَلَعُ الْبَدْرِ عَلَيْنَا مِنْ ثِيَابِ الْوَدَاعِ

اور لطف کی بات یہ ہے کہ ثیابِ الوداع درحقیقت کوہِ سلع ہی کے سلسلہ کی گھائیاں ہیں، اور ”پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے لکاریں“ سے اس خاص عبادت کی طرف اشارہ ہے جو حج کے زمانہ میں ادا کی جاتی ہے، جس میں لاکھوں انسان لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ کی صدا لگاتے ہیں، اور بارہویں آیت میں اذان کی طرف اور تیرہویں آیت میں آپ کی فتوحات کی طرف اشارہ ہے۔ یہودِ اولاد تو یہ تمام آیات چھپاتے تھے، کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتے تھے۔ اور اگر کسی کو ان آیات کی بھنک پڑ جاتی تھی تو یہ تاویل کرتے تھے کہ ان آیات میں صرف اس ملت کے وجود پذیر ہونے کی خبر دی گئی ہے، اس کی اتباع کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ اس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ وہ یہ قولہ بار بار دہراتے تھے کہ مَلْحَمَةٌ كُنَيْتَ عَلَيْنَا: ایک گھمسان کی لڑائی ہم پر

فرض کی گئی ہے، یعنی جب وہ ملت وجود میں آئے تو ہم پر لازم ہو گا کہ ہم اس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں، اور اس کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں۔

مگر یہ تاویل اس قدر لچر اور بودی ہے کہ کوئی ہوشمند اس پر کان نہیں دھر سکتا، اس لئے یہود آپس میں ایک دوسرے کو ان آیتوں کے چھپانے کی وصیت اور تاکید کرتے رہتے تھے، اور ہر کس و نا کس کے سامنے ان کا اظہار مناسب نہیں سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ ان کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَإِذَا خَلَا بِغُضُفِهِمْ إِلَى بَعْضٍ
قَالُوا: اتَّخَذُوا نَهْمُ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ
عَلَيْكُمْ، لِيَحْجَبُوا كُمْ بِهِ
عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (سورة
البقرة آیت ۷۶)

جب یہود ایک دوسرے سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں: کیا تم بتلا دیتے ہو ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں جو اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہیں؟ تو نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ (مسلمان) ان باتوں کو تمہارے خلاف حجت میں پیش کریں گے، (کہ دیکھو یہ باتیں) تمہارے رب کے پاس (سے تمہاری

کتاب میں نازل ہوئی) ہیں کیا تم سمجھتے نہیں؟!

بھلا جہالت کی بھی کوئی حد ہے! اللہ تعالیٰ کا حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام پر اس مبالغہ کے ساتھ احسان جتنا نا اور تورات میں اس امت کا اس قدر اعزاز کے ساتھ تذکرہ کرنا کیا اس پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ یہ صرف ایک ملت کے وجود کی خبر ہے اور اس میں اس ملت کی اطاعت و اتباع کی کوئی ترغیب نہیں ہے؟ سبحان اللہ! یہ اللہ تعالیٰ پر سنگین بہتان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کا بس یہی مطلب۔

۲- وَمِنْ جَمَلَةِ ذَلِكَ: أَنَّ الْآيَاتِ الَّتِي فِيهَا بَشَارَةٌ بِبَعْثَةِ نَبِيِّ فِي أَوْلَادِ هَاجِرٍ وَإِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، وَالَّتِي فِيهَا إِشَارَةٌ إِلَى وَجُودِ مَلَّةٍ، يَتِمُّ ظُهُورُهَا وَشَهْرَتُهَا فِي أَرْضِ الْحِجَازِ وَتَمْتَلِئُ بِهَا جِبَالُ عَرَفَةَ مِنَ التَّلْبِيَةِ، وَيُؤْمُّ النَّاسُ ذَلِكَ الْمَوْضِعَ مِنَ الْأَقْطَارِ وَالْأَمْصَارِ؛ وَهِيَ ثَابِتَةٌ فِي التَّوْرَةِ حَتَّى الْيَوْمِ؛ فَكَانَ الْيَهُودُ يَتَاوَلُونَهَا بِأَنَّ ذَلِكَ إِخْبَارٌ بِوَجُودِ تِلْكَ الْمَلَّةِ، وَلَيْسَ فِيهَا أَمْرٌ بِاتِّبَاعِهَا؛ وَكَانُوا يُرَدُّوْنَ هَذِهِ الْكَلِمَةَ: "مَلْحَمَةٌ كُتِبَتْ عَلَيْنَا."

وَلَمَّا أَنَّ هَذَا التَّأْوِيلَ الرِّكَيكَ لَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ، وَلَا يَبْصُرُهُ عِنْدَ أَحَدٍ، كَانُوا يَتَوَاصَوْنَ

فیما بینہم بإخفائها، ولا یُسامحون بإظهارها علی کل عام وخاص، کما حکى اللہ تعالیٰ عنہم: ﴿أَتُحَدِّثُوهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ، لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾۔
 ما أَجْهَلُہُمْ! هل یُمْکِنُ أن تُحْمَلَ مِنْهُ اللہ تعالیٰ علی ہاجر و إسماعیل —
 علیہما السلام — بہذہ المُبالِغۃ، و ذکرُ ہذہ الأُمۃ بہذہ الفضیلۃ، علی الإخبارِ
 بوجودِ تلک المملۃ، ولا یكون فیہ حَثٌّ و تحریضٌ علی اتباعِ ہذا الدینِ؟! سُبْحَانَکَ
 ہذا! اِلَکَ عَظِیمًا!

ترجمہ: اور یہود جن آیتوں کو چھپاتے تھے ان میں سے وہ آیتیں ہیں جن میں ایک نبی کے مبعوث ہونے کی بشارت ہے حضرت باجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں، اور وہ آیتیں ہیں جن میں ایک ملت کے وجود پذیر ہونے کا اشارہ ہے، اس (ملت) کا ظہور اور شہرہ سر زمین حجاز میں تام ہوگا، اور بھر جائیں گی اس کی وجہ سے عرفات کی پہاڑیاں تلبیہ سے، اور لوگ قصد کریں گے اس جگہ کا دنیا کے کونوں اور شہروں سے، اور یہ آیتیں تورات میں اب تک موجود ہیں، پس یہود ان آیتوں کی یہ تاویل کرتے تھے کہ یہ تو اس ملت کے وجود پذیر ہونے کی خبر دینا ہے، اور ان (آیتوں) میں اس (ملت) کی اتباع کا حکم نہیں ہے، اور وہ بار بار یہ مثنوی دہراتے تھے کہ ”ایک گھمسان کی لڑائی ہم پر لکھ دی گئی ہے“

اور چونکہ اس کمزور تاویل کو نہ کوئی سن سکتا ہے، نہ کسی کے نزدیک صحیح ہو سکتی ہے، اس لئے یہود آپس میں ان آیتوں کے چھپانے کی تاکید کرتے تھے، اور ہر کس و ناکس کے سامنے ان کا اظہار دوانہیں رکھتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا حال بیان کیا ہے کہ: ”تم کیوں بتا دیتے ہو ان (مسلمان) کو وہ باتیں جو اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ (مسلمان) ان باتوں کو تمہارے خلاف حجت میں پیش کریں گے (کہ دیکھو یہ باتیں) تمہارے رب کے پاس (سے تمہاری کتاب میں نازل ہوئی) ہیں۔ یہود کس قدر جاہل ہیں! کیا اللہ تعالیٰ کے حضرت باجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام پر اس مبالغہ کے ساتھ احسان جتانے کو، اور اس ملت کے اس فضیلت کے ساتھ تذکرہ کرنے کو اس ملت کے وجود پذیر ہونے کی خبر دینے پر محمول کرنا ممکن ہے در آنحالیکہ اس میں اس دین کی اتباع پر ابھارنا اور اکسانا نہ ہو؟! سبحان اللہ! یہ بہت بڑا افتراء ہے!!

لغات:

هَاجَرُ (بفتح الجیم): حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ، ہاجرہ اور اسماعیل دونوں عجمی نام ہیں اس لئے غیر منصرف ہیں، اور ہاجر کی ہاء کو ہمزہ سے بدل کر آجَزُ بھی بولتے ہیں..... اُمُّ (ن) اُمَّا: قصد کرنا..... اَفْطَارُ: فُطْر کی جمع ہے: اقلیم، گوشہ، جانب..... رَدَّدَ الْقَوْلَ: بار بار دہرانا..... مَلْحَمَةً: گھمسان کی جنگ کا موقع، جمع ملاحم..... رَكِبْتُ: کزور، رَكَّ (ض) رَكَا: کزور ہونا..... تَوَاصَى تَوَاصِيًا الْقَوْمُ: ایک دوسرے کو وصیت کرنا..... سَامَحَهُ فِي الْأَمْرِ وَبِالْأَمْرِ: نرم برتاؤ کرنا، چشم پوشی کرنا..... حَتَّ (ن) حَتًّا عَلَى الْأَمْرِ: اُکسانا، ابھارنا..... حَوَّضَهُ عَلَى الْأَمْرِ: ابھارنا، اُکسانا..... الْإِفْكُ: جھوٹ، افتراء، گناہ اَفْكَ (ض) اَفْكًا وَاُفْوُكًا: جھوٹ بولنا۔



افتراء کا بیان

یہود کی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی افتراء ہے، یعنی من گھڑت باتیں دین میں داخل کرنا اور بدعات و خرافات کو دین میں شامل کرنا۔ افتراء کرنا یہود کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے علماء اور مشائخ تعق اور تشدد پسند تھے، اس لئے وہ ایسے احکام اور عبادات شاذہ اختیار کرتے تھے جن کا شریعت نے ان کو حکم نہیں دیا تھا، نیز ان کے علماء اور مشائخ استحسان سے بھی بعض احکام ثابت کرتے تھے یعنی شارع کی تصریح کے بغیر کسی مصلحت کی وجہ سے بعض احکام تجویز کرتے تھے اور بے ہودہ استنباطات کو ترویج دیتے تھے۔

پھر ان کے قبیحین اُن باتوں کو یہ سمجھ کر دین میں داخل کر دیتے تھے کہ بزرگوں کا کسی بات پر اتفاق کر لینا حجت قطعیہ ہے، چنانچہ یہود کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرنے کے سلسلہ میں ان کے اسلاف کے اقوال کے علاوہ کوئی دلیل و سند نہیں تھی، اسی طرح اور بہت سے احکام میں ان کا یہی حال تھا۔

بیان الافتراء:

أما الافتراء فأنسابه:

۱۔ دخول التعمق والتشدد على أحبارهم ورهبانهم.

۲۔ والاستحسانُ أى استنباطُ بعضِ الأحكامِ بناءً على إدراكِ المصالحِ فيها،
بِدُونِ نَصٍّ من الشارع.

۳۔ وترويضُ الاستنباطِ الواهية.

فَاتَّبَاعُهُمُ الْحَقُّوْهَا بِالْأَصْلِ زَعَمًا مِنْهُمْ أَنَّ اتِّفَاقَ سَلَفِهِمْ عَلَى شَيْءٍ مِنَ الْحُجَجِ
الْقَاطِعَةِ؛ فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُمْ مُسْتَدَّ فِي انْكَارِ نُبُوَّةِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا اقْوَالُ سَلَفِهِمْ
وَكَذَلِكَ كَانَ حَالَهُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَحْكَامِ.

ترجمہ: افتراء کا بیان: رہا افتراء تو اس کے اسباب ہیں:

(۱) تعق اور تشدد کا ان کے علماء اور مشائخ میں پیدا ہونا۔

(۲) اور استحسان یعنی شارع کی تصریح کے بغیر بعض احکام کو مستند کرنا ان میں کسی مصلحت کا

اور اک کرنے کی وجہ سے۔

(۳) اور بے ہودہ استنباطات کو رد و اج دینا۔

پھر ان کے قبیحین نے ان باتوں کو اصل (یعنی تورات یا دین) کے ساتھ لا حق کر دیا یہ گمان کرتے
ہوئے کہ ان کے اسلاف کا کسی بات پر اتفاق کرنا دلائل قطعیہ میں سے ہے، چنانچہ ان کے پاس حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے انکار کرنے میں کوئی مستند دلیل نہیں تھی ان کے اسلاف کے اقوال کے
علاوہ، اسی طرح ان کا حال تھا اور بہت سے احکام میں۔

تعق، تشدد اور استحسان کی وضاحت

تعق کے لغوی معنی ہیں: گہرائی میں اترنا، معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا، اور یہاں
تعق سے مراد احکام میں بال کی کھال نکالنا ہے، جس کی تفصیل آگے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی
عبارت میں آرہی ہے۔

اور تشدد کے لغوی معنی ہیں: کسی کام میں سختی کرنا، اور یہاں تشدد سے مراد یہ ہے کہ ایسی
سخت عبادتیں اختیار کرنا جن کا شارع نے حکم نہیں دیا۔

اور استحسان کے لغوی معنی ہیں: اچھا جانا، اور یہاں استحسان کے معنی یہ ہیں کہ نصوص
شرعیہ کے بغیر کسی مصلحت کی وجہ سے بعض احکام کی تخریج کرنا، شاہ صاحب رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ
میں تعق، تشدد اور استحسان وغیرہ اسباب تحریف کی وضاحت کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

تعمق فی الدین کی حقیقت یہ ہے کہ شارع کسی چیز کا حکم دیتا ہے، یا کسی چیز سے روکتا ہے، ایک امتی اس امر و نہی کو سنتا ہے اور اس کو اپنے خیال کے مطابق سمجھتا ہے، پھر وہ اپنی سمجھی ہوئی وجوہ میں سے بعض وجوہ کی وجہ سے یا علت کے کسی جزء کے پائے جانے کی وجہ سے اس حکم کو مخصوص محل کی کسی ہم شکل چیز کی طرف متعدی کرتا ہے یا ہم شکل چیز کے کسی جز کی طرف منتقل کرتا ہے یا اس مشابہ چیز کے مظان (احتمالی جگہوں) کی طرف یا اس کے دوائی کی طرف متعدی کرتا ہے تو یہ تعق فی الدین ہے۔

اسی طرح جب روایتوں میں تعارض ہو، اور اصل امر مشتبہ ہو جائے تو سخت ترین امر کو اختیار کرنا، اور اس کو واجب گردانا بھی تعق ہے نیز رسول کے فعل و عمل کو عبادت پر محمول کرنا بھی تعق ہے، حالانکہ حق بات یہ ہے کہ رسول کے بعض کام بر بنائے عادت بھی ہوتے ہیں، مگر وہ شخص یہ سمجھ کر کہ ان امور عادیہ کو امر و نہی شامل ہیں، علی الاعلان کہہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، اور اس سے منع فرمایا ہے (یہ بھی تعق ہے)

مثلاً شارع نے نفس کو مغلوب و مقہور کرنے کے لئے روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، اور روزہ کی حالت میں جماع سے منع فرمایا ہے، اس سے کچھ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ سحری کھانا خلاف شرع اور ناجائز ہے، کیونکہ یہ قہر نفس کے خلاف ہے، اور روزہ دار کے لئے اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور چومنا بھی حرام ہے، کیونکہ یہ جماع کے اسباب و دوائی میں سے ہے، اور جماع کے مشابہ ہے، کیونکہ جس طرح جماع سے خواہش پوری ہوتی ہے اسی طرح بوسہ لینے سے بھی خواہش پوری ہوتی ہے، چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اس قول و رائے کے فساد کو واضح فرمایا اور بتلایا کہ ایسا سمجھنا حکم شرعی کی تحریف ہے۔

اور تشدد کی حقیقت یہ ہے کہ ایسی شاق اور سخت عبادتیں اختیار کرنا جن کا شارع نے حکم نہیں دیا، مثلاً ہمیشہ روزے رکھنا، رات بھر نماز پڑھنا، دنیا سے بالکل بے تعلق ہو جانا، شادی بیاہ سے گریز کرنا، اور نرسن و مستحبات کا واجب و فرض کی طرح التزام کرنا۔

جب کبھی اس قسم کا کوئی تشدد اور متعمق شخص قوم کا معلم اور رہبر بن جاتا ہے تو عام لوگ خیال کرنے لگتے ہیں کہ یہ جو کچھ کر رہا ہے وہ شارع کا حکم ہے، اور شارع کی رضا مندی اسی میں ہے، یہ یہود و نصاریٰ کے راہبوں کی پیروی ہے۔

استحسان کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص دیکھتا ہے کہ شارع نے تشریع احکام کی بنیاد

حکمت و مصلحت پر رکھی ہے، تو اس سے یہ شخص بعض اسرار و حکم جن کو ہم نے ذکر کیا ہے جان لیتا ہے، اور جو حکمت و مصلحت اس نے جان لی ہے اس سے شرعی احکام ثابت کرتا ہے، مثلاً یہود نے دیکھا کہ شارع نے حدود کا حکم گناہوں سے روکنے اور اصلاح کی غرض سے دیا ہے، مگر جب انھوں نے دیکھا کہ رجم باہمی اختلاف اور قتل و قتال کو جنم دیتا ہے، اور اس میں سخت ترین فساد برپا ہوتا ہے، تو انھوں نے رجم کے بجائے منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کو اچھا سمجھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ تحریف ہے، اور تورات کے صریح اور مخصوص حکم کو اپنی رائے سے ٹھکراتا ہے (باب احکام الدین من التحریف ص ۱۲۰ و ۱۲۱ جلد اول)

تنبیہ: یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ یہ استحسان فقہائے کرام کے استحسان سے بالکل الگ نوعیت کی ایک چیز ہے، کیونکہ فقہائے کرام کے نزدیک جو استحسان حجت شرعیہ ہے وہ درحقیقت قیاس خفی ہے جو قیاس جلی سے بہتر ہوتا ہے، اس لئے اس کو استحسان سے تعبیر کرتے ہیں، علامہ سرخسیؒ مبسوط میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

القياس والاستحسان في الحقيقة قیاس اور استحسان درحقیقت دو قیاس ہیں: ان میں قیاسان: احدهما جلی، ضعیف اثره سے ایک جلی اور واضح ہے، اس کا اثر کمزور ہوتا فسمی قیاساً، والآخر: خفی، قوی ہے اس لئے اس کو قیاس کہتے ہیں، اور دوسرا خفی اثره، فسمی استحساناً ای قیاساً ہے، اس کا اثر قوی ہوتا ہے اس لئے اس کو استحسان مستحسن (ج ۱۰ ص ۱۲۵ بحوالہ العون الکبیر) کہتے ہیں، یعنی پسند کیا ہوا قیاس۔

الحاصل جو استحسان نصوص شرعیہ سے مستنبط ہو وہ حجت شرعیہ ہے، اور جو نصوص شرعیہ سے مستنبط نہ ہو وہ افتراء فی الدین ہے، اسی طرح جو اجماع نصوص شرعیہ سے ماخوذ ہو وہ حجت قطعیہ ہے اور جو نصوص شرعیہ یعنی قرآن و حدیث کے خلاف ہو اس کی اتباع کرنا اندھی تقلید اور تحریف فی الدین ہے۔



تسائل فی الدین اور ارتکاب منافی کا سبب

یہود تورات کے احکام پر عمل کرنے اور ان کے نافذ کرنے میں تسائل اور سستی کرتے تھے، اور

بخل و حرص میں مبتلا تھے، ظاہر ہے کہ اس کی وجہ نفس پرستی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ باستانائے قلیل سبھی لوگوں نفس پرستی کا غلبہ ہوتا ہے، مگر بنی اسرائیل کی خصوصیت ہے کہ وہ اس بری خصلت کو فاسد تاویلوں کے ذریعہ جائز ٹھہرانے اور شرعی رنگ میں پیش کرنے کی بیجا کوشش کرتے تھے، اس لئے ان کی نفس پرستی بالکل الگ نوعیت کی تھی، اسی طرح جو مسلمان خلاف شرع باتوں کو جائز ٹھہرانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں وہ بھی یہود کے بھائی ہیں۔

سَبَبُ التَّسَاهُلِ وَارْتِكَابِ الْمَنَاهِي:

وَأَمَّا التَّسَاهُلُ فِي تَنْفِيزِ أَحْكَامِ الشَّرِيعَةِ، وَارْتِكَابِ الْبَخْلِ وَالْجُرْصِ، فَظَاهِرٌ أَنَّهُ مِنْ مُقْتَضِيَّاتِ النَّفْسِ الْأَمَّارَةِ، وَهِيَ تَغْلِبُ النَّاسَ جَمِيعًا إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ؛ قَالَ تَعَالَى: ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ، إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي﴾^۱ وَلَكِنْ هَذِهِ الرِّذِيلَةُ قَدْ تَلَوَّنَتْ فِي أَهْلِ الْكِتَابِ بَلَوْنِ آخَرَ، وَهُوَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَتَكَلَّفُونَ تَصْحِيحَهَا بِتَأْوِيلٍ فَاسِدٍ، وَكَانُوا يُبْرِزُونَهَا فِي صِبْغَةِ الدِّينِ.

ترجمہ: سستی کرنے اور منہیات میں مبتلا ہونے کا سبب: براہِ شریعت کے احکام نافذ کرنے میں سستی کرنا اور بخل و حرص میں مبتلا ہونا تو ظاہر ہے کہ یہ نفسِ امارہ کے تقاضے ہیں، اور وہ (نفس) تمام لوگوں پر غالب رہتا ہے، مگر جس کو اللہ چاہیں (یعنی محفوظ رکھیں) ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ، إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي (سورہ یوسف آیت ۵۳)

جس پر میرے پروردگار مہربانی فرمائیں۔

لیکن یہ بری خصلت اہل کتاب میں ایک اور رنگ اختیار کر چکی تھی، اور وہ (رنگ) یہ ہے کہ اہل کتاب اس کو فاسد تاویل سے صحیح ٹھہرانے کی کوشش کرتے تھے، اور اس کو دینی رنگ میں پیش کرتے تھے۔

لغات:

رِذِيلَةٌ: بری خصلت جمع رِذَائِلٌ تَلَوَّنَ الشَّيْءُ: رنگین ہونا اَبْرَزَ اِبْرَازًا: نکالنا، ظاہر کرنا مَنَاهِي: منہی کی جمع ہے: ممنوع اور ناجائز کام، مَنَاهِي الشَّرْعِ: شریعت کے ممنوعات، حرام چیزیں۔

نبی کریم ﷺ کی رسالت کو مستبعد سمجھنے کی وجوہ

یہود متعدد اسباب کی بناء پر آنحضرت ﷺ کی نبوت کو بعید از قیاس سمجھتے تھے، وہ اسباب درج ذیل ہیں:

۱- کم و بیش نکاح کرنے کے معاملہ میں اور اسی قسم کے دیگر امور میں انبیائے کرام کے احوال و عادات کا اختلاف وجہ استبعاد تھا — انبیائے بنی اسرائیل میں سے بعض حضرات نے نکاح ہی نہیں کیا، جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام خصوصاً تھے، اور بعض کی سینکڑوں ازواج تھیں، جیسے داؤد و سلیمان علیہما السلام کی سو، سو بیبیاں تھیں اور اکثر حضرات کی ایک ہی بیوی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے چونکہ اکثر انبیائے بنی اسرائیل کی بہ نسبت زیادہ نکاح کئے تھے، جو ملی یا ملکی مصالح سے تھے، اس لئے یہود کے لئے یہ چیز باعث اشکال بن گئی کہ یہ کیسا نبی ہے جو دھڑا دھڑ نکاح کرتا ہے؟ اسی طرح جہاد کے معاملہ میں اور جہاد سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کے معاملہ میں انبیاء کے احوال مختلف رہے ہیں، اسلام میں جہاد فرض قرار دیا گیا اور مال غنیمت حلال ٹھہرایا گیا تو یہود نے اس کو بڑا شیشیر اشاعت دین سمجھا اور منفعت اندوزی کا ذریعہ قرار دیا۔

۲- شریعت مصطفوی سابقہ شرائع سے قدرے مختلف تھی، جس کی حکمت آگے آرہی ہے، انبیائے بنی اسرائیل کی شرائع سے آنحضرت ﷺ کی شریعت کا یہ اختلاف بھی یہود کے لئے وجہ استبعاد بنا۔ انھوں نے خیال کیا کہ اگر یہ شریعت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی تو سابقہ شریعتوں سے مختلف نہ ہوتی۔

۳- انبیاء کے معاملہ میں سنت الہی کا مختلف ہونا بھی وجہ استبعاد تھا مثلاً گذشتہ تمام انبیاء و رسل کی بعثت، زمانی، مکانی اور اپنی اپنی اقوام کی طرف ہوتی تھی اور آنحضرت ﷺ کی بعثت آفاقی، ابدی اور تمام جہانوں کے لئے عام تھی، یہ چیز بھی یہود کے لئے وجہ اشکال بنی کہ ساری دنیا کے لئے اور ہمیشہ کے لئے ایک نبی کیسے ہو سکتا ہے؟

۴- آنحضرت ﷺ کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا بھی سبب استبعاد تھا — اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام بنی تھے، ان کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کے صاحب زادے حضرت یعقوب علیہ السلام بنی ہوئے جن کو اسرائیل بھی کہتے ہیں، پھر جتنے

انبیائے کرام مبعوث ہوئے وہ سب بنی اسرائیل میں سے تھے، اور آنحضرت ﷺ بنی اسماعیل میں سے تھے، آپ کے سوا بنی اسماعیل میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا، اس لئے یہود آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت کو بعید سمجھتے تھے، اور یہ خیال کرتے تھے کہ اگر آنحضرت ﷺ بنی برحق ہوتے تو بنی اسرائیل میں سے ہوتے۔

۵۔ الحاصل یہ اور اسی طرح کے کچھ اور اسباب تھے جن کی وجہ سے یہود آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت کو بعید سمجھتے تھے مثلاً قرآن کریم کا تدریجاً آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک پر اترنا، اور آپ کی زبان مبارک سے اس کا ظاہر ہونا، اور تورات کا یکبارگی نوشتہ کی شکل میں دیا جانا وغیرہ وغیرہ۔

أسباب استبعاد رسالة سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم:

وأما استبعاد رسالة سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم، فأسبابه:

- ۱- اختلاف عادات الأنبياء وأحوالهم في إكثار التزوج والإقلال منه، وما أشبه ذلك.
- ۲- واختلاف شرائعهم.
- ۳- واختلاف سنة الله تعالى في معاملة الأنبياء.
- ۴- وبعثة النبي صلى الله عليه وسلم من بني إسماعيل، بعد ما كان جمهور الأنبياء من بني إسرائيل.
- ۵ - وأمثال هذه الأسباب.

ترجمہ: حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کو بعید سمجھنے کے اسباب: رہا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کو بعید سمجھنا، تو اس کے اسباب ہیں:

۱۔ انبیائے کرام کی عادتوں اور حالتوں کا مختلف ہونا زیادہ نکاح کرنے اور کم نکاح کرنے کے سلسلہ میں، اور اس کے مانند (اور باتوں میں اختلاف)

۲۔ اور ان (انبیائے کرام) کی شریعتوں کا مختلف ہونا۔

۳۔ اور انبیائے کرام کے معاملہ میں سنت الہی کا مختلف ہونا۔

۴۔ اور نبی کریم ﷺ کا بنی اسماعیل میں سے مبعوث ہونا، اس کے بعد کہ بیشتر انبیاء، بنی اسرائیل

میں سے تھے۔

۵۔ اور ان اسباب کے مانند (اور اسباب کی وجہ سے)

☆

☆

☆

انبیائے کرام کا طریق اصلاح اور اختلاف شریعت کی مثال

انبیائے کرام کی بعثت دراصل نفوس بشریہ کی اصلاح اور لوگوں کی عادات و عبادات کی تہذیب و تعدیل کی خاطر ہوا کرتی ہے، نیکی اور بدی کے اصول ایجاد کرنے کی غرض سے نہیں ہوتی، اور عبادات، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ میں چونکہ ہر قوم کی عادات میں مختلف ہوتی ہیں، اس لئے جب کسی قوم میں کوئی نئی مبعوث ہوتا ہے، تو وہ ان کی قدیم عادتوں کو بالکلیہ ختم کر کے جدید اصول وضع نہیں کرتا، بلکہ نئی پہلے قوم کی عادتوں اور رسموں کو غور سے دیکھتا ہے، جو عادات اور رسمیں خدا کی مرضی کے مطابق ہوتی ہیں ان کو برقرار رکھتا ہے، اور جو عادات اور رسمیں اصل شریعت اور اللہ کی مرضی کے خلاف ہوتی ہیں، ان میں بقدر ضرورت ترمیم کر کے ان کو درست کر دیتا ہے، شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

”جب کوئی رسول اور پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز کو اصل حالت کی طرف لے جائے، چنانچہ وہ پہلی شریعت کے تمام احکام پر نظر ڈالتا ہے، پھر ان شعائر الہیہ کو جن میں شرک کی آمیزش نہیں ہوتی، اور عبادت کے ان طریقوں کو اور ان انتظامی امور کو جو شرعی قوانین کے مطابق ہوتے ہیں باقی رکھتا ہے، اور جو امور معدوم ہو گئے ہیں ان کی عظمت و اہمیت کو دوبالا کرتا ہے، اور ہر چیز کے ارکان و اسباب مقرر کرتا ہے، اور تحریف شدہ باتوں کو رد کرتا ہے، اور نہایت وضاحت کے ساتھ بتلاتا ہے کہ یہ باتیں دین سے خارج ہیں، اور جو احکام اس زمانہ کی مصالحتوں کے مواقع کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، پھر عادتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے مواقع مصلحت بدل گئے ہیں ان کو تبدیل کرتا ہے“ (ج ۱ ص ۱۲۲)

اسی طرح ہر نبی تذکیر بالاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ میں بھی وہی نبج اور طریقہ اپناتا ہے جو لوگوں کے درمیان مشہور و معروف اور شائع ذائع ہوتا ہے انہیں اسباب سے انبیائے کرام کی شریعتیں مختلف ہوتی ہیں — اور شریعتوں کا یہ اختلاف بالکل ایسا ہے جیسا طبیب و حکیم کے نسخوں اور تجویز کردہ دواؤں میں اختلاف ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حاذق طبیب و حکیم جب دو الگ الگ

مزاج رکھنے والے مریضوں کا علاج کرتا ہے تو مرض کے متحد ہونے کے باوجود ایک کے لئے سرد دوا اور سرد غذا تجویز کرتا ہے، اور دوسرے کو گرم دوا اور گرم غذا کا حکم دیتا ہے۔ حالانکہ طبیب کی غرض دونوں کے علاج میں ایک ہی ہے، یعنی مزاج کی اصلاح اور فاسد مادے کو دور کرنا مقصود ہوتا ہے، لیکن غرض اور مقصود کے متحد ہونے کے باوجود مزاج کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف علاج تجویز کرتا ہے، نیز کبھی طبیب ہر علاقہ کے لئے الگ دوائیں اور غذائیں تجویز کرتا ہے، اور ہر موسم میں مختلف علاج اور الگ تدبیر اختیار کرتا ہے۔

اسی طرح جب طبیب حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی اصلاح اور علاج کرنے کا ارادہ فرمایا جو روحانی بیماری میں مبتلا تھے، تو ہر زمانہ کے لوگوں کی عادتوں اور سلسلہ باتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے الگ الگ علاج تجویز فرمائے، کیونکہ تشریع احکام کا مقصد فاسد مادے کو ختم کر کے روحانی قوت کو تقویت پہنچانا ہے، یکساں قانون نافذ کرنا مقصود نہیں ہے۔

النبوة وَمَنْهَجُهَا فِي إِصْلَاحِ النَّاسِ:

والأصل في هذه المسئلة: أن النبوة كائنة لإصلاح نفوس الناس، وتهذيب عباداتهم وتعديل عاداتهم، للإنشاء أصول البر والإثم؛ ولكل قوم عادات في العبادات، وتدبير المنزل، والسياسة المدنية، فإذا ظهرت فيهم النبوة فلا تستأصل هذه العادات بالمرّة، ولا تنزع لهم عادات جديدة، بل تُعَيَّرُ فيما بين العادات، فما كان منها صالحاً مطابقاً لرضى الله تعالى تُبْقِيهِ وتحفظه، وما كان منها مخالفاً للإصل، منافي لرضى الله تعالى تُغَيِّرُهُ حَسَبَ الضرورة وتُعدِّله. وكذلك يكون التذكير بآلاء الله، وبأيام الله على الأسلوب الذي هو معروف عندهم، وشائع لديهم؛ فهذا هو السبب في اختلاف شرائع الأنبياء عليهم الصلاة والسلام.

ترجمہ: اصلاح کے سلسلہ میں منہج نبوت: اور اس مسئلہ میں (یعنی انبیائے کرام کے معاملہ میں) دستور یہ ہے کہ نبوت وجود میں آتی ہے لوگوں کے نفوس کو سنوارنے کے لئے، اور ان کی عبادتوں کو درست کرنے کے لئے اور ان کی عادتوں کو سیدھا کرنے کے لئے، نہ کہ نیکی اور گناہ کے اصول (قوانین) ایجاد کرنے کے لئے، اور ہر قوم کی کچھ عادتیں ہوتی ہیں عبادتوں میں، اور تدبیر منزل میں اور سیاست مدنیہ میں، پس جب ان میں نبوت ظاہر ہوتی ہے تو وہ (نبوت) ان عادتوں کو یکبارگی ختم نہیں کرتی،

اور نہ ان کے لئے نئی عادتیں وضع کرتی ہے، بلکہ عادتوں کے درمیان امتیاز کرتی ہے، پھر ان (عادتوں) میں سے جو عادتیں درست اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتی ہیں ان کو باقی رکھتی ہے، اور ان کی حفاظت کرتی ہے، اور ان (عادتوں) میں سے جو اصل (شریعت) کے مخالف ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہوتی ہیں، ان میں بقدر ضرورت ترمیم کرتی ہے، اور ان کو سیدھا کرتی ہے۔

اسی طرح تذکیر بآلاء اللہ اور بایام اللہ اسی نہج اور طریقہ پر ہوتی ہے جو ان کے نزدیک جانا پہچانا ہو، اور ان کے درمیان رائج ہو، پس یہی سبب ہے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کے مختلف ہونے کا۔

اختلاف الشرائع كالاختلافِ وَصَفَاتِ الطَّيِّبِ

وهذا الاختلاف في الشرائع كالاختلاف في وَصَفَاتِ الطَّيِّبِ: فإنه إذا دَبَّرَ أَمْرَ الْمَرِيضِينَ يَصِفُ لِأَحَدِهِمَا دَوَاءً وَغَذَاءً بَارِدًا، وَيَأْمُرُ الْآخَرَ بِدَوَاءٍ وَغَذَاءٍ حَارٍّ، وَغَرَضُ الطَّيِّبِ مِنْ مُعَالَجَتِهِمَا وَاحِدٌ، وَهُوَ إِصْلَاحُ مَزَاجِهِمَا، وَإِزَالَةُ الْمَوَادِّ الْفَاسِدَةِ مِنْهُمَا، لِأُغْرٍ؛ وَيُمْكِنُ أَنْ يَصِفَ الطَّيِّبُ فِي كُلِّ مَنْطِقَةٍ أَدْوِيَّةً وَأَغْذِيَّةً مُخْتَلِفَةً، ثَلَاثُ أَهْلِيهَا، وَكَذَلِكَ يَخْتَارُ فِي كُلِّ فُصْلٍ مِنَ الْفُصُولِ عِلَاجًا مُخْتَلَفًا يَنَاسِبُ ذَلِكَ الْفَصْلَ.

كذلك لما أراد الطَّيِّبُ الْحَقِيقِيُّ — جَلَّ مَجْدُهُ — مُعَالَجَةَ مَنْ ابْتَلَى بِالْمَرَضِ النَّفْسَانِي، وَتَقْوِيَةَ الْقُوَّةِ الْمَلَكِيَّةِ، وَإِزَالَةَ الْفَسَادِ الطَّارِئِ عَلَيْهِمْ، اخْتَلَفَتِ الْمُعَالَجَةُ بِحَسَبِ اخْتِلَافِ أَقْوَامِ كُلِّ عَصْرِ وَعَادَاتِهِمْ، وَمَشْهُورَاتِهِمْ، وَمُسْلِمَاتِهِمْ.

ترجمہ: شریعتوں کا اختلاف طیب کے نسخوں کے اختلاف کی طرح ہے: شریعتوں کا یہ اختلاف طیب کے نسخوں (تجویز کردہ دواؤں) کے مختلف ہونے کے مانند ہے، اس لئے کہ طیب جب دو مریضوں کے معاملہ میں غور کرتا ہے، تو ان دونوں میں سے ایک کے لئے ٹھنڈی دوا اور غذا تجویز کرتا ہے، اور دوسرے کو گرم دوا اور غذا کا حکم دیتا ہے، حالانکہ طیب کی غرض دونوں کے علاج سے ایک ہے، اور وہ (غرض) ان دونوں کے مزاج کی اصلاح اور ان دونوں سے فاسد مواد کو دور کرنا ہے، اس کے سوا (اور کوئی غرض) نہیں اور ممکن ہے کہ طیب ہر علاقہ میں الگ دوائیں اور غذائیں تجویز کرے، جو اس علاقہ کے باشندے کو اس آئیں اور اسی طرح موسموں میں سے ہر موسم میں الگ علاج اختیار کرتا

ہے، جو اس موسم کے موافق ہوتا ہے۔

اسی طرح جب ارادہ فرمایا طیب حقیقی جل مجدہ (یعنی اللہ تعالیٰ) نے ان لوگوں کے علاج کا جو روحانی بیماری میں مبتلا تھے اور (ارادہ فرمایا) ملکی قوت کو قوی کرنے کا، اور اس فساد کو دور کرنے کا جو ان پر چھا گیا تھا، تو علاج مختلف ہو گیا، ہر زمانہ کے لوگوں (کی طبیعتوں) اور ان کی عادتوں اور مشہور مسلم باتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔

لغات:

وَصَفَاتُ: وَصْفَةُ کی جمع ہے: نسخہ، تجویز کردہ دوائیں؛ وَصَفَ يَصِفُ وَصْفَةً الطَّيِّبُ للمريض: نسخہ تجویز کرنا..... دَبَّرَ الامرَ تَدْبِيرًا: غور کرنا..... الْمَوَادُّ: الْمَادَّةُ کی جمع ہے: جس سے کسی چیز کی ترکیب و قوام ہو..... مِنْطَقَةُ: علاقہ جمع مَنَاطِقُ..... بِحَسَبِ: موافق، مطابق، کہا جاتا ہے: هَذَا بِحَسَبِ ذَلِكَ: یہ اس کے موافق ہے۔



یہود کا نمونہ

یہود کے احوال تفصیل سے آپ پڑھ چکے۔ اب اگر آپ آنکھوں سے ان کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو اپنے زمانہ کے بد اطوار علماء کو دیکھیں، جو گمراہیاں اور خرابیاں نزول قرآن کے وقت یہود میں پائی جاتی تھیں، آج وہ سب گمراہیاں اور خرابیاں یعنی علمائے سوء میں پائی جاتی ہیں۔ وہ یہود کی طرح دنیا کے طلب گار ہیں، وہ جانتے بوجھتے ہوئے اپنا پیٹ پالنے کے لئے لوگوں کو بدعات کے دلدل میں پھنسائے رکھتے ہیں، وہ اپنے اسلاف کی اندھی تقلید کے خوگر ہیں، ان کے اسلاف کی آراء کے مقابلہ میں قرآن وحدیث کی نصوص کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ ایک عالم کے تعق و تشدد اور اس کے واپی اجتہادات واستحسانات پر تکیہ کرتے ہیں اور اس کو ”مام“ کا مقام دیتے ہیں۔ غرض یہ لوگ صحیح احادیث سے تو اعراض کرتے ہیں اور موضوع احادیث اور فاسد تاویلات کو پیشوا بناتے ہیں پس دیکھئے، گویا یہ وہی ہیں!

أَنُمُودُجُ الْيَهُودِ

وعلى كل، فإن أردت أن ترى أنموذج اليهود، فانظر إلى علماء السوء الذين

يطلبون الدنيا، ويُولعون بتقليد السلف، ويُعرضون من نصوص الكتاب والسنة، ويستندون إلى تعمق عالم وتشدد، أو إلى استحسانه، فأعرضوا عن كلام الشارع المعصوم، وجعلوا الأحاديث الموضوعية، والتأويلات الفاسدة قُدوةً، فانظر كأنهم هم!

ترجمہ: یہود کا نمونہ: بہر حال اگر آپ یہود کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں، تو ان علمائے سوء کو دیکھیں جو دنیا کے طالب ہیں، اور اسلاف کی تقلید کے گرویدہ ہیں، اور کتاب و سنت کی انصوص (یعنی صریح آیتوں اور حدیثوں) سے اعراض کرتے ہیں، اور کسی عالم کے تعمق و تشدد اور اس کے استحسان پر اعتماد کرتے ہیں، چنانچہ انھوں نے معصوم شارع کے کلام سے اعراض کیا، اور موضوع حدیثوں اور فاسد تاویلوں کو اسوہ بنایا، پس دیکھئے! گویا یہ (علمائے سوء) وہی (یہود) ہیں۔

لغات:

اُنْمُوذَجٌ وَنَمُوذَجٌ: نمونہ، جمع اُنْمُوذَجَاتٍ وَنَمُوذَجَاتٍ..... علیٰ کُلِّ یہ جدید محاورہ ہے اس کے معنی ہیں بہر حال، بہر صورت الحاصل، خلاصہ کلام..... علماء السوء: برے علماء جن کے پیش نظر دنیا ہو..... اُولُعْ يُولُعْ اِبْلَاعًا: بہت محبت کرنا، بہت گرویدہ ہونا..... السلف: گذشتہ آباء و اجداد، جمع اسلاف..... نصوص: نص کی جمع ہے: صریح کلام، ایسا کلام جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو..... اِستند اليه: اعتماد کرنا، بھروسہ کرنا..... القُدوة (تاف پر تینوں حرکتیں): اسوہ، پیشوا۔

﴿فائدہ﴾ یہاں یہ بات جان لینی چاہئے کہ وہ عقائد و نظریات جو صریح آیتوں اور حدیثوں سے ثابت ہیں، ان میں کسی کی تقلید کرنا جائز نہیں، یہاں شاہ صاحب نے جس تقلید کو علمائے سوء کا کردار بتایا ہے، اس سے یہی ناجائز تقلید مراد ہے، اور مسائل اجتہادیہ میں تقلید کرنا نہ صرف جائز بلکہ واجب الغیرہ اور ضروری ہے۔ خود شاہ صاحب بھی مسائل اجتہادیہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے تھے، اور اس کو واجب سمجھتے تھے، چنانچہ ”الانصاف فی سبب الاختلاف“ میں فرماتے ہیں کہ:

(اسلام کی پہلی) دو صدیوں کے بعد لوگوں میں بعض مجتہدین کی تقلید کا رجحان پیدا ہوا، اور بہت کم لوگ رہ گئے جو کسی معین مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں، اور یہی چیز اس زمانہ میں واجب تھی (بحوالہ تسہیل اولہ کاملہ ص ۸۵)



نصاری کا تذکرہ

نصاری؛ نصرانی کی جمع ہے، اور نصرانی خلاف قیاس ”ناصرہ“ کی طرف منسوب ہے، اور ”ناصرہ“ ملک شام کی اس بستی کا نام ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، اس لئے جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں وہ خود کو نصاری کہتے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب و ملت کو نصرانیت سے تعبیر کرتے ہیں۔

موجودہ نصرانیت کا بانی:

نصاری کا دعویٰ ہے کہ موجودہ نصرانیت کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھی ہے، اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر قائم ہیں، اور ان کی ملت کے پیرو ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا تو آپ کے حواری شدید مخالفتوں کے باوجود نصرانیت کی تبلیغ کرتے رہے، اور پے در پے پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انھیں اچھی کامیابی ملتی رہی، مگر اسی دوران ایک واقعہ پیش آیا جس نے حالات کا رخ بالکل موڑ دیا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عالم جس کا نام ”ساؤل“ تھا اور نصاری پر شدید ظلم و ستم ڈھاتا تھا، اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا، اور اس نے دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستہ میں مجھ پر ایک نور چکا، اور آسمان سے حضرت مسیح علیہ السلام کی آواز سنائی دی کہ ”تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟“ اس واقعہ سے متاثر ہو کر میں حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آیا ہوں، اور دین عیسوی پر میرا دل مطمئن ہو گیا ہے۔

”ساؤل“ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے سامنے اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، مگر سب سے پہلے ”برناباس“ حواری نے اس کی تصدیق کی، پھر اس کی تصدیق سے مطمئن ہو کر تمام حواریوں نے ”ساؤل“ کو اپنی برادری میں شامل کر لیا۔

اس کے بعد ”ساؤل“ نے اپنا نام بدل کر ”پولس“ رکھ لیا اور حواریوں کے دوش بدوش نصرانیت کی تبلیغ میں مشغول ہو گیا، اس کی انتھک کوشش سے بہت سے ایسے لوگ بھی نصرانیت میں داخل ہو گئے جو یہودی نہیں تھے، ان خدمات کی وجہ سے نصاریٰ کے درمیان ”پولس“ کا اثر و رسوخ بڑھ گیا، جب اس نے دیکھا کہ نصاریٰ اس کی ہر بات تسلیم کرتے ہیں تو رفتہ رفتہ اس نے تثلیث، حلول، کفارہ اور مصلوبیت مسیح وغیرہ عقائد باطلہ کی کھل کر تبلیغ شروع کر دی، اور نصرانیت کو مخ کر دیا، لہذا موجودہ نصرانیت کے بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ ”پولس“ ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے بائبل سے قرآن تک کا مقدمہ)

عقیدہ تثلیث کی وضاحت

نصاریٰ کی سب سے بڑی گمراہی عقیدہ تثلیث ہے، یعنی نصاریٰ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین اقانیم (اجزاء اور شاخیں) ہیں: اب (باپ) ابن (بیٹا) اور روح القدس (پاکیزہ روح) یہ تینوں اقنوم من وجہ متحد اور من وجہ مختلف ہیں، انسایکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:

تثلیث کے عیسائی نظریہ کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ ”باپ“ خدا ہے، ”بیٹا“ خدا ہے، اور ”روح القدس“ خدا ہے، لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہے، اس لئے کہ عیسائی نظریہ کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں، اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدایا تین آقا سمجھنے لگیں (بحوالہ بائبل سے قرآن تک کا مقدمہ ص ۴۵)

باپ کی حقیقت:

نصاریٰ اب (باپ) سے صرف ذات باری تعالیٰ مراد لیتے ہیں، یعنی صفت کلام اور صفت حیات سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف ذات باری تعالیٰ کو باپ سے تعبیر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ ذات باری ”بیٹے“ کے وجود کے لئے اصل کا درجہ رکھتی ہے، مشہور عیسائی فلاسفر ”سینٹ تھامس اکیویناس“ کی تشریح کے مطابق ”باپ“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنا ہے۔ اور کوئی ایسا وقت گزرا ہے، جس میں باپ تھا اور بیٹا نہیں تھا، بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لئے اصل ہے، جس طرح ذات صفت کے لئے اصل

ہوتی ہے، ورنہ جب سے باپ موجود ہے، اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے، اور ان میں سے کسی کو کسی پر زمانی اولیت حاصل نہیں۔

خدا کی ذات کو باپ سے تعبیر کرنے کی وجہ:

عیسائی نظریہ کے مطابق خدا کی ذات کو ”باپ“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں، جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے، دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیق اور مہربان ہے، جس طرح باپ بیٹے پر مہربان ہوتا ہے۔

ابن کی حقیقت:

نصاری خدا کی صفت کلام کو ابن (بیٹے) سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن یہ انسانوں کی صفت کلام کی طرح نہیں ہے، انسانوں کی صفت کلام موجود بنفسہ نہیں ہے اور یہ صفت کلام موجود بنفسہ ہے ”ایکوناس“ لکھتا ہے:

”انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی، اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا مولود نہیں کہہ سکتے، لیکن خدا کی صفت کلام ایک جوہر ہے، جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے، اسی لئے اس کو حقیقتاً نہ کہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے، اور اس کی اصل کا نام باپ ہے“

عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کو جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں، وہ اسی صفت کے ذریعہ ہوتی ہیں، اور اسی صفت کے ذریعہ تمام اشیاء پیدا ہوتی ہیں، یہ صفت باپ کی طرح قدیم اور جاودانی ہے۔

روح القدس کی حقیقت:

نصاری روح القدس سے باپ اور بیٹے کی صفت حیات مراد لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسی صفت کے ذریعہ خدا کی ذات (یعنی باپ) اپنی صفت کلام (یعنی بیٹے) سے محبت کرتی ہے، اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے، یہ صفت بھی صفت کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے (یعنی موجود بنفسہ ہے) اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے (ماخوذ از مقدمہ بائبل سے قرآن تک)

ذِکْرُ النَّصَارَى

عقیدۃ التثلیث والرّد علیہا

أما النصارى: فكانوا مؤمنين بسيدنا عيسى عليه السلام، وكان ضلالهم: أنهم يزعمون أن لله تبارك وتعالى ثلاثة أجزاء متغايرة بوجد، ومحددة بآخر، وكانوا يسمونها "الأقانيم الثلاثة":

أحدها: الأب؛ وهو بازاء مبدأ العالم

والثاني: الابن؛ وهو بازاء الصادر الأول الذي هو معنى عام شامل لجميع

الموجودات

والثالث: روح القدس؛ وهو بازاء العقول المجردة.

ترجمہ: نصاریٰ کا تذکرہ: عقیدہ تثلیث اور اس کی تردید: رہے نصاریٰ تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے، اور ان کی گمراہی یہ تھی کہ وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے تین جز ہیں، جو ایک اعتبار سے مختلف اور دوسرے اعتبار سے متحد ہیں، اور وہ ان (اجزاء) کو اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں۔ ان میں سے ایک باپ ہے، اور وہ مبدأ عالم کے بالمقابل ہے۔

اور دوسرا بیٹا ہے، اور وہ صادر اول کے بالمقابل ہے، اور صادر اول کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ وہ تمام موجودات کو شامل ہے (کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک صادر اول سے مراد قتل اول ہے، جو پوری کائنات کے وجود میں مؤثر ہے، لہذا ابن اور صادر اول کی حقیقت یکساں ہے)

اور تیسرا روح القدس (پاکیزہ روح) ہے، اور وہ عقول مجردہ کے بالمقابل ہے

لغات:

أقانیم: اقنوم کی جمع ہے، یہ سریانی زبان کا لفظ ہے، اور اس کے معنی ہیں عنصر، اصل.....
المبدأ: اصل، سبب جمع مبادی، اور مبدأ العالم کے معنی ہیں: عالم کی اصل، عالم کی علت، اور فلاسفہ یونان مبدأ العالم سے خدا کی ذات مراد لیتے ہیں، جیسے نصاریٰ "باپ" سے خدا کی ذات مراد لیتے

ہیں..... الصادر الاول کے معنی ہیں: سب سے پہلی صادر ہونے والی چیز، پھر فلاسفہ کے نزدیک صادر اول سے مراد ”عقل اول“ ہے، کیونکہ ان کے گمان میں ذات باری سے سب سے پہلے صادر ہونے والی چیز عقل اول ہے، اور صوفیاء کے نزدیک صادر اول ”وجود منبسط“ (پھیلا ہوا وجود) ہے؛ جس سے پوری کائنات پیدا کی گئی ہے، لیکن صوفیاء صادر اول کو قدیم اور جاودانی نہیں مانتے، اور فلاسفہ صادر اول یعنی عقل اول کو قدیم و جاودانی اور کائنات کے وجود میں مؤثر مانتے ہیں، جیسے نصاریٰ ”بیٹے“ کو قدیم و جاودانی اور کائنات کے وجود میں مؤثر مانتے ہیں، اس لئے نصاریٰ کے نزدیک ”بیٹے“ کی حقیقت وہی ہے جو فلاسفہ کے نزدیک صادر اول یعنی عقل اول کی ہے..... عقول عقل کی جمع ہے: عقل ایک نور ہے جس سے غیر محسوس چیزوں کا ادراک ہوتا ہے، اور فلاسفہ عقل سے ایسا جو ہر مراد لیتے ہیں جو اپنے افعال میں اسباب و آلات سے بے نیاز اور کائنات کو وجود بخشنے میں واجب تعالیٰ اور اس کی مصنوعات کے درمیان واسطہ ہوتا ہے، فلاسفہ کے نزدیک ایسی دس عقلیں ہیں، جو کائنات کے وجود میں مؤثر ہیں، عقل مجرد سے بھی دس عقلیں مراد ہیں جو ذات باری کی طرح قدیم اور جاودانی ہیں، جیسے نصاریٰ کے نزدیک روح القدس قدیم اور جاودانی ہے۔

الغرض شاہ صاحب نے نصاریٰ کے اقا نیم ثلاثہ کو وضاحت کی غرض سے فلاسفہ کی اصطلاحوں کے ساتھ ذکر کیا ہے، تاکہ ہر شخص نصاریٰ کی خدائی اصطلاحوں کو اچھی طرح سمجھ سکے اور ان کی حقیقت کو پہچان سکے۔



عقیدہ حلول کی وضاحت

نصاری کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ”بیٹا“ یعنی اللہ کی صفت کلام ایک روح کی شکل و صورت اختیار کر کے حضرت مسیح علیہ السلام کے جسم اطہر میں حلول کر گئی تھی، اس لئے حضرت مسیح خدا اور خدا کے بیٹے ہیں، اور انسان بھی ہیں، یعنی آپ بیک وقت بشری اور خدائی اوصاف کے حامل ہیں۔ دلیل اول: اس باطل عقیدے کے اثبات میں نصاریٰ انجیل کی ان آیتوں سے استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کو بیٹا کہا گیا ہے، مثلاً انجیل مرقس کے باب ۱۳ آیت ۳۲ میں ہے: ”لیکن اس دن، یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے، نہ

بیٹا مگر باپ — نیز یوحنا حواری کی انجیل میں کئی جگہ حضرت مسیح کو بیٹا کہا گیا ہے، ان آیتوں کی نصاریٰ یہ توجیہ کرتے ہیں کہ اقنوم ابن چونکہ حضرت مسیح کے جسم اطہر میں حلول کر گیا تھا، اس لئے آپ کو بیٹا کہا گیا ہے۔

دلیل دوم: نیز اس باطل عقیدے کے اثبات میں نصاریٰ انجیل کی ان آیتوں سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت مسیح علیہ السلام نے بعض افعال خداوندی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، مثلاً انجیل یوحنا کے چھٹے باب میں ہے:

”جو کوئی میرا گوشت کھاتا ہے، اور میرا لہو پیتا ہے، ہمیشہ کی زندگی اُسی کی ہے، اور میں اُسے آخری دن اٹھاؤں گا (آیت ۵۴) کیونکہ میرا گوشت فی الحقیقت کھانے، اور میرا لہو فی الحقیقت پینے کی چیز ہے (آیت ۵۵) اور جو میرا گوشت کھاتا ہے، اور میرا لہو پیتا ہے، مجھ میں رہتا ہے، اور میں اس میں (آیت ۵۶) جس طرح سے کہ زندہ باپ نے مجھے بھیجا، اور میں زندہ باپ سے زندہ ہوں، اسی طرح وہ بھی جو مجھے کھاتا ہے، مجھ سے زندہ ہوگا“ (آیت ۵۷)

مذکورہ آیات سے نصاریٰ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ زندہ کرنا خدا کا کام ہے، لہذا حضرت مسیح علیہ السلام خدا ہوئے اور کوئی انسان خدا نہیں ہو سکتا، جب تک خدائی عنصر اس میں سرایت نہ کر جائے، اس لئے ماننا ہوگا کہ اقنوم ابن حضرت مسیح کے جسم اطہر میں سرایت کر گیا تھا، پس حضرت مسیح خدا اور خدا کے بیٹے ہیں، اور انسان بھی ہیں۔

وكانوا يَعتقدون ان اقنوم ”الابن“ تَدَرَّعَ بروح عيسى عليه السلام اى كما ان جبرئيل عليه السلام قد يَظهر فى صورة الانسان، كذلك ظَهر الابن فى صورة روح عيسى عليه السلام ؛ فعيسى اِله وابن اِله وبَشَرٌ اَيضاً فى وقتٍ واحدٍ؛ وتَجَرى عليه الاحكامُ البشريَّةُ والالهيَّةُ معاً.

وكانوا يَتَمَسَّكون فى اِثباتِ هذه العقيدة ببعضِ نُصوصِ الانجيلِ التى اُطلقَ فيها لفظُ ”الابن“ على عيسى عليه السلام، وكذلك يستدلون بالآياتِ التى نَسَبَ فيها عيسى عليه السلام بعضَ افعالِ الله تعالى الى نفسه.

ترجمہ: اور نصاریٰ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اقنوم ابن (بیٹے کے عنصر) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی روح کا کرتہ پہن لیا تھا، یعنی جس طرح جبریل علیہ السلام کبھی انسان کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے، اسی طرح ”پیٹا“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کی صورت میں ظاہر ہوا تھا، پس عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں، اور خدا کے بیٹے اور انسان بھی ہیں ایک ہی وقت میں، اور ان پر بشری اور خدائی احکام ایک ساتھ جاری ہوتے ہیں۔

اور نصاریٰ استدلال کرتے تھے اس عقیدے کے اثبات میں انجیل کی بعض آیتوں سے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بیٹا کہا گیا ہے، اور اسی طرح وہ ان آیتوں سے (بھی) استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بعض افعال خداوندی کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

لغات:

تَذَرَّعَ تَذَرُّعًا: کرتہ پہننا، روپ دھارنا..... بَشَرًا: انسان..... تَمَسَّكَ بِهِ: چمٹنا، استدلال کرنا..... نَصُوصٌ: نص کی جمع ہے: صریح کلام، آیت یا حدیث رسول۔

☆

☆

☆

دلیل اول کا جواب

نصاری کے پہلے استدلال کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ تسلیم کرنا ہی دشوار ہے کہ جن آیتوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کو بیٹا کہا گیا ہے، وہ تحریف و تبدیل سے پاک ہیں، کیونکہ انجیل کی تحریف کا مسئلہ اتنا واضح ہے کہ خود عیسائی اور نصاریٰ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

لیکن اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے، اور تحریف سے پاک ہے، تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں محبوب و مقرب اور راست باز کو بیٹا کہا جاتا تھا، اس لئے حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی محبوب و مقرب اور راست باز ہونے کی وجہ سے بیٹا کہا گیا ہے، انجیل میں اس کے بکثرت شواہد موجود ہیں، مثلاً انجیل مرقس کے باب ۱۵ آیت ۳۹ میں ہے: ”اور صوبہ دار اس کے سامنے کھڑا تھا، اس نے اُسے یوں دم دیتے ہوئے دیکھ کر کہا: بیشک یہ آدمی خدا کا بیٹا ہے“ مگر انجیل لوقا کے باب ۲۳ آیت ۴۷ میں ہے: ”یہ ماجرا دیکھ کر صوبہ دار نے خدا کی تعجید کی، اور کہا: بیشک یہ آدمی راست باز ہے“ اس سے معلوم ہوا کہ انجیل مرقس میں حضرت مسیح کو راست باز ہونے کی وجہ سے بیٹا کہا گیا ہے۔

دلیل دوم کا جواب

نصاری کے دوسرے استدلال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا بعض افعال خداوندی کو اپنی طرف منسوب کرنا نقل و حکایت کے طور پر تھا، جس طرح بادشاہ کا قاصد بادشاہ کے کارنامے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ”ہم نے فلاں شہر فتح کیا، اور فلاں قلعہ مسمار کر دیا“ ظاہر ہے کہ یہ کارنامے قاصد کے نہیں، بادشاہ کے ہیں، مگر قاصد صرف ترجمان ہونے کی وجہ سے ان کارناموں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے، اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی بعض افعال خداوندی کو اللہ کا رسول ہونے کی وجہ سے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر نہ آتے ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ براہ راست آپ کے دل میں مضامین القاء فرماتے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح مضامین القاء فرمائے ہوں بعینہ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بیان کر دیتے ہوں، جسکی وجہ سے بعض افعال خداوندی کی نسبت حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف ہو گئی ہو۔ لہذا انصاری کا ان آیتوں سے الوہیت مسیح پر استدلال کرنا سراسر لغو ہے۔

اس کی بہت سی نظیریں قرآن کریم میں بھی موجود ہیں مثلاً سورۃ الزمر آیت ۵۳ میں ہے:

(قُلْ يَا بَنِي آدَمَ اَلَّذِينَ آمَنُوا) الایہ (آپ کہئے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کیں ہیں الخ) ظاہر ہے کہ مسرفین اللہ کے بندے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے بندے نہیں ہیں، مگر جس طرح وحی آئی اسی طرح تعبیر باقی رکھی گئی۔

وجوابُ الإشكالِ الأولِ: على تقديرِ صِحَّةِ نُصوصِ الإنجيلِ، وأنه ليس فيها تحريفٌ: أن لفظَ "الابن" في العهدِ القديمِ، كان مستعملاً بمعنى المحبوبِ والمقربِ والمجتبى، كما يدل عليه كثيرٌ منِ القرائنِ في الإنجيلِ.

وجوابُ الإشكالِ الثاني: أن تلكَ النسبةَ على طريقِ الحكايةِ؛ كما يقول رسولُ المَلِكِ: "إِنَّا فَتَحْنَا الْبَلَدَ الْفُلَانِيَّ" و"لَقَدْ حَطَمْنَا الْقَلْعَةَ الْفُلَانِيَّةَ" وفي الحقيقةِ هذا الأمرُ راجعٌ إلى المَلِكِ؛ وأما الرسولُ فإنما هو ترجمانُ المَلِكِ فَحَسْبُ.

والجوابُ الثانی: أنه یحتمل أن یكون الوحیُ إلى عیسیٰ علیہ السلام عن طریق انطباع المعانی فی لُوح قلبه من قِبَلِ العَالَمِ العُلَوِّیِّ، لاعن طریق تمثیلِ جبرئیل علیہ السلام فی صورة البشر، وإلقاء الکلامِ إلیه؛ فبسببِ هذا الانطباع جَرى منه علیہ السلام کلامٌ مُشعِرٌ بنسبة تلك الأفعال إلی نفسه؛ والحقیقةُ غیرُ خفیةٍ.

ترجمہ: اور پہلے اشتباہ کا جواب: انجیل کی آیتوں کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے، اور یہ (تسلیم کرتے ہوئے) کہ ان (آیتوں) میں تحریف و تبدل نہیں ہوئی، یہ ہے کہ بیٹے کا لفظ قدیم زمانہ میں محبوب و مقرب اور برگزیدہ کے معنی میں مستعمل تھا، جیسا کہ اس پر انجیل کے بکثرت قرائن دلالت کرتے ہیں۔ اور دوسرے اشتباہ کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت حکایت کے طور پر ہے، جیسے بادشاہ کا قاصد کہتا ہے کہ: ہم نے فلاں شہر فتح کیا، اور ہم نے فلاں قلعہ مسمار کر دیا، اور حقیقت میں یہ کارنامہ بادشاہ کی طرف لوٹنے والا ہے، اور رہا قاصد تو وہ صرف بادشاہ کا ترجمان ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آتی ہو مضامین کے چھپنے کے طور پر ان کے دل کی تختی میں عالم بالا کی طرف سے، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے انسان کی صورت میں ظاہر ہونے اور کلام پیش کرنے کے طریقہ پر نہ آتی ہو، پس اس چھپنے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایسا کلام صادر ہوا ہو، جو جتانے والا ہو، ان افعال کی اپنی طرف نسبت کرنے کو، اور حقیقت حال پوشیدہ نہیں ہے (ہر عقل مند جانتا ہے کہ یہ نسبت حقیقی نہیں ہے، مجازی ہے)

لغات:

الإشْکالُ: اشتباہ، التباس، اشْکَلَ الأمرُ: مشتبہ ہونا، کہا جاتا ہے: اشْکَلْتُ عَلَی الْأَخْبَارِ: میرے اوپر خبریں مشتبہ ہو گئیں، نصاریٰ کے دونوں استدلال در حقیقت اشتباہ پر مبنی ہیں اس لئے شاہ صاحب نے ان کے استدلال کو اشْکال سے تعبیر فرمایا ہے..... المجتبیٰ چنا ہوا، برگزیدہ، پسندیدہ، اجْتَبِی اجْتَبَاءً: پسند کرنا، چن لینا..... حَطَمَ (ض) حَطْمًا وَحَطَمَةً: توڑنا، مسمار کرنا..... انْطَبَاعٌ: چھپنا، ڈھلنا..... مُشْعِرٌ: خبر دینے والا، جتانے والا اشْعَرَهُ بِالْأَمْرِ: خبر دینا۔

خلاصہ کلام

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں مختلف طریقوں سے تثلیث و حلول کے اس مضحکہ خیز نظریہ کو رد فرمایا ہے، اور یہ واضح فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کی پاکیزہ روح ہیں، جس کو مریم صدیقہ کے رحم میں ڈالا تھا، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ان کی تائید و نصرت فرمائی تھی، اور خصوصی عنایتوں سے ان کو نوازا تھا۔

علاوہ ازیں اگر ہم فرض کریں کہ خدا (صفت کلام) ایک روح کی صورت اپنا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم اطہر میں حلول کر گیا تھا اور اس نے بشریت کا لبادہ پہن لیا تھا۔ تو بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا اور عیسیٰ علیہ السلام دونوں متحد ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں خدا بمنزلہ روح اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بمنزلہ جسم ہوں گے، اور روح اور جسم کے درمیان اتحاد نہیں ہوتا، بلکہ روح سے جسم میں جان پڑتی ہے اور اس میں اٹھنے کی سکت پیدا ہوتی ہے، اس لئے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ روح جسم کے لئے مَقُومٌ اور مُعَدِّلٌ ہے، یعنی روح، جسم کو سیدھا کرنے والی ہے، مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ روح اور جسم دونوں متحد ہیں، پس نصاریٰ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں متحد ہیں بالکل غلط اور خالص جہالت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے قطعاً پاک اور برتر ہیں۔

وبالجملة: فقد ردَّ الله تعالى هذا المذهبَ الباطلَ، وبَيَّنَّ أن عيسى عبدُ الله وروحه المَطْهُرَةُ الَّتِي نَفَخَهَا فِي رَجَمِ مَرْيَمَ الصَّدِيقَةِ، وَأَنَّهُ تَعَالَى أَيْدَهُ بَرُوحِ الْقُدُسِ، وَحَاطَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِعَنَائِيَةٍ خَاصَةٍ.

وبالجملة: فلو فرضنا أن الله سبحانه وتعالى ظهر في الكِسْوَةِ الرُّوحِيَّةِ، الَّتِي هِيَ مِنْ جِنْسِ الْأَوْرَاحِ وَتَدْرُعُ بِالْبَشَرِيَّةِ، فَلَا يَنْطَبِقُ لَفْظُ "الِاتِّحَادِ" عَلَى هَذَا الْمَعْنَى عِنْدَ التَّدْقِيقِ وَالِإِمْعَانِ، إِلَّا بِتَسَامُحٍ؛ وَأَقْرَبُ الْأَلْفَاظِ لِهَذَا الْمَعْنَى: هُوَ "التَّقْوِيمُ" وَمِثْلُهُ؛ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُ الظَّالِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا.

ترجمہ: الحاصل اللہ تعالیٰ نے اس باطل مذہب کو رد فرمایا ہے، اور واضح فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ

علیہ السلام اللہ کے بندے، اور اس کی پاکیزہ روح ہیں جس کو مریم صدیقہ کے رحم میں ڈالا تھا، اور یہ (واضح فرمایا ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تائید فرمائی تھی روح القدس (یعنی جبرئیل علیہ السلام) سے، اور آپ علیہ السلام کی حفاظت و نگہبانی فرمائی تھی خصوصی عنایت سے۔

الغرض اگر ہم فرض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ظہور فرمایا ایسے روحانی لباس میں جو روحوں کے قبیل سے ایک روح ہے اور بشریت کا کرتہ پہن لیا تو بھی منطبق نہیں ہو تا لفظ ”اتحاد“ اس مفہوم پر باریک بینی اور گہری نظر کے وقت، مگر چشم پوشی سے (یعنی بس یونہی سرسری طور پر اس پر اتحاد کا اطلاق ہو سکتا ہے، حقیقۃً اطلاق نہیں ہو سکتا) اور اس مفہوم کے لئے قریب ترین لفظ ”تقویم“ اور اس کے مانند (الفاظ) ہیں، اللہ تعالیٰ انتہائی برتر ہیں اس بات سے جو یہ ظالم لوگ کہتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ نے بشریت کا روپ دھار لیا اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کے جسم میں حلول کر گئے، تو بہ! تو بہ! اللہ کی شان سے ان باتوں کا کیا جوڑ ہے)

لغات:

أَيَّدَهُ تَائِيْدًا: قوی کرنا، حمایت کرنا..... حَاطَهُ (ض) حَوْطًا: حفاظت کرنا، نگہبانی کرنا.....
الْكِسْوَةُ: لباس جمع كِسَى وَكُسَى..... تَذَرَعُ: کرتہ پہننا..... تَذَقَّقَ: باریک بینی، دَقَّقَ فِي الْحِسَابِ وغیرہ: باریک بینی سے کام لینا..... اِمْعَانٌ: گہری نظر؛ اَمْعَنَ النَّظْرَ فِي الْأُمُورِ: نہایت غور سے سوچنا..... تَقْوِيمٌ: تعدیل؛ قَوَّمَ الشَّيْءَ تَقْوِيمًا: سیدھا کرنا، اسی سے ہے تَقْوِيمُ الْبُلْدَانِ: شہروں کا طول و عرض بیان کرنا۔



نصاری کا نمونہ

آئیے اب آپ نصاریٰ کا نمونہ دیکھئے: اپنے زمانہ کے اکابر علماء و مشائخ کے صاحب زادوں کو اور مریدوں کو دیکھئے، وہ اپنے آباء و اجداد اور اپنے پیروں کے بارے میں کیسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں اور انھوں نے ”پیران نمی پرند، مریداں می پراند“ کے مطابق ان کا رتبہ کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔ یہی اِطْرَاء (تعریف میں مبالغہ کرنا) عیسائیوں کا مرض تھا، جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی کے مقام و مرتبہ تک پہنچا دیا ہے، اسی سے نبی کریم ﷺ نے منع

فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا لا تظنونی كما أظرت النصارى ابن مريم، فإنما أنا عبده، فقولوا: عبد الله ورسوله (متفق علیہ) (میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا نصاری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا ہے، میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہی ہوں پس کہو (یعنی عقیدہ رکھو) کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اسی طرح جب لوگ اسلاف اور اولیاء کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہیں اور ان کو ان کے مقام سے اونچا اٹھادیتے ہیں تو طرح طرح کی گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ان کا خروئی انجام کیا ہونے والا ہے!؟

أَنموذجُ النصارى

وإن شئت أن نرى نموذجاً لهذا الفريق، فانظر اليوم إلى أولاد المشايخ والأولياء، ماذا يظنون بآبائهم؟ وإلى أي حد وصلوا بهم؟ وسيعلم الذين ظلموا أي مقلب ينقلبون! ﴿﴾

ترجمہ: اگر آپ اس گروہ کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں، تو آج مشائخ اور اولیائے کرام کی (روحانی اور نفسی) اولاد کو دیکھ لیجئے، وہ اپنے اکابر کو کیا سمجھتے ہیں؟! اور ان کو کہاں تک پہنچاتے ہیں؟! بہت جلد ان ظالموں کو پتہ چل جائے گا کہ وہ کس کر دھ پلٹنے والے ہیں!؟



عقیدہ مصلوبیت اور اس کی تردید

نصاری کا یہ بھی خیال ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے، اور سولی پر چڑھا دیا ہے، اور دلیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مقولہ پیش کرتے ہیں کہ: اب سوتے رہو اور آرام کرو، دیکھو وقت آپہنچا ہے، اور ابن آدم ظالموں فاجروں کے ہاتھوں سولی دیا جائے گا (انجیل متی باب ۲۶ آیت ۴۵) نیز اس سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے جو باتیں منقول ہیں ان کو بھی نصاری دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

مگر نصاری کا یہ خیال بالکل غلط ہے، یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا ہے، نہ سولی پر لٹکا ہے۔ بلکہ اس شخص کو قتل کیا تھا، اور سولی پر چڑھایا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل

اور مشابہ ہو گیا تھا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ سلامت آسمان پر اٹھالیا تھا، ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ
شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا
فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ، مَا لَهُمْ بِهِ
مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ
وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ
اللَّهُ إِلَيْهِ (سورہ نساء آیت ۱۵۷)

انھوں نے (یعنی یہود نے) نہ ان کو قتل کیا، اور نہ ان کو سولی پر
چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا، اور جو لوگ ان کے بارے میں
اختلاف کرتے ہیں (یعنی نصاری) وہ غلط خیال میں (بتلا) ہیں،
ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں، بجز تخمینہ باتوں پر عمل کرنے
کے، اور انھوں نے (یعنی یہود نے) ان کو یقینی بات ہے، کہ قتل
نہیں کیا، بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا (اور ایک اور شخص
کو ان کا ہم شکل بنادیا اور وہ مقتول و مصلوب ہوا) (۱۵۸)

الغرض یہود کو اس سے دھوکہ ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی
پر چڑھا کر مار ڈالا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے جو رفع کی حقیقت کو نہ سمجھ
سکے انھوں نے بھی یہود کے دعویٰ قتل کو صحیح سمجھ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ
السلام مقتول و مصلوب ہو گئے، یہ لوگ اکثریت میں تھے، اور جو حضرات حقیقت حال سے واقف
تھے وہ بہت کم تھے، اس لئے یہ غلط خیال نصاریٰ میں مشہور ہو گیا، اور صحیح بات پوشیدہ ہو گئی،
جب قرآن کریم نازل ہوا تو اس نے اس پوشیدگی کو دور فرمایا، اور حقیقت حال سے لوگوں
کو آگاہ فرمایا۔

ربا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ تو اس کا مقصد اپنے قتل کی خبر دینا نہیں تھا، بلکہ یہودی
جرات بجا اور اقدام قتل کی خبر دینا تھا، لہذا نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقولہ سے اور
حواریوں کے اقوال سے استدلال صحیح نہیں۔

عقیدۃ مصلوبیۃ المسیح والرّد علیہا

وَمِنْ ضَلَالَاتِهِمْ أَيْضًا: أَنَّهُمْ يَجْزِمُونَ بِأَنَّ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ قُتِلَ، مَعَ
أَنَّ الْوَاقِعَ خِلَافَ ذَلِكَ، وَقَدْ شُبِّهَ لَهُمْ، وَالتَّبَسُّ عَلَيْهِمُ الْأُمْرُ، فَظَنُّوا رَفْعَهُ إِلَى
السَّمَاءِ قَتْلًا، وَرَوَوْا هَذَا الْغُلَطَ كَبْرًا عَنْ كَبِيرٍ، فَكَشَفَ اللَّهُ تَعَالَى السُّتَارَ عَنْ حَقِيقَةِ

الْأَمْرِ فِي الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ قَائِلًا: ﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ، وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾

وَأَمَّا مَا ذُكِرَ فِي الْإِنْجِيلِ مِنْ قَوْلِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي هَذَا الْبَابِ فَمَعْنَاهُ: أَنَّهُ
إِخْبَارٌ بِخُرَاجِ الْيَهُودِ، وَإِقْدَامِهِمْ عَلَى قَتْلِهِ؛ وَلَكِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَنْجَاهُ مِنْ هَذِهِ الْمَهْلَكَةِ.
وَأَمَّا كَلَامُ الْحَوَارِيِّينَ فَإِنَّهُ نَاشٍ عَنْ اشْتِبَاهِ الْأَمْرِ، وَعَدَمِ وَقُوفِهِمْ عَلَى حَقِيقَةِ الرِّفْعِ
الَّذِي لَمْ يَكُنْ مَالُوفًا لِعُقُولِهِمْ، وَلَا لَأَسْمَاعِهِمْ.

ترجمہ: مصلوبیت مسیح کا عقیدہ اور اس کی تردید: اور نیز ان کی گراہیوں میں سے یہ ہے کہ وہ
پورے وثوق کے ساتھ کہتے تھے کہ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کر دیئے گئے، جبکہ واقعہ اس
کے خلاف ہے، یقیناً ان کو دھوکہ ہوا ہے، اور معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا ہے، چنانچہ انھوں نے حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کے آسمان پر اٹھانے کو قتل سمجھا، اور نسل بعد نسل اس غلط فہمی کو نقل کرتے رہے، پھر اللہ
تعالیٰ نے قرآن عظیم میں حقیقت حال سے پردہ اٹھایا یہ کہتے ہوئے کہ: ”انھوں نے (یعنی یہود نے) نہ
ان کو قتل کیا، اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا، لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا“

اور رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ مقولہ جو انجیل میں مذکور ہے اس سلسلہ میں، تو اس کے معنی
(اور مقصد) یہود کی جرأت (بجائے) اور ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل پر اقدام کرنے کی خبر دینا
ہے، لیکن (بالآخر) اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس ہلاکت کے موقع سے بچالیا۔
اور رہی حواریوں (کے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی خبر دینے کی بات، تو وہ پیدا ہوئی ہے
معاملہ مشتبہ ہونے کی وجہ سے، اور حواریوں کے اس رفق کی حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے جو
ان کی عقلوں اور کانوں کے لئے غیر مانوس تھا۔

لغات:

جَزَمَ الْأَمْرَ (ض) جَزَمًا: کسی چیز کا قطعی فیصلہ کرنا..... كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ: نسل بعد نسل،
پشت در پشت..... السَّتَارُ: پردہ جمع سَتَرٌ..... الْمَهْلَكَةُ: (لام پر تینوں حرکات): ہلاکت کی جگہ جمع
مَهَالِكٌ..... نَاشٍ (اسم فاعل): پیدا ہونے والا۔ نَشَأَ الشَّيْءُ (ف) نَشَأَ: نوپید ہونا، زندہ ہونا
..... مالوف: مانوس؛ أَلَفَ (س) أَلَفًا: مانوس ہونا۔

بشارتِ فار قلیط میں تحریف

گذشتہ تمام انبیائے کرام نے حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کی تشریف آوری کا مرثدہ پایا ہے، لیکن جس صراحت و وضاحت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی آمد کی خوشخبری دی ہے، اتنی وضاحت کے ساتھ کسی اور نبی نے بشارت نہیں دی، چنانچہ تحریف و تبدیل کے باوجود آج بھی بائبل میں متعدد جگہ آنحضرت ﷺ کا ذکر خیر موجود ہے، خاص طور پر انجیل یوحنا میں فار قلیط کی آمد کی جو بشارت دی گئی ہے اس کا مصداق آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، انجیل یوحنا کے باب ۱۴ میں ہے: ”اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے (آیت ۱۵) اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا فار قلیط بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے (آیت ۱۶)“

اور اسی باب کی آیت ۲۶ میں ہے: ”لیکن فار قلیط یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا، اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا (آیت ۲۶)“

اور انجیل یوحنا کے باب ۱۵ میں ہے: ”لیکن جب وہ فار قلیط آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا تو وہ میری گواہی دے گا (آیت ۲۶) اور تم بھی گواہ ہو، کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو (آیت ۲۷)“

اور انجیل یوحنا کے باب ۱۶ میں ہے: ”لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ فار قلیط تمہارے پاس نہ آئے گا، لیکن اگر جاؤں تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا (آیت ۷) اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا (آیت ۸) گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے (آیت ۹) راست بازی کے بارے میں اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں، اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے، (آیت ۱۰) عدالت کے بارے میں اس لئے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے (آیت ۱۱) مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں، مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے (آیت ۱۲) لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی

طرف سے نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا، اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا (آیت ۱۳) وہ میرا جلال ظاہر کرے گا، اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا (آیت ۱۴) جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے، اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے، اور تمہیں خبریں دے گا (آیت ۱۵)“

نصاری ان تمام نصوص کے بارے میں کہتے ہیں کہ جس فارقلیط کے آنے کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اس کا مصداق خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جو مقتول و مصلوب ہونے کے بعد زندہ ہو کر اپنے حواریوں کے پامں تشریف لائے تھے، اور تھوڑی دیر پھر کر اپنے حواریوں کو انجیل پر ثابت قدم رہنے کی وصیت کر کے واپس چلے گئے تھے۔

نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو یہ وصیت فرمائی ہے کہ میرے بعد بہت سے جھوٹے نبی ہوں گے۔ لہذا جو شخص میرا نام لے اسی کی بات ماننا اور قبول کرنا، اس کے سوا کسی کی بات قبول نہ کرنا۔

عیسیٰ علیہ السلام کی یہ وصیت انجیل کی درج ذیل عبارتوں میں مذکور ہے۔

(۱) لیکن جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو، جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں، مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑے ہیں (انجیل متی باب ۷ آیت ۱۵)

(۲) اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو، بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں (یوحنا کا پہلا خط آیت ۱)

نصاری کی اس تحریف و تاویل فاسد کو سورہ صف میں رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت صرف محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ پر صادق آتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی صورت پر صادق نہیں آتی، کیونکہ انجیل یوحنا میں جہاں فارقلیط کی آمد کی بشارت دی گئی ہے وہاں اس کی بھی صراحت ہے کہ فارقلیط مدت دراز تک تمہارے درمیان ٹھہرے گا، وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا، اور لوگوں کو گناہوں سے پاک کرے گا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح جیسا کہ نصاریٰ کا خیال ہے، تھوڑی دیر پھر کر واپس چلی گئی تھی، لہذا فارقلیط کا مصداق آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

رہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت کہ جو میرا نام لے اسی کی بات ماننا، تو اس کا یہ مطلب

نہیں ہے کہ جو مجھے خدا یا خدا کا بیٹا مانے اسی کی بات ماننا، جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو میری نبوت کی تصدیق کرے اور مجھے خدا کا رسول مانے اسی کی بات ماننا، اور جو مجھے خدا کا رسول نہ مانے اس کی بات ہرگز نہ ماننا، کیونکہ وہ جھوٹا نبی ہے۔

تَحْرِيفُهُمْ فِي بَشَارَةِ الْفَارِ قَلِيْطَ

وَمِنْ ضَلَالَاتِهِمْ أَيْضًا: أَنَّهُمْ يَقُولُونَ: إِنَّ الْفَارِ قَلِيْطَ الْمَوْعُودَ هُوَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ نَفْسُهُ، الَّذِي جَاءَ بَعْدَ قَتْلِهِ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ، وَأَوْصَاهُمْ بِالْتَّمَسْكِ بِالْإِنْجِيلِ وَيَقُولُونَ: إِنَّ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْصَاهُمْ أَيْضًا بِأَنْ الْمَتَّبِعِينَ سَيَكْتُرُونَ، لَمَنْ سَمَّانِي فَاقْبَلُوا كَلَامَهُ، وَالْأَفْلَاحَ.

وَقَدْ بَيَّنَّ الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ أَنَّ بَشَارَةَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ تَصُدِّقُ عَلَى نَبِيِّنَا صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لِأَعْلَى الصُّورَةِ الرُّوحِيَّةِ لِعِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ؛ لِأَنَّهُ قَدْ صُرِّحَ فِي الْإِنْجِيلِ بِأَنَّ الْفَارِ قَلِيْطَ يَمْكُثُ فِيكُمْ مَدَّةً طَوِيلَةً، وَيُعَلِّمُ الْعِلْمَ، وَيُزَكِّي النَّاسَ؛ وَلَا يَظْهَرُ هَذَا الْمَعْنَى فِي غَيْرِ نَبِيِّنَا صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

وَأَمَّا ذِكْرُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَتَسْمِيَّتُهُ فَالْغَرَضُ مِنْهُ التَّصْدِيقُ بِنَبُوَّتِهِ، لَا أَنْ يَتَّخِذَهُ رَبًّا، أَوْ يَعْتَقِدَ بِأَنَّهُ ابْنُ اللّٰهِ.

ترجمہ: ان (نصاری) کا فار قلیط کی بشارت میں تحریف کرنا: ان (نصاری) کی گمراہیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس فار قلیط (کے آنے کا) (انجیل میں) وعدہ کیا گیا ہے، وہ خود عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جو اپنے قتل کے بعد حواریوں کے پاس تشریف لائے، اور ان کو مضبوطی سے انجیل کو تھامنے کی وصیت کی، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو وصیت فرمائی ہے کہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے بکثرت ہوں گے، پس جو میرا نام لے اس کی بات قبول کرنا، ورنہ تو نہیں۔ اور قرآن عظیم نے واضح فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہمارے نبی کریم ﷺ پر صادق آتی ہے، نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی صورت پر، اس لئے کہ انجیل میں صراحت کی گئی ہے کہ ”فار قلیط“ تم میں ایک مدت دراز تک ٹھہرے گا، اور علم کھائے گا، اور لوگوں کو پاک کرے گا، اور یہ

بات ہمارے نبی کریم ﷺ کے سوا کسی میں ظاہر نہیں ہوتی ہے۔

رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرنا، اور ان کا نام لینا، تو اس کی غرض آپ کی نبوت کی تصدیق کرنا ہے، نہ کہ آپ کو خدا بنانا، یا یہ سمجھنا کہ آپ خدا کے بیٹے ہیں۔

لغات:

فَارَقْلِيْطُ: اصل میں یونانی لفظ پیرو کلیٹس (Peroditus) کا معرب ہے، جس کے معنی اَحْمَدُ (اسم تفضیل) یعنی اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والا ہیں..... الْمُتَّبِعِيْنَ (حالت نصہی میں) مُتَّبِعِيْ کی جمع ہے: جھوٹا نبی، تَنْبَأُ تَنْبَؤًا: نبوت کا دعویٰ کرنا..... رَزَّاهُ اللّٰهُ تَرْكِهً: پاک کرنا۔



نصاری کی گمراہیوں کا خلاصہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں چار باتیں خاص طور پر پائی جاتی ہیں (۱) آپ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا (۲) آسمان کی طرف زندہ سلامت اٹھایا جانا (۳) آخر زمانہ میں جب دجال اکبر کا ظہور ہو گا آپ کا آسمان سے اترنا (۴) اور انبیائے بنی اسرائیل کے سلسلہ نبوت کا آپ پر ختم ہونا۔ انہی چار خصوصیتوں کے پیش نظر نصاریٰ نے مختلف گمراہ کن عقائد گھڑ لئے ہیں، چنانچہ پہلی خصوصیت کی بناء پر الوہیت مسیح کا عقیدہ گھڑ لیا، اور توحید کو چھوڑ کر تثلیث کے دلدل میں پھنس گئے، اور رفع کو نہ سمجھ سکے، اور حقیقت حال ان پر مشتبہ ہو گئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقتول و مصلوب مان لیا، اور اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قتل کے عار کو دفع کرنے کے لئے ”کفارہ“ کا عقیدہ گھڑ لیا، اور دجال اکبر کے ظہور کے وقت نزول عیسیٰ کی پیشین گوئی میں رد و بدل کر کے روح عیسیٰ کا نزول مراد لے لیا، اور انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم ہونے سے تمام انبیاء کا خاتم ہونا مراد لے لیا، اور نصرا نیت کے ابدی اور ناقابل نسخ دین ہونے کا دعویٰ کر دیا، یہ نصاریٰ کی گمراہیوں کا خلاصہ ہے۔ (ماخوذ از العون الکبیر)

منافقین کا تذکرہ

منافق اس کو کہتے ہیں جس کا ظاہر اور باطن یکساں نہ ہو، یعنی زبان سے جس چیز کا دعویٰ کر رہا ہے، دل میں اس کی ضد چھپا رکھی ہو، مثلاً ایک شخص زبان سے دوستی کا دم بھرتا ہے، اور دل میں عداوت چھپا رکھی ہو تو وہ منافق ہے، مگر یہ عام معنی میں منافق ہے۔ اور عرف شرع میں منافق اس کو کہتے ہیں: جو زبان سے اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کرتا ہو، اور دل میں تکذیب چھپا رکھی ہو، یہ منافق کے خاص معنی ہیں، اور یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

منافقین کی قسمیں:

نزول قرآن کے وقت منافقین دو قسم کے تھے:

(۱) کچھ لوگ تو ایسے تھے جو زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، مگر حقیقت میں پکے کافر اور مشرک تھے، آخرت میں ان منافقوں کا حال کافروں اور مشرکوں سے بھی بدتر ہوگا، ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الذَّرِكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (سورۃ النساء آیت ۱۳۵)

بیشک منافقین دوزخ کے پست ترین طبقہ میں ہوں گے۔

(۲) اور کچھ لوگ ایسے تھے جو مسلمان تو ہو گئے تھے، مگر ایمان و اسلام میں پختہ نہیں تھے، یعنی زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، مگر ان کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا، اس لئے نہ اسلامی کاموں میں دلچسپی لیتے تھے، نہ مسلمانوں کی حمایت کرتے تھے، نہ آخرت کی فکر کرتے تھے، نہ اللہ، رسول سے محبت رکھتے تھے۔ پہلی قسم کے منافقین نفاق اعتقادی میں مبتلا تھے، اور دوسری قسم کے منافقین نفاق عملی کا شکار تھے۔

ذِکْرُ الْمُنَافِقِينَ

نِفَاقُ الْاِعْتِقَادِ وَنِفَاقُ الْعَمَلِ

أما المنافقون: فكانوا على قسمين :

- ۱- طائفة منهم يقولون بالسنتهم: "لا إله إلا الله، محمد رسول الله"، وقلوبهم مطمئنة بالكفر، ويضمرون الجحود الصريح في أنفسهم، قال الله تعالى في حقهم: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾
- ۲- وطائفة دخلوا في الإسلام مع ضعف فيه.

ترجمہ: منافقین کا تذکرہ: نفاق اعتقادی اور نفاق عملی: رہے منافقین تو وہ دو قسم کے تھے:

(۱) ان میں سے ایک گروہ اپنی زبانوں سے کہتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور ان کے دل کفر پر مطمئن تھے، اور یہ لوگ اپنے دلوں میں خالص کفر وانکار چھپائے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: "یشک منافقین دوزخ کے پست ترین طبقہ میں ہوں گے۔"

(۲) اور ایک گروہ اسلام میں داخل ہوا تھا، اس (اسلام) میں کمزوری کے ساتھ۔

لغات:

أَضْمَرَ الْأَمْرَ إِضْمَارًا: پوشیدہ کرنا، چھپانا..... الْجُحُودُ: کفر، انکار، جَحَدَهُ (ف) جَحَدًا وَجُحُودًا: کفر کرنا، جھٹلانا، جَحَدَ حَقَّهُ وَبَحَقَّهُ: باوجود علم کے انکار کرنا..... الدَّرَكُ: طبقہ، درجہ، ذَرَك، لیکن در کہ اور درجہ میں فرق ہے، در کہ اترنے کی حالت میں اور درجہ چڑھنے کی حالت میں کہتے ہیں، اسی لئے جنت کے طبقات کو درجات اور دوزخ کے طبقات کو درجات کہا جاتا ہے۔



نفاق عملی کی مختلف شکلیں

ہر زمانہ میں جو لوگ نفاق عملی میں مبتلا ہوتے ہیں یعنی مسلمان تو ہوتے ہیں مگر ایمان و اسلام میں پختہ نہیں ہوتے، وہ کئی طرح کے لوگ ہوتے ہیں:

۱- بعض لوگ کفر و ایمان کے معاملہ میں اپنی قوم کی موافقت کے عادی ہوتے ہیں، وہ برادری کی ڈگر پر چلتے ہیں، اگر قوم ایمان پر جمی رہتی ہے، تو وہ بھی جمے رہتے ہیں، اور اگر قوم کفر

کی طرف لوٹ جاتی ہے تو وہ بھی پلٹ جاتے ہیں۔

۲۔ بعض لوگوں کے دلوں پر کینی دنیا کی لذتوں کی پیروی ایسی قبضہ جمالیتی ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ و رسول کی محبت کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی وہ ہمیشہ لذت و دنیا میں اور عیش و عشرت میں لگے رہتے ہیں اور بھول کر بھی ایمان و اسلام کے تقاضے پورے کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتے۔

۳۔ بعض لوگوں کے دلوں پر حرص مال اور حسد و کینہ وغیرہ رذائل ایسا قبضہ جمالیتے ہیں کہ ان کے دلوں میں دعا و مناجات کی حلاوت کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی، وہ کبھی خدا کے سامنے گریہ و زاری نہیں کرتے، نہ ان کے دلوں میں عبادتوں کی برکتوں کے لئے کوئی جگہ ہوتی ہے، وہ اگر عبادتیں کرتے بھی ہیں تو اس کا لطف انہیں محسوس نہیں ہوتا۔

۴۔ بعض لوگ دنیوی دھندوں میں پھنسے رہتے ہیں، وہ ہر وقت ان میں مشغول رہتے ہیں، انہیں آخرت کی تیاری کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی، نہ وہ اس معاملہ میں کبھی سوچتے ہیں، وہ آخرت سے اس طرح غافل ہو جاتے ہیں کہ گویا انہیں آخرت کا یقین ہی نہیں ہے۔

۵۔ بعض لوگوں کے دلوں میں اللہ کے معاملہ میں، آنحضرت ﷺ کے معاملہ میں، قرآن کے معاملہ میں، یا کسی دینی امر کے معاملہ میں بیہودہ خیالات اور شکوک و شبہات کھٹکتے رہتے ہیں، اگرچہ وہ اس درجہ تک نہیں پہنچتے کہ وہ اسلام ہی کو خیر باد کہہ دیں اور دین ہی سے ہاتھ جھاڑ لیں، اس لئے وہ مسلمان تو رہتے ہیں، مگر ضعف ایمان کی وجہ سے ثمرات سے محروم رہتے ہیں۔

اور ان شکوک و شبہات کے اسباب مختلف ہوتے ہیں، مثلاً آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آپ پر بشری احکام کا جاری ہونا، کھانا، پینا، شادی بیاہ کرنا کچھ لوگوں کے لئے باعث تشویش تھا، اور ملت اسلامیہ کا غلبہ حکومت کی صورت میں اطراف عالم میں پھیلنا اور اس قسم کی دوسری باتیں کچھ لوگوں کے لئے وجہ تذبذب تھیں، جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ حقیقت اپنی خوبیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ حکومت کے مہارے، قاضیوں کے ذریعہ پھیلی ہے، حالانکہ حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے، اسی طرح اسلام کے بارے میں یہ خیال برابر لوگوں کے ذہنوں میں کھلبلی مچاتا رہتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، حالانکہ اسلام اپنی خوبیوں کی وجہ سے پھیلا تھا، اور پھیلتا ہے، تلوار تو فتنہ فرو کرنے کے لئے اٹھائی پڑتی ہے۔

غرض اس قسم کے شبہات کچھ لوگوں کے ذہنوں میں اللہ کے بارے میں، قرآن کریم کے بارے میں اور بعض دینی مسائل کے بارے میں مختلف اسباب سے مثلاً جہالت، کم علمی اور انگریزی تعلیم کی نحوست سے پیدا ہوتے ہیں جو ایمان کو کمزور کر کے رکھ دیتے ہیں۔

۶۔ بعض لوگ عصبیت میں اور اپنے قبیلوں اور خاندانوں کی اندھی محبت میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کفر کی حمایت و نصرت کرتے ہیں اور کفار کی عا نیہ یا در پردہ مدد کرتے ہیں، اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

یہ سب نفاق عملی کی مختلف شکلیں ہیں، پہلے بھی اس طرح کے منافقین پائے جاتے تھے اور آج بھی مسلمانوں میں بہ کثرت ایسے منافقین پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ملت کی ایسے منافقین سے حفاظت فرمائیں (آمین)

مَظَاهِرُ نِفَاقِ الْعَمَلِ

۱۔ فَمِنْهُمْ مَنْ يَعْتَادُ مَوَافَقَةً قَوْمِهِمْ: إِنْ ثَبَّتَ الْقَوْمُ عَلَى الْإِيمَانِ ثَبَتُوا، وَإِنْ رَجَعَ الْقَوْمُ إِلَى الْكُفْرِ رَجَعُوا.

۲۔ وَمِنْهُمْ مَنْ اسْتَوَلَى عَلَى قُلُوبِهِمُ الْإِنْسِيَاقُ وَرَاءَ اللَّذَاتِ الدُّنْيَوِيَّةِ الدُّنْيَا، بِحَيْثُ لَمْ يَذَرُ فِي قُلُوبِهِمْ مَكَانًا لِحُبِّ اللَّهِ، وَحُبِّ رَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۳۔ وَمِنْهُمْ مَنْ تَمَلَّكَ قُلُوبَهُمُ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحَسَدُ وَالْحَقْدُ، وَنَحْوُ ذَلِكَ مِنَ الرِّذَالِ، بِحَيْثُ لَمْ يَبْقَ فِي قُلُوبِهِمْ مَحَلٌّ لِحُلَاوَةِ الْإِبْتِهَالِ وَالْمُنَاجَاةِ، وَلَا لِبَرَكَاتِ الْعِبَادَاتِ.

۴۔ وَمِنْهُمْ مَنْ انْعَمَسُوا فِي شُؤْنِ الْمَعَاشِ وَاشْتَغَلُوا بِهَا، حَتَّى لَمْ يَبْقَ لَدَيْهِمْ فُرْصَةٌ لِلْإِهْتِمَامِ بِأَمْرِ الْآخِرَةِ، وَلِتَرْفُيْهَا وَلِلتَفَكُّيرِ فِيهَا.

۵۔ وَمِنْهُمْ مَنْ تَخَطَّرَ بِبَالِهِمْ ظَنُونٌ وَاهِيَةٌ وَشَبَهَاتٌ رَكِيكَةٌ فِي رِسَالَةِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنْ لَمْ يَلْبِغُوا إِلَى أَنْ يَخْلَعُوا رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ عَنْ عُقْبِهِمْ، وَيَنْفُضُوا أَيْدِيَهُمْ مِنْهُ بَتَاتًا.

وَسَبَبُ تِلْكَ الشُّكُوكِ: جَرَيَانُ الْأَحْكَامِ الْبَشَرِيَّةِ عَلَى نَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وسلم، وظهورُ الملة الإسلامية في صورة سيطرة الملوك على أطراف البلاد، وأمثال ذلك.

۶۔ ومنهم من حملتهم محبة القبائل والعشائر على أن يبذلوا الجُهدَ البليغَ في نصرتهم، وتقويتهم وتأييدهم، ولو كان ذلك على مُناوأة أهل الإسلام؛ ويضعفون أمر الإسلام عند التعارض، ويلحقون به الضرر.

ترجمہ: نفاق عملی کی شکلیں:

(۱) پھر منافقین میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی قوم کی موافقت کے خوگر ہوتے ہیں، اگر قوم ایمان پر ثابت قدم رہتی ہے تو وہ بھی ثابت قدم رہتے ہیں، اور اگر قوم کفر کی طرف لوٹ جاتی ہے تو وہ بھی لوٹ جاتے ہیں۔

(۲) اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کے دلوں پر حقیر دنیا کی لذتوں کی پیروی نے غلبہ کر لیا ہے، اس طرح کہ ان کے دلوں میں کوئی جگہ نہیں چھوڑی اللہ کی محبت اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کیلئے۔

(۳) اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کے دلوں پر قبضہ کر لیا ہے مال کی ہوس نے اور حسد و کینہ اور اس کے مانند بری خصلتوں نے، اس طرح کہ ان کے دلوں میں باقی نہیں رہا کوئی موقع دعا و مناجات کی حلاوت کے لئے، اور نہ عبادتوں کی برکات کے لئے۔

(۴) اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو امور معاش میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں، اور ان میں مشغول ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے پاس کوئی خالی وقت نہیں رہتا کارِ آخرت کے اہتمام کے لئے، اور اس کا خیال رکھنے اور اس کے بارے میں سوچنے کے لئے۔

(۵) اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کے دل میں بے ہودہ خیالات اور کمزور شبہات کھکتے ہیں ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت کے بارے میں، اگرچہ وہ اس درجہ تک نہیں پہنچے ہوتے ہیں کہ اسلام کے حلقہ کو اپنی گردنوں سے نکال دیں، اور اسلام سے بالکلیہ اپنے ہاتھ جھاڑ دیں۔

اور ان شکوک و شبہات کا سبب: ہمارے نبی کریم ﷺ پر بشری احکام کا جاری ہونا، اور مذہب اسلام کا اطراف عالم میں شاہوں کے غلبہ کی صورت میں ظاہر ہونا، اور اس کے مشابہ اور باتیں ہیں۔

(۶) اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو ان کے قبیلوں اور برادر یوں کی محبت اس بات پر ابھارتی ہے

کہ وہ پوری کوشش صرف کریں ان کی نصرت اور تقویت و تائید میں، اگرچہ یہ (نصرت) مسلمانوں کی دشمنی میں ہو، اور مقابلہ کے وقت اسلام کے معاملہ کو کمزور کرتے ہیں، اور اس کو ضرر پہنچاتے ہیں۔

لغات:

مَظَاهِرُ؛ مَظْهَرُ کی جمع ہے: ظاہری شکل و صورت..... اَسْتَوَلٰی عَلَیْہِ اِسْتِیْلَاءٌ: غالب ہونا، قدرت یافتہ ہونا..... اِلْاِنْسَاقُ: چلنا، اِنْسَاقُ الْاِیْبِلُ: قطار میں چلنا، یہ مَسَاقُ (ہاتکنا) کا مطاوع ہے..... یَذْرُ الشَّیْءُ: چھوڑنا، اس معنی میں مضارع اور امر کے علاوہ کوئی دوسرا صیغہ مستعمل نہیں..... تَمَلَّكَ الشَّیْءُ: مالک ہونا، قبضہ کرنا..... اِبْتَہَلَ اِلٰی اللّٰہِ اِیْنِہَا لَا: گزر گڑا کر دعا کرنا..... نَاجٰی مُنَاجَاۃً: سرگوشی کرنا یہاں مُنَاجَاۃً سے دعا مراد ہے..... اِنْقَمَسَ فِی الْمَاءِ: غوطہ لگانا اِنْقَمَسَ فِی الشَّیْءِ: داخل ہونا، گھسنا..... تَرَقَّبَ تَرَقُّبًا: انتظار کرنا، خیال رکھنا..... خَلَعَ الشَّیْءُ (ف) خَلْعًا: اتارنا..... رِبْقَۃً: رسی کا پھندا رِبَاقٍ وَارْبَاقٍ..... نَقَضَ (ن) نَفَضًا وَانْقَضَ الثَّوْبُ کِیْزَ اَجْمَازًا..... بَنَاتَا: یقیناً، قطعی طور پر..... سَیْطَرۃً: غلبہ، تسلط..... نَاوَاۃً مُنَاوَاۃً: دشمنی کرنا، اس کی اصل ہمزہ سے ہے۔



نفاق کی دونوں قسموں کی مزید وضاحت

ما قبل میں نفاق کی جتنی شکلیں بیان کی گئی ہیں، وہ سب نفاق عملی اور نفاق اخلاقی کی صورتیں ہیں، اس کو نفاق عملی یا نفاق اخلاقی اس لئے کہتے ہیں کہ انسان کے اعمال و اخلاق سے اس کا اظہار ہوتا ہے، جبکہ نفاق اعتقادی کا اظہار منافق کے اعمال و اخلاق سے بالکل نہیں ہوتا، وہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے دینی کاموں میں پیچھے نہیں رہتا، تاکہ کسی کو اس کے نفاق کا پتہ نہ چل سکے۔

یہاں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنی چاہئے کہ نفاق عملی اور نفاق ظاہری دونوں مترادف نہیں ہیں، بلکہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، اور وہ یہ ہے کہ مؤمن کامل سے جب خلاف شرع کام صادر ہوتا ہے تو اس کا دل ملامت کرتا ہے، اور وہ بہت جلد اس سے توبہ کر لیتا ہے، مثلاً حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ سے زنا کا صدور ہوا تو فوراً توبہ کر کے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، اور جب تک ان پر حد جاری نہیں کی گئی ان کو چین اور سکون نہیں ملا، اس کے برخلاف جو لوگ نفاق

عملی میں مبتلا ہوتے ہیں وہ خلاف شرع کام کر کے خوش ہوتے ہیں، اور خلاف شرع کاموں سے بہت کم توبہ کرتے ہیں — نیز جو لوگ نفاق عملی میں مبتلا ہوتے ہیں، وہ اللہ، رسول سے محبت نہیں رکھتے، نہ ان کا ایمان و یقین پختہ ہوتا ہے، جبکہ فق ظاہری کا مرتکب اللہ، رسول سے محبت رکھتا ہے۔ اور اس کا ایمان و یقین پختہ ہوتا ہے۔ اس فرق کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو قرآن وحدیث کے سمجھنے میں ان شاء اللہ بہت آسانی ہوگی۔

اور یہ بھی جان لینا چاہئے کہ نفاق کی دونوں قسموں میں سے پہلی قسم یعنی نفاق اعتقادی کا علم آنحضرت ﷺ کے بعد نہیں ہو سکتا، کیونکہ دلوں میں جو بات پوشیدہ ہے، اس کو وحی کے بغیر نہیں جانا جاسکتا اور وحی کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کے بعد بند ہو گیا ہے اس لئے نفاق اعتقادی کا علم اب کسی کو نہیں ہو سکتا۔

البتہ دوسری قسم کے نفاق یعنی نفاق عملی اور نفاق اخلاقی کا علم ان علامتوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے جو احادیث شریفہ میں بیان کی گئی ہے، مثلاً حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جس شخص میں چار باتیں پائی جائیں وہ پکا منافق ہے، اور جس میں ان میں سے کوئی ایک بات ہو، اس میں نفاق کی ایک بات ہے، یہاں تک کہ اس کو چھوڑ دے (۱) جب اس کو کوئی امانت سونپی جائے تو وہ خیانت کرے (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب معاہدہ کرے تو عہد شکنی کرے (۴) اور جب کسی سے لڑائی جھگڑا کرے تو گالیاں بکے (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۱۷)“

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْغَائِرَةِ بَيْنَ الْقَتَمَيْنِ، تَعْبُرُ إِلَى هَذِهِ مَرَّةً وَالْأُخْرَىٰ وَرِيشَانِ دَوَّغُلُوں کے درمیان چکر کاٹتی ہے، کبھی ہذہ مَرَّةً (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۱۷) اُدھر آتی ہے کبھی اُدھر جاتی ہے۔

الحاصل نفاق کا تعلق دل سے ہے، چاہے نفاق اعتقادی ہو یا عملی، مگر نفاق عملی کا علم ان علامتوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہیں، اور اس زمانہ میں اس نفاق کی کثرت ہے، اور نفاق اعتقادی میں آج کوئی مبتلا ہے یا نہیں؟ اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا ہے، بہت ممکن ہے کہ اس قسم کے منافق بھی ہوں اور ہمیں ان کا علم نہ ہو۔

الكلام حول قسمي النفاق:

وهذا القسم من النفاق هو نفاق الأعمال والأخلاق، ولا يمكن الاطلاع على النفاق الأول بعد سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم، لأنه من الأمور المغيبة، ولا يمكن الاطلاع على مكونات القلوب.

والنفاق الثاني كثير الوقوع، لاسيما في عصرنا، وإليه جاءت الإشارة في الحديث الشريف: "أربع من كنَّ فيه كان منافقا خالصاً: إذا أوْثمن خان، وإذا حدّث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر" وقال: "هم المنافق بطنه، وهم المؤمن فرسه" إلى غير ذلك من الأحاديث.

ترجمہ: نفاق کی دونوں قسموں کی وضاحت: نفاق کی قسم (جس کی ماقبل میں چھ شکلیں بیان کی گئی ہیں) نفاق عملی اور اخلاقی ہے، اور نفاق کی پہلی قسم کا جاننا ممکن ہے، آنحضرت ﷺ کے بعد، اس لئے کہ یہ (نفاق اعتقادی) پوشیدہ چیزوں میں سے ہے، اور دلوں کے بھیدوں کو جاننا ممکن نہیں۔ اور نفاق کی دوسری قسم کا وجود بہت ہے خصوصاً ہمارے زمانہ میں، اور اسی نفاق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے حدیث شریف میں کہ: جس شخص میں چار باتیں ہوں وہ پکا منافق ہے (۱) جب اس پر اعتماد کیا جائے تو خیانت کرے (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب معاہدہ کرے تو عہد شکنی کرے (۴) اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے، اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ: منافق کا اصل مقصد اس کا پیٹ ہے اور مؤمن کا اصل مقصد اس کا گھوڑا ہے، اس کے علاوہ اور احادیث (بھی ہیں، مگر شاہ صاحب نے آخر میں جو حدیث ذکر کی ہے، وہ تلاش بسیار کے باوجود حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملی)

لغات:

مَكْنُونَات: مَكْنُونَة کی جمع ہے: راز، بھید، پوشیدہ بات: كُنَّ الْعِلْمَ فِيْ نَفْسِهِ (ن) كُنَّا وَكُنُونَا: دل میں چھپانا..... غَدَر (ن ض س) غَدَرُوا: عہد توڑنا..... الْهَمُّ: نصب العین، مقصد اصلی جمع هُمُومٌ.



قرآن کریم میں منافقین کے احوال کیوں ذکر کئے گئے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں منافقین کی حرکتوں اور برائیوں کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے، اور دونوں قسم کے منافقین کے احوال و اعمال ذکر فرمائے ہیں، تاکہ تمام مسلمان منافقین کے طرز عمل سے خود کو بچائیں، اور مخلصین کے اوصاف سے اپنے آپ کو آراستہ کریں۔

الغرض من ذکر احوال المنافقین فی القرآن العظیم

وقد كشف الله تعالى في القرآن العظيم عن معائب المنافقين وأعمالهم، وذكر من أحوال الفريقين أشياء كثيرة، لتحترز الأمة بأسرها منها.

ترجمہ: قرآن عظیم میں منافقین کے احوال ذکر کرنے کی غرض: اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں منافقین کے عیوب اور ان کی حرکتوں کو واضح کاف کیا ہے، اور فریقین کے احوال میں سے بہت سی چیزیں ذکر فرمائی ہیں، تاکہ پوری امت مسلمہ ان (حرکتوں) سے احتراز کرے۔

لغات:

مَعَائِبُ؛ مَعَابٌ وَمَعَابَةٌ کی جمع ہے: عیب، برائی..... بِأَسْرِهَا: بتمامہا، کہا جاتا ہے: هَذَا لَكَ بِأَسْرِه: یہ پورا آپ کے لئے ہے۔



منافقین کا نمونہ

پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ نفاق اعتقاد کا تو اس زمانہ میں پتہ نہیں چل سکتا، البتہ نفاق عمل علامات سے پہچانا جاسکتا ہے۔ اب شاہ صاحب رحمہ اللہ عملی منافقین کے دو نمونے پیش کرتے ہیں۔ پہلا نمونہ: حاکموں اور امراء کے مصاحبین و نداء عصر حاضر کے منافقین ہیں، آپ حاکموں کی مجالس میں جائیے، آپ دیکھیں گے کہ ان کے نداء و مصاحبین اُن کی مرضیات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ترجیح دیتے نظر آئیں گے۔ شرعاً جو کام ناجائز ہو گا مثلاً کسی کا ناحق قتل کرنا ایسے سنگین معاملہ میں بھی بادشاہوں کے مصاحبین اپنے آقاؤں کی ہاں میں ہاں ملائیں گے، اس کے قتل

کے جواز کے بلکہ وجوب کے دلائل پیش کریں گے، حالانکہ خالق کی معصیت کے کاموں میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، انصاف سے فیصلہ کیجئے دور نبوی کے منافقین میں اور عصر حاضر کے ان منافقین میں کیا فرق ہے؟ کچھ فرق نہیں، سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں، دور نبوت کے منافقین نے رسول اللہ ﷺ کی باتیں براہ راست سن کر نفاق اختیار کیا تھا اور یہ لوگ شریعت کے احکام یقینی ذرائع سے جان کر ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس لئے دونوں یکساں ہیں۔

دوسرا نمونہ: روشن خیال دانشور ہیں جن کے دلوں میں اسلام اور تعلیمات اسلامی کے تعلق سے طرح طرح کے شبہات پنتے رہتے ہیں اور وہ دینی زبانوں سے گفتہ آید در حدیث دیگران کا سہارا لے کر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں، اگرچہ وہ اسلام کا دم بھرتے ہیں۔ یہ لوگ آخرت کو بالکل بھولے رہتے ہیں، اس کے لئے کوئی تیاری نہیں کرتے، کیونکہ دل ہی ایمان پر مطمئن نہیں ہیں، پس یہ لوگ بھی منافقین کا نمونہ ہیں۔

نموذجُ المنافقین

وإن شئت أن تری نموذجًا للمنافقین، فانطلق إلى مجالس الأُمراء، وانظر إلى مصاحبهم ونذمائهم، یؤثرون رضى الأُمراء على رضى الله تعالى. ولا فرق عند المنصف بین المنافقین الذین سمعوا کلام الرسول صلى الله علیه وسلم مباشرة ثم نافقوا، وبنین هؤلاء المنافقین الذین ولّدوا فی هذا الزمان، ثم علموا أحكام الشریعة بطریق القطع والیقین، ثم أقدموا على خلافها، وانحرفوا عنها. وكذلك طائفة من المعقولین الذین تمکنت فی خواطرهم شکوک وشبهات کثیرة، ونسوا الدار الآخرة، فهم أيضًا نموذجُ المنافقین.

ترجمہ: منافقین کا نمونہ: اور اگر آپ منافقین کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو حکام کی مجلسوں میں جائیے، اور ان کے ان ہم نشینوں اور رفیقوں کو دیکھئے جو حکام کی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں، اور کوئی فرق نہیں ہے انصاف پسند کے نزدیک اُن منافقین کے درمیان جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کا کلام بلا واسطہ سنا، پھر نفاق اختیار کیا اور اُن منافقین کے درمیان جو اس زمانہ میں پیدا ہوئے،

پھر انہوں نے احکام شریعت کو قطعی اور یقینی طریقہ سے جان لیا، پھر ان (احکام شریعت) کی خلاف ورزی کی جرأت کی، اور ان سے انحراف کیا۔

اسی طرح معقولیوں کا وہ گردہ جن کے دلوں میں بہت سے شکوک و شبہات راسخ ہو گئے ہیں، اور انہوں نے آخرت کو فراموش کر دیا ہے، پس وہ بھی منافقین کا نمونہ ہیں۔

لغات:

نَدِمَاءُ: نَدِيم کی جمع ہے: مجلس شراب کا ساتھی، مطلق رفیق و ساتھی..... اَثَرُهُ اِثَارًا: چھنا، فضیلت دینا..... بَاشِرُ الْاَمْرِ مَبَاشِرَةٌ: کسی کام کو خود کرنا..... اَفْذَمَ عَلٰی قُرْبِهِ: جرأت کرنا، دلیری کرنا..... مَعْقُولِي یعنی روشن خیال دانشور..... تَمَكَّنَ فِيهِ: راسخ ہونا۔



قرآن کریم ہر زمانہ کے لئے کتاب ہدایت ہے

قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت اور تفسیر کا مطالعہ کرتے وقت یہ گمان ہرگز نہیں کرنا چاہئے کہ آیاتِ جدل میں مخاصمہ اور مباحثہ مخصوص قوموں کے ساتھ تھا جو نزولِ قرآن کے وقت تھیں، اب ان کا کہیں وجود نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ اقوام کی کوئی خرابی اور گمراہی ایسی نہیں جو آج مسلمانوں میں نہ پائی جاتی ہو، جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ:

لَتَبْعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شَبِيرًا بِشَبِيرٍ البتہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طور و طریق کو
وَذُرَا عَا بِلْدِرَاعٍ، حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جُحَرَ ضرور اپناؤ گے، ٹھیک ٹھیک، برابر سراہر، یہاں
صَبَّ تَبِعْتُمُوهُمْ، (متفق علیہ) تک کہ اگر وہ گودہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم

(مشکوٰۃ ص ۴۵۸) ان کی پیروی کرو گے

لہذا ہر قاری اور مفسر قرآن کو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن کریم میں اگرچہ چار گمراہ فرقوں کی تردید کی گئی ہے، مگر صرف ان ہی گمراہ فرقوں کی تردید کرنا مقصود نہیں، بلکہ اُن خرابیوں اور گمراہیوں کو بیان کرنا مقصود ہے، جو کم و بیش ہر قوم میں اور ہر جماعت میں پائی جاتی ہیں، تاکہ تمام مسلمان ان گمراہیوں اور خرابیوں سے بچیں، اور صحیح عقائد اور اعمالِ صالحہ سے اپنے آپ کو آراستہ کریں۔

گمراہ فرقوں کے عقائد کی تفصیل اور ان کی تردید کے سلسلہ میں جو باتیں نہایت ضروری تھیں ان کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا، ان شاء اللہ اتنی وضاحت آیاتِ جدل کے سمجھنے کے لئے کافی ہو جائے گی۔

القرآن کتاب کل عصر

وعلى كل، فإذا قرأت القرآن فلا تحسب أن المخاصمة كانت مع قوم انقرضوا كلا، بل مامن بلاءٍ كان فيما سبق من الزمان إلا وهو موجودٌ اليومَ بطريق النموذج، كما ورد في الحديث الشريف: "لَتَتَّبِعَنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ" فمقصود القرآن الكريم بيان کلیات تلك المفاسد، لا خصوص الحوادث. هذا ماتيسر لي في هذا الكتاب من بيان عقائد الفرق الضالة، والرّدود عليها؛ وأظن أن هذا القدر كافٍ في فهم معاني آيات الجدل إن شاء الله تعالى.

ترجمہ: قرآن کریم ہر زمانہ کے لئے کتاب ہدایت ہے: بہر حال جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کریں تو یہ گمان نہ کریں کہ خاصہ اور مباحثہ ایسی قوم کے ساتھ تھا جو ہلاک ہو چکی ہے (ایسا گمان) ہرگز نہیں (کرنا چاہئے) بلکہ نہیں ہے کوئی گمراہی جو گذشتہ زمانوں میں تھی، مگر وہ آج موجود ہے نمونہ کے طور پر، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: "البتہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طور و طریق کو ضرور اپناؤ گے" پس قرآن کریم کا مقصد ان خرابیوں کے کلیات کو بیان کرنا ہے، نہ کہ مخصوص واقعات کو۔ یہ گمراہ فرقوں کے عقائد اور ان کی تردید کی وہ وضاحت ہے جو میرے لئے اس کتاب میں آسان ہوئی اور میں گمان کرتا ہوں کہ اتنی مقدار کافی ہے آیاتِ جدل کے معانی سمجھنے کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

لغات:

انْقَرَضَ الْقَوْمُ: سب لوگوں کا ہلاک ہو جانا اور کچا رہنا۔ كَلَّا: ہرگز نہیں، یہ حرف ردع ہے، جو تنبیہ اور زجر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ سَنَنٌ: طریقہ، کہا جاتا ہے: اِسْتَقَامَ فَلَانٌ عَلَى سَنَنِ وَاحِدٍ: فلاں ایک ہی طریقہ پر قائم رہا، اِمْنَصْ عَلَى سَنَتِكَ: تم اپنے طریقہ پر چلے چلو۔ رُدُودٌ: ردّ کی جمع ہے: تردید، رد۔



فصل دوم

علوم خمسہ کے باقی مباحث کے بیان میں

فصل اول میں علم الجدل کی وضاحت تھی، اب فصل دوم میں علوم خمسہ میں سے باقی علوم کی تفصیل ہے، سب سے پہلے علم التذکیر بآلاء اللہ کی وضاحت فرماتے ہیں، پھر علم التذکیر بایام اللہ کی وضاحت فرمائیں گے، اس کے بعد علم التذکیر بالموت و ما بعدہ کی، پھر علم الاحکام کی، اور آخر میں علم التذکیر بایام اللہ کی ایک خاص قسم کا تذکرہ ہے۔

علم التذکیر بآلاء اللہ کا بیان

قرآن کریم کے نزول کا بنیادی مقصد ہر فرد بشر کی اصلاح کرنا ہے، چاہے عربی ہو یا عجمی، شہری ہو یا بدوی، اس لئے تذکیر بآلاء اللہ میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی نعمتوں کا تذکرہ نہیں فرمایا صرف ان ہی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کو ہر فرد بشر جانتا پہچانتا ہے، اور اسماء الہی اور صفات خداوندی کو ایسے سہل اور آسان انداز سے بیان فرمایا ہے کہ ہر فرد بشر اپنی فطری صلاحیت اور خدا واد ذہانت سے ان کو بخوبی سمجھ سکتا ہے، چاہے اس نے حکمت الہیہ نہ پڑھی ہو، اور علم کلام میں مہارت نہ رکھتا ہو۔ اگر صفات خداوندی کی بحث و تحقیق میں زیادہ مبالغہ کیا جاتا، اور ایسی نعمتوں کو بیان کیا جاتا جن کو کچھ ہی لوگ جانتے ہیں تو اکثر افراد بنی آدم کے لئے ان کا سمجھنا دشوار ہو جاتا اور نزول قرآن کا جو بنیادی مقصد ہے وہ فوت ہو جاتا۔

الفصل الثانی

فی

بَقِيَّةِ مَبَاحِثِ الْعُلُومِ الْخَمْسَةِ

بَيَانُ التَّذْكِيرِ بِآلَاءِ اللَّهِ

لِيُعْلَمَ أَنَّ نَزُولَ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ إِنَّمَا كَانَ لِإِصْلَاحِ النُّفُوسِ الْبَشَرِيَّةِ سِوَاءَ كَانُوا

عَرَبًا أَوْ عَجَمًا، بَذُوا أَوْ حَضَرُوا ؛ فلذلك اقتضت الحكمة الإلهية أن لا يُخاطَبَ الناسُ في التذكير بالآءِ الله إلا بما تَسَعُّه أذهانهم، وتُحِيط به مدارِ كُهم، ولا يُبَالِغَ في البحث والتحقيق مبالغَةً زائدة؛ فسبق الكلامُ في أسماءِ الله تعالى وصفاته بوجه يمكن فهمه، والإحاطة به بإدراكٍ وفِطَانَةٍ خُلِقَ أَكثَرُ أَفْرَادِ الْإِنْسَانِ عليهما في أصل خَلْقَتِهِمْ، من دون حاجةٍ إلى مُمارَسَةِ الفلسفةِ الإلهيةِ ومُزاوَلَةِ علمِ الكلامِ.

ترجمہ: دوسری فصل: علومِ خمسہ کے باقی مباحث کے بیان میں: تذکیرِ بآلاءِ اللہ کا بیان: جاننا چاہئے کہ قرآن کریم کا نزول بشری نفس (یعنی انسانوں) کی اصلاح کے لئے ہوا ہے، چاہے وہ عربی ہوں یا عجمی، خانہ بدوش ہوں یا شہری، اسی لئے حکمتِ خداوندی نے چاہا کہ تذکیرِ بآلاءِ اللہ میں لوگوں سے گفتگو نہ کی جائے سوائے ان باتوں کے جو ان کے ذہنوں میں سما سکتی ہیں، اور جن باتوں کو ان کے حواسِ احاطہ کر سکتے ہیں، اور بحث و تحقیق میں زیادہ مبالغہ نہ کی جائے، چنانچہ اسماءِ الہی اور صفاتِ خداوندی میں اس طرح کلام کیا گیا ہے کہ اس کا سمجھنا اور اس کا احاطہ کرنا ممکن ہے اُس علم و فہم کے ذریعہ جس پر اکثر افراد بشر پیدا کئے گئے ہیں، فلسفہِ الہی میں مہارت کی حاجت کے بغیر اور علمِ کلام میں محنت کے بغیر۔

لغات:

الْبَذُو: خانہ بدوش عربی قبائل الْحَضَرُ: شہر اور آباد مقامات مَدَارِكُ: حواس مَارَسَ مِرَاسًا وَمُمَارَسَةَ الْأَمْرِ: مشق کرنا، محنت کرنا، مہارت پیدا کرنا زَاوَلَهُ مُزَاوَلَةً: کوشش کرنا، قصد کرنا الفلسفة الإلهية: حکمتِ نظری کی وہ قسم ہے جس میں ایسے امور سے بحث کی جاتی ہے جو خارجی اور ذہنی دونوں وجودوں میں مادے کے محتاج نہیں ہوتے جیسے واجب الوجود، عقول مجرہ اور نفوس مجرہ۔



ذاتِ باری کا اثبات اور صفاتِ خداوندی کا بیان

ذاتِ باری اور صفاتِ خداوندی کی معرفت کے بغیر انسانوں کی کامل اصلاح نہیں ہو سکتی، اس لئے ذات و صفات کا اثبات نہایت ضروری ہے، مگر معتدل ممالک میں رہنے والے سبھی

لوگ خالق کائنات کو مانتے ہیں، کوئی شخص ذات باری کا منکر نہیں اس لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذات باری کو اجمالی طریقہ پر ثابت فرمایا ہے۔

لیکن صفات خداوندی کو جگہ جگہ نہایت وضاحت اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے، کیونکہ اس کے بغیر خالق کائنات کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، جو انسانوں کی اصلاح کے لئے سب سے زیادہ سود مند اور مفید چیز ہے، مثلاً جو لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ رزاق ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کے باوجود بہت سی چیزوں کو رازق سمجھنے لگتے ہیں، کوئی باپ کو، کوئی شوہر کو، کوئی بادشاہ کو رازق خیال کرتا ہے تو کوئی کھیتی اور دوکان کو رازق سمجھتا ہے، اسی طرح جو لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ”شدید العقاب“ اور ”ذو الطول“ ہیں، وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے باوجود جرائم پیشہ ہو جاتے ہیں، اور گناہوں سے باز نہیں آتے، اور جو لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم اور ارحم الراحمین ہیں، وہ رحمت خداوندی سے ناامید اور مایوس ہو جاتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اتنے بڑے پاپی ہیں کہ ہماری ہرگز بخشش نہیں ہو سکتی، پھر وہ بے لگام ہو جاتے ہیں۔

الغرض صفات خداوندی کی معرفت کے بغیر انسانوں کی اصلاح اور نفوس کا تزکیہ نہیں ہو سکتا، اس لئے صفات خداوندی کی وضاحت نہایت ضروری ہے، مگر انسانوں کی طرف نظر کرتے ہوئے صفات خداوندی کی پوری حقیقت کو واضح کرنا اور صفات خداوندی کی حالت کو کما حقہ سمجھنا ناممکن اور محال ہے، اس لئے طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ بشری صفات حمیدہ میں سے جن صفات کو تمام انسان جانتے پہچانتے ہیں اور جن کی وجہ سے انسان آپس میں ایک دوسرے کی تعریف کرتے ہیں، ان کو منتخب کیا گیا اور ان کو صفات خداوندی کے لئے استعمال کیا گیا، مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمادیا کہ ان صفات بشریہ میں سے کوئی صفت اللہ تعالیٰ کی صفات کے مشابہ نہیں ہے، ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ تاکہ نادانف لوگ اللہ کی صفات کو اپنی صفات کے مشابہ نہ سمجھیں۔ اور جن بشری صفات کے اثبات میں لوگوں کے گمراہ ہونے کا اندیشہ تھا، ان کو اللہ جل شانہ کے لئے ثابت کرنے سے روک دیا، مثلاً اولاد کا ہونا اور گرہیہ وزاری اور جزع و فرزع کرنا، ایسی صفات کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا ممنوع اور حرام قرار دیا گیا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

توحید و صفات کا علم ایسا واضح ہونا چاہئے کہ عقل انسانی اپنی طبیعت سے اس کو حاصل کر سکے،

ایسا مخلق اور دشوار نہ ہونا چاہئے کہ کچھ ہی لوگ اس کو سمجھ سکیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے چند ایسی صفات ثابت فرمائیں جن کو لوگ سمجھتے ہیں اور آپس میں ان کو استعمال کرتے ہیں، یعنی حیات، بصر، قدرت، ارادہ، کلام، غضب و خبط، رحمت، ملک اور غنا وغیرہ۔

اس کے ساتھ یہ بھی ثابت فرمایا کہ ان صفات میں اللہ کے مشابہ کوئی چیز نہیں، پس وہ زندہ ہیں مگر ہماری حیات کی طرح نہیں، بصیر ہیں لیکن ہماری بصارت کی طرح نہیں، قدر ہیں مگر ہماری قدرت کی طرح نہیں، مرید ہیں مگر ہمارے ارادہ کی طرح نہیں، متکلم ہیں لیکن ہمارے کلام کی طرح نہیں، اسی طرح دیگر صفات کو سمجھیں۔

پھر عدم مماثلت کو ایسی باتوں سے واضح فرمایا جو نوع انسانی کے لئے ناممکن اور محال ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ بارش کے قطروں کی تعداد، صحراء کے دروں کی تعداد، درختوں کے پتوں کی تعداد، اور حیوانات کے سانسوں کی تعداد کو جانتے ہیں، اور اندھیری رات میں چوٹی کے چلنے کو بھی دیکھتے ہیں، اور ان آوازوں کو بھی سنتے ہیں جو مقفل گھروں میں لحافوں کے نیچے دلوں کے دھڑکنے سے پیدا ہوتی ہیں، (باب انشقاق التكليف من التقدير ج ۱ ص ۲۳)

إثبات الذات وبيان الصفات

فَأَثَبَتْ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى ذَاتُ الْمُبْدَأِ إِجْمَالاً، إِذْ أَنْ مَعْرِفَتَهُ تَعَالَى مَرْكُوزَةٌ فِي فِطْرَةِ بَنِي آدَمَ؛ لَا تَوِي طَائِفَةٌ مِنْهُمْ فِي الْأَقَالِيمِ الصَّالِحَةِ، وَالْأَمَاكِنِ الْقَرِيبَةِ مِنَ الْإِعْتِدَالِ يُنْكُرُونَ ذَلِكَ.

ولما كان إثبات الصفات الإلهية بطريق الإمعان، وتحقيق الحقائق، مُسْتَحِيلًا بالنسبة إلى أفراد الإنسان؛ ولو لم يَطْلُبُوا على صفاته تعالى إطلاقاً لم يَصِلُوا إلى معرفة الربوبية التي هي أنفع الأشياء في تهذيب النفوس؛ فكان من حكمة الله تعالى: أنه اختار شيئاً من الصفات البشرية الكاملة التي يعرفونها، ويجري العمدُحُ بوجودها فيما بينهم، فاستعملها بإزاء المعاني الدقيقة الغامضة التي لا مَدْخَلَ للعقول البشرية في ساحة جلالها؛ وجعلَ الأضَلَّ المَصْرُوحَ بقوله تعالى: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ تَرْيَاقاً للداءِ الْعُضَالِ مِنَ الْجَهْلِ الْمُرْغَبِ؛ وَمَنْعَ من إثبات الصفات البشرية التي تُشِيرُ الْأَوْهَامَ إِلَى الْعَقَائِدِ الْبَاطِلَةِ، كإثبات الولد والبكاء والجَزَعِ له تعالى شأنه.

ترجمہ: ذات باری کا اثبات اور صفات خداوندی کا بیان: پس اللہ تعالیٰ نے ذات مبداء کائنات کو اجمالی طور پر ثابت فرمایا (کہ اللہ کی ہستی ہے، ذات واجب کی اس سے زیادہ تفصیل نہیں کی) کیونکہ معرفت خداوندی بنی آدم کی فطرت میں گاڑ دی گئی ہے (ان کے خمیر میں یہ معرفت رکھ دی گئی ہے) آپ قابل رہائش خطوں میں اور اعتدال سے قریب جگہوں میں بنی آدم کا کوئی ایسا گروہ نہیں دیکھیں گے جو ذات واجب کے وجود کا انکار کرتا ہو۔

اور جب صفات خداوندی کا ثابت کرنا، امعان نظر سے اور حقائق کی تحقیق کے ساتھ، افراد انسانی کی طرف نظر کرتے ہوئے محال تھا؛ اور اگر لوگ صفات خداوندی سے بالکل نا آشنا ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی اس پروردگاری کی معرفت تک نہیں پہنچ سکتے جو نفوس کو سنوارنے میں سب سے زیادہ نافع ہے؛ پس حکمت خداوندی میں سے یہ بات ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے بشری صفات مدحیہ میں سے چند ایسی صفات کو منتخب فرمایا جن کو لوگ پہچانتے ہیں اور جن کے پائے جانے کی وجہ سے لوگوں میں ایک دوسرے پر فخر کرنے کا سلسلہ جاری ہے، پس اللہ تعالیٰ نے ان صفات بشریہ کو غایت درجہ دقیق معانی کے مقابلہ میں (یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کے لئے) استعمال فرمایا، جن کے جلال (عظمت) کے میدان میں انسانی عقائد کا کوئی دخل نہیں۔ اور اس ضابطہ کو جس کی تصریح ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ میں کی گئی ہے، جبل مرکب کی لاعلاج بیماری کے لئے تریاق گردانا، اور ان بشری صفات کے اثبات سے لوگوں کو روک دیا جو باطل عقائد کی طرف اوہام کو ابھارتی ہیں، جیسے اولاد، بکا اور جزع فرغ کو اللہ کے لئے ثابت کرنا، جن کی شان ایسی صفات سے برتر ہے۔

لغات:

المُبْدِئُ: ابتداء کرنے والا، عالم کو پیدا کرنے والا، خالق کائنات بَدْءٌ وَأَبْدَأَ اللَّهُ الْخَلْقَ: اللہ نے مخلوقات کو پیدا کیا، صفت البادی اور المُبْدِئُ ہیں، متکلمین بضم المیم و کسر الدال پڑھتے ہیں۔ اور فلاسفہ میم اور دال دونوں پر فتح پڑھتے ہیں۔ مَبْدَأُ یعنی آغاز، ابتدائی سر، کیونکہ فلاسفہ اسی حد تک واجب تعالیٰ کا کائنات میں اثر مانتے ہیں۔ نیز اس شرح شرح عقائد ص ۱۳۸ میں ہے: وَالْمُبْدِئُ بِالضَّمِّ فِي اسْتِعْمَالِ الْمُتَكَلِّمِينَ، وَبِالْفَتْحِ فِي لِسَانِ الْفَلَّاسِفَةِ، وَالشَّرْعُ إِنَّمَا أُذِنَ فِي الْأَوَّلِ ۱۵..... مَرَكُوزَةٌ (اسم مفعول) گاڑی ہوئی۔ رَكَوْ (ن ض) رَكَوْا الرُّمَحَ: زمین میں نیزہ گاڑا.....

الأقالیم، اقلیم کی جمع ہے بمعنی ملک اور خطہ اور اقلیم صالحہ (قابل رہائش خطوں) سے مراد وہ ممالک ہیں جو خط جدی اور خط سرطان کے درمیان میں واقع ہیں، یہی علاقہ بود و باش کے لئے موزوں تھا، دور نبوی میں یہ علاقہ قیصر و کسری کے زیر اقتدار تھا..... الأماکن القریبة من الاعتدال سے بھی یہی خطہ مراد ہے، کیونکہ اس علاقہ میں رات اور دن میں غیر معمولی تفاوت نہیں ہوتا اس لئے موسم معتدل رہتا ہے..... أَمْعَن فِی الْأَمْرِ إِمْعَانًا: معاملہ کی تہ میں پہنچنا..... جَلَّ (ض) جَلَالًا: بڑے مرتبہ والا ہونا..... تَرْیَاق: سانپ کے زہر کی دوا..... عُضَال: سخت اور اطباء کو عاجز کرنے والی بیماری..... أَثَارَةُ إِبَارَةٍ: ابھارنا، بھڑکانا..... جبل مرکب: وہ جہالت ہے جس میں یہ خوش فہمی شامل ہو کہ وہ جانتا ہے

آنکس کہ نداند، و بداند کہ بداند ÷ در جبل مرکب ابد الدہر بماند



صفات خداوندی توفیقی ہیں

صفات خداوندی اور اسمائے حسنیٰ توفیقی اور سماعی ہیں یعنی کتاب و سنت اور اجماع امت سے جو صفات خداوندی اور اسمائے حسنیٰ ثابت ہیں وہی صفات اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے اسمائے حسنیٰ میں کسی اسم کا اضافہ نہیں کر سکتے، کیونکہ صفات خداوندی اور اسمائے حسنیٰ کے اثبات میں دو باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

۱- اللہ جل شانہ کے لئے ایسی صفات ثابت کی گئی ہے جن کو ہر شخص اپنی فطری صلاحیت اور خدا و علوم سے سمجھ سکتا ہے، اور ایسی صفات کے اثبات سے اجتناب کیا گیا ہے جن کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، صرف پڑھے لکھے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

۲- خداوند قدوس کے لئے ایسی صفات کا انتخاب کیا گیا ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی، اور ان صفات کی اللہ کی طرف نسبت کرنے میں لوگوں کا عقیدہ خراب نہیں ہوتا، اور ایسی صفات کے اثبات سے احتراز کیا گیا ہے جن سے لوگوں کا عقیدہ خراب ہو سکتا ہے۔

چونکہ اثبات صفات میں مذکورہ دونوں باتوں کا پورا لحاظ رکھنا نہایت مشکل اور انتہائی دشوار کام ہے، ہر شخص اس پر قادر نہیں، اس لئے صفات خداوندی اور اسمائے حسنیٰ کو شریعت نے توفیقی

قرار دیا ہے اور ہر شخص کو اس میں آزادانہ گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دی۔

صفاتہ تعالیٰ توقیفیہ

وإن أَمَعَنْتَ النظرَ في مسألة الصفاتِ الإلهية تَجَلِي لَكَ أَنَّ الحَرْىَ عَلَى مِسْطَرَّةِ العلومِ الإنسانيةِ، غيرِ المكتسبة، وتمييزَ صفاتٍ يجوزُ أَنْ تُنسَبَ إِلَى اللَّهِ تعالى، ولا يقعُ بها خللٌ، عن الصفاتِ التي يُؤدَّى إثباتُها إِلَى الأوهامِ الباطلةِ، أمرٌ دقيقٌ خطيرٌ للغاية، لا يُدْرِكُ غَوْرَهُ جمهورُ الناسِ؛ فلا جَرَمَ كَانَ هذا العلمُ توقيفياً، لم يُسَمَحْ فِيهِ بِالْبَحْثِ بِحُرِّيَّةٍ وَإِطْلَاقٍ.

ترجمہ: صفات خداوندی توقیفی ہیں: اگر آپ نہایت غور سے صفات خداوندی کے مسئلہ میں سوچیں تو آپ کے لئے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ غیر اکتسابی انسانی علوم کی راہ پر چلنا، اور ایسی صفات کو الگ کرنا جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت جائز ہے اور ان صفات (کے امتساب) سے کوئی خلل واقع نہیں ہو تا ان صفات سے جدا کر کے جن کا اثبات باطل خیالات تک پہنچاتا ہے نہایت دشوار اور غایت درجہ اہم کام ہے، اس کی گہرائی کا اکثر لوگ ادراک نہیں کر سکتے، پس یقیناً یہ علم توقیفی ہوا، اس میں آزادی اور چھوٹ کے ساتھ بحث کی اجازت نہیں دی گئی۔

لغات:

أَمَعَنْتَ النظرَ فِي الْأَمْرِ: نہایت غور کے ساتھ سوچنا..... تَجَلِي تَجَلِيًا الشَّيْءُ: اچھی طرح ظاہر ہونا..... مِسْطَرَّةٌ: لکیر کھینچنے کا آلہ، مجازاً راستہ، طریقہ..... خَطِيرٌ: عالی مرتبہ، خطر (ک) خطر: عالی مرتبہ ہونا..... الْغَوْرُ: گہرائی غَارُ الْمَاءِ يَغْوِرُ غَوْرًا: گہرائی میں جانا..... إِطْلَاقٌ: آزادی، چھوٹ۔



اللہ کی نعمتوں اور اس کی قدرت کی نشانیوں کا بیان

اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتوں سے بندوں کو نوازا ہے، ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَإِنْ تَعْلَمُوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا﴾ (سورۃ ابراہیم آیت ۳۴) مگر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تمام نعمتوں

کو بیان نہیں فرمایا، صرف اُن نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کو ہر فرد بشر سمجھ سکتا ہے، چاہے شہری ہو یا خانہ بدوش، عربی ہو یا عجمی، اسی وجہ سے ان روحانی نعمتوں کو بیان نہیں کیا گیا جو علمائے کرام اور اولیائے عظام کے ساتھ خاص ہیں، مثلاً علماء کو کسی علمی نکتہ کے انکشاف پر جو فرحت اور خوشی ہوتی ہے، یا کسی مشکل مسئلہ کے حل پر مسرت و شادمانی ہوتی ہے اس کو بیان نہیں کیا گیا، اسی طرح بزرگان دین کو عبادت میں جو حلاوت اور مٹھاس محسوس ہوتی ہے اور تجلیات ربانی کے دیدار سے جو طبیعت میں انبساط پیدا ہوتا ہے، یہ سب اللہ کی عظیم نعمتیں ہیں مگر ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا، کیونکہ یہ علماء اور اولیاء کے ساتھ خاص ہیں، اسی طرح ان مادی نعمتوں کو بھی بیان نہیں فرمایا جو بادشاہوں اور امیروں کے ساتھ خاص ہیں، صرف ان عمومی نعمتوں کو بیان کیا ہے جن کو ہر انسان جانتا ہے اور ان سے مستفید ہوتا ہے۔

نیز مصائب کے پیش آنے پر اور مصائب دور ہونے پر لوگوں کے جو احوال بدلتے ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ تنبیہ فرمائی ہے اور اس کو سمجھانے کے لئے ایسی روحانی بیماریوں کو بیان فرمایا ہے جو کثیر الوقوع ہیں، اور سبھی لوگ ان میں مبتلا ہیں، مثلاً سورہ معارج میں ارشاد ہے ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوًّا، إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا، وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا﴾ (انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے، جب اس کو برائی پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے، اور جب اس کو بھلائی پہنچتی ہے تو بجل کرنے لگتا ہے) اور ایسی روحانی بیماریوں کو ذکر نہیں کیا، جو قلیل الوقوع ہیں، اور کچھ ہی لوگ ان میں مبتلا ہیں، کیونکہ تمام لوگ ان کو نہیں سمجھ سکتے۔

بیانِ آلائہ تعالیٰ و آیاتِ قدرتہ:

واختار سبحانه وتعالى مِنْ آلائِهِ و آیاتِ قدرته ما يستوی فی فہمہ الحَضَرُی والبدوی، والعربی والعجمی؛ ولأجلِ ذلك لم یَذْکُرِ النعمَ الروحانیةَ المخصوصةَ بالعلماءِ والاولیاءِ، ولم یُخْبِرْ بالنعمِ الإرتفاقیةِ المخصوصةِ بالملوک؛ وإنما ذکر سبحانه وتعالى ما ینبغی ذکرہ، مثلُ خلقِ السمواتِ والأرضِ، وإنزالِ المطرِ من السحابِ، وتفجیرِ النّیلِ بیع فی الأرض، وإخراجِ أنواعِ النّیّارِ والجُوبِ والأزهارِ بالماءِ، وإلهامِ الصّنائعِ والحِرفِ الضروریةِ، وخلقِ القدرةِ لِممارستها ومُزاوتِها.

وقد نبّه فی مواضع كثيرة على اختلاف احوال الناس عند هجوم المصائب،
وانكشافها ببيان الامراض النفسانية الكثيرة الوقوع.

ترجمہ: اللہ کی نعمتوں اور اس کی قدرت کی نشانیوں کا بیان: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے اُن ہی نعمتوں کو منتخب فرمایا ہے جن کے سمجھنے میں شہری، بدوی، عربی اور عجمی سب یکساں ہیں، اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان روحانی نعمتوں کو ذکر نہیں کیا جو علماء اور اولیاء کے ساتھ خاص ہیں، اور ان مادی نعمتوں سے بھی آگاہ نہیں فرمایا جو بادشاہوں کے ساتھ مخصوص ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان ہی نعمتوں کو ذکر کیا ہے جن کا تذکرہ مناسب ہے، جیسے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا، اور بادل سے بارش برسانا، اور زمین سے چشمے جاری کرنا، اور پانی سے قسم قسم کے پھل، پھول اور غلے اگانا، اور ضروری کاریگریاں اور پیٹے الہام فرمانا اور ان کی ممارست (مشق و تجربہ) اور مزاوت (کسی کام کو ہمیشہ کرنے) کی طاقت پیدا کرنا۔

اور اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے بہت سی جگہوں میں لوگوں کے احوال بدلنے پر مصیبتوں کے پیش آنے کے وقت اور ان کے مٹ جانے کے وقت ان روحانی بیماریوں کی وضاحت کر کے جو کثیر الوقوع ہیں۔

لغات:

الْبِعْمُ الْأَرْثَقِيَّةُ: دُمادی ساز و سامان جو زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہے..... يَنْبُوعُ: ينبوع کی جمع ہے: چشمہ، بہت پانی والا نالہ..... الْجَوْفُ: جَوْفُہ کی جمع ہے: پیشہ..... مَارَسَ مُمَارَسَةً: الامر بخود کو کسی کام میں لگانا، مشق و محنت کرنا، مہارت پیدا کرنا..... زَاوَلَ مَزَاوَلَةً: کوشش کرنا، کسی کام کو اختیار کرنا۔

☆

☆

☆

تذکیر بایام اللہ کا بیان

ایام اللہ یعنی وہ واقعات جو اللہ تعالیٰ نے فرمانبرداروں کو نوازنے کے لئے اور مجرموں کو سزا دینے کے لئے ظاہر فرمائے ہیں، ان میں سے صرف اُن ہی واقعات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے جن سے عرب آشنا تھے، اجمالی طریقہ پر عربوں نے ان واقعات کو سن

رکھا تھا، مثلاً قوم نوح قوم عاد اور قوم ثمود کے واقعات، اور حضرت ابراہیم اور انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام کے قصے، کیونکہ عربوں نے قوم نوح، قوم عاد، اور ثمود کے واقعات اپنے آباء و اجداد سے سن رکھے تھے، اور انبیائے بنی اسرائیل کے قصے یہود سے سن رکھے تھے، جو ایک مدت سے جزیرۃ العرب میں بے ہوئے تھے۔ اور ایسے عجیب و غریب قصے جن سے عرب بالکل نا آشنا تھے ان کو قرآن پاک میں بیان نہیں کیا گیا، نہ اہل فارس اور اہل ہند کی جنگوں کے واقعات بیان کئے گئے ہیں کیونکہ عرب ان سے بالکل ناواقف تھے۔

بیان التذکیر بأیام اللہ

وَإِخْتَارَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى مِنْ أَيَّامِ اللَّهِ ——— أَى مِنَ الْوَقَائِعِ الَّتِي أَحْدَثَهَا اللَّهُ تَعَالَى مِنْ قَبِيلٍ تَنْعِيمِ الْمَطِيعِينَ، وَتُعْذِيبِ الْمَجْرِمِينَ ——— مَا قَرَعَ أَسْمَاعَهُمْ مِنْ قَبْلُ وَكَانُوا قَدْ سَمِعُوا عَنْهُ بِالْإِجْمَالِ، مِثْلُ قِصَصِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ الَّتِي تَتْلَقَاهَا الْعَرَبُ أَبَاعَنْ جَدًّا؛ وَمِثْلُ قِصَصِ إِبْرَاهِيمَ، وَقِصَصِ أَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ الَّتِي أَلْفَتْهَا أَسْمَاعُهُمْ لَطَوِيلِ اخْتِلَاطِ الْعَرَبِ، مَعَ الْيَهُودِ؛ وَلَمْ يَذْكُرِ الْقِصَصَ الْغَرِيبَةَ، غَيْرَ الْمَأْلُوفَةِ لِلْعَرَبِ، وَلَا أَخْبَارَ مَجَازَاةِ الْفَارِسِ وَالْهِنْدِ.

ترجمہ: تذکیر بایام اللہ کا بیان: اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے ایام اللہ میں سے — یعنی ان واقعات میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے فرمانبرداروں کو نوازنے اور مجرموں کو سزا دینے کے قبیل سے رونما فرمایا ہے — ان (واقعات) کو جو ان کے کانوں میں پہلے سے پڑے ہوئے تھے، اور لوگوں نے ان (واقعات) کو اجمالی طریقہ پر سن رکھا تھا، جیسے قوم نوح اور عاد و ثمود کے قصے جن کو عرب باپ دادا سے سنتے آئے تھے، اور جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے، اور انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام کے قصے جن سے ان کے کان آشنا تھے، عربوں کے طویل اختلاط کی وجہ سے یہود کے ساتھ، اور نہیں ذکر فرمایا نادار قصوں کو جو عربوں کے لئے غیر مانوس تھے، اور نہ فارس و ہند کی جزا و سزا کے واقعات کو (بیان فرمایا ہے)

لغات:

قَرَعَ (ف) قَرَعًا سَمِعَهُ: کان میں پڑنا، سنا..... أَلْفَهُ (س) أَلْفًا: مانوس ہونا، محبت کرنا.....

جَازَاهُ مُجَازَاةً: بدلہ دینا، جزا و سزا دینا۔



واقعات کا وہی حصہ ذکر کیا جاتا ہے جو مقصود ہوتا ہے

قرآن کریم کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے بلکہ نصیحت نامہ ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے جن مشہور قصوں کو بیان کیا ہے ان کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان نہیں فرمایا، صرف ان ہی اجزاء کو ذکر کیا ہے جو نصیحت آمیز اور عبرت انگیز ہیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ عوام جب کوئی نادر قصہ سنتے ہیں، یا کوئی قصہ تمام خصوصیات اور پوری تفصیل کے ساتھ لوگوں کے سامنے بیان کیا جاتا ہے تو وہ قصہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، اور قصہ بیان کرنے کی جو بنیادی غرض ہوتی ہے یعنی نصیحت حاصل کرنا اس سے وہ غافل ہو جاتے ہیں، اس لئے قرآن کریم میں نہ تو نادر قصے بیان کئے گئے ہیں، نہ کوئی قصہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ذِكْرُ مِنَ الْقِصَصِ مَا هُوَ الْغَرَضُ مِنْهَا

وانتزع سبحانه وتعالى من القصص المشهورة جماعاً تنفع في التذكير والموعظة، ولم يسرد القصص بتمامها مع جميع خصوصياتها. والحكمة في ذلك: أن العوام إذا سمعوا قصة نادرة غاية الندر، أو ذكرت القصة عندهم بجميع خصوصياتها وتفصيلها، فإن طباعهم تميل إلى نفس القصة، ويفوتهم الغرض الأساسي الذي هو التذكير. ومثال ذلك ما قاله بعض العارفين: "إن الناس لما حفظوا قواعد التجويد شغلوا عن الخشوع في التلاوة، ولما بدأ المفسرون يتكلمون في الوجوه البعيدة في التفسير، أصبح علم التفسير نادراً كالمعدوم".

ترجمہ: قصوں میں سے وہی باتیں ذکر کی گئی ہیں جو ان (قصوں) سے مقصود ہیں: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قصوں میں سے ایسی جامع باتوں کا انتخاب فرمایا ہے جو تذکیر و موعظت میں نفع بخش ہیں، اور قصوں کو پوری تفصیل سے ان کی تمام خصوصیات کے ساتھ بیان نہیں فرمایا ہے۔

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ عوام جب انتہائی نادر قصے کو سنتے ہیں، یا کوئی قصہ اُن کے سامنے ذکر کیا جاتا ہے اس کی تمام خصوصیات اور تفصیل کے ساتھ، تو ان کی طبیعتیں نفسِ قصہ کی طرف مائل ہو جاتی ہیں، اور بنیادی غرض ان کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے جو کہ وہ نصیحت حاصل کرنا ہے۔ اور اس کی مثال کسی عارف کا یہ قول ہے کہ: لوگوں نے جب تجوید کے قواعد یاد کئے تو تلاوت میں خشوع سے غافل ہو گئے، اور جب مفسرین نے تفسیر میں وجہ بعیدہ کو بیان کرنا شروع کیا تو فنِ تفسیر نادر گویا معدوم ہو گیا۔

لغات:

جَمَاع: جامع، ہمہ گیر، کہا جاتا ہے: الْعَفْمُ جَمَاعُ الْإِنْفَم: شراب ہر قسم کے گناہوں کی جامع ہے..... سَرَدُ الْحَدِيثِ (ن ض) سَرَدًا: بیان کرنا..... طِبَاع، طَبْع کی جمع ہے: پیدائشی عادت، فطرت..... الْوُجُوهُ الْبَعِيدَةُ: دور دراز احتمالات، نہایت بعید احتمالی باتیں۔



قرآن کریم میں بار بار آنے والے واقعات

کچھ واقعات قرآن کریم میں بار بار بیان کئے گئے ہیں اور کچھ ایک یا دو بار ذکر کئے گئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ پہلے بار بار آنے والے واقعات ذکر کرتے ہیں، پھر وہ واقعات ذکر کریں گے جو ایک یا دو بار آئے ہیں، عبارت چونکہ آسان ہے اس لئے مطلب خیر ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

الْقِصَصُ الْمُتَكَرِّرَةُ فِي الْقُرْآنِ:

ومما تكرر من القصص في القرآن العظيم.

● قِصَّةُ خَلْقِ آدَمَ مِنَ الطِّينِ، وَسُجُودِ الْمَلَائِكَةِ لَهُ، وَاسْتِكْبَارِ الشَّيْطَانِ عَنْهُ، وَكَوْنِهِ

مَلْعُونًا، وَسَعْيِهِ بَعْدَ ذَلِكَ فِي إِضْلالِ بَنِي آدَمَ.

● وَقِصَصُ مُحَاجَّةِ نُوحٍ وَهَارُونَ وَصَالِحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَلُوطٍ وَشُعَيْبٍ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَعَ شُعُوبِهِمْ وَأَقْوَامِهِمْ فِي تَوْحِيدِ اللَّهِ تَعَالَى، وَالْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ

المنکر، واستکبار الأقوام عن الإيمان، وإدلائهم بشبهات ركيكة، ورُدود الأنبياء عليها، وابتلاء الأقوام بالعقوبة الإلهية، وظهور نصره الله تعالى في حق الأنبياء وأتباعهم.

● وقصص موسى عليه السلام مع فرعون وملأه، ومع سقهاء بني إسرائيل ومكابرهم معه عليه السلام، وعقاب الله تعالى لأولئك الأشقياء، وظهور نصره الله تعالى متتالية لنجيه عليه السلام.

● وقصص داود وسليمان عليهما السلام، وخلافتيهما وآياتيهما وكراماتيهما.

● وقصص محنة أيوب ويونس عليهما السلام، وظهور رحمة الله تعالى لهما.

● وقصة دعاء زكريا عليه السلام، واستجابة الله تعالى إياه.

● وقصص سيدنا عيسى العجيب: من ولادته من غير أب، وتكليمه في المهد، وظهور الخوارق على يده.

فذكرت هذه القصص في القرآن العظيم بأساليب متنوعة من الإيجاز والإطناب حسب مقتضى الأساليب المرعية في السور.

ترجمہ: وہ واقعات جو قرآن کریم میں بار بار ذکر کئے گئے ہیں: اور ان واقعات میں سے جو قرآن عظیم میں بار بار ذکر کئے گئے ہیں چند یہ ہیں:

۱- حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا، اور ملائکہ کو حکم دیا کہ ان کے سامنے سجدہ کریں، سب نے سجدہ کیا مگر شیطان نے سجدہ کرنے سے گھمنڈ کیا، تو وہ ملعون کیا گیا، اس نے رائدہ درگاہ ہونے کے بعد اولاد آدم کو گمراہ کرنے کی کوشش شروع کی (یہ واقعات سورۃ البقرہ ۳۰-۳۹ سورۃ الاعراف ۱۱-۲۵ سورۃ الاسراء ۶۱-۶۵ سورۃ الکہف ۵۰ سورہ طہ ۱۱۶-۱۲۳ سورۃ ص ۷۱-۸۵ سورۃ الحجر ۲۶-۳۳ میں مذکور ہیں)

۲- حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اپنی اقوام و قبائل کے ساتھ توحید باری کے مسئلہ میں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معاملہ میں بحث و مباحثہ کرنے کے واقعات اور ان کی اقوام کا ایمان لانے سے گھمنڈ کرنے کا تذکرہ اور ان کا نہایت رکیک شبہات پیش کرنا، اور انبیاء کا جواب دینا، اور ان کی اقوام کا عقوبت

الہی میں مبتلا ہونا اور انبیاء اور ان کے متبعین کے حق میں نصرت خداوندی کا ظاہر ہونا (یہ واقعات سورۃ الاعراف ۵۹-۹۳ سورۃ ہود ۲۵-۹۵ سورۃ الحجر ۵۱-۸۴ سورۃ الشعراء ۶۹-۱۹۱ سورۃ زاریات ۲۲-۴۶ سورۃ القمر ۹-۴۰ میں مذکور ہیں)

۳- فرعون اور اس کی قوم کے سربرآوردہ لوگوں کے ساتھ اور بنی اسرائیل کے احمقوں کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات، اور ان لوگوں کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہٹ دھرمی کا معاملہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ کا ان بدجنحوں کو سزا دینا، اور یہ بہ یہ نصرت خداوندی کا فحجی اللہ (حضرت موسیٰ) علیہ السلام کے لئے ظاہر ہونا (یہ واقعات سورۃ البقرۃ ۴۹-۷۳ سورۃ الاعراف ۱۰۳-۱۶۲ سورۃ الشعراء ۱۰-۶۸ سورۃ القصص ۳-۶ میں مذکور ہیں)

۴- حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کے واقعات، ان کی خلافت اور ان کے معجزات و کرامات کا تذکرہ (سورۃ النحل ۱۵-۴۴ سورۃ سبا ۱۰-۴۴ سورۃ ص ۱۷-۴۰ میں آیا ہے)

۵- حضرت ایوب اور حضرت یونس علیہما السلام کی آزمائش کے واقعات اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ظہور کا تذکرہ (سورۃ الانبیاء ۸۳-۸۸ سورۃ صافات ۱۳۹-۱۴۸ میں آیا ہے)

۶- حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور اس کی قبولیت کا قصہ (سورۃ آل عمران ۳۸-۴۱ سورۃ مریم ۲-۱۱ سورۃ انبیاء ۸۹-۹۰ میں آیا ہے)

۷- اور سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عجیب و غریب واقعات یعنی آپ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، گہوارے میں گفتگو کرنا اور آپ کے ہاتھ پر معجزات کا ظاہر ہونا (یہ واقعات سورۃ آل عمران ۴۵-۵۱ سورۃ مریم ۱۶-۳۶ سورۃ انبیاء ۹۱ میں مذکور ہیں)

پس یہ واقعات قرآن عظیم میں مختلف انداز سے بیان کئے گئے ہیں، کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں تفصیل کے ساتھ، ان اسلوبوں کے تقاضے کے مطابق جن کی سورتوں میں رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔

لغات:

شُعُوب؛ شُعْبَتِی جمع ہے: بڑا قبیلہ..... اَذَلِّی اِذْلَاءَ کے اصل معنی ہیں: کنویں میں ڈول لٹکانا، اور اَذَلِّی بِحُجَّتِہ کے معنی ہیں: دلیل بیان کرنا..... مُتَّالِیۃ: پے درپے، بار بار یکے بعد دیگرے..... فَجِی: سرگوشی کرنے والا، چونکہ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سرگوشی (تہائی میں گفتگو) فرمائی تھی، اس لئے آپ کو نجی اللہ اور کلیم اللہ کہا جاتا ہے..... معجزہ اور کرامت کی حقیقت ایک

ہی ہے، اصطلاح میں خرق عادت واقعات کو انبیاء کے تعلق سے کہتے ہیں، اور اولیاء کے تعلق سے کرامت کہتے ہیں..... الْمُعْجَزَةُ: آزمائش جمع مِعْن..... خَوَارِق: خارق کی جمع ہے: معجزہ، کرامت، خرق عادت کام..... الْمَلَأَ: اشراف قوم، جن کو دیکھ کر آنکھیں عظمت سے اور دل ہیبت سے بھر جائیں، جمع اَمْلَاء.

مَا ذُكِرَتْ مِنْ الْقِصَصِ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ فَقَطْ

وَأَمَّا الْقِصَصُ الَّتِي لَمْ تَتَكَرَّرْ فِي الْقُرْآنِ ، بَلْ وَرَدَتْ فِي مَوْضِعٍ أَوْ مَوْضِعَيْنِ فَحَسَبُ، فَهِيَ:

- قِصَّةُ رَفْعِ سَيِّدِنَا إِدْرِيسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَكَانًا عَلِيًّا
- وَقِصَّةُ مُحَاجَّةِ سَيِّدِنَا إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِنَمْرُودَ، وَمَشَاهِدَتِهِ لِأَحْيَاءِ الطَّيْرِ، وَقِصَّةُ ذَبْحِ وَلَدِهِ الْوَحِيدِ.
- وَقِصَّةُ سَيِّدِنَا يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ.
- وَقِصَّةُ وِلَادَةِ سَيِّدِنَا مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَالْقَائِيَةِ فِي الْيَمِّ وَقَتْلِهِ الْقَبْطِيَّ، وَتَوَجُّهُهُ إِلَى مَدْيَنَ، وَتَوَزُّجِهِ هُنَاكَ، وَرُؤْيِيَةِ النَّارِ عَلَى الشَّجَرَةِ، وَسَمَاعِ الْكَلَامِ مِنْهَا.
- وَقِصَّةُ ذَبْحِ الْبَقَرَةِ.
- وَقِصَّةُ لِقَاءِ مُوسَى مَعَ الْخَضِرِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ.
- وَقِصَّةُ طَالُوتَ وَجَالُوتَ.
- وَقِصَّةُ بَلْقَيْسَ.
- وَقِصَّةُ ذِي الْقَرْنَيْنِ
- وَقِصَّةُ أَصْحَابِ الْكُهْفِ
- وَقِصَّةُ الرَّجُلَيْنِ الْمُتَحَاوِرَيْنِ.
- وَقِصَّةُ أَصْحَابِ الْجَنَّةِ.
- وَقِصَّةُ الرُّسُلِ الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ بَعَثَهُمُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ لِدَعْوَةِ الدِّينِ، وَقِصَّةُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي قَتَلَ الْكَفَّارَ شَهِيدًا.
- وَقِصَّةُ أَصْحَابِ الْفِيلِ.

ترجمہ: صرف ایک بار یاد دہانے والے واقعات

وہ واقعات جو قرآن پاک میں بار بار نہیں آئے، بلکہ صرف ایک جگہ یاد دہانے والے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱- حضرت ادریس علیہ السلام کے رفع کا قصہ (اس کا تذکرہ سورہ مریم کی آیت ۵۷ میں ہے — اور رفع کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص قرب الہی اور نبوت کے بلند مرتبہ سے سرفراز فرمایا ہے، اور دنیا میں ذکر خیر سے نوازا ہے، اور چوتھے آسمان پر اٹھانے کا جو قصہ مشہور ہے وہ اسرائیلی روایتوں سے ماخوذ اور من گھڑت ہے)

۲- اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمود سے بحث کرنے کا واقعہ اور ان کا پرندے کو زندہ کرتے ہوئے دیکھنے کا قصہ (یہ دونوں قصے تیسرے پارے کے تیسرے رکوع میں ہیں) اور اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا قصہ (اس کا ذکر سورہ صافات کے تیسرے رکوع میں ہے)

۳- حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ (سورہ یوسف میں ہے)

۴- اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ اور ان کو دریا میں ڈالنے، اور ان کے قبلی کو قتل کرنے اور ان کے مدین کی طرف چلے جانے، اور ان کے وہاں نکاح کرنے، اور ان کے درخت پر اگ دیکھنے اور درخت سے کلام الہی سننے کے واقعات (سورہ قصص کے ابتدائی تین چار رکوع میں ہیں، اور ان میں سے بعض واقعات سورہ طہ کے ابتدائی دو رکوع میں بھی ہیں)

۵- اور گائے ذبح کرنے کا واقعہ (سورہ بقرہ کے آٹھویں رکوع میں ہے)

۶- اور حضرت موسیٰ کا حضرت خضر علیہما السلام سے ملاقات کرنے کا واقعہ (سورہ کہف کے نویں اور دسویں رکوع میں ہے)

۷- اور طالوت و جالوت کا قصہ (دوسرے پارے کے بالکل آخر میں ہے)

۸- اور (ملکہ سبا) بلقیس کا قصہ (سورہ نمل کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں ہے)

۹- اور ذوالقرنین کا قصہ (سورہ کہف کے گیارہویں رکوع میں ہے)

۱۰- اور اصحاب کہف کا قصہ (سورہ کہف کے ابتدائی تین چار رکوع میں ہے)

۱۱- اور دو باہم گفتگو کرنے والے مردوں کا قصہ (سورہ کہف کے پانچویں رکوع میں ہے)

۱۲- اور باغ والوں کا قصہ (سورہ النجم کے دوسرے رکوع میں ہے)

۱۳- اور تین فرستادوں کا قصہ جن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دین کی دعوت کے لئے بھیجا تھا، اور اس مؤمن کا قصہ جس کو کافروں نے شہید کر دیا تھا (یہ دونوں قصے سورہ یونس کے دوسرے رکوع میں ہیں)

۱۴- اور ہاتھی والوں کا قصہ (سورہ فیل میں ہے)

لغات:

الْیَمُّ: سمندر تَحَاوَرَ الْقَوْمُ: باہم گفتگو کرنا، ایک دوسرے کو جواب دینا الْجَنَّةُ: باغ جمع جَنَّاتٍ وَجَنَّاتٍ۔



واقعات کے تذکرہ سے مقصد

قرآن کریم میں جو قصے ذکر کئے گئے ہیں ان سے مقصد اور غرض صرف قصے بیان کرنا اور لوگوں کو ان قصوں سے آگاہ کرنا نہیں ہے، بلکہ ان کا اصل مقصد اور بنیادی غرض یہ ہے کہ ناظرین اور سامعین کفر و شرک اور معاصی کی شاعت و قباحیت، اور عذاب الہی کی تباہی و بربادی کو اچھی طرح سمجھیں اور ان سے بچیں، اور مؤمنین نصرت خداوندی اور تائید غیبی پر مطمئن رہیں، اور اللہ کے مخلص بندوں کے حق میں الطاف الہی اور عنایات خداوندی کے ظاہر ہونے کا نظارہ کریں، اور ان کے نقش قدم پر چلیں۔

فلیس الغرض من سرد هذه القصص في القرآن الكريم معرفتها بأنفسها بل الغرض الأساسي: هو أن ينتقل ذهن القارئ والسماع إلى شناعة الشرك والمعاصي، ومُعاقبة الله تعالى عليها وأطمئنان المؤمنين بنصرة الله تعالى وتأييده، وظهور الطافه وأفضاله تعالى في حق عباده المخلصين.

ترجمہ: پس ان قصوں کو قرآن کریم میں بیان کرنے سے غرض بعینہ قصوں کو جاننا نہیں ہے، بلکہ بنیادی غرض یہ ہے کہ پڑھنے والے اور سننے والے کا ذہن منتقل ہو شرک اور معاصی کی شاعت و قباحیت کی طرف، اور ان (کاموں) پر (نافرمانوں کو) اللہ کی سزا دینے کی طرف، اور مؤمنین کے اللہ نصرت اور اس کی تائید سے مطمئن ہونے کی طرف، اور اس کی مہربانیوں اور عنایتوں کے ظاہر

ہونے کی طرف اس کے مخلص بندوں کے حق میں۔



تذکیر بالموت وما بعدہ کا بیان

قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں مختلف انداز سے مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد پیش آنے والے حالات اور واقعات کو بکثرت بیان کیا گیا ہے، تاکہ لوگ ان حالات و واقعات سے آگاہ ہو کر اپنی عاقبت سنواریں، چنانچہ کہیں انسان کے مرنے کی کیفیت اور اس وقت اس کی پیچاریگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، تو کہیں موت کے وقت عذاب دینے والے فرشتوں کے ظاہر ہونے کا تذکرہ ہے، کہیں عالم بزرخ کے احوال بیان کئے گئے ہیں، تو کہیں قیامت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں، کہیں قیامت کے دن پیش آنے والے حالات کا تذکرہ ہے، تو کہیں جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذابوں کی وضاحت ہے۔

بیان التذکیر بالموت وما بعدہ

وقد ذکر جلّ شأنه من الموت وما بعدہ: کیفیۃ الإنسان عند موتہ، وعجزہ فی تلك الساعة، وعرض الجنة والنار علیہ بعد الموت، وظہور ملائکة العذاب أمامہ، وأشراط الساعة من نزول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام وخروج الدجال وخروج دابة الارض وخروج یاجوج ماجوج، ونفخة الصعق، ونفخة القيام، والحشر والنشر، والسؤال والجواب، والمیزان، وأخذ صحائف الأعمال بالایمان والسمائل، ودخول المؤمنین الجنة، ودخول الکفار النار، وتخاصم أهل النار من التابعین والمتبوعین فیما بینہم، وإنکار بعضهم علی بعض، ولعن بعضهم بعضا، واختصاص المؤمنین برؤية الله تعالى، وأنواع العذاب من السلاسل والأغلال والحمیم والغساق والزقوم وأنواع النعم من الحور والقصور والأنهار، والمطاعم الهیئة والملابس الناعمة والنساء الجمیلات، ومجالس أهل الجنة الفکیهة الطیبة المفرحة للقلوب.

ففرّق سبحانه وتعالى هذه المطالب فی مختلف السور بالإجمال والتفصیل مراعیاً أسالیبها الخاصة.

ترجمہ: موت اور اس کے بعد پیش آنے والے احوالوں کے ذریعہ نصیحت کرنے کا بیان:

اللہ جل شانہ نے تذکرہ فرمایا ہے موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات میں سے انسان کی کیفیت کا اس کے مرنے کے وقت، اور اس کی بچاؤ گھ (کی کیفیت) کا اس گھڑی میں (تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ قیامہ آیت ۲۶ تا ۳۰) اور مرنے کے بعد اس کے سامنے جنت اور دوزخ پیش کرنے کا (دیکھئے سورہ مومن آیت ۴۶ مگر دوزخ کی پیشی کا تذکرہ صراحتہ ہے اور جنت کی پیشی کا تذکرہ اس کے ضمن میں ہے) اور اس کے سامنے عذاب کے فرشتوں کے ظاہر ہونے کا (دیکھئے سورہ انفال آیت ۵۰) اور قیامت کی نشانیوں کا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے (آسمان سے) اترنے کا (دیکھئے سورہ زخرف آیت ۶۱) اور دجال کے نکلنے کا (خروج دجال کا تذکرہ صراحتہ قرآن پاک میں نہیں ہے، البتہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خروج دجال کے بعد اتریں گے، اور اس کو قتل کریں گے، اس لئے نزول مسیح کا تذکرہ خروج دجال کے تذکرہ کو مستلزم ہے) اور دابۃ الارض کے نکلنے کا تذکرہ (دیکھئے سورہ نمل آیت ۸۲) اور یاجوج ماجوج کے نکلنے کا ذکر (دیکھئے سورہ انبیاء آیت ۹۶) اور نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کا بیان (دیکھئے سورہ زمر آیت ۶۸) اور حشر و نشر کا تذکرہ (دیکھئے سورہ یونس آیت ۲۸ اور آیت ۴۵) اور سوال و جواب کا بیان (دیکھئے سورہ انعام آیت ۲۲، ۲۳) اور میزان عمل کا تذکرہ (دیکھئے سورہ اعراف آیت ۸ اور انبیاء آیت ۴۷) اور اعمال ناموں کے داہنے اور بائیں ہاتھوں میں لینے کا ذکر (دیکھئے سورہ حاقہ اور سورہ انشقاق) اور مومنین کے جنت میں داخل ہونے کا اور کافروں کے آگ میں داخل ہونے کا تذکرہ (اس کا تذکرہ متعدد سورتوں میں ہے) اور پیر و کاروں میں سے اور پیشواؤں میں سے جہنم میں جانے والوں کا آپس میں بحث و مباحثہ کرنا اور بعض کا بعض پر تکبر کرنا اور بعض کا بعض پر لعنت بھیجنا (یہ واقعات سورہ اعراف آیت ۳۸، ۳۹ میں مذکور ہیں) اور مومنین کا دیدار خداوندی کے ساتھ خاص ہونے کا تذکرہ (دیکھئے سورہ قیامہ آیت ۲۲، ۲۳) اور عذاب کی انواع و اقسام کا تذکرہ یعنی زنجیروں اور جھکڑیوں اور کھولتے ہوئے گرم پانی اور بدبودار پیپ اور تھوہڑ کا ذکر اور (جنت کی) نعمتوں کی انواع و اقسام کا بیان یعنی حوروں، حویلیوں، نہروں، پسندیدہ کھانوں، ملائم کپڑوں اور خوبصورت عورتوں کا تذکرہ اور جنتیوں کی پر لطف پاکیزہ مجلسوں کا ذکر جو دلوں کے لئے فرحت بخش ہوں گی۔

پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ مضامین متفرق جگہ بیان کئے ہیں مختلف سورتوں میں اجمال اور تفصیل

کے ساتھ، رعایت فرماتے ہوئے ان سورتوں کے مخصوص اسلوبوں کی۔

لغات:

أَشْرَاطُ؛ شَرْط کی جمع ہے: علامت، نشانی..... صُغِقَ صَغَقًا وَصَغَقًا: گرج سے غشی طاری ہونا، نفخہ صَغِقَ سے نفخہ اولیٰ مراد ہے، کیونکہ جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، اور نفخہ قیام سے دوسرا نفخہ مراد ہے، کیونکہ جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ کھڑے ہو کر میدانِ حشر کی طرف چل پڑیں گے..... اَيْمَانٌ، يَمِينٌ کی جمع ہے، داہنا ہاتھ، داہنی جانب اور شَمَانِلٌ؛ شِمَال کی جمع ہے: بائیں ہاتھ بائیں جانب..... سَلَاسِلٌ؛ سِلْسِلَة کی جمع ہے: زنجیر..... أَغْلَالٌ، غُل کی جمع ہے: جھکڑی یا طوق..... الْحَمِيمُ: گرم پانی، مُثَنَّدٌ پانی..... الْغَسَّاقُ: مُثَنَّدٌ، بدبودار، دوزخیوں سے بچنے والی پیپ..... الزَّقُومُ: تھوہڑ، بڑے بڑے کانٹوں والا درخت جو دوزخ کی تہ میں اُگے گا..... الْحُورُ، حُورَاء کی جمع ہے: گوری عورت، سفید جہنی خوبصورت عورت..... الْقُصُور، قُصْر کی جمع ہے: عالیشان محل، حویلی..... الْهَيْئَةُ: پسندیدہ، مَن پسند..... النَّاعِمَةُ مِنَ الثِّيَابِ: ملائم کپڑے..... الْفِكْهَةُ: پر لطف، خوش کن، فَكْهَةٌ (س) فَكْهًا وَفُكَاهَةً: خوش طبع، ہنسنے ہنسانے والا ہونا، الْفِكْهَةُ الْخ: چونکہ مجالس کی صفات ہیں اور مَجَالِس، مَن کی وجہ سے مجرور ہے اس لئے یہ تمام صفات بھی مجرور ہیں۔



علم الاحکام کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اکثر و بیشتر انبیائے کرام کو سابقہ شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، کیونکہ انبیائے کرام کی بعثت سابقہ شریعت کی تجدید اور لوگوں میں رائج طور و طریق کی اصلاح کے لئے ہوتی ہے، بالکل نئی شریعت جاری کرنے اور نیکی و بدی کے اصول ایجاد کرنے کے لئے نہیں ہوتی، لہذا احکام کے مباحث میں:

اولاً: یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ خاتم الانبیاء، ہادیِ عالم ﷺ کی بعثت ملتِ ابراہیمی کے ساتھ ہوئی ہے، اس لئے ملتِ ابراہیمی کے احکام کا باقی رکھنا، اور اس کے بنیادی مسائل میں تغیر نہ کرنا ضروری ہے صرف بعض مسائل میں عموم کی تخصیص، اوقات کی تعیین، حدود و شرائط کی تشریح اور

آداب کے اضافہ کی گنجائش ہے۔

اور ثانیاً: یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کو آنحضرت ﷺ کے ذریعہ، اور دیگر اقوام عالم کو عرب کے ذریعہ سنوارنے کا ارادہ فرمایا ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ کی شریعت میں عرب کی رسوم اور عادتوں کا خیال رکھا گیا ہے، دیگر اقوام کی رسوم و عادات کا خیال نہیں رکھا گیا ہے، چنانچہ جب آپ ملت ابراہیمی کے احکام و مسائل اور عرب کی رسوم و عادات کو غور سے دیکھیں گے، اور آنحضرت ﷺ نے جو احکام دیئے ہیں ان پر بھی گہری نظر ڈالیں گے، تو روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جائے گی کہ آنحضرت ﷺ نے جو احکام جاری فرمائے ہیں ان میں سے حکم کا کوئی نہ کوئی سبب ہے، اور آپ کے ہر امر و نہی میں کوئی مصلحت ہے، مثلاً آنحضرت ﷺ نے نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج و عمرہ وغیرہ عبادتوں کا حکم اس لئے دیا ہے کہ یہ تمام عبادتیں ملت ابراہیمی میں مشروع تھیں، اور قتل، چوری، زنا اور محرمات نسبہ اور رضاعیہ سے نکاح کرنے سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ یہ سب کام ملت ابراہیمی میں حرام تھے، اسی طرح نماز میں بیت اللہ کی طرف منہ کرنے، وضو اور غسل جنابت کرنے، مسواک کرنے، کلی اورتاک صاف کرنے۔ میٹھی پست کرانے، ڈاڑھی بڑھانے، ناخن تراشنے، بدن کے جوڑوں کو دھونے، بغل کے بال اکھاڑنے، زیر ناف کے بالوں کو مونڈنے، پانی سے استنجاء کرنے، ختنہ کرنے، مسجد حرام کی تعظیم کرنے، حلق میں ذبح کرنے، سینہ کے بالائی حصہ میں نحر کرنے، قربانی کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے اور مہمان نوازی کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ یہ سب کام ملت ابراہیمی کے شعائر ہیں، اور عرب میں رائج تھے۔ ان کی مکمل تفصیل کافی طویل ہے، اور قدرے وضاحت آگے آ رہی ہے۔

بیان علم الأحکام

وَالْقَاعِدَةُ الْكَلِيَّةُ فِي مَبَاحِثِ الْأَحْكَامِ: أَنَّ سَيِّدَنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ بُعِثَ بِالْمِلَّةِ الْإِبْرَاهِيمِيَّةِ الْحَنِيفِيَّةِ، فَلَزِمَ إِبْقَاءُ شَرَائِعِ تِلْكَ الْمِلَّةِ، وَأَنْ لَا يُحَدَّثَ أَيْ تَغْيِيرُ فِي أَمْهَاتِ مَسَائِلِهَا؛ اللَّهُمَّ إِلَّا تَخْصِيصًا لِعُمُومَاتِهَا، وَزِيَادَةً لِلتَّوْقِيئَاتِ وَالتَّحْدِيدَاتِ فِيهَا، وَأَمْثَالُ ذَلِكَ.

ولما اراد الله سبحانه وتعالى أن يزجّي العرب بنبينا صلى الله عليه وسلم،
ويزجّي سائر الأقاليم بالعرب لزم أن تتكوّن مادّةٌ شرعيّةٌ صلى الله عليه وسلم من
رسوم العرب وعاداتهم.

فإذا أنعمت النظر في مجموع شرائع الملة الحنيفية، ولاحظت عادات العرب
ورسومهم، وتأملت في تشريعه صلى الله عليه وسلم — الذي هو بمنزلة
الإصلاح والتهديب لها — علمت أن لكل حكم سبباً، وفهمت أن لكل أمر
ونهي مصلحة، وتفصيل ذلك يطول.

ترجمہ: علم الاحکام کا بیان: اور احکام کے مباحث میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہمارے سردار رسول
اکرم ﷺ بھیجے گئے ہیں ملت ابراہیمی حنبلی کے ساتھ، لہذا اس ملت کے احکام شرعیہ کا باقی رکھنا
ضروری ہے، اور یہ (بھی ضرور ہے) کہ کوئی تغیر نہ کیا جائے اس کے بنیادی مسائل میں، ہاں مگر اس
کے عام مسائل کی تخصیص، اور اوقات کی تعیین اور حدود کی تشریح اور اسی طرح کے امور کی زیادتی
(ہو سکتی ہے)

اور جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارادہ فرمایا عرب کو سنوارنے کا ہمارے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ،
اور دیگر ممالک کو سنوارنے کا عرب کے ذریعہ، تو ضروری ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی شریعت کا مادہ
عرب کی رسوم اور عادتوں سے تیار ہو۔

چنانچہ جب آپ اچھی طرح غور کریں گے ملت ابراہیمی کے تمام احکام شرعیہ میں، اور ملاحظہ
کریں گے عرب کی عادات اور رسوم کو، اور خوب غور کریں گے آنحضرت ﷺ کی تشریع (یعنی
تنفیذ احکام) میں — جو ان (عادات و رسوم) کی اصلاح اور تہذیب کے بمنزلہ ہے — تو
آپ جان لیں گے کہ ہر حکم کے لئے کوئی سبب ہے، اور آپ سمجھ جائیں گے کہ ہر امر و نہی کے لئے کوئی
مصلحت ہے، اور اس کی تفصیل طویل ہے۔

لغات:

المادّة: ہر چیز کی اصل جس سے کوئی چیز بنائی جائے جیسے لکڑی چارپائی کا مادہ ہے، اور انسان کا مادہ
مٹی اور لطفہ ہے جمع مواد..... أنعم النظر في المسئلة: غور کرنا، اچھی طرح دیکھنا..... التشریع:

شریعت نافذ کرنا، شرعی احکام جاری کرنا، قانون الہی بنانا۔



شریعت اسلامیہ نے بگاڑ دی۔ دینی ملت ابراہیمی کو کس طرح سنوارا ہے؟

طہارت، نماز، روزہ، حج اور ذکر الہی وغیرہ عبادتیں ملت ابراہیمی میں مشروع تھیں، مگر ان عبادتوں میں لوگوں کی کوتاہی اور زمانہ جاہلیت کی تحریفات کی وجہ سے بڑا بگاڑ پیدا ہو گیا تھا، قرآن کریم اور شریعت اسلامیہ نے اس بگاڑ کی کامل اصلاح فرمائی ہے اور ان عبادتوں کو سنوار کر پیش کیا ہے۔

اسی طرح تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کی بھی شریعت اسلامیہ نے اصلاح فرمائی ہے، اور تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے اصول و ضوابط مقرر کئے ہیں، اور ان کی حدیں طے کی ہیں، نیز تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے سلسلہ کی چھوٹی بڑی بہت سی کوتاہیوں اور زیادتیوں سے آگاہ فرمایا ہے تاکہ لوگ ان سے بچیں۔

الغرض قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ نے عبادت کے نئے طریقے جاری نہیں فرمائے، نہ نئے احکام نافذ فرمائے ہیں، بلکہ تحریف شدہ ملت ابراہیمی کو سنوارنے کا فریضہ انجام دیا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم نے نماز کے مسائل اجمالی طریقہ پر بیان کئے ہیں، اور اس کی مکمل تفصیل آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ نیز نماز کے بارے میں قرآن کریم نے ”اقامت صلوٰۃ“ کا جامع ترین جملہ استعمال فرمایا ہے، اور آنحضرت ﷺ نے اس کی تشریح اور وضاحت اذان و اقامت، نماز کے اوقات، جماعت اور مساجد کی تعمیر سے فرمائی ہے، گویا یہ تمام کام اقامت صلوٰۃ کے مفہوم میں داخل ہیں، اسی طرح زکوٰۃ کے مسائل بھی قرآن کریم نے اختصار کے ساتھ بیان کئے ہیں، اور آنحضرت ﷺ نے اس کی مکمل وضاحت فرمائی ہے، اور روزے کے مسائل سورہ بقرہ میں، اور حج کے مسائل سورہ بقرہ اور سورہ حج میں، اور جہاد کے احکام سورہ بقرہ سورہ انفال اور دیگر متفرق سورتوں میں بیان کئے گئے ہیں، اور حدود کے مسائل سورہ مائدہ اور سورہ نور میں ہیں، اور میراث کے مسائل سورہ نساء میں ہیں، اور نکاح و طلاق کے مسائل سورہ بقرہ، سورہ نساء سورہ طلاق اور ان کے علاوہ دیگر سورتوں میں ہیں۔

دَوْرُ التشريع الإسلامي في إصلاح الملة الحنيفية المحرّفة:

وبالجملة فقد كان تَطَرُّقُ إلى العبادات من الطهارة والصلاة والصوم والزكوة والحج والذكر فتورَ عظيم، من جهة التساهل في إقامتها، واختلاف الناس فيها بسبب عدم معرفة أكثرها، وتسرب التحريفات الجاهلية إليها، فأصلح القرآن العظيم ذلك الاختلال كله، وسوّاها حتى استقام أمرها.

وأما تدبير المنزل فقد كانت حدثت فيه رسوم ضارّة، وأنواع تعدّ وعُتُو، وهكذا اختلّت أحكام السياسة المدنية؛ فضبط القرآن العظيم لهما أصولاً، وحدّد لهما حدوداً، وذكر من هذا الباب أنواعاً من الكبائر، وكثيراً من الصغائر، لتحترز الأمة عنها.

وذكر مسائل الصلاة إجمالاً، واستعمل فيها لفظ "إقامة الصلاة" ففصلها رسول الله صلى الله عليه وسلم بالأذان وبناء المساجد والجماعة والأوقات وكذلك ذكر مسائل الزكاة باختصار، وفصلها رسول الله صلى الله عليه وسلم أيّما تفصيل، وذكر الصوم في سورة البقرة؛ وذكر الحج أيضاً فيها وفي سورة الحج؛ وذكر الجهاد في سورة البقرة والأنفال وفي مواضع متفرقة أخرى؛ وذكر الحدود في المائدة والنور؛ وذكر الموارث في سورة النساء؛ وبين أحكام النكاح والطلاق في سورة البقرة والنساء والطلاق وغيرها من السور.

ترجمہ: شریعت اسلامیہ کی باری تحریف شدہ ملت ابراہیمی کو سنوارنے میں: الحاصل عبادات میں یعنی طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور ذکر الہی میں عظیم بگاڑ پیدا ہو گیا تھا، ان (عبادتوں) کی پابندی میں سستی کرنے کی وجہ سے، اور لوگوں کے ان (عبادتوں کے بارے) میں اختلاف کرنے کی وجہ سے اکثر عبادتوں کو نہ جاننے کی بناء پر، اور ان (عبادتوں) میں زمانہ جاہلیت کی تحریفات کے در آنے کی وجہ سے، پس اصلاح فرمائی قرآن عظیم نے اس پورے بگاڑ کی، اور درست کیا ان (عبادتوں) کو یہاں تک کہ ان کا معاملہ بالکل سیدھا ہو گیا۔

اور رہا تدبیر منزل (کا معاملہ) تو اس میں نقصان دہ رسمیں اور مختلف قسم کی زیادتیاں اور سرکشیاں پیدا

ہو گئی تھیں، اسی طرح سیاست مدنیہ کے احکام میں بھی بگاڑ پیدا ہو گیا تھا، پس قرآن عظیم نے ان دونوں کے لئے اصول ضبط فرمائے، اور ان دونوں کے لئے حدیں مقرر کیں، اور اس باب کی (یعنی تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے سلسلہ کی) کئی بڑی اور بہت سی چھوٹی زیادتیاں ذکر فرمائیں، تاکہ امت ان سے بچے۔ اور ذکر کئے نماز کے مسائل اجمالی طریقہ پر، اور استعمال فرمایا اس کے بارے میں ”اقامت صلوة“ کا لفظ؛ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفصیل فرمائی اذان، تعمیر مساجد، جماعت اور نماز کے اوقات سے، اسی طرح بیان کئے زکوٰۃ کے مسائل اختصار کے ساتھ، اور رسول اکرم ﷺ نے اس کی پوری وضاحت فرمائی اور روزے (کے مسائل) سورۃ بقرہ میں ذکر کئے ہیں، اور حج (کے مسائل) بھی سورۃ بقرہ میں اور سورۃ حج میں ذکر کئے ہیں، اور جہاد (کے مسائل) بیان کئے ہیں سورۃ بقرہ اور سورۃ انفال اور دیگر متفرق جگہوں میں، اور حدود کا تذکرہ فرمایا ہے سورۃ مائدہ اور سورۃ نور میں، اور میراث (کے احکام) بیان کئے ہیں سورۃ نساء میں، اور نکاح و طلاق کے احکام بیان کئے ہیں سورۃ بقرہ، سورۃ نساء، سورۃ طلاق اور ان کے علاوہ دیگر سورتوں میں۔

لغات:

ذَوْر: نمبر، باری، مقررہ وقت تَطَوَّق: چلنا، راستہ بنانا، تَطَوَّقْ اِلَى الْاَمْرِ: راستہ تلاش کرنا تَسْرُبُ مِنَ الْمَاءِ: پانی سے بھر جانا، تَسْرُبُ الْوَحْشُ فِي جُحْوَرِهِ: وحش جانور کا اپنے سوراخ میں داخل ہونا۔



وضاحت طلب تعریضات اور ان کی مثالیں

قرآن کریم میں تذکیر بایام اللہ کی غرض سے جو واقعات اور قصے بیان کئے گئے ہیں، اُن کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے، اب شاہ صاحب رحمہ اللہ تذکیر بایام اللہ کی ایک خاص قسم کا تذکرہ کرتے ہیں جو حسب ذیل ہے:

قرآن کریم کی بعض آیتوں میں ایسے سوالوں کے جواب دیئے گئے ہیں، جو آنحضرت ﷺ

سے کئے گئے تھے، مثلاً چاند کے بارے میں لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے جو سوال کیا تھا، اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۹ میں دیا ہے، اور ماہ حرام میں قتال کرنے کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے جو سوال لوگوں نے کیا تھا، اس کا جواب سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۷ میں دیا گیا ہے، اسی طرح کلالہ کے بارے میں لوگوں نے جو سوال کیا تھا، اس کا جواب سورہ نساء کی سب سے آخری آیت میں دیا گیا ہے۔

یا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تھا جس میں مؤمنین دل کھول کر اپنا مال خرچ کرتے تھے، اور اپنی جانوں کو قربان کرتے تھے، اور منافقین جان و مال قربان کرنے سے باز رہتے تھے، اور خواہش نفس کی پیروی کرتے تھے، تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مؤمنین کی تعریف اور منافقین کی دھمکی آمیز مذمت فرماتے تھے، مثلاً غزوہ تبوک کے موقع پر جب یہی صورت حال پیش آئی تو سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے عمل کو سراہا، اور منافقین کی حرکتوں کی مذمت فرمائی۔

یادشمنوں پر غلبہ اور ان کے ضرر کو دفع کرنے کا واقعہ پیش آتا تھا، تو اللہ تعالیٰ مؤمنین پر اس کا احسان جتاتے تھے، اور ان کو یہ نعمت یاد دلاتے تھے، مثلاً غزوہ خندق کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو دفع فرما کر مؤمنین کو غالب فرمایا تھا، اس احسان عظیم کو سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے جتایا ہے۔

یا کوئی ایسی حالت پیش آتی جس پر تنبیہ کرنے یا ڈانٹنے کی، یا اس کے بارے میں اشارہ یا تعریض کرنے کی یا حکم دینے یا منع کرنے کی ضرورت ہوتی، تو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ان امور کو بیان فرماتے۔

قرآن کریم میں اس قسم کے واقعات کی طرف جہاں کہیں تعریضات اور اشارے کئے گئے ہیں، ان کی مختصر وضاحت کرنا مفسر کے لئے نہایت ضروری ہے۔

اور جن آیتوں میں اس قسم کے واقعات کی طرف تعریضات کی گئی ہیں، ان کی مثالیں متن میں موجود ہیں، اور ترجمہ میں اس کی وضاحت ہے۔

آخر میں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ جن آیتوں میں اس قسم کے واقعات کی طرف تعریضات کی

گئی ہیں، وہ آیتیں درحقیقت تذکیر بایام اللہ کے قبیل سے ہیں اس لئے ان کے لئے مخصوص شان نزول کی ضرورت نہیں البتہ ان آیات میں جو تعریضات کی گئی ہیں، ان کا حل چونکہ ذاتیات کی وضاحت پر موقوف ہے، اس لئے اس کو دیگر اقسام سے الگ کر کے بیان کیا گیا ہے۔

التعریضاتُ التي تَحْتَاجُ إِلَى الْبَيَانِ

وَإِذَا عَرَفْتَ هَذَا الْقِسْمَ الَّذِي تَعُمُّ فَائِدَتُهُ جَمِيعَ الْأُمَةِ فَهَهُنَا قِسْمٌ آخَرُ وَهُوَ:

- أَنَّهُ كَانَ يُعْرَضُ عَلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوَالٌ، فَيُجِيبُ عَنْهُ.
- أَوْ تَقَعُ حَادِثَةٌ يَجُودُ فِيهَا الْمُؤْمِنُونَ بِأَنْفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ، وَيُمْسِكُ الْمُنَافِقُونَ وَيَتَّبِعُونَ الْهَوَى، فَيَمْدَحُ اللَّهُ تَعَالَى الْمُؤْمِنِينَ، وَيَذِمُّ الْمُنَافِقِينَ وَيَتَوَعَّدُهُمْ.
- أَوْ تَقَعُ حَادِثَةٌ مِنْ قِبَلِ الْغَلْبَةِ عَلَى الْأَعْدَاءِ، وَكَفَّ ضَرَرَهُمْ، فَيَمْنُ اللَّهُ تَعَالَى بِذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، وَيَذَكِّرُهُمْ بِتِلْكَ النِّعَةِ.
- أَوْ تَحْدُثُ حَالَةٌ تَحْتَاجُ إِلَى تَنْبِيهِ أَوْ زَجَرٍ أَوْ إِشَارَةٍ أَوْ إِيمَاءٍ أَوْ أَمْرٍ أَوْ نَهْيٍ، فَيَنْزِلُ اللَّهُ تَعَالَى فِي ذَلِكَ الْبَابِ.

فَمَا كَانَ مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ فَلَا يَدُلُّ لِلْمُفَسِّرِ مِنْ ذِكْرِ تِلْكَ الْقَصَصِ بِطَرِيقِ الْإِجْمَالِ

أَمْثَلْتُهَا:

وَقَدْ وَرَدَتْ التَّعْرِیضَاتُ بِقِصَّةِ غَزْوَةِ بَدْرٍ فِي سُورَةِ الْأَنْفَالِ، وَبِقِصَّةِ غَزْوَةِ أُحُدٍ فِي سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، وَبِقِصَّةِ غَزْوَةِ الْخَنْدَقِ فِي سُورَةِ الْأَحْزَابِ، وَبِقِصَّةِ صَلْحِ الْحُدَيْبِيَّةِ فِي سُورَةِ الْفَتْحِ، وَبِغَزْوَةِ بَنِي النَّضِيرِ فِي سُورَةِ الْحَشْرِ، وَجَاءَ الْحَثُّ وَالتَّحْرِیضُ عَلَى فَتْحِ مَكَّةَ وَغَزْوَةِ تَبُوكَ فِي سُورَةِ الْبَرَاءَةِ، وَوَرَدَتِ الْإِشَارَةُ إِلَى حِجَّةِ الْوَدَاعِ فِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ، وَجَاءَتِ الْإِشَارَةُ إِلَى قِصَّةِ زَوْاجِ زَيْنَبَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فِي سُورَةِ الْأَحْزَابِ، وَإِلَى تَحْرِیمِ السُّرِّيَّةِ فِي سُورَةِ التَّحْرِیمِ، وَإِلَى قِصَّةِ الْإِفْكِ فِي سُورَةِ النُّورِ، وَجَاءَ ذِكْرُ اسْتِمَاعِ وَفْدِ الْجَنِّ تِلَاوَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي

سورة الجن والاحقاف ، و ذكرت قصة مسجد الضرار في سورة البراءة ، واشير الى قصة الإسراء في أول سورة بنى إسرائيل .

هذه الآيات من التذكير بأيام الله

وهذا القسم من الآيات الكريمة في الحقيقة نوع من أنواع التذكير بأيام الله ؛ ولكن لما كان حلُّ الإشارات فيها متوقفاً على سماع القصة مُيزَتْ عن سائر أقسامها .

ترجمہ : وہ تعریضات جو وضاحت کی محتاج ہیں جب آپ نے (تذکیر بایام اللہ کی) اس قسم کو پہچان لیا، جس کا فائدہ پوری امت کے لئے عام ہے تو یہاں ایک دوسری قسم ہے، اور وہ :

(دوسری قسم) یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کوئی سوال کیا جاتا تھا، تو اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے تھے، یا کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تھا جس میں مؤمنین اپنی جانوں اور مالوں کو خرچ کرتے تھے، اور منافقین باز رہتے تھے، اور خواہش نفس کی پیروی کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ مؤمنین کی تعریف کرتے تھے، اور منافقین کی مذمت فرماتے تھے، اور ان کو دھمکاتے تھے۔

یاد شمنوں پر غلبہ اور ان کے ضرر کو روکنے کے قبیل کا کوئی واقعہ پیش آتا تھا، تو اللہ تعالیٰ اس کا مؤمنین پر احسان جتاتے تھے، اور ان کو وہ نعمت یاد دلاتے تھے۔

یالہی حالت پیش آتی تھی جس پر تنبیہ کرنے یا ڈانٹنے یا اشارہ کرنے یا تعریض کرنے یا حکم دینے یا منع کرنے کی ضرورت ہوتی، تو اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں (آیات قرآنی) نازل فرماتے۔

پس جو باتیں اس قسم کی ہیں مفسر کے لئے ان قصوں کو اختصار کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔

تعریضات کی مثالیں : اور تعریضات وارد ہوئی ہیں غزوہ بدر کے قسے کے بارے میں سورہ انفال میں (دیکھئے آیت ۱۱۳۵) اور غزوہ اُحُد کے قسے کے بارے میں سورہ آل عمران میں (دیکھئے آیت ۱۵۲ تا ۱۵۵ اور آیت ۱۶۵ تا ۱۶۸) اور غزوہ خندق کے قسے کے بارے میں سورہ احزاب میں (دیکھئے آیت ۲۵ تا ۲۹) اور صلح حدیبیہ کے قسے کے بارے میں سورہ فتح میں (دیکھئے آیت ۱۰ تا ۱۸) اور آیت ۲۷ (۲۷) اور غزوہ بنو نضیر کے بارے میں سورہ حشر میں (دیکھئے آیت ۱۳ تا ۱۴) اور فتح مکہ اور غزوہ تبوک پر ابھارنا اور براہِ یحییٰ کرنا آیا ہے سورہ براءت میں (آیت ۷ تا ۲۴ اور آیت ۳۸ تا ۴۲) اور حجۃ الوداع

کی طرف اشارہ وارد ہوا ہے سورہ مائدہ میں (دیکھئے آیت ۳ الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ الخ) اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے قصے کی طرف اشارہ آیا ہے سورہ احزاب میں (دیکھئے آیت ۳۶-۳۷) اور باندی کو حرام کرنے کی طرف سورہ تحریم میں (دیکھئے آیت ۴۱) اور واقعہ اُفک کی طرف سورہ نور میں (دیکھئے آیت ۲۰-۲۱) اور جہانوں کے وفد کا نبی کریم ﷺ کی تلاوت سننے کا ذکر آیا ہے سورہ جن (آیت ۱۹) اور سورہ احقاف میں (دیکھئے آیت ۲۹-۳۲) اور مسجد ضرار کا قصہ ذکر کیا گیا ہے سورہ براءت میں (دیکھئے آیت ۱۰-۱۱) اور اسراء کے قصے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے سورہ بنی اسرائیل کے شروع میں (دیکھئے آیت ۱)

یہ آیات تذکیر بایام اللہ میں سے ہیں: اور آیات کریمہ کی یہ قسم درحقیقت تذکیر بایام اللہ کی انواع میں سے ایک نوع ہے، لیکن جب ان میں جو اشارے کئے گئے ہیں ان کا حل قصے کے سننے پر موقوف تھا اس لئے اس کو دیگر اقسام سے الگ کیا گیا ہے۔

لغات:

السُّرِّيَّةُ: باندی جو ہم خوابی کے لئے مخصوص کی جا۔ ۲، جمع سَرَارِيْ اُغلب یہی ہے کہ یہ سُرُّ (راز) سے مشتق ہے۔ اور بعض کے نزدیک سُرُّود (خوشی) سے مشتق ہے..... الْإِفْكُ: جھوٹ، بہتان، واقعہ اُفک سے مراد وہ جھوٹا الزام اور بہتان ہے جو منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگایا تھا..... أَسْرَى إِسْرَاءَ: رات میں چلنا، یہاں قصہ اسراء سے حضور اکرم ﷺ کا وہ سفر مراد ہے جو آپؐ نے ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کیا تھا، عرف عام میں اس کو معراج کا واقعہ کہا جاتا ہے، مگر اہل علم اسراء اور معراج میں فرق کرتے ہیں، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کو اسراء کہتے ہیں، اور مسجد اقصیٰ سے سدرة المنتہی اور اس کے آگے آپ جہاں جہاں تشریف لے گئے اس کو معراج کہتے ہیں، سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں واقعہ اسراء کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور معراج کے واقعہ کا تذکرہ سورہ نجم کے پہلے رکوع میں ہے۔



باب دوم

تفسیر میں پیش آنے والی دشواریاں اور ان کا حل

(باب دوم میں پہلے ان دشواریوں کی وضاحت کی گئی ہے جو عصر حاضر میں لوگوں کو تفسیر میں پیش آتی ہیں، پھر ان کا نہایت واضح حل پیش کیا گیا ہے)

قرآن کریم نہایت واضح اور خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ سورۃ الزخرف میں ارشاد ہے: ”قسم ہے واضح کتب (یعنی قرآن کریم) کی“ اور سورہ یوسف میں ہے: ”ہم نے اس کو اتارا ہے عربی میں پڑھنے کی کتاب بنا کر تاکہ تم سمجھ سکو“ اور سورہ ہود میں ہے: ”قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر خیر و حکیم کی طرف سے ان کو خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے“ اس لئے اہل لسان کو جو قرآن کے اولین مخاطب تھے، معنی مرادی کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی، وہ اپنی خدا داد صلاحیت سے قرآن کے معانی و مطالب کو سمجھ جاتے تھے۔ وہ تفسیر قرآن کے محتاج نہیں تھے۔

یہاں اگر کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہو کہ قرآن میں تشابہات بھی تو ہیں، قرآن کے اولین مخاطب ان کو سمجھائے بغیر کیسے سمجھ جاتے تھے؟ اسی طرح صفات خداوندی کی حقیقت بھی تفسیر کی محتاج ہے اور بعض واقعات کے ضمن میں مبہم امور بھی ہیں مثلاً عزیز مصر کی بیوی کا نام مذکور نہیں، اسی طرح اصحاب کہف کے نام اور ان کے کتے کا رنگ بھی بیان نہیں کیا گیا۔ یہ سب باتیں وضاحت طلب ہیں۔ قرآن کے اولین مخاطب بھی ان باتوں کو تفسیر کے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔ پھر یہ کہنا کیوں کر درست ہے کہ وہ اپنے سلیقہ اور خدا داد استعداد سے تفسیر کی مدد کے بغیر قرآن سمجھ گئے تھے؟

شاہ صاحب رحمہ اللہ اس سوالیہ مقدر کا جواب دیتے ہیں کہ تشابہات قرآنی کی تاویل و تفسیر میں غور و خوض کرنا، صفات خداوندی کی حقیقت و ماہیت کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور دیگر مبہم امور کی تعیین کرنا کہ عزیز مصر کی اہلیہ کا کیا نام تھا، اصحاب کہف کے کیا نام تھے، ان کے کتے

کا کیا رنگ تھا، موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لئے شیخ دین کی کوئی لڑکی آئی تھی، بڑی یا چھوٹی؟ اس قسم کی غیر ضروری باتوں میں وقت ضائع کرنا شرعاً مطلوب نہیں، بلکہ پسندیدہ بھی نہیں۔ اسی لئے صحابہ کرام ایسی باتوں میں غور و خوض نہیں کرتے تھے اور ان کے پیچھے پڑ کر وقت ضائع نہیں کرتے تھے، چنانچہ صحابہ نے تفسیر قرآن کے سلسلہ میں آنحضور ﷺ سے چند ہی سوالات کئے ہیں، اسی لئے تفسیر قرآن کے سلسلہ میں مرفوع روایات بہت ہی کم آئی ہیں۔

اب پھر سوال پیدا ہو گا کہ جب اگلوں کو تفسیر کی حاجت نہیں تھی تو پچھلوں کو اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ امام مالک رحمہ اللہ کا ارشاد تو یہ ہے کہ لَنْ يَصْلَحَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلَّحَ بِهِ أَوَّلُهَا (امت کے پچھلوں کو وہی باتیں سنوا سکتی ہیں جن سے امت کے اگلوں کی اصلاح ہوئی ہے) شاہ صاحب رحمہ اللہ اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ جب قرآن کے اولین مخاطب گذر گئے اور عجمی لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اور عرب و عجم کے اختلاط کی وجہ سے زبان بگڑ گئی اور اصل عربی زبان متروک ہو گئی، تو بعض مقامات پر لوگوں کو مراد خداوندی کے سمجھنے میں دشواریاں پیش آئیں، اور ان دشواریوں کو دور کرنے کے لئے لغت و نحو کی چھان بین، اور اشکالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوا، اور مراد خداوندی کو واضح کرنے کے لئے تفسیر کی کتابیں لکھنی ضروری ہوئیں۔ اس طرح علم تفسیر وجود میں آگیا۔

لہذا اس زمانہ کے لوگوں کو تفسیر کے دوران جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان کو اجمالی طریقہ پر ذکر کرنا، اور ان کی مثالیں پیش کرنا ضروری ہے، تاکہ مفسر کو تفسیر کے وقت زیادہ غور و خوض نہ کرنا پڑے، اور مشکل مقامات کی تشریح و توضیح میں زیادہ وقت نہ اٹھانی پڑے۔

الباب الثانی

فی

بیان وجوہ الخفاء فی معانی نظم القرآن بالنسبۃ الی

أهل هذا العصر، وإزالة ذلك الخفاء بأوضح بیان

لِیَعْلَمَ أَنَّ الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ قَدْ نَزَلَ فِي لُغَةِ الْعَرَبِ الْقَعْدَةِ الْمَبِينَةِ الْوَاضِحَةِ، وَقَفَّهَمَ

العربُ معنی منطوقہ بسلیقہم الی جُبلوا علیہا، کما قال تعالیٰ: ﴿وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿فَرَأَيْنَا عَرَبًا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿كِتَابٌ أُخْكِمَتْ آيَاتُهُ، ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾

وكان من مرضی الشارع الحکیم عدم الخوض فی تاویل المتشابهات القرآنیة، وتصویر حقائق الصفات الإلهیة، وتسمیة المبهم، واستقصاء القصص، وما أشبه ذلك؛ ولذلك قلّما كانوا یسئلونه صلی اللہ علیہ وسلم عن مثل ذلك؛ ولهذا لم یُرفع فی هذا الباب من الأحادیث إلا شیء قلیل.

ولكن لما مضت تلك الطبقة وتدخل العجم، وتركت تلك اللغة الأصلية، واستعصى فهم المراد فی بعض المواضع، ومسّت الحاجة إلى تفتیش اللغة والنحو، وجرت الأسئلة والأجوبة فیما بین الناس، وصنفت كتب التفسیر، لزم أن نذكر هذه المواضع الصعبة إجمالاً، ونورد لها أمثلة حتى لا یحتاج المفسر عند الخوض فیها إلى زیادة بیان، ولا یضطر إلى المبالغة فی الكشف عنها وشرحها.

ترجمہ: دوسرا باب: اس زمانہ (یعنی عصر حاضر) کے لوگوں کی طرف نظر کرتے ہوئے نظم قرآن کے مطالب (سمجھنے) میں (پیش آنے والی) پوشیدگی کے اقسام، اور اس پوشیدگی کو نہایت واضح طریقہ پر دور کرنے کے بیان میں۔

جاننا چاہئے کہ قرآن عظیم خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے جو نہایت واضح ہے، اور عرب اس کے منطوق (مدلول، ماسبق لاجلہ الکلام) کے معانی سمجھتے تھے اپنے اس سلیقہ (لیاقت) سے جس پر ان کو پیدا کیا گیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (سورہ زخرف کی دوسری آیت میں) فرمایا ہے: ”قسم ہے واضح کتاب یعنی قرآن پاک کی، اور (سورہ یوسف کی دوسری آیت میں) فرمایا ہے: (اتار اہم نے اس کو) عربی قرآن بنا کر تاکہ تم سمجھو، اور (سورہ ہود کی پہلی آیت میں) فرمایا ہے: یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبر کی طرف سے۔

اور شارع حکیم کی مرضی میں سے ہے غور و خوض نہ کرنا تشابہات قرآنی کی تاویل میں، اور صفات خداوندی کے حقائق کی توضیح میں، اور مبہم امور کی تعین میں، اور قصوں کی تمام تفصیلات کا احاطہ کرنے

میں اور اس کے مشابہ چیزوں میں، اسی لئے وہ حضرات (جو قرآن پاک کے اولین مخاطب تھے) آنحضرت ﷺ سے بہت کم سوال کرتے تھے اس جیسی چیزوں کے بارے میں، اور اسی لئے اس باب میں مرفوع احادیث بہت ہی کم آئی ہیں۔

لیکن جب یہ طبقہ گزر گیا، اور عجمی لوگ داخل ہوئے، اور وہ اصلی زبان ترک کردی گئی، اور مراد خداوندی کا سمجھنا بعض جگہوں میں دشوار ہو گیا، اور ضرورت پیش آئی لغت اور نحو کی چھان بین کی، اور سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا لوگوں کے درمیان، اور تفسیر کی کتابیں تصنیف کی گئیں، تو ضروری ہوا کہ ہم ان مشکل مقامات کو اجمالی طریقہ پر ذکر کریں، اور ان کی مثالیں پیش کریں، تاکہ مفسر کو ان مقامات میں غور کرتے وقت زیادہ وضاحت کی ضرورت نہ رہے، اور ان مقامات کی توضیح و تشریح میں مبالغہ کرنے کی مجبوری پیش نہ آئے۔

لغات:

الْفَحْصَةُ: خالص، غریب الفاظ سے پاک..... استقصی المسألة: مسئلہ کی تہ کو پہنچنا، واقعہ کی تمام تفصیلات بیان کرنا..... استقصى الشيء علیہ: دشوار ہونا، سخت ہونا۔



فہم مراد میں پیش آنے والی دشواریوں کے اسباب

اس زمانہ کے لوگوں کو کلام الہی کی مراد سمجھنے میں جو دشواری پیش آتی ہے، اس کے سبب یہ ہیں: کبھی غریب لفظ کے آجانے کی وجہ سے فہم مراد میں دشواری ہوتی ہے، اور اس کا حل صحابہ کرام و تابعین عظام اور دیگر اہل معانی نے غریب لفظ کے جو معنی بیان کئے ہیں، ان کو نقل کرنا ہے — اور کبھی ناخن و منسوخ اور اسباب نزول کو نہ جاننے کی وجہ سے، اور کبھی مضاف یا موصوف وغیرہ کو حذف کرنے کی وجہ سے فہم مراد میں دشواری پیش آتی ہے — اور کبھی ایک چیز کو دوسری چیز سے، یا ایک حرف کو دوسرے حرف سے، یا ایک اسم کو دوسرے اسم سے، یا ایک فعل کو دوسرے فعل سے بدلنے کی وجہ سے، یا جمع کو مفرد کی جگہ اور مفرد کو جمع کی جگہ ذکر کرنے کی وجہ سے، یا خطاب سے غیبت کی طرف التفات کرنے کی وجہ سے کلام الہی کی مراد تک

پہنچنا دشوار ہوتا ہے۔ اور کبھی تقدیم و تاخیر، اور ضمیروں کے انتشار کی وجہ سے، یا ایک لفظ سے چند معنی مراد لینے کی وجہ سے فہم مراد میں دشواری ہوتی ہے۔ اور کبھی تکرار و اطناب، یا اختصار و ایجاز کی وجہ سے، اور کبھی کنایہ، تعریض، قشابہ اور مجاز عقلی کو استعمال کرنے کی وجہ سے فہم مراد تک پہنچنا دشوار ہوتا ہے، لہذا قرآن کریم کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے ان اسباب کی حقیقت اور ان کی مثالیں جان لینی چاہئیں، تاکہ تفسیر کے دوران ان کی طرف اشارہ کرنا کافی ہو جائے۔ آگے آخر باب تک ان ہی امور اور اسباب کی وضاحت ہے۔

أسبابُ صُعوبةِ فهمِ المرادِ من الكلام

فنقول: إن عدم الوصول إلى المراد من اللفظ يكون:

- أحيانا بسبب استعمال لفظ غريب؛ وعلاجه: نقل معنى اللفظ عن الصحابة والتابعين، وسائر أهل المعاني.
- وأحيانا لقلّة الاطلاع على الناسخ والمنسوخ.
- وأحيانا للغفلة عن أسباب النزول.
- وأحيانا بسبب حذف المضاف أو الموصوف أو غيرهما.
- وأحيانا لإبدال شيء بشيء، أو إبدال حرف بحرف، أو اسم باسم، أو فعل بفعل، أو لذكر الجمع مكان المفرد، أو بالعكس، أو للالتفات من الخطاب إلى الغيبة.
- وأحيانا لتقديم ما حقه التأخير أو بالعكس.
- وأحيانا بسبب انتشار الضمائر، أو تعدد المراد من اللفظة الواحدة.
- وأحيانا بسبب التكرار والإطناب.
- وأحيانا بسبب الاختصار والإيجاز.
- وأحيانا بسبب استعمال الكناية والتعريض والمتشابه والمجاز العقلي.
- فينبغي للإخوة السعداء أن يطلعوا في مبدأ الكلام على حقيقة هذه الأمور، وعلى شيء من أمثلتها، ويكتفوا بالرمز والإشارة في مواضع التفصيل.

ترجمہ: کلام کی مراد سمجھنے میں دشواری کے اسباب: پس ہم کہتے ہیں کہ لفظ کی مراد تک نہ

پہنچنا ہوتا ہے (دس اسباب کی وجہ سے):

۱- کبھی غریب لفظ کے استعمال کی وجہ سے، اور اس کا علاج اور حل لفظ کے معنی روایت کرنا ہے، صحابہ کرام، تابعین عظام اور دیگر اہل معانی سے۔

۲- اور کبھی ناخ و منسوخ سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے۔

۳- اور کبھی شان نزول سے غافل ہونے کی وجہ سے۔

۴- اور کبھی مضاف یا موصوف یا ان کے علاوہ کے حذف کی وجہ سے۔

۵- اور کبھی ایک چیز کو دوسری چیز سے بدلنے کی وجہ سے، یا ایک حرف کو دوسرے حرف سے، یا ایک اسم کو دوسرے اسم سے، یا ایک فعل کو دوسرے فعل سے بدلنے کی وجہ سے، یا جمع کو مفرد کی جگہ ذکر کرنے، یا اس کے برعکس کرنے کی وجہ سے، یا خطاب سے غیبت کی طرف التفات کرنے کی وجہ سے۔

۶- اور کبھی اس چیز کو جس کو مؤخر کرنا چاہئے تھا مقدم کرنے یا اس کے برعکس کرنے کی وجہ سے۔

۷- اور کبھی ضمیروں کے انتشار کی وجہ سے (یعنی ضمیروں کے مراجع کے مختلف ہونے کی وجہ سے) یا ایک ہی لفظ سے چند معنی مراد لینے کی وجہ سے۔

۸- اور کبھی تکرار اور اطناب کی وجہ سے۔

۹- اور کبھی اختصار و ایجاز کی وجہ سے۔

۱۰- اور کبھی کنایہ، تعریض، تشابہ اور مجاز عقلی کے استعمال کی وجہ سے۔

لہذا سعادت مند بھائیوں (یعنی طالب علموں) کے لئے مناسب ہے کہ کلام کے آغاز میں (یعنی تفسیر میں گفتگو کرنے سے پہلے) ان امور کی حقیقت اور ان کی چند مثالوں سے واقف ہو جائیں، اور تفصیل کی جگہوں میں رمز و اشارے پر اکتفا کریں (آگے ان امور کی مکمل تفصیل آرہی ہے)

لغات:

لفظ غریب: مشکل لفظ جس کے معنی معلوم نہ ہوں۔ غُرُبُ الکلام (ک) غَرَابَةُ: مخفی ہونا، پوشیدہ ہونا..... اہل المعانی سے مراد وہ حضرات ہیں جو الفاظ قرآنی کے معانی سے خوب واقف ہوتے ہیں جیسے زجاج، فرہاء، الخفش اور ابن انباری وغیرہ..... سَعْدَاءُ، سَعِيدُ کی جمع ہے: نیک بخت..... الرَّمَزُ: اشارہ، رَمَزَ الیہ (ن ض) رَمَزًا: اشارہ کرنا..... کنایہ، تعریض، تشابہ اور مجاز عقلی کی تعریفات آگے آرہی ہیں۔



فصل اول

غریب الفاظ کی تشریح کے بیان میں

جس لفظ کے معنی قلت استعمال کی وجہ سے مخفی ہو گئے ہوں اس کو غریب کہتے ہیں، قرآن کریم میں نزول قرآن کے وقت کوئی لفظ غریب نہیں تھا، بعد میں جب عرب و عجم کے اختلاط کی وجہ سے اصل عربی زبان متروک ہو گئی تو بعد والوں کے لئے قرآن کریم کے بعض الفاظ کے معانی مخفی ہو گئے۔

اس خفاء کو دور کرنے میں سب سے بہتر، غریب الفاظ کی وہ تشریح اور معانی ہیں جو ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے علی بن ابی طلحہؓ کے واسطے سے منقول ہیں، اور امام بخاریؒ نے عام طور پر اپنی صحیح میں اس پر اعتماد کیا ہے۔

اس کے بعد غریب الفاظ کی وہ تشریح اور معانی ہیں جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ضحاک بن مزاحم کے واسطے سے نقل کئے گئے ہیں، نیز حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نافع بن ازرق حروری خارجی کے سوالوں کے جو جوابات دیئے ہیں ان میں بھی بہت سے غریب الفاظ کی تشریح ہے، اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے، ان تینوں طریقوں سے غریب الفاظ کے جو معانی منقول ہیں، ان کو اپنی کتاب ”الاتقان فی علوم القرآن“ میں ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد غریب الفاظ کی وہ تشریح ہے جس کو امام بخاریؒ نے دیگر ائمہ تفسیر سے، مثلاً مجاہد حسن بصریؒ، اور قتادہ وغیرہ نقل فرمائی ہے۔ پھر غریب الفاظ کی وہ تشریح ہے جو دیگر مفسرین محدثین نے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین سے نقل کی ہے۔

لوگوں کی سہولت کی خاطر شاہ صاحب نے اس کتاب کے پانچویں باب میں غریب الفاظ کے معانی اور تشریحات و افرق مدار میں اکٹھا کر دی ہیں، اور بہت سی آیتوں کا شان نزول بھی بیان کیا

ہے، اور اس کو مستقل رسالہ کی حیثیت دے کر فتح الخبیر بمالاً بدمن حفظہ فی علم التفسیر نام رکھا ہے، یہ رسالہ پہلے الفوز الکبیر کے ساتھ شائع ہوا تھا، لیکن داخل نصاب نہ ہونے کی وجہ سے اب ناشرین اس کو شائع نہیں کرتے جو صاحب اس رسالہ کو دیکھنا چاہیں وہ فارسی الفوز الکبیر کے آخر میں دیکھ سکتے ہیں۔

الفصل الأول

فی

شرح غریب القرآن

وأحسن الطرق في شرح الغريب ما صَحَّ عن ترجمان القرآن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، عن طريق ابن أبي طلحة واعتمد عليه البخاري في صحيحه غالباً؛ ثم طريق الضحاك عن ابن عباس، وأجوبة ابن عباس عن سؤالات نافع بن الأزرق؛ وقد ذكر السيوطي هذه الطرق الثلاث في كتابه: "الإتقان في علوم القرآن".

ثم ما نقله البخاري من شرح الغريب عن أئمة التفسير، ثم ما رواه سائر المفسرين عن الصحابة والتابعين وأتباعهم رضي الله عنهم من شرح غريب القرآن.

وأرى من المناسب أن أجمع في الباب الخامس من هذه الرسالة جملةً صالحةً من شرح غريب القرآن مع بيان أسباب النزول، وأجعلها رسالةً مستقلةً فمن شاء ضمها إلى هذه الرسالة، ومن شاء أفردها على حدة:

وللناس فيما يَعشَقُونَ مذاهبُ

ترجمہ: پہلی فصل: قرآن کے مشکل کلمات کی وضاحت میں ہے: اور مشکل کلمات کی وضاحت کا بہترین طریقہ وہ روایات ہیں جو ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بہ سند ابن ابی طلحہ ثابت ہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عام طور پر اس سند سے مروی روایات پر اعتماد کیا ہے، پھر وہ روایات ہیں جو بہ سند ضحاک حضرت ابن عباس سے مروی ہیں اور ابن عباسؓ کے وہ جوابات ہیں جو انھوں نے نافع بن الأزرق کے سوالوں کے دیئے ہیں، اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں ان تینوں سندوں (سے مروی شرح غریب) کو ذکر کیا ہے۔

پھر غریب الفاظ کی وہ تشریح ہے جس کو امام بخاری نے دیگر ائمہ تفسیر سے نقل کیا ہے، پھر قرآن پاک کے غریب الفاظ کی وہ شرح ہے جو دیگر مفسرین نے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین سے نقل کی ہے۔ اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس رسالہ کے پانچویں باب میں قرآن کریم کے غریب الفاظ کی شرح کی وافر مقدار جمع کروں اسباب نزول کی وضاحت کے ساتھ، اور اس کو مستقل رسالہ بناؤں، پس جو چاہے اس کو اس رسالہ کے ساتھ ملائے، اور جو چاہے اس کو علیحدہ رکھے:

اور لوگ مختلف راہیں اپناتے ہیں ان باتوں میں جن سے وہ محبت کرتے ہیں!

فائدہ: نافع بن الأزرق حروری،: خارجیوں کا سردار تھا، اور خارجیوں کا فرقہ ازارقہ اسی کی طرف منسوب ہے، یہ ہمدانی الاخری ۶۵ ہجری میں قتل کیا گیا ہے، علامہ سیوطی نے ”الاتقان“ میں سند متصل سے ذکر کیا ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، لوگوں نے آپ کو گھیر رکھا تھا، اور قرآن کریم کی تفسیر دریافت کر رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر نافع بن الأزرق نے نجدہ بن غوثیم سے کہا کہ چلو اس شخص سے، جو تفسیر بیان کرنے کی جرات کر رہا ہے، چند سوالات کریں، چنانچہ دونوں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئے، اور ان سے کہا کہ: ہم قرآن کریم کے بارے میں چند باتیں دریافت کرنا چاہتے ہیں، آپ ان کی وضاحت کیجئے، اور کلام عرب کے شواہد پیش کیجئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نالصل عربی زبان میں نازل فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ: جو چاہو، پوچھو، اس کے بعد علامہ سیوطی نے نافع کے تمام سوالات اور ابن عباس کے جوابات نقل فرمائے ہیں۔ (العون الکبیر)



قدیم مفسرین کبھی لفظ کی لازم معنی سے تفسیر کرتے ہیں

قدیم مفسرین سے غریب الفاظ کی جو تشریحات منقول ہیں ان کے بارے میں خاص طور پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کبھی لفظ کے معنی موضوع لہ یعنی لغوی اور حقیقی معنی بیان نہیں کرتے، بلکہ لفظ کی لازم معنی سے تفسیر کرتے تھے یعنی لفظ کی تفسیر میں اس کے لغوی حقیقی معنی کے بجائے ایسے معنی بیان کرتے تھے جو حقیقی معنی کے لئے لازم ہوتے ہیں۔ مثلاً سورج کی تفسیر دھوپ یا روشنی یاد ان سے کرنا لازم معنی سے تفسیر کرنا ہے۔ جب متاخرین مفسرین عربی محاورات

اور لغات میں یہی معنی تلاش کرتے ہیں، تو ان کو عربی محاورات اور لغات میں یہ معنی نہیں ملتے اس لئے وہ قدیم تفسیر پر تنقید کرتے ہیں، حالانکہ متاخرین مفسرین کی یہ تنقید اور گرفت بالکل بیجا ہوتی ہے، اور قدیم مفسرین کے طرز عمل سے ناواقفیت کی دلیل ہوتی ہے۔

القدماء ربما يفسرون اللفظ بلازم معناه

ومما ينبغي أن يعلم هنا: أن الصحابة والتابعين رضی اللہ عنہم ربما يفسرون اللفظ بلازم معناه؛ وقد يتعقب المفسرون المتأخرون ذلك التفسير القديم، من جهة تتبع اللغة، وتفحص موارد الاستعمال. والغرض المطلوب في هذه الرسالة: سرد تفسيرات السلف بعينها، ولنقدھا وتنقيحھا موضع آخر غير هذا الموضع:

فلكل مقام مقال، ولكل نكتة مجال

ترجمہ: قدیم مفسرین بعض مرتبہ لفظ کی اس کے لازم معنی سے تفسیر کرتے ہیں: یہاں جن باتوں کا جاننا مناسب ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کبھی لفظ کی اس کے لازم معنی سے تفسیر کرتے ہیں، اور متاخرین مفسرین کبھی اس قدیم تفسیر پر گرفت کرتے ہیں، لغت کی چھان بین اور مواقع استعمال کی کھود کرید کرنے کے اعتبار سے۔

اور اس رسالہ (فتح الجبیر) میں جس غرض کا قصد کیا گیا ہے، وہ اسلاف کی تفسیروں کو بعینہ نقل کرنا ہے، اور ان پر نقد و تبصرہ کے لئے دوسرا موقع ہے اس موقع کے علاوہ، کیونکہ ہر موقع کے لئے الگ گفتگو اور ہر نکتہ کے لئے الگ موقع (ہوتا) ہے (جہاں جیسا موقع ہوتا ہے ویسی گفتگو کی جاتی ہے)

لغات:

تَعَقَّبَهُ تَعَقُّبًا: جرم پر گرفت کرنا..... تَتَّبَعَ الْأَمْرَ تَتَّبَعًا: دیر تک تلاش کرنا، چھان بین کرنا..... تَفَحَّصَ عَنْهُ تَفَحُّصًا: کھود کرید کرنا..... سَرَدَ الْحَدِيثَ (ن ض) سَرَدًا: اچھی طرح بیان کرنا، نقل کرنا..... السَّلَفُ: گذرے ہوئے آباء و اجداد، جمع أسلاف، یہاں سلف سے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین مراد ہیں..... نَقَدَ الْكَلَامَ (ن) نَقَدًا: کلام کے عیوب و محاسن کو ظاہر کرنا..... نَقَحَ الْكَلَامَ: اصلاح کرنا، درست کرنا۔

فصل دوم

ناسخ و منسوخ کی معرفت میں

ناسخ و منسوخ کی شناخت کرنا فن تفسیر کے نہایت مشکل مسائل میں سے ہے، اور دشواری کی سب سے بڑی وجہ متقدمین اور متاخرین کا نسخ کے معنی میں اختلاف ہے، اس لئے نسخ کے لغوی معنی اور متقدمین و متاخرین کی اصطلاحوں کا فرق جاننا تفسیر کے ہر طالب علم کے لئے نہایت ضروری ہے۔

نسخ کے لغوی اور اصطلاحی معنی

نسخ کے لغوی ہیں: زائل کرنا، باطل کرنا، مٹانا، کہا جاتا ہے: نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ: دھوپ نے سایہ کو ہٹا دیا، نَسَخَتِ الرِّيحُ آثَارَ الْقَدَمِ: ہوائے قدموں کے نشان مٹا دیئے۔

اور اصولیوں کی اصطلاح میں نسخ کی تعریف یہ ہے: بیانِ انتہاءِ حکم شرعی بطریق شرعی مُتَرَاخٍ عَنْهُ حَتَّى لَا يَجُوزَ امْتِنَالُهُ: کسی حکم شرعی کی انتہا کو بیان کرنا ایسے شرعی طریقہ پر جو اس حکم شرعی سے مؤخر ہو یہاں تک کہ اس حکم شرعی پر عمل کرنا جائز نہ ہو — اس تعریف کے پیش نظر جو حکم منسوخ ہو گا اس پر کسی صورت میں عمل کرنا جائز نہ ہو گا۔

اور صحابہ کرام و تابعین عظام کے کلام کے جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ متقدمین نسخ کو اس کے لغوی معنی میں استعمال کرتے تھے، اصولیوں کے اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں کرتے تھے لہذا ان کے نزدیک نسخ کی تعریف یہ ہو گی: إِزَالَةُ بَعْضِ أَوْصَافِ الْآيَةِ بِآيَةٍ أُخْرَى: ایک آیت کے بعض اوصاف کو دوسری آیت کے ذریعہ زائل کرنا — اس تعریف کے پیش نظر احکام میں جو بھی تبدیلی ہو گی اس کو نسخ سے تعبیر کیا جائے گا، چاہے اس تبدیلی میں کسی حکم پر عمل کرنے کی انتہا بیان کی گئی ہو، یا کلام کو متبادر معنی سے غیر متبادر معنی کی طرف پھیرا گیا ہو، یا اس میں کسی قید کے اتفاقی ہونے کی وضاحت کی گئی ہو، یا عام کی تخصیص کی گئی ہو، یا منصوص اور اس پر

جس کو بظاہر قیاس کیا گیا ہے ان دونوں کے درمیان وجہ فرق بیان کی گئی ہو، یا جاہلی رسوں میں سے کسی رسم کو باطل کیا گیا ہو، یا سابقہ شریعتوں میں سے کسی شرعی حکم کو ختم کیا گیا ہو۔

الفصل الثانی

فی

معرفة النسخ والمنسوخ

من المواضع الصَّغْبَةِ فی علم التفسیر التي مباحثها كثيرة، والاختلاف فيها واسع: معرفة النسخ والمنسوخ؛ ومن أقوى وجوه الصَّعوبة: اختلاف اصطلاح المتقدمين والمتأخرين.

معنى النسخ عند المتقدمين:

والذى وَضَحَ لنا باستقراء كلام الصحابة والتابعين: أنهم كانوا يستعملون "النسخ" فى معناه اللغوى، الذى هو "إزالة شيء بشئ" لا بمعنى مصطلح الأصوليين فمعنى النسخ عندهم: "إزالة بعض أوصاف الآية بآية أخرى" سواء كان ذلك:

- ببيان انتهاء مدة العمل.
- أو بصرف الكلام عن المعنى المتبادر إلى غير المتبادر.
- أو ببيان كون القيد إتفاقيا.
- أو بتخصيص عام.
- أو ببيان الفارق بين المنصوص وبين ما قيس عليه ظاهراً.
- أو بإزالة عادة من العادات الجاهلية.
- أو برفع شريعة من الشرائع السابقة.

ترجمہ: دوسری فصل: نسخ و منسوخ کی شناخت میں: فن تفسیر کے ان مشکل مواقع میں سے جن کے مباحث بہت ہیں، اور جن میں اختلاف پھیلا ہوا ہے نسخ و منسوخ کا پہچانا ہے، اور دشواری کی قوی ترین وجہ متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا مختلف ہونا ہے۔

متقدمین کے نزدیک نسخ کے معنی: صحابہ کرام اور تابعین عظام کے کلام کا جائزہ لینے سے جو بات ہمارے لئے واضح ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات نسخ کو اس کے لغوی معنی میں استعمال کرتے تھے، اور وہ (لغوی معنی) ”ایک چیز کو دوسری چیز کے ذریعہ زائل کرنا“ ہیں، نہ کہ اصولیوں کے اصطلاحی معنی میں، پس نسخ کے معنی ان کے نزدیک ”آیت کے بعض اوصاف کو دوسری آیت کے ذریعہ زائل کرنا“ ہیں، چاہے وہ (ازالہ)

۱- مدت عمل کی انتہاء کو بیان کرنے کے ذریعہ ہو۔

۲- یا کلام کو متبادر معنی سے غیر متبادر معنی کی طرف پھرنے کے ذریعہ ہو۔

۳- یا قیاد کے اتفاقی ہونے کو بیان کرنے کے ذریعہ ہو۔

۴- یا عام کی تخصیص کے ذریعہ ہو۔

۵- یا منصوص اور اس پر بظاہر جس چیز کو قیاس کیا گیا ہے اس کے درمیان وجہ فرق بیان کرنے کے ذریعہ ہو۔

۶- یا جاہلی رسوم میں سے کسی رسم کو مٹانے کے ذریعہ ہو۔

۷- یا سابقہ شریعتوں میں سے کسی شریعت کو اٹھانے کے ذریعہ ہو۔

مثالیں

زیر شرح عبارت میں شاہ صاحب نے متقدمین کی اصطلاح کی وضاحت کرتے ہوئے نسخ کی جو سات صورتیں بیان کی ہیں، ان کی مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی صورت کی مثال: ﴿وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نُسَائِكُمْ﴾ الخ (سورہ نساء آیت ۱۵) اس آیت میں پہلے یہ حکم دیا گیا تھا کہ جن عورتوں نے بے حیائی (زنا) کا ارتکاب کیا ہو، ان کو ان کے گھروں میں مقید کر دو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور صورت تجویز فرمائیں۔ بعد میں یہ حکم سورہ نور کی دوسری آیت کے ذریعہ منسوخ ہو گیا یعنی اس حکم کی مدت عمل پوری ہو گئی، اس کی مزید وضاحت آگے آرہی ہے۔

دوسری صورت کی مثال: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَبَيِّنَ لَكُمْ الْخَبِيثُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَبِيثِ الْاَسْوَدَ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۸۷) اس آیت میں خبیث ابیض اور خبیث اسود کے متبادر معنی ہیں: سفید دھاگا اور سیاہ دھاگا، اور غیر متبادر معنی ہیں: دن کا اجالا اور رات کی تاریکی مگر من

الفَجْر نے متبادر معنی کے احتمال کو ختم کر دیا، اس لئے متقدمین کے نزدیک مِنَ الْفَجْرِ نَارٌ ہے۔ تیسری صورت کی مثال: ﴿وَرَبَّائِكُمْ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ (سورہ نساء آیت ۲۳) اس آیت میں فِي حُجُورِكُمْ کی قید اتفاقی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ آگے ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ اگر فِي حُجُورِكُمْ کی قید احترازی ہوتی تو جواز کی صورت میں بھی اس قید کا تذکرہ ضروری تھا، پس متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ الخ وَرَبَّائِكُمُ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ کے لئے نَارٌ ہے۔ چوتھی صورت کی مثال: ﴿وَإِنْ تُبْذُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفَوْهُ يُعَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۲۸۴) میں جو عموم ہے، اس میں ﴿لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (سورہ بقرہ آیت ۲۸۶) کے ذریعہ تخصیص کی گئی ہے، پس متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے دوسری آیت پہلی آیت کے لئے نَارٌ ہو گئی۔

پانچویں صورت کی مثال: شرکین عرب بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ وغیرہ جانوروں کو قربانی اور ہدی کے جانوروں پر قیاس کر کے ان جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنے کو جائز سمجھتے تھے، اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ﴾ (سورہ مائدہ آیت ۱۰۳) پس متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ آیت نَارٌ ہو گئی۔ چھٹی صورت کی مثال: زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرتے تھے، اس رسم بد کے رد میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا آبَاؤَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ (سورہ نساء آیت ۲۲) نیز زمانہ جاہلیت میں لوگ بیت اللہ شریف کا ننگے طواف کرتے تھے، اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَبْنِي آدَمَ خُلُودًا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (سورہ اعراف آیت ۳۱) پس متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ دونوں آیتیں جاہلی رسوں کے لئے نَارٌ ہیں۔

ساتویں صورت کی مثال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں قتل عمد کی سزا صرف قصاص تھی۔ اس میں ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبَاعَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَّى إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۷۸) کے ذریعہ تخفیف کی گئی کہ چاہو تو قصاص لو اور چاہو تو دیت لو اور چاہو تو معاف کر دو، لہذا متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ

آیت شریعت سابقہ کے حکم کے لئے ناسخ ہے۔



منسوخ آیتوں کی تعداد

چونکہ متقدمین ہر طرح کی تبدیلی کو نسخ سے تعبیر کرتے تھے، جس کی تعیین میں نقل سے زیادہ عقل کا دخل ہے، اس لئے ان کے درمیان نسخ کی تعیین میں بہت اختلاف ہے، اور نسخ کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور منسوخ آیتوں کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی ہے، بلکہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو منسوخ آیتوں کی تعداد غیر محدود ہوگی، اور متاخرین کی اصطلاح کے مطابق منسوخ آیتوں کی تعداد بہت کم ہے، خصوصاً اس توجیہ کے پیش نظر جو شاہ صاحب نے اختیار فرمائی ہے۔

چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے ”الاتقان فی علوم القرآن“ میں بعض علماء سے مذکورہ بالا باتوں کو مناسب شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنے کے بعد متاخرین کی اصطلاح کو سامنے رکھتے ہوئے شیخ ابن العربی کی رائے کے موافق منسوخ آیتیں تحریر فرمائی ہیں، جو تقریباً بیس ہیں، ان میں سے پندرہ آیتوں کے منسوخ ہونے میں شاہ صاحب کو کلام ہے، اس لئے آئندہ سطور میں شاہ صاحب علامہ سیوطیؒ کے کلام کو بعینہ نقل فرما کر اس پر تبصرہ فرماتے ہیں۔

عدد الآيات المنسوخة عند المتقدمين:

فأُتسع بابُ النسخِ عندهم، وكثر جَوْلَانُ العقلِ فيه، واتَّسعت دائرةُ الاختلافِ لديهم، ولذلك بلغتِ الآياتُ المنسوخةُ عندهم إلى خمسِ مائةِ آيةٍ؛ بل إذا حَقَّقْتَ النظرَ تجدُها غيرَ محصورةٍ؛ وأما المنسوخُ حَسَبَ اصطلاحِ المتأخرين فلا يتجاوزُ العددَ القليلَ، لاسيَّما حَسَبَ ما اخترناه من التوجيهِ.

الآياتُ المنسوخةُ عند المتأخرين:

وقد ذكرَ الشيخُ جلالُ الدين السُّيوطيُّ في ”الإتقان“ عن بعضِ العلماء ما ذكرناه آنفاً، بتقريرٍ مبسوطٍ كما ينبغي؛ ثم حرَّرَ المنسوخَ طَبَقَ رأيِ المتأخرين، موافقاً لرأي الشيخِ ابنِ العربي فعدهُ قريباً من عشرين آيةً؛ وللفقيرِ في أكثرِها نظراً، فلنوردَ كلامَه مع التعقيبِ

ترجمہ: متقدمین کے نزدیک منسوخ آیتوں کی تعداد: پس کشادہ ہو گیا نسخ کا باب ان کے نزدیک، اور زیادہ ہو گئی عقل کی جولانی اس میں، اور کشادہ ہو گیا اختلاف کا دائرہ ان کے نزدیک، اسی لئے پہنچ گئیں منسوخ آیتیں ان کے نزدیک پانچ سو تک، بلکہ جب آپ گہری نظر سے دیکھیں گے تو ان (آیتوں) کو غیر محدود پائیں گے، اور رہی منسوخ آیتیں متاخرین کی اصطلاح کے مطابق تو وہ قلیل تعداد سے آگے نہیں بڑھتیں، خصوصاً اس توجیہ کے مطابق جو ہم نے اختیار کی ہے۔

متاخرین کے نزدیک منسوخ آیتیں: شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے ”الاتقان“ میں بعض علماء سے وہی بات ذکر کی ہے جس کو ہم نے ابھی بیان کیا ایسی مفصل تقریر کے ساتھ جیسی ہونی چاہئے، پھر منسوخ آیتوں کو تحریر فرمایا ہے متاخرین کی رائے کے مطابق (اور) شیخ ابن العربی کی رائے کے موافق، پس اس کو تقریباً آیتیں شمار کیا ہے، اور فقیر کو (یعنی شاہ صاحب کو) ان میں سے اکثر کے بارے میں کلام ہے، اس لئے ہم علامہ سیوطیؒ کے کلام کو نقل کرتے ہیں، ان پر تنقید کے ساتھ۔

لغات:

جَوْلَانٌ مصدر ہے، جَالَ فِي الْمَكَانِ (ن) جَوْلًا وَجَوْلَانًا: چکر لگانا، گھومنا..... حَوَّرَ الْكِتَابَ تَحْوِيرًا: خوبصورت اور درست لکھنا..... عَقَّبَ عَلَى فُلَانٍ تَعْقِيبًا: غلطیوں کو بیان کرنا، تنقید کرنا، قابل مواخذہ بات پر گرفت کرنا۔

فقہ فائدہ: شیخ ابن العربی سے مراد قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ معافری اندلسی ہیں، جو اشبیلیہ کے قاضی اور تفسیر وحدیث کے ماہر اور فقہ میں امام مالکؒ کے متبع تھے، آپ کی ولادت ۳۶۸ھ میں اور وفات ۵۴۳ھ میں ہوئی ہے۔ یہ شیخ محی الدین ابن عربی کے علاوہ ہیں جو فتوحات مکیہ کے مصنف اور تصوف کے مشہور عالم ہیں۔



منسوخ آیتوں کی تفصیل

شیخ ابن العربی نے متاخرین کی اصطلاح کے اعتبار سے جن آیتوں کو منسوخ مانا ہے، اور علامہ سیوطیؒ نے ”الاتقان“ میں ان کو بیان کیا ہے، ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

وارث کے لئے وصیت کا حکم

علامہ سیوطی ”الائقان“ میں فرماتے ہیں کہ سورۃ بقرۃ میں جو آیتیں منسوخ ہیں ان میں سے پہلی آیت یہ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْآلِذِينَ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ، حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ (سورۃ بقرۃ آیت ۱۸۰) ترجمہ: تم پر فرض کیا گیا ہے جب کسی کو (آثار سے) موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو، وصیت کرنا والدین اور دیگر رشتہ داروں کے لئے معقول طریقہ پر، یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر۔

تشریح: اس آیت میں ورثاء (والدین وغیرہ) کے لئے وصیت کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے، حالانکہ وارث کے لئے وصیت باطل ہے، اس لئے ابن العربی کی رائے کے مطابق یہ آیت منسوخ ہے، مگر اس کے ناسخ میں تین قول ہیں: بعض حضرات کے نزدیک آیت میراث یعنی ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ (سورۃ نساء آیت ۱۲۱) ناسخ ہے، اور بعض کے نزدیک حدیث ﴿لَا وَصِيَّةَ لِرِثِّ﴾ ناسخ ہے، اور بعض کے نزدیک اجماع ناسخ ہے — شاہ صاحب بھی اس آیت کو منسوخ مانتے ہیں، مگر ان کے نزدیک ناسخ آیت میراث ہے، اور حدیث لَا وَصِيَّةَ لِرِثِّ کو واضح کرنے والی ہے، اور اجماع سے اس آیت کو منسوخ ماننا صحیح نہیں، اس لئے کہ اجماع قیاس کی طرح کسی حکم شرعی کے لئے ناسخ نہیں ہو سکتا۔ اصول فقہ کی مشہور کتاب ”حاشی“ میں ہے: وَلَا خِلَافَ بَيْنَ الْجُمْهُورِ أَنَّ الْقِيَاسَ لَا يَضِلُّحُ نَاسِخًا، وَكَذَلِكَ الْإِجْمَاعُ عِنْدَ أَكْثَرِهِمْ (ص ۸۲)

فمن البقرة

۱- قوله تعالى: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ الآية منسوخة، قيل: بآية الموارث وقيل: بحديث: لَا وَصِيَّةَ لِرِثِّ وقيل بالإجماع، حكاه ابن العربي قلت: بل هي منسوخة بآية: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ وحديث ”لا وصية“ مبين للنسخ.

ترجمہ: پس سورۃ بقرۃ میں سے ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ

المَوْتُ ﴿الغ منسوخ ہے، کہا گیا کہ آیت میراث سے، اور کہا گیا کہ حدیث لاَوْصِيَّةٌ لِّوَارِثٍ سے، اور کہا گیا کہ اجماع سے (منسوخ ہے) ان اقوال کو ابن العربی نے نقل کیا ہے۔
 میں (یعنی شاہ صاحب) کہتا ہوں: بلکہ یہ آیت منسوخ ہے آیت ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ سے، اور حدیث لاَوْصِيَّةٌ لِّوَارِثٍ نسخ کی وضاحت کرنے والی ہے۔

فوائد

(۱) لاَوْصِيَّةٌ لِّوَارِثٍ (وراث کے لئے وصیت جائز نہیں) یہ حدیث دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور ائمہ کرام کے نزدیک مقبول ہے، امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے تفصیل کے لئے دیکھئے نصب الراية (ج ۴ ص ۴۰۳ تا ۴۰۵)
 (۲) زیر بحث آیت کو اگرچہ شاہ صاحب نے منسوخ مانا ہے۔ مگر حضرت قتادہ، حضرت طاؤس اور حضرت حسن بصریؒ وغیرہ حضرات منسوخ نہیں مانتے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت میں اور آیت میراث میں تطبیق ممکن ہے، لہذا اس کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں۔
 اور علامہ شوکانی بھی اس آیت کو منسوخ نہیں مانتے، وہ اس آیت کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ آیت اگرچہ عام ہے مگر معنی کے اعتبار سے خاص ہے، اور والدین سے ایسے والدین مراد ہیں جو کفر و رقیبت کی وجہ سے وراثت سے محروم ہوں، اور اقربین سے وراثت کے علاوہ دیگر رشتہ دار مراد ہیں، زعم حریت حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھیؒ کی بھی یہی رائے ہے، چنانچہ آپ ارقام فرماتے ہیں:

”اگر وارثوں کے ایسے حالات نہ ہوتے جن میں وہ غیر وارث بھی بن سکتے ہیں، تو اس کی توجیہ ناممکن ہوتی، والدین خصوصاً ایسی حالت میں ہیں کہ وہ غیر وارث نہیں ہوتے، لہذا ان کے حق میں وصیت قطعی طور پر منسوخ ہونی چاہئے، اور آیت مذکورہ میں مکتوبہ وصیت والدین کے لئے ہے، اس لئے شاہ صاحب نے آیت مذکورہ کو قطعی طور پر منسوخ مان لیا، مگر میرے شخصی حالات ایسے تھے جن سے مجھے شبہ ہوا، میری والدہ غیر مسلمہ میرے ساتھ موجود تھی، میں بیمار ہوا تو مجھے اس کی فکر لاحق ہوئی کہ اگر میں مر جاؤں تو اس بیچاری کو کوئی نہیں پوچھے گا ماس وقت اس کی جس قدر خاطر تواضع کی جاتی ہے وہ میری وجہ سے ہے، میرے مرتے ہی

یہ محروم ہو جائے گی، اب مجھے وصیت کا مطلب سمجھ میں آیا کہ اگر حالات ایسے درپیش ہوں تو وصیت لازم ہے، بنا بریں ﴿كَتَبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ پر عمل کرنے کی ایک صورت نکل آئی۔ اس لئے اس کو منسوخ کہنے کی ضرورت ہی نہیں، اطلاق کو تطبیق کی خاطر مقید بیشک کر لیجئے، یہ توفیقہ قرآنی کا بہت بڑا وسیع باب ہے“ (الفرقان بریلی کا شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۵۷)

الفوز الکبیر کے عربی مترجم اور شارح صاحب عون کبیر کی بھی رائے یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں، البتہ وہ توجیہ دوسری کرتے ہیں، کہ جب مرنے والے کو ڈر اور خوف ہو کہ اس کی اولاد اس کے مرنے کے بعد ترکہ شرعی طریقہ پر تقسیم نہ کرے گی، تو مرنے والے پر ضروری ہے کہ تمام ورثاء کے لئے شرعی حصص کے مطابق وصیت کرے اور گواہ بنائے اور وصیت کو رجسٹرڈ کرادے، تاکہ اس کے مرنے کے بعد کوئی کسی کا حق دبانا چاہے تو دبا نہ سکے، اور فتنہ و فساد کا دروازہ بند ہو جائے۔

نوٹ: ان توجیہات کا مقصد آیت وصیت اور آیت میراث کے درمیان تطبیق دینا ہے یعنی دونوں آیتوں کے درمیان بظاہر جو تعارض نظر آرہا ہے اس کو اٹھانا ہے، آیت وصیت کی جو مشہور تفسیر ہے اس کی تردید کرنا مقصود نہیں۔

جو شخص بمشقت روزہ رکھ سکتا ہے اس کے لئے فدیہ کا حکم

دوسری آیت: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۸۴) ترجمہ: جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں (مگر عادت نہ ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنا ان کے لئے نہایت شاق ہے) ان کے ذمہ فدیہ ہے، اور وہ ایک غریب کا کھانا (کھلاتا) ہے۔

تشریح: ابتداء میں یہی حکم تھا، جب اس کے بعد والی آیت ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (تم میں سے جو شخص رمضان کا مہینہ پائے وہ ضرور اس کے روزے رکھے) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا، اس پر سب کا اتفاق ہے، مگر یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے، اور ناخ اس کے بعد والی آیت ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ ہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ آیت محکم اور معمول بہا ہے، اور

يُطِيقُونَهُ پہلے ”لا“ پوشیدہ ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ: جو لوگ (کبرنی کی وجہ سے) روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ان کے ذمہ فدیہ ہے، اور وہ ایک مسکین کو کھانا کھلاتا ہے، یعنی اس آیت میں شیخ فانی کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک بھی یہ آیت منسوخ نہیں، محکم ہے، مگر وہ اس آیت کی بالکل الگ توجیہ کرتے ہیں، جمہور کے نزدیک يَطِيقُونَهُ کی ضمیر کا مرجع ”صیام“ ہے، جو پہلے مذکور ہے، مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ يَطِيقُونَهُ کی ضمیر کا مرجع فِذْيَةٌ ہے، جو لفظوں میں مؤخر ہے، مگر رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے، کیونکہ ترکیب میں فِذْيَةٌ مبتدأ مؤخر ہے اور عَلَى الَّذِينَ يَطِيقُونَهُ خبر مقدم ہے، اور مبتدأ چونکہ نکرہ ہے اس لئے اس کو مؤخر لایا گیا ہے، لہذا مرجع ذکر کرنے سے پہلے ضمیر لانے کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا، اور فدیہ سے مراد ”طعام“ ہے اس لئے مؤنث کے بجائے مذکر کی ضمیر لائی گئی ہے۔

الغرض شاہ صاحب کے نزدیک آیت میں صدقہ فطر کا حکم ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ: جو لوگ کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہیں (یعنی صاحب نصاب ہیں) ان کے ذمہ فدیہ یعنی صدقہ فطر ہے، اور وہ ایک غریب کو کھانا کھلاتا ہے، شاہ صاحب کے نزدیک اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزوں کا حکم دینے کے بعد صدقہ فطر کا حکم بیان کیا ہے، جیسا کہ اس کے بعد والی آیت میں روزوں کا حکم دینے کے بعد ﴿لَتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَذَاكُمْ﴾ میں تکبیرات عید کو ذکر فرمایا ہے۔

۲۔ قوله تعالى: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ﴾ قيل: منسوخة بقوله تعالى: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ وقيل: محكمة، ولا مقدرة قلت: عندی وجہ آخر: وهو أن المعنى: وعلى الذين يطيقون الطعام فدية؛ هي طعام مسكين؛ فاضمر قبل الذكر لأنه متقدم رتبة؛ وذکر الضمير، لأن المراد من الفدية هو الطعام؛ والمراد منه صدقة الفطر؛ عَقَّبَ اللَّهُ تعالى الأمر بالصيام في هذه الآية بصدق الفطر، كما عَقَّبَ الآية الثانية بتكبيرات العيد.

ترجمہ: ۲۔ ارشاد خداوندی ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ﴾ کہا گیا کہ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ سے، اور کہا گیا کہ محکم ہے، اور

”لا“ پوشیدہ ہے۔

میں (یعنی شاہ صاحب) کہتا ہوں کہ میرے نزدیک دوسری توجیہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ آیت کے معنی ہیں: جو لوگ کھانا (کھلانے) کی قدرت رکھتے ہیں ان کے ذمہ فدیہ ہے (اور) وہ ایک مسکین کا کھانا ہے، پس اللہ تعالیٰ (مرجع کے) ذکر سے پہلے ضمیر لائے، اس لئے کہ وہ رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے، اور ضمیر کو نہ کر لائے اس لئے کہ فدیہ سے مراد طعام ہے، اور طعام سے مراد صدقہ فطر ہے، اللہ تعالیٰ نے صیام کا حکم بیان کرنے کے بعد اس آیت میں صدقہ فطر کو ذکر کیا ہے، جیسا کہ دوسری آیت کے آخر میں تکبیرات عید کو ذکر کیا ہے۔

آیت کی سب سے بہتر توجیہ:

جمہور کے نزدیک زیر بحث آیت منسوخ ہے، اور محققین کے نزدیک منسوخ نہیں، مجکم ہے، مگر شاہ صاحب نے آیت کی جو توجیہ بیان فرمائی ہے وہ نہایت بعید ہے، اور پہلی توجیہ پر کلام میں ”لا“ مقدر ماننا پڑتا ہے، جو خلاف اصل ہے، اس لئے ذیل میں آیت کی سب سے بہتر توجیہ پیش کی جاتی ہے۔

بعض راہنہ ن فی العلم کبار صحابہ اور ہمارے زمانہ کے بعض محققین علمائے عظام آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ: جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت تو رکھتے ہیں (مگر کبر سنی کی وجہ سے روزہ رکھنا ان کے لئے نہایت دشوار ہے، اور جان کی ہلاکت کا خطرہ ہے) ان کے ذمہ فدیہ ہے، اور وہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے — یہ توجیہ سب سے بہتر ہے، اس میں نہ کسی لفظ کو محذوف ماننے کی ضرورت پیش آتی ہے، نہ تاویل بعید کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے، اور ”إِطَاقَةُ“ کے جو لغوی معنی ہیں اس کے بالکل مطابق ہے، لغت عرب میں جس کام کے کرنے میں بہت زیادہ مشقت اٹھانی پڑے اس کو ”إِطَاقَةُ“ سے تعبیر کرتے ہیں، مثلاً کہا جاتا ہے: ”إِنِّي أُطِيقُ أَنْ أَحْمِلَ هَذَا الْحَجَرَ الثَّقِيلَ“ میں یہ بھاری پتھر اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں اور ”إِنِّي أُطِيقُ أَنْ أَرْفَعَ اللَّقْمَةَ إِلَى فَمِي“ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ لقمہ کو اٹھا کر منہ میں رکھنا نہایت آسان کام ہے، مزید تفصیل کے لئے العون الكبير دیکھئے۔

رمضان کی راتوں میں صحبت کا جواز

تیسری آیت: **أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَقُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ** (سورۃ بقرہ آیت ۱۸۷) ترجمہ:

تمہارے واسطے روزہ کی رات میں اپنی بیویوں کے ساتھ مشغول ہونا حلال کر دیا گیا۔

تشریح: ابتداء میں جب روزے فرض ہوئے تھے اس وقت روزے کی راتوں میں سونے سے پہلے لوگ کھاتے، پیتے تھے، سونے کے بعد کھانا پینا اور جماع کرنا ممنوع تھا — مذکورہ بالا آیت نے اس طریقہ کو ختم کر کے صبح صادق تک کھانے پینے وغیرہ کو حلال کر دیا، مگر اس آیت سے جس طریقہ کو ختم کیا گیا ہے اس کی مشروعیت کیسے ہوئی تھی اس میں اختلاف ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ: جو حکم ﴿أُحِلَّ لَكُمْ﴾ کے ذریعہ منسوخ کیا گیا ہے، اس کی مشروعیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا) (سورۃ بقرہ آیت ۱۸۳) سے ثابت و مستفاد تھا، کیونکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے لوگوں پر روزے فرض کئے گئے تھے، اسی طرح تم پر بھی فرض کئے گئے ہیں، اور پہلی امتوں کے لئے حکم تھا کہ رات میں سونے کے بعد اگر روزہ شروع ہو جاتا تھا، یہی حکم شروع میں اس امت کے لئے بھی تھا بعد میں حکم ختم کر دیا گیا۔ پس یہ سابق حکم آیت **أُحِلَّ لَكُمْ** سے منسوخ ہے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ: **أُحِلَّ لَكُمْ** کے ذریعہ جو حکم منسوخ کیا گیا ہے، اس کی مشروعیت قرآن پاک سے نہیں بلکہ حدیث پاک سے تھی، لہذا **أُحِلَّ لَكُمْ** سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی۔

شاہ صاحب ان دونوں رایوں کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: **كَمَا كُتِبَ** کا مقصد صرف فرضیت اور وجوب میں تشبیہ دینا ہے، احکام میں تشبیہ دینا مقصود نہیں، لہذا **أُحِلَّ لَكُمْ** سے **كَمَا كُتِبَ** کو منسوخ ماننا صحیح نہیں — نیز یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ: **أُحِلَّ لَكُمْ** سے جو حکم منسوخ کیا گیا ہے، اس کی مشروعیت حدیث پاک سے تھی، کیونکہ کوئی حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو اس طریقہ پر روزہ رکھنے کا حکم دیا ہو، بلکہ **أُحِلَّ لَكُمْ** سے روزہ کا وہ طریقہ ختم کیا گیا ہے جو شریعت کے وارد ہونے سے پہلے لوگوں میں رائج تھا، اور یہ نسخ نہیں، جاہلی رسم کو ختم کرنا ہے، یا سابقہ شریعت کو اٹھانا ہے۔

اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ابتداء میں لوگ جس طرح روزہ رکھتے تھے اسی طرح روزہ رکھنے کا آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا، تو بھی یہ حکم اور یہ طریقہ حدیث نبوی سے ثابت ہوگا، قرآن پاک کی کسی آیت سے اس کو ثابت ماننا صحیح نہیں، لہذا اُحِلَّ لَكُمْ سے کَمَا كُتِبَ کو منسوخ ماننا بھی صحیح نہیں۔

۳۔ قوله تعالى: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَاءِكُمْ﴾ ناسخة لقوله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ لأن مقتضاها الموافقة فيما كان عليهم من تحريم الأكل والوطء بعد النوم؛ ذكره ابن العربي؛ وحكى قولاً آخر: أنه نسخ لما كان بالسنّة. قلت: معنى "كما كتب" التشبيه في نفس الوجوب فلا نسخ، إنما هو تغيير لما كان عندهم قبل الشرع؛ ولم نجد دليلاً على أن النبي صلى الله عليه وسلم شرع لهم ذلك؛ ولو سلم فإنما كان ذلك بالسنّة

ترجمہ: ۳۔ ارشاد خداوندی: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَاءِكُمْ﴾ ناسخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ کے لئے، اس لئے کہ اس آیت کا مقتضی موافقت کرنا ہے ان (احکام) میں جو ان پر لازم تھے، یعنی سونے کے بعد کھانے اور صحبت کی تحریم (میں وافقت کرنا) اس (قول) کو ابن العربی نے نقل کیا ہے، اور دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ یہ نسخ ہے اس (طریقہ) کا جو حدیث سے ثابت تھا۔

میں کہتا ہوں کہ: کَمَا كُتِبَ کا مطلب صرف فرضیت میں تشبیہ دینا ہے لہذا نسخ نہیں ہے، بیشک یہ اس (طریقہ) کو بدلنا ہے جو ان کے یہاں (راج) تھا شریعت (کے وارد ہونے) سے پہلے: اور ہم کوئی دلیل نہیں پاتے اس بات کی کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے لئے وہ طریقہ مشروع کیا تھا، اور اگر تسلیم کیا جائے کہ وہ طریقہ نبی کریم ﷺ نے مشروع کیا تھا تو وہ حدیث سے ثابت ہوگا۔



اشہر حرم میں قتال کی ممانعت

چوتھی آیت: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ: قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ؛ وَصَدَّ عَنْ

سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفِّرْ بِهِ وَالْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ، وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ، وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا (سورہ بقرہ آیت ۲۱۷)

ترجمہ: لوگ آپ سے قابلِ ادب مہینہ کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں قتال کرنا کیسا ہے؟ آپ فرمادیتے ہیں کہ اس میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے، اور اللہ کی راہ سے روکنا، اور اس کو نہ ماننا، اور مسجد حرام سے روکنا، اور جو لوگ اس کے باشندے ہیں (یعنی حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ان کو مسجد حرام سے نکالنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے اللہ کے نزدیک (کیونکہ یہ دین میں فتنہ پرداز ہے) اور فتنہ پرداز (اُس) قتل سے (جو مسلمانوں سے سرزد ہوا) بڑھ کر ہے، اور یہ کافر ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں اگر قابو پاویں۔

تشریح: ابن جریر نے اپنی تفسیر ”جامع البیان“ میں عطاء بن ميسرة سے یہ قول نقل کیا ہے کہ سورہ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً﴾ (اور لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں جیسے وہ لڑتے ہیں تم سب سے ہر حال میں۔) (سورہ توبہ آیت ۳۶) سے منسوخ ہے۔

مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ سورہ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت اشہر حرم (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) میں قتال کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اس آیت میں حرمت قتال کی علت تسلیم کرنے کے بعد قتال کے حرام نہ ہونے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ اشہر حرم میں اگرچہ قتال کرنا بڑا گناہ ہے، مگر فتنہ پرداز اس سے بھی بڑھ کر ہے، اس لئے فتنہ پرداز کے مقابلہ میں اشہر حرم میں قتال کرنا حرام نہیں بلکہ جائز ہے، اور یہ توجیہ آیت کے سیاق سے ظاہر ہے، لہذا اس آیت کو منسوخ کہنا صحیح نہیں۔

۴۔ قوله تعالى: ﴿يَسْتَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ الآية منسوخة بقوله تعالى: ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً﴾ الآية أخرجه ابن جرير عن عطاء بن ميسرة، قلت: هذه الآية لا تدل على تحريم القتال، بل تدل على تجويزه، وهي من قبيل تسليم العلة وإظهار المانع؛ فالمعنى: أن القتال في الشهر الحرام كبير شديد، ولكن الفتنه أشد منه، فجاز في مقابلتها؛ وهذا التوجيه ظاهر من سياقها، كما لا يخفى.

ترجمہ: ۴- ارشاد خداوندی: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً﴾ سے یہ روایت نقل کی ہے ابن جریر نے عطاء بن میسرہ سے۔
میں کہتا ہوں کہ: یہ آیت دلالت نہیں کرتی قتال کی حرمت پر، بلکہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے، اور یہ آیت علت کو تسلیم کرنے اور مانع کو ظاہر کرنے کے قبیل سے ہے (یعنی علت اگر چہ پائی جا رہی ہے مگر مانع کی وجہ سے حکم نہیں پایا جا رہا) لہذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ ماہ حرام میں قتال کرنا بڑا سخت گناہ ہے، لیکن فتنہ پرداز اس سے بھی زیادہ سخت ہے، لہذا اس کے مقابلہ میں قتال جائز ہے اور یہ توجیہ آیت کے سیاق (یعنی مابعد کے مضمون) سے ظاہر ہے، جیسا کہ مخفی نہیں۔



متوفی عنہا زوجہا کے لئے ایک سال تک متاع کی وصیت

پانچویں آیت: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ؛ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ، وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (سورہ بقرہ آیت ۲۴۰)

ترجمہ: اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں، اور بیویوں کو چھوڑ جاتے ہیں وہ وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے واسطے ایک سال تک (نان و نفقہ اور رہائش سے) فائدہ اٹھانے کی، اس طور پر کہ ان کو گھر سے نہ نکالا جائے، ہاں اگر (چار مہینے دس دن کے بعد یا وضع حمل کے بعد) وہ خود نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اس بھلی بات میں جو اپنے حق میں وہ کریں، اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔
تشریح: زمانہ جاہلیت میں وفات زوج کی عدت ایک سال تھی، اسلام میں ایک سال کے بجائے چار مہینے دس دن مقرر ہوئی، مگر ابتداء میں چونکہ میراث کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے وفات پانے والے پر اپنی بیوی کے واسطے ایک سال تک خاوند کے مترکہ مکان میں رہنے اور اس مدت میں ترکہ میں سے نان و نفقہ دینے کی وصیت کرنا ضروری تھا، لیکن عورت کے لئے سال بھر تک خاوند کے مترکہ مکان میں رہنا اور ترکہ میں سے نان و نفقہ لینا ضروری نہیں تھا، عدت گزارنے کے بعد اس کو رہنے نہ رہنے کا اختیار تھا۔

یہ حکم اب بھی کسی درجہ میں باقی ہے یا بالکل منسوخ ہو گیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، جمہور

مفسرین کہتے ہیں کہ وفات زوج کی عدت جو ایک سال تھی وہ ﴿وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ (تم میں سے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں اور بیویوں کو چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں اپنے آپ کو روکے رکھیں چار مہینے دس دن، (سورہ بقرہ آیت ۲۳۴) سے منسوخ ہو گئی ہے۔ اور وصیت آیت میراث سے منسوخ ہو گئی ہے، لہذا اب وفات پانے والے کے لئے اپنی بیوی کے واسطے وصیت کرنا جائز نہیں، اور بیوہ کو خاوند کے متروکہ مکان میں رہنے کا جو حق تھا وہ بھی احناف کے نزدیک ساقط ہو گیا ہے۔

اور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے، مگر اس کی یہ توجیہ ممکن ہے کہ وفات پانے والے کے لئے وصیت کرنا جائز یا مستحب ہے، لیکن عورت پر وصیت کے مطابق خاوند کے متروکہ مکان میں رہنا ضروری نہیں، ابن عباسؓ کے نزدیک آیت کا یہی مطلب ہے اور یہ مطلب آیت سے ظاہر ہے۔

اور الفوز الکبیر کے شارح حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اس آیت پر عمل کرنا اس وقت واجب اور ضروری ہے جب عورت بالکل تنگ دست ہو، اور نہ اس کا کوئی ٹھکانہ ہو، نہ اس کا کوئی عزیز قریب ہو، نہ اس کو نان و نفقہ کے بقدر وراثت مل رہی ہو، کیونکہ عدت ختم ہوتے ہی فوراً دوسرا نکاح کرنا ایسا اوقات آسان نہیں ہوتا، اس لئے شریعت نے ایسی صورت میں شوہر پر عورت کے واسطے ایک سال تک نان و نفقہ اور سکنی سے فائدہ اٹھانے کی وصیت کرنا واجب کیا ہے، تاکہ عورت عدت گزار کر دوسرے نکاح کی تیاری کر سکے، لیکن عورت کو عدت کے بعد اختیار ہے کہ وہ رہنا چاہے تو رہے، اور سال پورا ہونے سے پہلے دوسرے نکاح کا انتظام ہو جائے تو چلی جائے (العون الکبیر)

۵۔ قوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ إِلَىٰ قَوْلِهِ — مَتَاعًا إِلَىٰ الْحَوْلِ﴾ الآية منسوخة بآية: (أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا) والوصية منسوخة بالميراث؛ والسكنى ثابتة عند قوم، منسوخة عند آخرين بحديث: "وَلَا سَكْنَىٰ".

قلت: هي كما قال منسوخة عند جمهور المفسرين؛ ويمكن أن يقال: يستحب أو يجوز للميت الوصية، ولا يجب على المرأة أن تسكن في وصيته؛ وعليه ابن عباس؛ وهذا التوجيه ظاهر من الآية.

ترجمہ ۵: ارشاد خداوندی: ﴿وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ﴾ تا فرمان خداوندی ﴿مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ﴾ منسوخ ہے آیت ﴿أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ سے، اور وصیت منسوخ ہے (آیت) میراث سے، اور سکتی باقی ہے ایک جماعت کے نزدیک، اور دوسروں کے نزدیک منسوخ ہے حدیث ”وَلَا مُسْكِنِي“ سے، (مگر یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے حضرت عطاء کا قول ہے، بخاری شریف ج ۲ ص ۸۰۴) میں کہتا ہوں کہ: یہ آیت جیسا کہ علامہ سیوطی نے فرمایا ہے جمہور مفسرین کے نزدیک منسوخ ہے، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ: میت کے لئے وصیت کرنا مستحب یا جائز ہے، اور عورت پر میت کی وصیت (کے مطابق اس کے گھر) میں رہنا واجب نہیں، اور ابن عباسؓ کی یہی رائے ہے، اور یہ توجیہ آیت سے ظاہر ہے۔



ظاہر و باطن پر دار و گیر

چھٹی آیت: وَإِنْ تُبْذَرُوا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفَوُہُ يُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ (سورہ بقرہ آیت ۲۸۴) ترجمہ: اور تمہارے جی میں جو کچھ ہے اس کو چاہے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے۔

تشریح: مَا فِي أَنْفُسِكُمْ کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ دل میں غیر اختیاری طور پر جو برے خیالات اور گندے وساوس آتے ہیں ان پر بھی حساب اور گرفت ہو، چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ: اب تک جن احکام کا ہمیں مکلف بنایا گیا تھا یعنی نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ وغیرہ ان کے بجالانے پر ہم قادر تھے، لیکن اس آیت پر عمل کرنا ہمارے بس میں نہیں ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: تمہیں ہر حکم خداوندی کو دل و جان سے قبول کر کے سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا کہنا چاہئے، یہود و نصاریٰ کی طرح سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے، جب صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں اپنی زبانوں سے یہ کلمات دہرائے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد والی آیت آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ نازل فرمائی جس میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کی تعریف کی گئی ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی سب سے آخری آیت لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی طاقت

و وسعت کے بقدر) نازل فرما کر اس بات کو واضح کر دیا کہ مواخذہ صرف اختیاری باتوں پر ہوگا، غیر اختیاری باتوں اور بھول چوک پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

اس تفسیر کے پیش نظر علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ: ﴿وَإِنْ تَبْذَوْا مَافِي أَنْفُسِكُمْ﴾ سورۃ بقرۃ کی سب سے آخری آیت ﴿لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ منسوخ ہے، مگر شاہ صاحب علامہ سیوطیؒ کے خیال کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: متاخرین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ نسخ نہیں ہے، بلکہ عام کی تخصیص ہے، کیونکہ سورۃ بقرۃ کی آخری آیت نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ مَافِي أَنْفُسِكُمْ سے اخلاص اور نفاق مراد ہے، دل میں غیر اختیاری طور پر جو خیالات آتے ہیں وہ مراد نہیں ہیں، کیونکہ انسان کو اسی بات کا مکلف بنایا گیا ہے جو اس کی قدرت و وسعت میں ہو، اور غیر اختیاری طور پر دل میں جو برے خیالات آتے ہیں ان کو رفع کرنے پر انسان قادر نہیں، اس لئے ان پر حساب و گرفت بھی نہیں۔

۶۔ قوله تعالى: ﴿وَإِنْ تَبْذَوْا مَافِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفَوُهَا يُحَاسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ الآية منسوخة بقوله بعده: ﴿لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ قلت: هو من باب تخصيص العام: بينت الآية المتأخرة أن المراد مافي أنفسكم من الإخلاص والنفاق، لامن أحاديث النفس التي لا اختيار فيها، فإن التكليف لا يكون إلا فيما هو في وسع الإنسان.

ترجمہ: ۶۔ ارشاد خداوندی ﴿وَإِنْ تَبْذَوْا مَافِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفَوُهَا يُحَاسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ منسوخ ہے اس ارشاد خداوندی سے جو اس کے بعد ہے یعنی ﴿لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ میں (شاہ صاحب) کہتا ہوں کہ: یہ عام کی تخصیص کے قبیل سے ہے، پچھلی آیت نے واضح کیا کہ مراد وہ اخلاص اور نفاق ہے جو تمہارے دلوں میں ہے، نہ کہ دل کے وہ خیالات جن میں اختیار نہیں، کیونکہ تکلیف نہیں ہوتی مگر اس (بات) میں جو انسان کی وسعت اور قدرت میں ہوتی ہے۔



اللہ سے کامل طور پر ڈرنا

ساتویں آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ، وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ

(سورہ آل عمران آیت ۱۰۲) ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، (یعنی کامل و مکمل ڈرو) اور ہر گز نہ مرنے مگر مسلمان ہونے کی حالت میں (یعنی تادم مرگ عقیدہ توحید پر قائم رہنا)

تشریح: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت سورہ تغابن کی آیت ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے) (آیت ۱۶) سے منسوخ ہے، کیونکہ اللہ سے کامل ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ: ہمیشہ اللہ کی اطاعت میں رہے، کبھی اس کی نافرمانی نہ کرے، ہمیشہ اس کا شکر ادا کرتا رہے، کبھی اس کی ناشکری نہ کرے، اور ہر وقت اللہ کو یاد کرتا رہے، کبھی اس کو فراموش نہ کرے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات انسان کے بس میں نہیں ہے، اس لئے بعض مفسرین اس آیت کو منسوخ مانتے ہیں۔

اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں، محکم ہے، اور اللہ سے کامل ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شرک و کفر سے بچے ہو کل معاصی سے بھی بچو (بیان القرآن) شاہ صاحب کے نزدیک بھی یہ آیت منسوخ نہیں، محکم ہے، مگر شاہ صاحب کے نزدیک دونوں آیتوں کا مصداق ایک نہیں، الگ الگ ہے۔ حَقُّ تَقَاتِهِ یعنی کامل ڈرنے کا حکم کفر و شرک وغیرہ عقائد باطلہ سے متعلق ہے، کیونکہ کفر و شرک اور عقائد باطلہ سے مکمل بچنا ضروری ہے، اور مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی استطاعت کے بقدر ڈرنے کا حکم اعمال سے متعلق ہے، یعنی جو شخص وضو کی استطاعت نہیں رکھتا وہ تیمم کرے، اور جو شخص کھڑے ہونے کی استطاعت نہیں رکھتا وہ بیٹھ کر نماز پڑھے، اور یہ توجیہ آیت کے سیاق یعنی وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ سے ظاہر ہے، کیونکہ اس میں زندگی کے آخری سانس تک اسلام پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے، جبکہ موت کے وقت اعمال کا سلسلہ تقریباً ختم ہو جاتا ہے، اس لئے اسلام سے اعمال اسلام مراد نہیں بلکہ ایمان قلبی اور عقیدہ توحید مراد ہے۔

الحاصل اس آیت کے منسوخ ہونے نہ ہونے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک منسوخ ہے، بعض کے نزدیک محکم ہے، اور یہی رائج ہے، اور سورہ آل عمران میں اس آیت کے علاوہ کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں نسخ کا دعویٰ صحیح ہو۔

ومن آل عمران:

۷۔ قوله تعالى: ﴿اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ﴾ قيل: إنه منسوخة بقوله: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ وقيل: لا، بل هو محكم.

وليس فيها آية يصح فيها دعوى النسخ غير هذه الآية.

قلت: ﴿حَقَّ تَقَاتِهِ﴾ في الشرك والكفر وما يرجع إلى الاعتقاد، و﴿مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ في الأعمال: من لم يستطع الوضوء يتيمم، ومن لم يستطع القيام يصلي قاعداً؛ وهذا التوجيه ظاهر من سياق الآية، وهو قوله: ﴿وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾.

ترجمہ: اور آل عمران میں سے:

۷۔ ارشاد خداوندی ﴿اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ﴾ ہے، کہا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ سے، اور کہا گیا کہ نہیں بلکہ محکم ہے — اور اس (سورت) میں ایسی کوئی آیت نہیں جس کے بارے میں نسخ کا دعویٰ صحیح ہو سوائے اس آیت کے۔

میں کہتا ہوں کہ: حَقَّ تَقَاتِهِ (کا حکم) شرک و کفر اور ان امور کے بارے میں ہے جو اعتقاد کی طرف لوٹتے ہیں، اور مَا اسْتَطَعْتُمْ (کا حکم) اعمال کے بارے میں ہے (چنانچہ) جو شخص وضوء کی استطاعت نہیں رکھتا وہ تیمم کرتا ہے، اور جو کھڑے ہونے کی استطاعت نہیں رکھتا وہ بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، اور یہ توجیہ آیت کے سیاق سے ظاہر ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ ہے۔



موالی کا حصہ

آٹھویں آیت: وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ، وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتَوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ (سورہ نساء آیت ۳۳) ترجمہ: اور ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جاتے ہیں، اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہوا ہے ان کا حصہ دو۔

تشریح: علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ یہ آیت سورہ احزاب کی آیت ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ

اُولٰٓئِیۡ بِبَعْضٍ ﴿﴾ رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں (آیت ۶) سے منسوخ ہے، اور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں مجکم ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ میراث تو رشتہ داروں کے لئے ہے، اور جن لوگوں سے تم نے معاہدہ کیا ہے ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:

”اکثر لوگ حضرت ﷺ کے ساتھ اکیلے اکیلے مسلمان ہو گئے تھے، اور ان کا سب کنبہ اور تمام اقرباء کا فرچلے آتے تھے، تو اس وقت حضرت ﷺ نے دو، دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی کر دیا تھا، وہی دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے، جب ان کے اقرباء بھی مسلمان ہو گئے تب یہ آیت اتری کہ میراث تو اقرباء اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے، اب رہ گئے وہ منہ بولے بھائی تو ان کے لئے میراث نہیں، ہاں زندگی میں ان کے ساتھ سلوک ہے، اور مرتے وقت کچھ وصیت کر دے تو مناسب ہے، مگر میراث میں کوئی حصہ نہیں“ (نوائے عثمانی)

ومن النساء

۸۔ قوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ عَقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ فَأَنْتُمْهُمْ نَصِيَّهُمْ﴾ الآية منسوخة بقوله: ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾
قلت: ظاهر الآية أن الميراث للموالى والبرو الصلة لمولى الموالاة فلا نسخ.

ترجمہ: اور سورہ نساء میں سے:

۸۔ ارشاد خداوندی ﴿وَالَّذِينَ عَقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ فَأَنْتُمْهُمْ نَصِيَّهُمْ﴾ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾ سے۔
میں کہتا ہوں کہ: آیت نساء کا ظاہر یہ ہے کہ میراث رشتہ داروں کے لئے ہے، اور حسن سلوک اور صلہ رحمی مولیٰ الموالات کے لئے ہے، لہذا (یہ آیت) منسوخ نہیں۔

لغات:

الموالی، مولیٰ کی جمع ہے رشتہ دار، وارث..... مولیٰ الموالات: اس شخص کو کہتے ہیں جس نے

عقد موالات قبول کیا ہو، اور عقد موالات یہ ہے کہ دو شخص آپس میں یہ معاہدہ کریں کہ ہم ایک دوسرے کا زندگی بھر تعاون کریں گے، ایک پر کوئی تاوان آئے گا تو دوسرا اس کو ادا کرے گا، اور جب ایک مر جائے گا تو دوسرا اس کا وارث ہوگا — آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار میں جو مواخات کی تھی وہ بھی عقد موالات کی ایک صورت تھی۔



تقسیم میراث کے وقت رشتہ داروں، یتیموں اور غریبوں کو کچھ دینے کا حکم

نویں آیت: وَإِذَا جَازَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ، وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا (سورہ نساء آیت ۸) ترجمہ: اور جب حاضر ہوں (ترکہ کی) تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج لوگ تو ان کو اس (ترکہ) میں سے کچھ دے دو۔ اور ان کے ساتھ خوبی (اور نرمی) سے بات کرو۔

تشریح: بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت، آیت میراث یعنی ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ سے منسوخ ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں، لیکن لوگ اس پر عمل کرنے میں سست ہو گئے ہیں۔

شاہ صاحب اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے، اور یہ حکم واجب نہیں، مستحب ہے، چنانچہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:

”تقسیم میراث کے وقت برادری اور کنبہ کے لوگ جمع ہوں تو جو رشتہ دار ایسے ہوں جن کو میراث میں حصہ نہیں پہنچتا، یا یتیم اور محتاج ہوں ان کو کچھ کھلا کر رخصت کرو، یا کوئی چیز ترکہ میں سے حسب موقع ان کو بھی دے دو، کہ یہ سلوک کرنا مستحب ہے، اور اگر مال میراث میں سے کھلانے یا کچھ دینے کا موقع نہ ہو، مثلاً وہ یتیموں کا مال ہے، اور میت نے وصیت بھی نہیں کی تو ان لوگوں سے معقول بات کہہ کر رخصت کر دو یعنی نرمی سے عذر کرو کہ یہ مال یتیموں کا ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی اس لئے ہم مجبور ہیں“

۹۔ قوله تعالى: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ﴾ الآية قيل منسوخة وقيل: لا، ولكن تهاون الناس في العمل بها.

قلت: قال ابن عباس: هي محكمة، والأمر للاستحباب وهذا أظهر

ترجمہ ۹:- ارشاد خداوندی ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ﴾ کہا گیا کہ منسوخ ہے، اور کہا گیا کہ (منسوخ) نہیں۔ لیکن لوگ اس پر عمل کرنے میں سست ہو گئے ہیں۔
میں کہتا ہوں کہ: ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت محکم ہے اور امر استحباب کے لئے ہے، اور یہ (مطلب) زیادہ ظاہر ہے۔



بدکار عورتوں کو گھروں میں مجبوس کرنا

دسویں آیت: وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا (سورہ نساء آیت ۱۵) ترجمہ: اور جو عورتیں بدکاری کریں مہاری بیویوں میں سے تو تم ان کی (بدکاری) پر اپنوں میں سے چار مردوں کو گواہی دینے کا حکم دو، پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (بدکار عورتوں) کو گھروں میں مقید رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ تجویز فرمائیں۔

تشریح: جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے اور ناخ سورہ نور کی یہ آیت ہے: ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ (بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والے مرد) (کا حکم یہ ہے کہ) ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو (سورہ نور آیت ۲) لیکن شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ نسخ نہیں، بلکہ حکم کا جو وقت مقرر کیا گیا تھا وہ پورا ہو گیا، چنانچہ جب حکم اپنی انتہاء کو پہنچ گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي، قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا (مجھ سے حاصل کرو، مجھ سے حاصل کرو، اللہ نے ان کے لئے راہ تجویز فرمادی، مشکوٰۃ شریف ص ۳۰۹) لہذا متاخرین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ نسخ نہیں، کیونکہ متاخرین مطلق حکم کی انتہا بیان کرنے کو نسخ کہتے ہیں، موقت حکم کی انتہا بیان کرنے کو نسخ نہیں کہتے، نور

الانوار میں ہے: اذا التحق به التوقيت لا يُنسخ قبل ذلك الوقت، وبعده لا يُطلق عليه اسم النسخ..... والاولی فی نظیره: قوله تعالى: فاعفُوا واصفحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ، وقوله تعالى: فَأَمْسِكُوهُمْ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا (نور الانوار ص ۲۰۹)

مگر شاہ صاحب نے یہ واضح نہیں فرمایا کہ: سورہ نساء کی مذکورہ بالا آیت معمول بہا ہے یا نہیں؟ اگر معمول بہا ہے تو اس پر عمل کرنے کی کیا صورت ہے؟ — البتہ الفوز الکبیر کے شارح حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: سورہ نساء کی مذکورہ بالا آیت پر اس وقت عمل کرنا واجب ہے جب مسلمان اقتدار سے محروم ہونے کی وجہ سے حدود جاری کرنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں، کیونکہ یہ آیت ایسے ہی حالات میں نازل ہوئی تھی، پھر جب مسلمان اپنے اقتدار سے حدود جاری کرنے پر قادر ہو گئے تو حدود کی آیتیں نازل ہوئیں (العون الکبیر)

۱۔ قوله تعالى: ﴿وَالَّذِي يَأْتِيَنَّ الْفَاجِئَةُ﴾ الآية منسوخة بآية النور

قلت: لا نسخ في ذلك، بل هو ممتد إلى الغاية، فاما جاءت الغاية بين النبي صلى الله عليه وسلم ان السبيل الموعود كذا وكذا فلا نسخ.

ترجمہ: ۱۰۔ ارشاد خداوندی ﴿وَالَّذِي يَأْتِيَنَّ الْفَاجِئَةُ﴾ منسوخ ہے سورہ نور کی آیت سے۔
میں کہتا ہوں کہ: اس میں نسخ نہیں ہے، بلکہ وہ (حکم) غایت تک لمبا کیا ہوا ہے، پھر جب غایت آگئی تو نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ جس راہ کا وعدہ کیا گیا تھا وہ یہ ہے، لہذا (یہ) نسخ نہیں۔



حرام مہینہ کو حلال کرنے کی ممانعت

گیارہویں آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَجْلُوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشُّهُرَ الْحَرَامَ (سورہ مائدہ آیت ۲) ترجمہ: اے ایمان والو! جلال نہ سمجھو اللہ کی نشانیوں کو، اور نہ ادب والے مہینے کو۔
تشریح: جمہور مفسرین کے نزدیک ادب والے مہینے (یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، اور محرم) کو حلال نہ سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان مہینوں میں مشرکین سے قتال نہ کرو — اسی تفسیر کے

پیش نظر علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ: ارشاد خداوندی ﴿وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ منسوخ ہے، اور ناسخ وہ آیات ہیں جن میں مشرکین سے ہر حال میں قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی ﴿اقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ اور ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً﴾ وغیرہ آیات ناسخ ہیں۔

مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ کا ناسخ نہ ہم قرآن پاک میں پاتے ہیں، نہ احادیث صحیحہ میں، کیونکہ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ادب والے مہینے میں مشرکین سے قتال کرنا حرام ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قتال اور خون ریزی ہمیشہ کے لئے حرام ہے، اس کی حرمت اور قباحیت ادب والے مہینے میں مزید سخت ہو جاتی ہے۔ اور یہ ارشاد خداوندی ایسا ہے جیسا آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے: إِنْ دِمَائِكُمْ وَأَمْوَالُكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا تَهَارَے خون اور تمہارے مال تم پر (ہمیشہ کے لئے) حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن، اس مہینہ اور اس شہر میں حرام ہیں، یعنی ناحق کسی کا خون کرنا اور ناجائز طریقہ پر کسی کا مال لینا ہمیشہ کے لئے حرام ہے جس طرح آج عرفہ کے دن، اس مبارک مہینے اور اس مقدس شہر مکہ میں ناحق کسی کا خون کرنا اور مال لینا حرام ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۵)

ومن المائدة

۱۱- قوله تعالى: ﴿وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ الآية منسوخة بإباحة القتال فيه.

قلت: لانجد في القرآن ناسخا له، ولا في السنة الصحيحة؛ ولكن المعنى: أن القتال المحرم يكون في الشهر الحرام أشد تغليظا، كما قال النبي صلى الله عليه وسلم في الخطبة: "إن دماءكم وأموالكم حرام عليكم، كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا، في بلدكم هذا"

ترجمہ: اور سورہ مائدہ میں سے:

۱۱- ارشاد خداوندی ﴿وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ منسوخ ہے اس (ماہ مبارک) میں قتال کو جائز کرنے سے میں کہتا ہوں کہ: ہم اس کا ناسخ نہیں پاتے قرآن پاک میں، اور نہ حدیث صحیحہ میں، بلکہ مطلب یہ

ہے کہ جو قتال حرام ہے وہ ادب والے مہینے میں اور سخت ہو جاتا ہے، جیسے نبی کریم ﷺ نے (حجۃ الوداع کے) خطبہ میں فرمایا تھا: بیشک تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر (ہیشہ کے لئے) حرام ہیں، جیسے تمہارے اس دن، تمہارے اس مہینے اور تمہارے اس شہر میں حرام ہیں۔



غیر مسلموں کے معاملات میں فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار

بارہویں آیت: فَإِنْ جَاؤُكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ، أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا، وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ، إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (سورہ مائدہ آیت ۴۲)

ترجمہ: سو اگر وہ (کافر لوگ) آپ کے پاس آئیں تو فیصلہ کیجئے ان کے معاملہ میں، یا ان کو ٹال دیجئے، اور اگر آپ ان کو ٹال دیں تو وہ آپ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے معاملہ میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے، بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

تشریح: جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اختیار ابتداء میں تھا، پھر جب اسلام کا تسلط اور غلبہ کامل ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَأَنْ احْكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ، وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ﴾ ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس کتاب کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے اتاری ہے، اور ان کی خواہشوں کی اتباع نہ کیجئے (سورہ مائدہ آیت ۴۹)

چونکہ اس آیت سے وہ اختیار ختم ہو گیا جو پہلی آیت میں دیا گیا تھا، اس لئے علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ: سورہ مائدہ کی پہلی آیت اس آیت سے منسوخ ہے، مگر شاہ صاحب علامہ سیوطی کی رائے کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ﴿وَأَنْ احْكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اگر آپ فیصلہ کرنے کو اختیار فرمائیں تو ان کے باہمی معاملات میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کریں، اور ان کی خواہشوں کی اتباع نہ کریں، لہذا اس آیت کا حاصل بھی وہی ہے جو پہلی آیت کا ہے کہ ہم چاہیں تو ذمیوں کو اجازت دیں کہ وہ اپنے معاملات اپنے پیشواؤں کے پاس لجائیں، اور وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کریں، اور اگر ہم چاہیں تو ان کے باہمی معاملات میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کریں، لہذا یہ آیت پہلی آیت کے لئے ناسخ نہیں ہے، بلکہ اس میں پہلی آیت

کی وضاحت اور تاکید ہے۔

۱۲- قوله تعالى: ﴿فَإِنْ جَاؤُكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ، أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ الآية منسوخة بقوله: ﴿وَأِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾.
قلت: معناه: إِنْ اخْتَرْتَ الْحُكْمَ فَاحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ، وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ؛
فالحاصل: أنه لنا أن نترك أهل الدِّمَةِ أن يرفعوا القضية إلى زعمائهم، فيحكموا بما عندهم، ولنا أن نحكم بما أنزل الله علينا.

ترجمہ: ۱۲- ارشاد خداوندی: ﴿فَإِنْ جَاؤُكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ، أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَأِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ سے۔
میں کہتا ہوں کہ: اس کے معنی یہ ہیں کہ: اگر آپ فیصلہ کو اختیار فرمائیں تو فیصلہ کریں اس کتاب کے مطابق جو اللہ نے اتاری ہے، اور ان کی خواہشوں کی اتباع نہ کریں، پس (دونوں آیتوں کا) حاصل یہ ہے کہ ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم ذمیوں کو چھوڑ دیں کہ وہ اپنے پیشواؤں کے پاس معاملات لیجائیں اور وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کریں، اور ہمارے لئے یہ بھی جائز ہے کہ ہم فیصلہ کریں اس (قانون) کے مطابق جو اللہ نے ہم پر اتارا ہے۔



سفر میں غیر مسلم کو بوقت مرگ گواہ بنانا

تیرہویں آیت: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهِادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدُكُمْ الْمَوْتُ جِئِْ
الْوَصِيَّةَ اِثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ، اَوْ اٰخَرَانِ مِّنْ غَيْرِكُمْ ، اِنْ اَنْتُمْ صَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ
فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ (سورہ مائدہ آیت ۱۰۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کے مرنے کا وقت قریب آجائے اور وصیت کا وقت ہو تو تمہارے درمیان دو گواہ ہونے چاہئیں جو عادل ہوں اور تم میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے) ہوں، یا تمہارے سوا (یعنی کافروں میں سے) دو گواہ ہوں، اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو پھر تم پر موت کی مصیبت آپڑے۔

تشریح: علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ ﴿اَوْ اٰخَرَانِ مِّنْ غَيْرِكُمْ﴾ منسوخ ہے، کیونکہ

مسلمانوں کے کسی معاملہ میں کافر کو گواہ بنانا جائز نہیں، اور ناسخ سورہ طلاق کی یہ آیت ہے:

﴿وَأَشْهِدُوا ذُوَى عَدْلِ مِّنكُمْ﴾ گواہ بناؤ تم اپنوں (یعنی مسلمانوں) میں سے دو عادل مردوں کو (آیت ۲)

مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں، کیونکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ جب سفر میں مسلمان گواہ نہ مل سکیں تو کافر کو گواہ بنانا جائز ہے۔ اور دیگر ائمہ کے نزدیک اگرچہ مسلمانوں کے معاملہ میں کافر کو گواہ بنانا کسی صورت میں جائز نہیں، مگر پھر بھی اس آیت کو منسوخ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ آیت کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ ”غیر کم“ سے غیر مسلمین مراد نہیں، بلکہ وہ مسلمان مراد ہیں جو موسیٰ کے رشتہ دار نہ ہوں۔

۱۳- قوله تعالى: ﴿وَأَوْخِرَانِ مِّنْ غَيْرِكُمْ﴾ منسوخ بقوله: ﴿وَأَشْهِدُوا ذُوَى عَدْلِ مِّنكُمْ﴾.

قلت: قال أحمد بظاهر الآية ومعناها عند غيره: أو آخران من غير أقرار بكم، فيكونان من سائر المسلمين.

ترجمہ: ۱۳- ارشاد خداوندی ﴿وَأَوْخِرَانِ مِّنْ غَيْرِكُمْ﴾ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَأَشْهِدُوا ذُوَى عَدْلِ مِّنكُمْ﴾ سے۔

میں کہتا ہوں کہ: ”ناہر آیت کے قائل ہیں، اور دیگر ائمہ کے نزدیک آیت کے معنی ہیں: یا تمہارے رشتہ داروں کے سوا دو گواہوں لہذا وہ دونوں دیگر مسلمانوں میں سے ہوں گے۔

آیت مائدہ کی سب سے بہتر تفسیر

آیت مائدہ کی مذکورہ بالا تفسیر جس کے پیش نظر علامہ سیوطیؒ نے آیت کو منسوخ کہا ہے، اور شاہ صاحب نے اس کی توجیہ کی ہے، جمہور مفسرین کے نزدیک غیر راجح ہے، راجح تفسیر کے اعتبار سے یہ آیت کسی کے نزدیک منسوخ نہیں، سب کے نزدیک محکم ہے، کیونکہ راجح تفسیر کے اعتبار سے گواہ سے مراد وصی ہے، اور وصی کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، غیر مسلم اور غیر عادل کو بھی وصی بنانا جائز ہے۔ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ: گواہ سے مراد یہاں وصی ہے، اس کے اقرار و اظہار کو گواہی سے تعبیر فرمادیا (فوائد عثمانی) اور حضرت تھانویؒ قدس سرہ اس آیت کی تفسیر

کرتے ہوئے ار قام فرماتے ہیں کہ:

”اے ایمان والو! تمہارے آپس (کے معاملات) میں (مثلاً ورثہ کو مال سپرد کرنے کے لئے) دو شخص وصی ہونا مناسب ہے (گو بالکل وصی نہ بنانا بھی جائز ہے) جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے (یعنی) جب وصیت کرنے کا وقت ہو (اور) وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے) ہوں، یا غیر قوم کے دو شخص ہوں، اگر (مسلمان نہ ملیں، مثلاً) تم کہیں سفر میں گئے ہو، پھر تم پر واقعہ موت کا پڑ جائے (اور یہ سب امور واجب نہیں مگر مناسب اور بہتر ہیں، ورنہ جس طرح بالکل وصی نہ بنانا جائز ہے اسی طرح اگر ایک وصی ہو یا عادل نہ ہو یا حضر میں غیر مسلم کو بنادے سب جائز ہے) (معارف القرآن و بیان القرآن)

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ آیت ماندہ کی مذکورہ تفسیر کرنے کے بعد جو حضرت تھانوی قدس سرہ نے کی ہے، تحریر فرمایا ہے: **وَعَلَىٰ هَذَا التَّفْسِيرِ الَّذِي ذَكَرْتُ تَطَابُقَ الْآيَةِ سَبَبَ نَزُولِهَا، وَلَا يَلْزَمُ النُّسْخُ، لِأَنَّ يَمِينَ الْوَصِيِّ عِنْدَ انْكَارِهِ الْخِيَانَةَ، وَيَمِينَ الْوَارِثِ عِنْدَ انْكَارِهِ دَعْوَى الْوَصِيِّ الشَّرَاءِ وَنَحْوَهُ حُكْمٌ ثَابِتٌ مُحْكَمٌ، وَقَدْ تَقَرَّرَ عِنْدَ الْقَوْمِ أَنَّ شَيْئًا مِنْ سُورَةِ الْمَائِدَةِ لَمْ يُنْسخْ، وَقِيلَ: مَعْنَى الْآيَةِ، لَيْسَتْ شَهَادَةُ الْمَيِّتِ عِنْدَ احْتِضَارِهِ إِذَا أَوْصَى لِأَحَدٍ رَجُلَيْنِ، لِإِدْوَايَةِ الشَّهَادَةِ عِنْدَ الْقَاضِيِ لِلْمَوْصِيِّ لَهُ، وَبَدَلَ عَلَيْهِ ظَاهِرُ قَوْلِهِ تَعَالَى: لَا تَشْتَرِي بِهِ نَفْسًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ بِعْنَى وَلَوْ كَانَ الْمَوْصِيُّ لَهُ ذَا قُرْبَىٰ مِنَّا لَا نَشْهَدُ لَهُ بِالزِّيَادَةِ عَلَى الْوَصِيَّةِ طَمَعًا، وَعَلَىٰ هَذَا التَّوَابُلِ قَبْلَ مَعْنَى ذَوِّ الْعَدْلِ مِنْكُمْ أَيْ مِنْ حَىِّ الْمَوْصِي، أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ أَيْ مِنْ غَيْرِ حَيْكَمٍ وَعَشِيرَتِكُمْ، وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ وَالزَّهْرِيِّ وَعَكْرَمَةَ (تفسير مظہری)**



دس گنا دشمنوں سے مقابلہ کرنا

چودھویں آیت: **بِأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (سورہ انفال آیت ۶۵)**

ترجمہ: اے نبی! آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے، اگر تم میں سے میں آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے، اس وجہ سے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

تشریح: علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے جو اس کے بعد ہے، اور وہ یہ ہے: ﴿الَّذِينَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ، وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا، فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ، وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ، وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (سورہ انفال آیت ۶۶)

ترجمہ: اب اللہ تعالیٰ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا اور جان لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے، سو اگر تم میں سے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر غالب آجائیں گے اللہ کے حکم سے، اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہیں۔

شاہ صاحب علامہ سیوطیؒ کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: سورہ انفال کی مذکورہ بالا آیت منسوخ ہے۔ مگر الفوز الکبیر کے شارح اور مفسر قرآن حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: ابتداء میں جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس وقت مسلمانوں کو اپنے سے دس گنا کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کا حکم دیا گیا تھا، پھر جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو اس میں تخفیف کر دی گئی، اور اپنے سے دو گئے کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کا حکم دیا گیا، لہذا خدا نخواستہ اسلام کا حال دوبارہ ایسا ہی ہو جائے جیسا ابتداء میں تھا تو مسلمانوں کو اپنے سے دس گنا کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری ہوگا (العون الکبیر)

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ نسخ نہیں ہے، بلکہ تخفیف ہے، کیونکہ آج بھی مسلمانوں کے لئے اپنے سے دس گنا کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے، اگر سورہ انفال کی دوسری آیت سے پہلی آیت منسوخ ہوتی تو مسلمانوں کے لئے اپنے سے دس گنا کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا جائز نہ ہوتا، اور یہ توجیہ دوسری آیت سے ظاہر ہے، کیونکہ تخفیف کی وجہ ہمت کی کمی ہے، اگر مسلمانوں میں ہمت ہو تو آج بھی دس گنا کافروں کا

مقابلہ کر سکتے ہیں۔

ومن الأنفال:

۱۴- قوله تعالى: ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ﴾ الآية منسوخة بالآية بعده.

قلت: ہی کما قال منسوخة.

ترجمہ: اور سورہ انفال میں سے:

۱۴- ارشاد خداوندی ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ﴾ — آخر آیت تک — منسوخ ہے اس آیت سے جو اس کے بعد ہے — میں کہتا ہوں کہ یہ آیت جیسا کہ علامہ سیوطی نے فرمایا منسوخ ہے۔



ہلکے اور بوجھل جہاد کے لئے نکل پڑنا

پندرہویں آیت: اِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (سورہ توبہ آیت ۴۱) ترجمہ: (جہاد کے لئے) نکلو ہلکے ہونے کی حالت میں (یعنی تندرست اور جوان و قوی ہونے کی حالت میں) اور بوجھل ہونے کی حالت میں (یعنی بیمار، بوڑھے، اور کمزور ہونے کی حالت میں) اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔

تشریح: علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ سورہ توبہ کی یہ آیت عذر کی آیتوں اور وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً (سورہ توبہ آیت ۱۲۲) سے منسوخ ہے، اور آیات عذر یہ ہیں:

(۱) لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ (سورہ فتح آیت ۱۷) ترجمہ: نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے، نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے، نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے۔

(۲) لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرْجٌ

إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ، مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ مَبْئِيلٍ، وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ، وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلْتَ لْتَخْلِفْهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ (سورہ توبہ آیت ۹۱، ۹۲) ترجمہ: کمزوروں پر کوئی گناہ نہیں ہے، نہ بیماروں پر، نہ ان لوگوں پر جن کے پاس (جہاد کی تیاری کے لئے) خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے، جبکہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کریں، اور ان نیکوکاروں پر کسی قسم کا الزام نہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے اور بڑی رحمت والے ہیں، اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) کہ جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تاکہ آپ ان کو کوئی سواری دیں، اور آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کروں، تو وہ اس حال میں واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں، اس غم میں کہ (جہاد کی تیاری کے واسطے) خرچ کرنے کو کوئی چیز نہیں پاتے۔

الغرض علامہ سیوطیؒ کی رائے یہ ہے کہ ﴿انْفِقُوا خِفَافًا وَثِقَالًا﴾ عذر کی آیتوں اور ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِقُوا كَافَّةً﴾ سے منسوخ ہے، لیکن شاہ صاحب، علامہ سیوطیؒ کی رائے کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: خِفَافًا کے معنی ہیں: جہاد کے لئے جو ساز و سامان درکار ہے اس کے کم ہونے کے باوجود، اور ثِقَالًا کے معنی ہیں: ساز و سامان بھرپور ہونے کے ساتھ، اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ: (جہاد کے لئے) نکلو تھوڑے سامان کے ساتھ اور زیادہ سامان کے ساتھ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔ لہذا اس آیت کو منسوخ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ اس آیت میں بیمار، معذور اور کمزور مسلمانوں کو جہاد میں نکلنے کا حکم نہیں دیا گیا، صرف تندرست اور طاقتور مسلمانوں کو ہر حال میں نکلنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لیکن ہم مان لیں کہ اس آیت میں تمام مسلمانوں کو جہاد میں نکلنے کا حکم دیا گیا ہے، چاہے تندرست ہو یا بیمار، جوان ہو یا بوڑھا، طاقتور ہو یا کمزور، تب بھی اس آیت کو منسوخ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ جب دشمنوں کا حملہ شدید ہو، اور امام کی طرف سے نفیر عام ہو اس وقت تمام مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ یہ آیت کے منسوخ نہ ہونے کی دوسری توجیہ ہے جس کو شاہ صاحب نے ”او نقول“ سے بیان کیا ہے۔

ومن البراءة

۱۵- قوله تعالى: ﴿إِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا﴾ منسوخة بآيات العذر، وهي قوله تعالى: ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ﴾ الآية وقوله تعالى: ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعْفَاءِ﴾ الآيتين، وبقوله تعالى: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً﴾ قلت: خفافا أى مع أقل مايتأتى به الجهاد من مركوب وعبد للخدمة، ونفقة يفتن بها؛ وثقالا أى مع الخدم الكثيرين، والمراكب الكثيرة، فلا نسخ؛ أو نقول: ليس النسخ متعينا

ترجمہ: اور سورہ براءت میں سے:

۱۵- ارشاد خداوندی: ﴿إِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا﴾ منسوخ ہے عذر کی آیتوں سے، اور وہ ارشاد خداوندی: ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ﴾ — آخر آیت تک — ہے اور ارشاد خداوندی: ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعْفَاءِ﴾ — دو آیتوں تک — ہے، اور ارشاد خداوندی: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً﴾ سے (منسوخ ہے)

میں کہتا ہوں کہ: خفافا کے معنی ہیں: ان چیزوں کے کم ہونے کے ساتھ جن سے جہاد ہوتا ہے، یعنی ایک سواری اور خدمت کے لئے ایک غلام اور اتنا نفقہ جس پر قناعت ہو سکے اور ثقالا کے معنی ہیں: بہت سے نوکروں اور بہت سی سواریوں کے ساتھ، لہذا (یہ آیت) منسوخ نہیں، یا ہم کہیں گے کہ (اس آیت کا) منسوخ ہونا متعین نہیں ہے، (کیونکہ دشمن کے ہجوم کے وقت اس آیت پر عمل کرنا واجب ہے)



زانی اور زانیہ سے نکاح کی برائی

سولہویں آیت: الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً، وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ، وَحُرْمٌ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ (سورہ نور آیت ۳) ترجمہ: بدکار مرد نکاح نہیں کرتا مگر بدکار عورت سے یا مشرک سے، اور بدکار عورت سے یا مشرک سے نکاح نہیں کرتا مگر بدکار مرد یا مشرک، اور

یہ (یعنی زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کرنا — یا زنا اور شرک) مؤمنین پر حرام کر دیا گیا ہے۔
تشریح: اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض حضرات کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ: زانی اور زانیہ کا ایک دوسرے سے نکاح ہو سکتا ہے، مگر پاکدامن مرد و عورت سے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا — ان حضرات کے نزدیک ”ذلک“ کا مشار الیہ ”نکاح زوانی“ ہے

اور محققین کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ: زانی، زانیہ کا کفو ہے، پاکدامن عورت کا کفو نہیں، لہذا زانی کو زانیہ سے نکاح کرنا چاہئے — یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ: پاکدامن مرد کے لئے زانیہ سے نکاح کرنا بہتر نہیں — ان حضرات کے نزدیک ”ذلک“ کا مشار الیہ ”زنا اور شرک“ ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے تفسیر کے پیش نظر کہتے ہیں کہ سورہ نور کی مذکورہ بالا آیت منسوخ ہے، اور ناسخ سورہ نور کی یہ آیت ہے: ﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ، إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ، وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (آیت ۳۲) ترجمہ: اور تم میرا جوے شاداں شدہ ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو، اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں جو (نکاح کے) لائق ہوں ان کا بھی (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیں گے، اور اللہ تعالیٰ وسعت والے اور خوب جاننے والے ہیں۔

لیکن شاہ صاحب علامہ سیوطی کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: سورہ نور کی مذکورہ بالا آیت منسوخ نہیں، کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک زانی اور زانیہ جب تک توبہ نہ کریں پاکدامن مرد و عورت سے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا، اور دیگر ائمہ کے نزدیک اگرچہ زانی اور زانیہ کا نکاح پاکدامن مرد و عورت سے ہو سکتا ہے، مگر پھر بھی اس آیت کو منسوخ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ: زانی چونکہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق ہے اس لئے زانیہ کا تو کفو ہے، مگر پاکدامن عورت کا کفو نہیں، لہذا زانی کو زانیہ سے نکاح کرنا چاہئے، پاکدامن عورت سے نکاح نہیں کرنا چاہئے — یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ پاکدامن مرد کے لئے زانیہ سے نکاح کرنا بہتر نہیں، اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ پاکدامن عورت سے نکاح کرے۔

اور ”ذلک“ کا مشار الیہ نکاح زوانی نہیں، بلکہ زنا اور شرک ہے، اور ان دونوں کے حرام

ہونے میں کوئی شک نہیں، اور علامہ سیوطیؒ نے جس آیت کو نسخ کہا ہے یعنی ﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى﴾ وہ عام ہے، اور عام سے خاص کا نسخ نہیں ہو سکتا، لہذا نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں۔

وَمِنَ النُّورِ

۱۶- قوله تعالى: ﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً﴾ الآية منسوخة بقوله تعالى: ﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ﴾.

قلت: قال أحمد بظاهر الآية؛ ومعناها عند غيره: أن مرتكب الكبيرة ليس بكفء إلا للزانية؛ أو لا يستحب له اختيار الزانية؛ وقوله: ﴿وَحُرْمَ ذَلِكَ﴾ إشارة إلى الزنا والشرك، فلا نسخ، وأما قوله: ﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى﴾ فعام، لا ينسخ الخاص.

ترجمہ: اور سورہ نور میں سے:

۱۶- ارشاد خداوندی ﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً﴾ آخر آیت تک — منسوخ ہے ارشاد خداوندی ﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ﴾ سے۔

میں کہتا ہوں کہ: امام احمد بن حنبلؒ آیت کے ظاہر کے قائل ہیں، اور ان کے ماسوا کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کفو نہیں ہے، مگر زانیہ کا یا (آیت کے معنی یہ ہیں کہ) پاک دامن مرد کے لئے زانیہ کو اختیار کرنا بہتر نہیں، اور ارشاد خداوندی و حُرْمَ ذَلِكَ میں زنا اور شرک کی طرف اشارہ ہے، لہذا (یہ آیت) منسوخ نہیں، اور رہا ارشاد خداوندی: وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى تو وہ عام ہے وہ خاص کو منسوخ نہیں کر سکتا۔



غلاموں اور بچوں کے لئے اجازت طلبی کا حکم

سترہویں آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الدِّينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ، وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ، وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ، ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ، لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ، طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ، كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

(حکیمؑ (سورہ نور آیت ۵۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے مملوکوں کو، اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے، فجر کی نماز سے پہلے، اور جب تم دوپہر کو اپنے (بعض) کپڑے اتار دیتے ہو، اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں، اور ان اوقات کے سوانہ تم پر کوئی تنگی ہے نہ ان پر کوئی تنگی ہے، وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس کوئی کسی کے پاس، اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں۔

تشریح: علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے، اور بعض کے نزدیک نسخ نہیں محکم ہے، لیکن لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی برتتے ہیں۔ اور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے اور یہ رائے نہایت وقع اور قابل اعتماد ہے۔

۱۷- قوله تعالى: ﴿لَيْسَ أَذِنَ لَكُمْ الْذِّينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ الآية قيل: منسوخة، وقيل:

لا، ولكن تهاون الناس في العمل بها.

قلت: مذهب ابن عباس رضي الله عنه: أنها ليست بمنسوخة؛ وهذا أوجه وأولى

بالأول.

ترجمہ: ۱۷- ارشاد خداوندی: ﴿لَيْسَ أَذِنَ لَكُمْ الْذِّينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ — آخر آیت تک — کہا گیا کہ منسوخ ہے اور کہا گیا کہ (منسوخ) نہیں، لیکن لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ: حضرت ابن عباسؓ کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں، اور یہ (رائے) نہایت وقع اور اعتماد کے لائق ہے۔



آنحضور ﷺ کیلئے موجود ازواج کے علاوہ عورتوں کا حلال نہ ہونا

اشاروں آیت: لَا يَجْعَلُ لَكَ الْنِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ وَلَا أَنْ تَبْدَلَ بِهِنَ مِنْ أَزْوَاجٍ، وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ، إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ، وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَاقِبًا (سورہ احزاب آیت

(۵۲) ترجمہ: ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں، اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان ازواج (مطہرات) کی جگہ دوسری ازواج کر لیں اگرچہ آپ کو ان کا حسن اچھا معلوم ہو، مگر جو آپ کی مملوکہ ہو (وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہیں۔

تشریح: اس آیت کا مطلب بعض مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ: اس وقت (یعنی آیت کے نزول کے وقت) آپ کے نکاح میں جتنی ازواج مطہرات ہیں ان کے علاوہ اور عورتوں سے نکاح کرنا آپ کے لئے حلال نہیں۔ اس تفسیر کے پیش نظر علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناخ یہ آیت ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَخْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي آتَيْتَ أَجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ، وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ، وَبَنَاتِ خَالَكَ، وَبَنَاتِ خَلِيلِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ، وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِن وَهَبْتَ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَكْبَحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (سورہ احزاب آیت ۵۰)

ترجمہ: اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی وہ ازواج (مطہرات) جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں، اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی مملوکہ ہیں، جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوا دی ہیں، اور آپ کے بچہ کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھوں کی بیٹیاں، اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالائیں کی بیٹیاں بھی (حلال فرمادی ہیں۔ مگر یہ ماں اور باپ کے خاندان کی لڑکیاں مطلقاً حلال نہیں، ان میں سے صرف وہی آپ کے لئے حلال ہیں) جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو، اور اس مسلمان عورت کو بھی (آپ کے لئے حلال فرمایا ہے) جو بلا عوض اپنی ذات نبی کو بخش دے بشرطیکہ نبی اس کو نکاح میں لانا چاہیں، یہ سب احکام آپ کے لئے مخصوص ہیں اور مؤمنین کے لئے نہیں ہیں۔ شاہ صاحب بھی سورہ احزاب کی مذکورہ بالا آیت کو اس آیت سے منسوخ مان کر فرماتے ہیں کہ ناخ تلاوت میں مقدم ہو سکتا ہے، کیونکہ ناخ کا نزول میں مؤخر ہونا ضروری ہے۔ تلاوت میں مؤخر ہونا ضروری نہیں، اور یہی میرے نزدیک رائج ہے۔

اگرچہ شاہ صاحب کے نزدیک یہی رائج ہے کہ ﴿لَا يَجِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ﴾ اس آیت سے منسوخ ہے جو تلاوت میں مقدم ہے، مگر جمہور مفسرین کے نزدیک ﴿لَا يَجِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ﴾ نہ منسوخ ہے نہ ﴿إِنَّا أَخْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ﴾ ناخ ہے۔ کیونکہ جمہور مفسرین کے نزدیک ﴿لَا يَجِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جتنی عورتیں ﴿إِنَّا أَخْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ﴾

میں آپ کے لئے حلال فرمادی گئی ہیں ان کے علاوہ اور عورتوں سے نکاح کرنا آپ کے لئے حلال نہیں، اور جواب موجود ہیں ان کو بدلنا بھی جائز نہیں۔

الغرض جو حضرات ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ﴾ کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ: اس وقت آپ کے نکاح میں جو ازدواج مطہرات ہیں ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں، وہ اس آیت کو ﴿إِنَّا أَخْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ﴾ سے منسوخ مانتے ہیں — اور جو حضرات ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ﴾ کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ: جتنی عورتیں ﴿إِنَّا أَخْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ﴾ میں آپ کے لئے حلال فرمادی گئی ہیں ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں، وہ اس آیت کو منسوخ نہیں مانتے، اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہی تفسیر راجح ہے، دیکھئے معارف القرآن، بیان القرآن اور فوائد عثمانی۔

ومن الأحزاب

۱۸۔ قوله تعالى: ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ﴾ الآية منسوخة بقوله تعالى: ﴿إِنَّا أَخْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ﴾ الآية.
قلت: يحتمل أن يكون الناسخ مقدما في التلاوة، وهو الأظهر عندی.

ترجمہ: اور سورہ احزاب میں سے:

۱۸۔ ارشاد خداوندی ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ﴾ آخر آیت تک منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿إِنَّا أَخْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ﴾ آخر آیت تک سے۔
میں کہتا ہوں کہ: ہو سکتا ہے کہ ناسخ مقدم ہو تلاوت میں، اور یہ میرے نزدیک زیادہ ظاہر ہے۔



رسول اللہ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کا حکم

انیسویں آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ، ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ؛ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سورہ مجادلہ آیت ۱۲)
ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم رسول (ﷺ) سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات کیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے، پھر اگر تم (خیرات کرنے کے

لئے کچھ نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ بخشے والے مہربان ہیں۔

تشریح: علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے جو اس کے بعد ہے، اور وہ یہ ہے ﴿هَآءِ شَفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيَّ نَجْوَاكُمْ صَدَقْتُمْ؛ فَاِذَا لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِمْوْا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ، وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (آیت ۱۳)

ترجمہ: کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے خیرات کرنے سے ڈر گئے، سو جب تم نے (سرگوشی سے پہلے صدقہ) نہیں کیا، اور اللہ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی تو تم نماز کی پابندی کرو، اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہیں۔

شاہ صاحب بھی علامہ سیوطیؒ کی طرح پہلی آیت کو منسوخ اور دوسری آیت کو ناخ مانے ہیں، اور جہود مفسرین کی بھی یہی رائے ہے، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ پہلے سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنا واجب تھا بعد میں وجوب ختم کر دیا گیا اور استحباب باقی رکھا گیا تو یہ حکم کے وصف کی تبدیلی ہے جو متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے تو نسخ ہو سکتا ہے، مگر متاخرین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ نسخ نہیں (العون الکبیر)

وَمِنَ الْمُجَادَلَةِ

۱۹۔ قوله تعالى: ﴿اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوا﴾ الآية منسوخة بالآية بعدھا قلت: هذا كما قال.

ترجمہ: اور سورہ مجادلہ میں سے:

۱۹۔ ارشاد خداوندی: ﴿اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوا﴾ آخر آیت تک — منسوخ ہے

اس آیت سے جو اس کے بعد ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: یہ (ارشاد خداوندی) ایسا ہی ہے جیسا علامہ سیوطیؒ نے فرمایا۔



جن کی بیویاں مکہ میں رہ گئیں ان کو مہر دینے کا حکم

بیسویں آیت: وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاتِبْتُمْ فَاتُوا الدِّينَ ذَهَبَتْ

أَزْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا، وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ (سورہ ممتحنہ آیت ۱۱)

ترجمہ: اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی کافروں میں رہ جانے کی وجہ سے تمہارے ہاتھ سے نکل جائے، پھر تمہاری نوبت (باری) آئے (یعنی کسی کافر کی بیوی مسلمان ہو کر تمہارے پاس آجائے، اور اس کا مہر واپس کرنے کی نوبت آئے) تو (اس کا مہر اس کے کافر شوہر کو واپس نہ کرو بلکہ) جن مسلمانوں کی بیویاں ہاتھ سے نکل گئی ہیں ان کو دو جتنا انہوں نے خرچ کیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

تشریح: جن شرطوں پر صلح حدیبیہ ہوئی تھی ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ: اگر کوئی شخص مکہ سے مدینہ چلا آئے تو مسلمان اس کو واپس کر دیں گے، اور مدینہ سے کوئی مکہ چلا جائے تو قریش مکہ اس کو واپس نہیں کریں گے، چنانچہ جب کچھ مرد مسلمان ہو کر مدینہ آئے تو ان کو آنحضرت ﷺ نے واپس کر دیا، پھر کچھ عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ آئیں اور ان کے اقرباء نے واپسی کا مطالبہ کیا تو یہ حکم نازل ہوا کہ: جو عورتیں مسلمان ہو کر تمہارے پاس آگئی ہیں ان کو آزماؤ اگر وہ ایماندار ہیں تو ان کو واپس نہ کرو، کیونکہ یہ عورتیں اب کافروں کے لئے حلال نہیں رہیں، البتہ ان کے شوہروں نے ان پر جو مہر خرچ کیا ہے وہ ان کے کافر شوہروں کو واپس کر دو، اسی طرح جس مسلمان کی بیوی کافر رہ گئی ہے وہ اس کو چھوڑ دے، اور جو مہر اس نے اپنی بیوی کو دیا ہے وہ کافروں سے وصول کر لے، جب یہ حکم نازل ہوا تو مسلمان دیئے اور لینے کو تیار ہو گئے اور کافروں نے دینا قبول نہیں کیا، اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی کہ اگر کافر تمہاری بیویوں کے مہر واپس نہیں کرتے تو تم بھی ان کی بیویوں کے مہر واپس نہ کرو، اور مہر کی یہ رقم ان مسلمانوں کو دے دو جن کی بیویاں کافر رہ گئی ہیں، مگر پوری نہیں صرف اتنی دو جتنی انھوں نے اپنی بیویوں کو دی ہے، اور مہر کی بقیہ رقم کافروں کو واپس کر دو۔

علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ بعض حضرات کے نزدیک سورہ ممتحنہ کی مذکورہ بالا آیت، آیت سیف یعنی ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً﴾ سے منسوخ ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ آیت غنیمت ﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ سے منسوخ ہے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے۔

اور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ راجح یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے لیکن اس آیت میں جو حکم دیا گیا

ہے اسی پر اس وقت عمل کیا جائے گا جب کافروں کا غلبہ ہو، اور مسلمانوں نے ان سے صلح کی ہو۔

ومن الممتحنة

۲۰۔ قوله تعالى: ﴿فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا﴾ قيل: منسوخ بآية السيف، وقيل: بآية الغنime وقيل: محكم. قلت: الأظهر أنها محكمة، ولكن الحكم في المهادنة وعند قوة الكفار.

ترجمہ: اور سورہ ممتحنہ میں سے:

۲۰۔ ارشاد خداوندی: ﴿فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا﴾ کہا گیا کہ منسوخ ہے آیت سیف سے، اور کہا گیا کہ (منسوخ ہے) آیت غنime سے، اور کہا گیا کہ محکم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ: اظہر یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے، لیکن یہ حکم مصالحت اور کافروں کی قوت (وشوکت) کے وقت ہے۔



نماز تہجد کا حکم

اکیسویں آیت: قُمِ اللَّيْلُ إِلَّا قَلِيلًا (سورہ مزمل آیت ۲) ترجمہ: رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات۔

تشریح: علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ: اس آیت میں باستثناء قلیل پوری رات نماز میں قیام کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اسی سورت کے آخری حصہ یعنی عَلِمَ أَنْ لَنْ تُخْصَوْه فَنَابَ عَلَيْكُمْ فَافْرُؤْ وَ مَا تَيْسَّرُ مِنَ الْقُرْآنِ (اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم اس کو ضبط نہیں کر سکتے، اس لئے اس نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی، سو) (اب) تم جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھو، (سورہ مزمل آیت ۲۰) سے منسوخ ہے، اور سورت کے آخری حصہ میں جو حکم دیا گیا ہے وہ پانچ نمازوں سے منسوخ ہے۔

لیکن شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ پانچ نمازوں سے سورت کے آخری حصہ کے منسوخ ہونے کا دعویٰ بلا دلیل ہے، کیونکہ تہجد کی نماز جس طرح پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے شروع تھی اسی طرح آج بھی شروع ہے، پانچ نمازوں کی فرضیت سے اس کی مشروعیت منسوخ نہیں

ہوئی، اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ: سورت کے آغاز میں جو حکم دیا گیا ہے وہ سورت کے آخری حصہ سے منسوخ ہے، کیونکہ سورت کے آغاز میں قیام لیل کی فرضیت کو بیان نہیں کیا گیا، بلکہ اس میں قیام لیل کے استحباب کی تاکید ہے، اور آخری حصہ میں اس تاکید کو ختم کر کے صرف استحباب کو باقی رکھا گیا ہے، پس یہ حکم کے وصف کی تبدیلی ہے، حکم ختم نہیں کیا گیا۔

ومن المزمّل:

۲۱۔ قوله تعالى ﴿ثُمَّ اللَّيْلُ إِلَّا قَلِيلًا﴾ منسوخٌ باخبر السورة، ثم نُسِخَ الْآخِرُ بالصَّلَاةِ الْخَمْسِ.

قلت: دعوى النسخ بالصَّلَاةِ الْخَمْسِ غَيْرُ مُتَّجِهَةٍ بَلِ الْحَقُّ: أَنَّ أَوَّلَ السُّورَةِ فِي تَاكِيدِ النَّذْبِ إِلَى قِيَامِ اللَّيْلِ، وَآخِرُهَا فِي نَسْخِ التَّأْكِيدِ إِلَى مَجْرَدِ النَّذْبِ.

ترجمہ: اور سورہ مزمل میں سے:

۲۱۔ ارشاد خداوندی ﴿ثُمَّ اللَّيْلُ إِلَّا قَلِيلًا﴾ منسوخ ہے سورت کے آخری حصے سے، پھر آخری حصہ منسوخ کیا گیا ہے پانچ نمازوں سے۔

میں کہتا ہوں کہ: پانچ نمازوں سے (آخری حصہ کے) منسوخ ہونے کا دعویٰ غیر مدلل ہے، بلکہ حق بات یہ ہے کہ سورت کے آغاز میں قیام لیل کے مستحب ہونے کی تاکید ہے، اور اس کے آخر میں صرف استحباب کو باقی رکھتے ہوئے تاکید کا نسخہ ہے۔



بحث کا خلاصہ

علامہ سیوطیؒ شیخ ابن العربی کی موافقت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یہ اکیس آیتیں منسوخ ہیں، اگرچہ ان میں سے بعض آیتوں کے منسوخ ہونے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے، اور ان کے علاوہ دیگر آیتوں کے منسوخ ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں، اور ان آیتوں میں سے آیت قسمت یعنی نویں آیت اور آیت استیذان یعنی سترہویں آیت کا منسوخ نہ ہونا ہی راجح ہے، لہذا پورے قرآن میں کل انیس آیتیں منسوخ ہیں۔

اور شاہ صاحب نے جو توجیہات فرمائی ہیں، ان کے اعتبار سے پورے قرآن پاک میں کمر

نچ آیتیں منسوخ ہیں، یعنی پہلی آیت، پانچویں آیت، چودھویں آیت، اٹھارہویں آیت، اور سوئیں آیت — لیکن غور سے دیکھا جائے تو پانچویں آیت کو شاہ صاحب نے منسوخ نہیں، بلکہ جمہور مفسرین نے اس کو منسوخ مانا ہے اور اٹھارہویں آیت کو اگرچہ شاہ صاحب نے منسوخ ہے مگر غیر راجح تفسیر کے اعتبار سے، راجح تفسیر کے اعتبار سے یہ آیت کسی کے نزدیک منسوخ میں، سب کے نزدیک محکم ہے اسی بناء پر شیخ الہند کے مایہ ناز شاگرد حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مدھی فرماتے ہیں کہ:

• ”شاہ صاحب اس اصطلاح پر قرآن میں (کوئی آیت) منسوخ نہیں مانتے، لیکن واضح رہے کہ شاہ صاحب کا بیان اس فصل میں حکیمانہ ہے، قوم کی عام حالت کو مد نظر رکھ کر انھوں نے اس مسئلہ کو تدریجاً سمجھانے کی سعی کی ہے (الفرقان بریلی کا شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۵۶)

علامہ سندھی رحمہ اللہ کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک یقت میں ایک بھی آیت منسوخ نہیں۔ لیکن اگر شاہ صاحب یہ بات ایک دم کہہ دیتے تو لوں کے لئے قابل قبول نہ ہوتی، اس لئے شاہ صاحب قارئین کو تدریجاً اس نظریہ تک لے نا چاہتے ہیں کہ قرآن میں نسخ ضرور ہوا ہے مگر موجودہ قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے بہمہ وجہ منسوخ ہو۔ واللہ اعلم۔

قال السیوطی موافقا لابن العربی: فہذہ إحدى وعشرون آیۃ منسوخۃ، علی خلاف فی بعضها؛ ولایصح دعوی النسخ فی غیرها؛ والأصح فی آیتی الاستئذان والقسمۃ الإحکام وعدم النسخ، فصارت تسع عشرة آیۃ؛ وعلی ما حررنا لایتین نسخ إلا فی خمس آیات.

ترجمہ: علامہ سیوطی نے شیخ ابن العربی کی موافقت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: یہ اکیس آیتیں منسوخ ہیں، ان میں سے بعض میں اختلاف کے ساتھ، اور ان کے علاوہ میں نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں، اور آیت استئذان اور آیت قسمت کا محکم ہونا اور منسوخ نہ ہونا زیادہ صحیح ہے، لہذا انیس آیتیں رہیں، اور س (توجیہ) پر جو ہم نے تحریر کی ہے نسخ متعین نہیں مگر پانچ آیتوں میں۔



فصل سوم

اسباب نزول کی شناخت میں

جس طرح ناخ و منسوخ کا پہچانا فن تفسیر کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے، اسی طرح اسباب نزول کا پہچانا بھی فن تفسیر کے دشوار ترین مقامات میں سے ہے، اور دشواری کی وجہ بھی وہی متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحوں کا اختلاف ہے۔

جدید و قدیم اصطلاحات کی وضاحت:

متاخرین مفسرین صرف اسی واقعہ کو سبب نزول یا شان نزول سے تعبیر کرتے ہیں جس کے پیش آنے پر آیت نازل ہوتی ہے، یعنی جو واقعہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیش آیا، اور آیت کے نزول کا سبب بنا اسی واقعہ کو متاخرین کی اصطلاح میں سبب نزول یا شان نزول کہا جاتا ہے۔ اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کے کلام کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ”نَزَلَتْ فِي كَذَا“ کا مفہوم بڑا وسیع تھا، کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین عظام ”نَزَلَتْ فِي كَذَا“ سے صرف وہی واقعہ مراد نہیں لیتے تھے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیش آیا تھا، اور آیت کے نزول کا سبب بنا تھا، بلکہ:

(۱) بسا اوقات صحابہ کرام اور تابعین عظام ”نَزَلَتْ فِي كَذَا“ کہہ کر ایسا واقعہ اور معاملہ مراد لیتے تھے جس پر آیت صادق آتی ہے، چاہے وہ واقعہ اور معاملہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیش آیا ہو، یا آنحضرت ﷺ کے بعد پیش آیا ہو۔ اس صورت میں آیت میں جتنی قیودات اور خصوصیات مذکور ہوتی ہیں ان سب کا اس واقعہ اور معاملہ منطبق ہونا ضروری نہیں، صرف بنیادی باتوں کا منطبق ہونا کافی ہے، مثلاً ارشاد خداوندی تَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ

(ان کے پہلو خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں) (آلہم سجدہ آیت ۱۶) کی تفسیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: یہ آیت ان صحابہ کرام کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان نفلیں پڑھتے رہتے تھے — اور دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ: یہ آیت ان حضرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو عشاء کی نماز کے انتظار میں جاگتے رہتے تھے؛ — اور بعض دیگر صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ: یہ آیت ان حضرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو تہجد گزار تھے (تفسیر جامع البیان)

بظاہر یہ شان نزول کا اختلاف معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ آیت کے مختلف مصداق ہیں، اور یہ تمام نیک اعمال آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

(۲) اور کبھی صحابہ کرام اور تابعین عظام ایسا مسئلہ ذکر کرتے تھے جس کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ہو، یا ایسا واقعہ بیان کرتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کا ایسا واقعہ کا حکم کسی آیت سے مستنبط فرمایا ہو اور صحابہ کرام کے سامنے اس آیت کو تلاوت فرمایا ہو، تو ایسے مسئلہ اور ایسے واقعہ کے بارے میں بھی صحابہ کرام اور تابعین عظام ”نَزَلَتْ فِي كَذَا“ کہہ دیتے تھے، — اور بسا اوقات اسلاف ان صورتوں میں ”فَأَنْزَلَ اللَّهُ قَوْلَهُ كَذَا“ (اللہ نے فلاں ارشاد نازل فرمایا) یا ”فُنَزِلَتْ“ (فلاں آیت نازل کی گئی) کہتے تھے، اور ان کا منشا یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی خاص حکم کو کسی خاص آیت سے مستنبط کرنا اور اس گھڑی میں اس آیت کا آپ کے ذہن میں آنا بھی ایک طرح کی وحی ہے، جس کو ”نَفْثٌ فِي الرُّوْعِ“ کہا جاتا ہے، لہذا اس کے لئے بھی ”فَأَنْزَلْنَا يَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ“ قَوْلَهُ كَذَا وغیرہ الفاظ استعمال کرنا درست ہے — اور اگر کوئی چاہے تو اس کو تکرار نزول سے بھی تعبیر کر سکتا ہے۔ یعنی یہ کہہ سکتا ہے کہ: فلاں آیت کئی مرتبہ نازل ہوئی ہے، مثلاً ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم اندھیری رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، اور ہمیں معلوم نہیں تھا کہ قبلہ کدھر ہے؟ اس لئے ہر ایک نے جدھر اس کا چہرہ تھا نماز پڑھی، جب صبح ہوئی تو ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی ﴿فَإِنَّمَا نُزِّلُوا فَتَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ (جدھر تم چہرہ کرو اُدھر اللہ تعالیٰ ہیں)

دوسری طرف حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: جب مسلمانوں کو بیت المقدس کے بجائے کعبۃ اللہ کی طرف چہرہ کرنے کا حکم دیا گیا تو یہود مدینہ نے اعتراض کیا کہ اس تبدیلی کی کیا وجہ ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۱۵)

بظاہر یہ شان نزول کا اختلاف معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں آیت کا شان نزول وہی ہے جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے بیان کیا ہے، اور حضرت عامر بن ربیعہؓ نے جو واقعہ ذکر کیا ہے، اس کا حکم آنحضرت ﷺ نے چونکہ اسی آیت سے مستنبط فرمایا تھا، اس لئے حضرت عامر بن ربیعہؓ نے کہہ دیا کہ یہ آیت ہمارے واقعہ میں نازل ہوئی — اور آپ چاہیں تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ: یہ آیت دونوں واقعوں میں دو مرتبہ نازل ہوئی ہے۔

الفصل الثالث

فی

معرفة أسباب النزول

ومن المواضع الصعبة أيضًا معرفة أسباب النزول؛ ووجه الصعوبة أيضًا اختلاف اصطلاح المتقدمين والمتأخرين.

معنی: ”نَزَلْتُ فِي كَذَا“ عند المتقدمين

والذى يظهر من استقراء كلام الصحابة والتابعين رضى الله عنهم: أنهم كانوا لا يستعملون: ”نزلت في كذا“ لمجرد بيان الحادث الذى وقع فى زمنه صلى الله عليه وسلم، وكان سببًا لنزول الآية؛ بل:

ربما يذكرون بعض ما صدقت عليه الآية، مما حدث فى زمنه صلى الله عليه وسلم، أو حدث بعده صلى الله عليه وسلم، فيقولون: ”نزلت فى كذا“؛ ولا يلزم فى هذه الصورة انطباق جميع القيود المذكورة فى الآية، بل يكفى انطباق أصل الحكم فحسب.

هو قد يُبينون سؤالاً مُثِلَ عنه رسولُ الله صلى الله عليه وسلم، أو حادثةٌ حدثت في عهدِ النبي صلى الله عليه وسلم، واستنبط صلى الله عليه وسلم حكمها من الآية وتلاها عليهم في ذلك الباب، فيقولون: "نزلت في كذا"؛ وربما يقولون في هذه الصور "فأنزل الله تعالى قوله كذا" أو "فُنزلت".

وكأنه إشارة إلى أن استنباطه صلى الله عليه وسلم ذلك الحكم من الآية، والقاؤها في تلك الساعة في خاطره المبارك أيضاً نوعٌ من الوحي والنفث في الرؤى، فلذلك يمكن أن يقال: "فأنزلت"؛ ولو عبّر أحدٌ عن ذلك بتكرار نزول الآية لكان له مَسَاحٌ أيضاً.

ترجمہ: تیسری فصل: اسباب نزول کی شناخت میں: اور (فمن تفسیر میں) دشوار مقامات میں سے اسباب نزول کا پہچانا بھی ہے، اور دشواری کی وجہ بھی متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا مختلف ہوتا ہے۔

متقدمین کے نزدیک نَزَلَتْ فِي كَذَا کے معنی: اور جو بات صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کے کلام کا جائزہ لینے سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ: یہ حضرات نَزَلَتْ فِي كَذَا کو استعمال نہیں کرتے ہیں محض اس واقعہ کی وضاحت کے لئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا تھا، اور جو آیت کے نزول کا سبب تھا، بلکہ:

(۱) بسا اوقات وہ حضرات آیت جن (واقعات) پر صادق آتی ہے، ان میں سے بعض (واقعات) کو ذکر کرتے تھے، چاہے وہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا ہو، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آیا ہو، پھر کہتے تھے: نَزَلَتْ فِي كَذَا (آیت فلاں واقعہ میں نازل ہوئی) — اور اس صورت میں آیت میں ذکر کردہ تمام قیودات کا منطبق ہونا ضروری نہیں، بلکہ کافی ہے صرف اصل حکم کا منطبق ہونا۔

(۲) اور کبھی وہ (یعنی صحابہ کرام اور تابعین عظام) ایسا مسئلہ ذکر کرتے ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ہے، یا ایسا واقعہ (بیان کرتے ہیں) جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (مسئلہ یا واقعہ) کا حکم آیت سے مستنبط فرمایا ہو، اور

آنحضرت ﷺ نے اس آیت کو صحابہ کرام کے سامنے اس سلسلہ میں تلاوت فرمایا ہو، تو یہ (یعنی صحابہ و تابعین) نَزَّلَتْ فِي كَذَا كَيْتے ہیں — اور بسا اوقات ان صورتوں میں وہ کہتے ہیں: فَأَنْزَلَ اللَّهُ قَوْلَهُ كَذَا (پس اللہ تعالیٰ نے اپنا فلاں ارشاد نازل فرمایا) یا فَأَنْزَلَ (پس فلاں آیت نازل کی گئی) اور گویا یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ آنحضرت ﷺ کا اس حکم کو آیت سے مستحب کرنا، اور اس (آیت) کا اس گھڑی میں آپ کے قلب مبارک میں ڈالا جانا بھی وحی اور نفث فی الروح کی ایک قسم ہے، اس لئے فَأَنْزَلَ کہا جاسکتا ہے، اور اگر کوئی اس کو تکرار نزول سے تعبیر کرے تو اس کے لئے بھی گنجائش ہے۔

لغات:

اِسْتَفْرَأَ الْأُمُورَ: جائزہ لینا..... الْخَاطِرُ: دل: کہا جاتا ہے: وَقَعَ فِي خَاطِرِي: میرے دل میں واقع ہوا..... مَسَاغٌ (مصدر میسی) گنجائش..... نَفَثَ اللَّهُ الشَّيْءَ فِي قَلْبِهِ (ن ض) نَفَثًا: دل میں کوئی بات..... الْإِنَاءُ: الہام کرنا..... الرُّوْعُ: دل، دل کا سیاہ نقطہ، کہا جاتا ہے: أَفْرِغْ دُوعَكَ: اپنے دل کو مطمئن رکھو، اور نفث فی الروح: وحی کا وہ طریقہ ہے جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی شکل میں سامنے آئے بغیر آپ کے دل میں کوئی بات القا فرمادیتے تھے۔



وہ روایات جن کا اسباب نزول سے کوئی تعلق نہیں

محدثین تفسیر کی کتابوں میں، جیسے سیوطی رحمہ اللہ الدر المنثور میں، قرآن کریم کی آیات کے ذیل میں بہت سی ایسی روایتیں ذکر کرتے ہیں، جن کا حقیقت میں اسباب نزول سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر درج ذیل مضامین کی روایتیں اسباب نزول کی روایتیں نہیں ہیں۔
۱- وہ روایات جن میں صحابہ کرام نے باہمی مذاکرہ میں کسی آیت سے استدلال کیا ہے یا بطور تمثیل کوئی آیت ذکر کی ہے۔

۲- وہ روایات جن میں نبی کریم ﷺ نے کوئی آیت استدلال کے طور پر تلاوت فرمائی ہے۔

۳- وہ روایات جو کسی آیت کے ذیل میں اس لئے ذکر کی گئی ہیں کہ اس میں بھی وہی مضمون ہے

جو آیت میں مذکور ہے۔

۴- وہ روایات جن میں آیت کے نزول کی جگہ کا تذکرہ آیا ہے۔

۵- وہ روایات جن میں ان لوگوں کے ناموں کی تعیین ہے، جن کو آیت میں مجمل طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ”اہل کتاب“ کہا گیا، پس جن روایات میں ان اہل کتاب کی تعیین کی گئی ہو وہ شان نزول کی روایات نہیں ہیں۔

۶- وہ روایات جن میں کسی قرآنی کلمہ کے تلفظ کرنے کا طریقہ مذکور ہو۔

۷- وہ روایات جن میں کسی آیت یا سورت کی فضیلت ذکر کی گئی ہو۔

۸- ایسی روایت جن میں کسی خاص حکم پر آنحضرت ﷺ کے عمل کرنے کی صورت بیان کی گئی ہو۔

ایسی تمام روایات کا اسباب نزول سے کوئی تعلق نہیں، نہ ان کا احاطہ کرنا مفسر کے لئے شرط ہے، مفسر یہ روایات جانتا ہو تو سونے پر سہاگہ نہ جانتا ہو تو کوئی بات نہیں!

روایات المحدثین التي لا علاقة لها بأسباب النزول:

ويذكر المحدثون تحت آيات القرآن الكريم كثيراً من الأشياء، ليست هي في الحقيقة من قسم سبب النزول، مثل: استشهاد الصحابة رضي الله عنهم في مناظراتهم بآية، أو تمثيلهم بها، أو تلاوته صلى الله عليه وسلم آية للاستشهاد في كلامه الشريف، أو رواية حديث يوافق الآية في أصل الغرض، أو تعيين موضع النزول، أو تعيين أسماء المذكورين في الآية بطريق الإبهام، أو بيان طريق التلفظ بكلمة قرآنية، أو فضل سور وآيات من القرآن، أو بيان طريقة امتثاله صلى الله عليه وسلم بأمر من أوامر القرآن الكريم؛ فليس شيء من هذا في الحقيقة من أسباب النزول، وليس من شروط المفسر الإحاطة بها.

ترجمہ: محدثین کی وہ روایات جن کا اسباب نزول سے کوئی تعلق نہیں: محدثین قرآن کریم کی آیتوں کے تحت بہت سی چیزیں ذکر کرتے ہیں، وہ (چیزیں) حقیقت میں اسباب نزول کے قبل سے نہیں ہیں، مثلاً: صحابہ کرام کا اپنے علمی مباحثوں میں کسی آیت سے استدلال کرنا، یا ان کا اس (آیت) کو نظیر میں پیش کرنا، یا آنحضرت ﷺ کا کسی آیت کو اپنے ارشاد گرامی میں استدلال کی غرض سے تلاوت کرنا، یا ایسی حدیث کو نقل کرنا جو آیت کے موافق ہو بنیادی مقصد میں، یا نزول کی جگہ کی تعیین

کرنا، یا ان لوگوں کے ناموں کی تعیین کرنا جن کا آیت میں مبہم طریقہ پر تذکرہ کیا گیا ہے، یا قرآن پاک کے کسی کلمہ کے تلفظ کا طریقہ بیان کرنا، یا قرآن پاک کی سورتوں اور آیتوں کی فضیلت بیان کرنا، یا قرآن کریم کے احکام میں سے کسی حکم پر آنحضرت ﷺ کے عمل کرنے کا طریقہ بیان کرنا، پس ان میں سے کوئی چیز درحقیقت اسباب نزول میں سے نہیں ہے، اور نہ ان چیزوں کا احاطہ کرنا مفسر کی شرطوں میں سے ہے۔



اسباب نزول اور مفسر کی ذمہ داری

محققین یعنی صحابہ کرام اور تابعین عظام کے نزدیک چونکہ ”تَزَكُّتٌ فِی كَلِمَا“ کا مفہوم بہت وسیع تھا، اس لئے محدثین اپنی کتب تفسیر میں اسباب نزول کے تعلق سے جتنے واقعات بیان کرتے ہیں ان سب کا جاننا ایک مفسر کے لئے ضروری نہیں مفسر کے لئے ان واقعات میں سے صرف دو قسم کے واقعات کا جاننا ضروری ہے۔

اولاً: ان واقعات کا جاننا ضروری ہے جن کی طرف آیتوں میں اشارہ آیا ہے۔ ایسی آیات کو واقعات کے علم کے بغیر کوئی شخص سمجھ نہیں سکتا۔ مثلاً غزوہ بدر میں مسلمان کہاں ٹھہرے ہوئے تھے؟ اور کفار کے لشکر کا پڑاؤ کہاں تھا؟ اور جس قافلہ کے تعاقب کے لئے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام مدینہ سے نکلے تھے وہ کہاں تھا؟ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ انفال میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْبُعْدَىٰ (آیت ۴۲) کنارے پر تھے، اور قافلہ نیچے اتر گیا تھا۔

ثانیاً: ان واقعات اور اسباب نزول کا جاننا ضروری ہے، جو آیت کے عموم میں تخصیص کرتے ہیں یا آیت کے ظاہری مفہوم کو بدل دیتے ہیں، مثلاً سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ، فَاَيُّمَا تَوَلَّوْا اللَّهُ هُوَ فِي شَرْقٍ وَمَغْرِبٍ، پس جدھر

فَقَمَّ وَجْهَ اللَّهِ (آیت ۱۱۵) تم چہرہ کرو اُدھر اللہ تعالیٰ ہیں۔

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کسی خاص جہت کی طرف چہرہ کرنا ضروری

نہیں، ہر طرف چہرہ کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں، حالانکہ یہ مفہوم بدیہی طور پر غلط ہے، خود قرآن کریم نے ﴿قَوْلَ وَجْهَكَ لِشَطْرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ میں کعبہ کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، اس لئے اس آیت کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے شان نزول کا جاننا ضروری ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: جب مسلمانوں کو بیت المقدس کے بجائے کعبۃ اللہ کی طرف چہرہ کرنے کا حکم دیا گیا، تو یہود مدینہ نے اعتراض کیا کہ: اس تبدیلی کی کیا وجہ ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر سمت اللہ کی ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر طرف ہیں، لہذا وہ جس طرف چہرہ کرنے کا حکم دیں اُدھر چہرہ کرنا واجب ہے، اس میں چوں چرا کی گنجائش نہیں۔

اسی طرح سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (آیت ۹۳)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان پر کوئی
گناہ نہیں اس میں جو وہ کھا چکے جبکہ وہ اللہ سے
ڈرتے رہے اور ایمان لائے اور نیک کام کئے۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے کسی بھی چیز کا کھانا پینا حرام نہیں، اگر دل میں ایمان اور خدا کا خوف ہو، اور عمل نیک ہو تو انسان جو چاہے کھا پی سکتا ہے۔ اور چونکہ یہ آیت تحریم شراب کے بعد آئی ہے اس لئے کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس آیت نے نیک مؤمن کے لئے (معاذ اللہ) شراب کی بھی اجازت دے دی ہے، اور یہ صرف شبہ اور احتمال نہیں ہے، بعض صحابہ تک کو اس آیت سے غلط فہمی ہوئی تھی، اور انھوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس آیت سے استدلال کر کے یہ خیال ظاہر فرمایا تھا کہ شراب پینے والا اگر ماضی میں نیکو کار رہا ہو اور اس کی عام زندگی نیکیوں میں گزری ہو تو اس پر حد شرب (شراب پینے کی سزا) نہیں ہے، بعد میں حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کے شان نزول ہی کے حوالہ سے ان کی اس غلط فہمی کو دور فرمایا تھا (تفسیر قرطبی)

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب شراب اور قمار کی حرمت نازل ہوئی تو بعض حضرات نے یہ سوال کیا کہ جو صحابہ کرامؓ حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے وفات پا گئے، اور اپنی زندگی میں شراب نوشی اور قمار بازی کے مرتکب ہوئے تھے ان کا کیا انجام ہوگا؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جن مؤمنین نے حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے شراب پی یا قمار کا

مال کھایا اُن پر کوئی عذاب نہیں وہ ناجی ہیں۔ بشرطیکہ وہ مؤمن ہوں اور عمل صالح کئے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے احکام کے پابند رہے ہوں۔

نیز سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ، بلاشبہ صفا و مروۃ اللہ کی نشانیں ہیں، پس جو لَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ کوئی بیت اللہ کاج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا (آیت ۱۵۸) گناہ نہیں ہے ان دونوں کے درمیان چکر لگانے میں۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ (اس پر کوئی گناہ نہیں) اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج یا عمرہ کے دوران صفا و مروۃ کے درمیان سنی کرنا واجب نہیں، صرف جائز ہے، چنانچہ حضرت عمرو بن زبیر رحمہ اللہ کو یہی غلط فہمی ہوئی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا کہ زمانہ جاہلیت میں صفا و مروۃ پر دو بت رکھے ہوئے تھے، ایک کا نام ”إساف“ اور دوسرے کا نام ”نائلہ“ تھا، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ شبہ ہوا کہ کہیں ان بتوں کی وجہ سے صفا و مروۃ کے درمیان سنی کرنا حرام نہ ہو، ان کا یہ اشکال دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ﴾ (اس پر کوئی گناہ نہیں) ورنہ صفا و مروۃ کے درمیان سنی واجب ہے (مسلم شریف، کتاب الحج ج ۱ ص ۴۱۴)

شرط المفسر فی باب أسباب النزول:

إنما شرط المفسر معرفة أمرين:

الأول: معرفة تلك القصص التي تُعرضُ الآياتُ لها؛ فإنه لا يتيسرُ فهمُ إيماءِ الآياتِ إلا بمعرفةِها.

والثاني: معرفة تلك القصصة التي تُخصَّصُ العامُّ، أو نحو ذلك من وجوه صرف الكلام عن الظاهر؛ فإنه لا يتأتَّى لهم المقصود من الآياتِ بدونها.

ترجمہ: اسباب نزول کے سلسلہ میں مفسر کی ذمہ داری: بیشک مفسر کیلئے دو باتوں کا پچھانا شرط ہے: اول: اُن واقعات کا جاننا جن کی طرف آیات اشارہ کرتی ہیں، کیونکہ ان واقعات کو جانے بغیر آیتوں کے اشاروں کو سمجھنا آسان نہیں۔

دوم: اس واقعہ کو جاننا جو (آیت کے) عام (مفہوم) کو خاص کرتا ہے یا اس کے مانند کلام کو ظاہر سے پھیرنے کی صورتوں میں سے، کیونکہ ان (واقعات) کے بغیر آیات کے مقصود کو سمجھنا ممکن نہیں۔

لغات:

عَرَضَ لَهُ وہ تعریضاً: اشارے کنایے میں بات کہنا، چوٹ کرنا..... تَأَكَّدَ الْأَمْرُ: آسان ہونا، ممکن ہونا، تیار ہونا۔



قصص الانبیاء اسرائیلیات کا پشتارہ ہیں!

یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ انبیائے سابقین کے واقعات احادیث میں بہت سی کر ذکر کئے گئے ہیں۔ اور مفسرین جو لمبے چوڑے واقعات آیات کے ذیل میں بیان کرتے ہیں ان میں سے بیشتر اسرائیلی روایات ہیں، ان واقعات کی اگر وہ نص قرآنی کے خلاف نہ ہوں تو نہ تصدیق کرنی چاہئے نہ تکذیب۔ اور نہ ان کو تفسیروں میں اور تقریروں میں بیان کرنا چاہئے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ اہل کتاب (یہود) عبرانی میں تورات پڑھتے تھے اور عربی میں مسلمانوں کو سمجھاتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ، اہل کتاب (یہود و نصاری) کی نہ تو تصدیق کرو اور
وَلَا تُكْذِبُوهُمْ وَقُولُوا: آمَنَّا بِاللَّهِ نہ تکذیب کرو، بلکہ کہو: ہم اللہ پر اور اللہ نے جو کچھ
وَمَا أَنْزَلَ (بخاری، کتاب التفسیر ص (ہم پر) نازل کیا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں (یعنی
تمہاری باتوں کی ہمیں ضرورت نہیں) (۱۰۹۳، ۶۳۴)

البتہ کچھ واقعات صحیح احادیث میں آئے ہیں: مثلاً:

۱- حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا ایک ساتھ سفر کرنے کا لمبا قصہ بخاری شریف میں مختصر اور مفصل ۱۳ جگہ آیا ہے، سب سے پہلے کتاب العلم کے باب ۱۶ میں آیا ہے، حدیث کا نمبر ۷۴۷۷ ہے۔

۲- موسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کا آدر ہونے کی تہمت رکھنا، اور اللہ تعالیٰ کا ان کو اس تہمت سے بری کرنا اور پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنا اور موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کی پٹائی کرنے

کا قصہ بخاری شریف، کتاب الغسل باب ۲۰ حدیث نمبر ۲۷۸ میں مذکور ہے۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کو طمانچہ مارنے کا واقعہ بخاری شریف، کتاب

احادیث الانبیاء، باب وفاة موسیٰ الخ میں مذکور ہے۔ حدیث نمبر ۳۴۰

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد اتار صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو

اور ان کی والدہ صاحبہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو مکہ میں بسانے کا مفصل واقعہ بخاری شریف

کتاب احادیث الانبیاء، حدیث نمبر ۳۳۶۳ میں مذکور ہے، جس میں صراحت ہے کہ زمزم،

فرشتہ کے ایڑ مارنے سے یا پر مارنے سے ظاہر ہوا تھا، پس لوگوں میں جو مشہور ہے کہ زمزم حضرت

اسماعیل علیہ السلام کے پیر گزرنے سے ظاہر ہوا وہ صحیح نہیں۔

اسی طرح اور بھی چند مختصراً مفصل واقعات صحیح روایات میں آئے ہیں مگر قصص الانبیاء نامی اردو

کتاب میں اور بعض تفاسیر میں جو لمبے چوڑے، بے تکیے اور اٹکل بچو واقعات مذکور ہیں وہ سب

اہل احادیث کا پشتارہ ہیں، اور وہ غرقِ مئے ناب اولیٰ کا مصداق ہیں۔

قِصَصُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ رَوَايَاتِ أَهْلِ الْكِتَابِ

ومما ينبغي أن يُعلمَ هنا: أن قصص الأنبياء السابقين لم تُذكر في الأحاديث إلا قليلاً؛ فالقِصَصُ الطويلُ العريضُ الذي يَتَجَسَّمُ المفسرون روايتها، كلها منقولة عن علماء أهل الكتاب إلا ما شاء الله تعالى، وقد جاء في صحيح البخاري مرفوعاً: "لا تُصَلِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَلِّبُوهُمْ"

ترجمہ: انبیاء کے قصے اہل کتاب کی روایتوں سے (ماخوذ ہیں): اور جن باتوں کا یہاں جانا

مناسب ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ گزشتہ انبیائے کرام کے قصے احادیث میں ذکر نہیں کئے گئے

ہیں مگر بہت کم، پس وہ لمبے چوڑے قصے جن کو روایت کرنے کی مفسرین تکلیف اٹھاتے ہیں، وہ سب

اہل کتاب کے علماء سے منقول ہیں، الا ما شاء اللہ، (یعنی کچھ ہی قصے احادیث میں ذکر کئے گئے ہیں)

حالانکہ صحیح بخاری میں مرفوعاً وارد ہوا ہے کہ: تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو، نہ ان کی تکذیب کرو (لہذا

وہ واقعات تفسیروں میں نہیں لانے چاہئیں، کیونکہ ان کا ذکر کرنا ان کی تصدیق ہے)

لغات:

جَشِمَ (س) جَشِمًا وَجَشَامَةً، وَتَجَشَّمَ الْأَمْرُ: مشقت سے کام کرنا، تکلیف اٹھا کر کام کرنا.....
 مرفوع: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند آنحضرت ﷺ تک پہنچتی ہو یعنی حضور کے ارشاد کو
 حدیث مرفوع کہا جاتا ہے۔

☆

☆

☆

نَزَلَتْ فِي كَذَا كَالِإِكْثَارِ

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کبھی مشرکین اور یہود کے عقائد و نظریات اور ان کی جاہلی رسوم و عادات کو واضح کرنے کے لئے کوئی قصہ ذکر کرتے تھے۔ پھر فرماتے تھے: نَزَلَتْ الْآيَةُ فِي كَذَا، اور اس سے یہ مراد لیتے تھے کہ آیت اسی جیسے واقعہ میں نازل ہوئی ہے، چاہے بعینہ وہی قصہ ہو، یا اس سے ملتا جلتا کوئی اور قصہ ہو، مثلاً بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

إِنَّ رُجُلًا كَانَتْ لَهُ بَيْتَمَةٌ فَكَحَّهَا؛ ایک مرد کے پاس ایک یتیم لڑکی تھی، اس سے
 وَكَانَ لَهَا عَذْقٌ؛ وَكَانَ يُنْسِكُهَا عَلَيْهِ؛ اس نے نکاح کر لیا؛ اور اس لڑکی کا ایک باغ تھا اور
 وَلَمْ يَكُنْ لَهَا مِنْ نَفْسِهِ شَيْءٌ فَتَزَلَّتْ فِيهِ اس کی وجہ سے اس نے اس کو روک رکھا تھا، اور
 وَإِنْ خِفْتُمْ إِلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى اس لڑکی سے اس کو کوئی رغبت نہیں تھی، اس
 فَانْكَحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی وَإِنْ خِفْتُمْ
 (بخاری شریف، کتاب النکاح ص ۶۵۸) إِلَّا تُقْسِطُوا (سورہ نساء آیت ۳)

الغرض صحابہ کرام اور تابعین عظام کبھی کوئی قصہ ذکر کر کے ”نَزَلَتْ الْآيَةُ فِي كَذَا“ کہتے ہیں، مگر حقیقت میں قصہ بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ قصہ کے ذریعہ مشرکین اور یہود کے دین و مذہب اور ان کی رسوم و عادات کی وضاحت مقصود ہوتی ہے، اسی لئے بسا اوقات ان کے اقوال باہم مختلف ہو جاتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا مقصد ایک ہوتا ہے، کیونکہ جو قصہ ذکر کرتے ہیں، وہ مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اس قصہ کے ذریعہ امور کلیہ کی وضاحت مقصود ہوتی ہے، اور اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ: جب تک آدمی

ایک آیت کو مختلف مصداقوں پر منطبق نہ کرے، فقیہ نہیں ہو سکتا (اخر جہ ابن سعد وابن عساکر فی تاریخہ)

معنی آخر لقولہم: ”نزلت فی کذا“

وَلْيَعْلَمَ أَيضًا أَنَّ الصَّحَابَةَ وَالتَّابِعِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ كَانُوا يَذْكُرُونَ قِصَصًا جَزِئِيَّةً لِبَيَانِ مَذَاهِبِ الْمَشْرُكِينَ وَالْيَهُودِ، وَعَادَاتِهِمُ الْجَاهِلِيَّةِ، لِتَضَعُ بِهَا عَقَائِدَهُمْ وَتَقَالِيذَهُمْ وَيَقُولُونَ: ”نَزَلَتِ الْآيَةُ فِي كَذَا“ وَيُرِيدُونَ بِذَلِكَ: أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي مِثْلِ هَذِهِ سَوَاءً كَانَتْ تِلْكَ بَعِينَهَا، أَوْ مَاشَاهُهَا، أَوْ مَقَارَبَهَا، وَيَقْصِدُونَ إِظْهَارَ تِلْكَ الصُّورَةِ، لِإِخْصَاصِ الْقِصَصِ، بَلْ يَذْكُرُونَهَا لِأَجْلِ أَنَّ هَذِهِ صُورَةٌ صَادِقَةٌ لِتِلْكَ الْأُمُورِ الْكَلْبِيَّةِ؛ وَلِهَذَا تَخْتَلِفُ أَقْوَالُهُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْمَوَاضِعِ، وَكُلٌّ يَجُرُّ الْكَلَامَ إِلَى جَانِبِهِ، وَقَصْدُهُمْ فِي الْحَقِيقَةِ وَاحِدٌ؛ وَإِلَى هَذِهِ النِّكْتَةِ أَشَارَ أَبُو الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَيْثُ قَالَ: ”لَا يَكُونُ الرَّجُلُ فَقِيهًا حَتَّى يُحْمِلَ الْآيَةَ الْوَاحِدَةَ عَلَى مَحَامِلَ مُتَعَدِّدَةٍ“

ترجمہ: اور ان کے قول: ”نزلت فی کذا“ کا ایک اور مطلب: اور یہ بھی جان لینا چاہئے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم جزوی قصے ذکر کرتے ہیں، مشرکین اور یہود کے مذاہب اور ان کی جاہلی عادات کی وضاحت کرنے کے لئے، تاکہ واضح ہو جائیں ان (جزوی قصوں) سے ان کے عقائد اور ان کی مذہبی رسوم، اور کہتے ہیں: ”نزلت الآیۃ فی کذا“ اور اس سے مراد لیتے ہیں کہ وہ (آیت) نازل ہوئی ہے اس جیسے قصے میں چاہے وہی قصہ ہو، یا اس کے مشابہ ہو، یا اس کے قریب ہو، اور قصد کرتے ہیں وہ اس صورت کی وضاحت کرنے کا نہ کہ قصوں کی خصوصیت کا بلکہ ان (قصوں) کو اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ یہ ایسی صورت ہے جو ان امور کلیہ پر صادق آتی ہے، اور اسی لئے ان کے اقوال مختلف ہوتے ہیں بہت سی جگہوں میں، اور ہر ایک کلام کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور ان کا مقصد حقیقت میں ایک ہے، اور اسی نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ: ”کوئی شخص فقیہ نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ ایک آیت کو چند مصداقوں پر محمول کرے“

لغات:

تقالید؛ تقلید کی جمع ہے: مذہبی باتیں، مذہبی رسوم..... نُکْتَة: مشکل بات جو دقت نظر سے

حاصل ہو، جمع نیکت و نکات..... مَحَامِلُ، مَحْمُول کی جمع ہے: مصداق۔



بظاہر واقعہ مگر حقیقت میں واقعہ نہیں!

جس طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام کوئی قصہ ذکر کر کے ”نزلت الآیۃ فی کذا“ کہتے ہیں، مگر حقیقت میں قصہ بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اس قصہ کے ذریعہ امور کلیہ کی وضاحت مقصود ہوتی ہے، اسی طرح بسا اوقات قرآن کریم میں دو صورتیں ذکر کی جاتی ہیں: ایک نیک بخت کی، دوسری بد بخت کی، اور نیک بخت کی صورت میں نیک بختی کی کچھ خوبیاں بیان کی جاتی ہیں، اور بد بخت کی صورت میں بد بختی کی کچھ خرابیاں ذکر کی جاتی ہیں، مگر کسی معین شخص کی طرف تعریض اور اشارہ کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ ان خوبیوں اور خرابیوں کے احکام بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے سورہ احقاف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

وَوَضِعْنَا الْإِنْسَانَ بِإِسْمِهِ
إِحْسَانًا، حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا
وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمَلُهُ
وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا
(آیت ۱۵)

ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک
کرنے کا حکم دیا، (کیونکہ) اس کی ماں نے اسکو بڑی مشقت
کے ساتھ پیٹ میں رکھا، اور بڑی مشقت کے ساتھ اس
کو جٹا، اور اس کو پیٹ میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا
(اکثر) تیس مہینے میں (پورا ہوتا) ہے۔

اس کے بعد مصلی اللہ تعالیٰ نے دو صورتیں بیان فرمائی ہیں، ایک نیک بخت کی، اور دوسری بد بخت کی، پہلی صورت میں نیک بخت کے کچھ اوصاف ذکر کئے ہیں، اور دوسری صورت میں بد بخت کے کچھ احوال بیان فرمائے ہیں، مگر کسی معین شخص کی طرف تعریض کرنا مقصود نہیں، بلکہ نیک بخت کے کچھ اوصاف اور بد بخت کے کچھ احوال بیان فرما کر لوگوں کو دونوں کے انجام سے آگاہ کرنا مقصود ہے۔

اسی طرح سورہ نحل کی درج ذیل دو آیتوں میں بھی کسی معین جماعت کی طرف اشارہ کرنا مقصود نہیں، بلکہ نیک بختوں اور بد بختوں کے اقوال و احوال بیان کرنا مقصود ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ: مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا
أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (سورہ نحل آیت ۲۴)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا
نازل فرمایا ہے؟ تو کہتے ہیں: انگوں کی کہانیاں۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: خَيْرًا ۚ
 (سورہ نحل آیت ۳۰) وہ کہتے ہیں کہ: بڑی خیر کی بات نازل فرمائی ہے۔
 اور جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں ان سے کہا جاتا

اسی طرح سورہ نحل، سورہ اعراف، سورہ مومنون اور سورہ قلم کی درج ذیل آیتوں میں بھی کسی معین بستی، یا معین جماعت یا فرد کی طرف تعریض کرنا مقصود نہیں، سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا: قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَّا اللَّهُ لِبِئْسَ الْجُوعَ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ (آیت ۱۱۲)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی عجیب حالت بیان فرماتے ہیں کہ وہ (بڑے) امن و اطمینان میں تھے، ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر طرف سے ان کے پاس پہنچ رہی تھیں، پھر انھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کی وجہ سے ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔

اور سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا، فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيًّا فَمَرَّتْ بِهِ؛ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْنَا صَالِحًا لَنُكَوِّنَنَّ مِنَ الشَّكْرَيْنِ، فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَئِنْ شَرَكْنَا فِيهِمَا آتَاهُمَا؛ فَتَعَلَّى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (آیت ۱۸۹ او ۱۹۰)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے، اور اُسی سے بنایا اس کا جوڑا، تاکہ اس کے پاس آرام پکڑے پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا (یعنی دلی کی) تو ہلکا سا حمل رہا، سو وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی، پھر جب بو جھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو ان کا رب ہے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہم کو صحیح سالم اولاد عطا فرمائی تو ہم آپ کا شکر بجالائیں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد عطا فرمائی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کا شریک ٹھہرانے لگے، سو اللہ تعالیٰ برتر ہیں ان کے شرک سے۔

اور سورہ مومنون میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ، الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ
وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ﴾ (آیت ۵۳)

ترجمہ: بیشک فلاح پائی ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں، اور جو بے فکری بات سے اعراض کرنے والے ہیں، اور جو زکوٰۃ دینے والے ہیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (یہ پانچ آیتیں ذکر کی گئیں ہیں، مگر نیک بختوں کی جو صورت بیان کی جا رہی ہے وہ گیارہویں آیت پر مکمل ہو رہی ہے اس کا خیال رہے)
اور سورہ قلم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَطْغَوْا كُلَّ خَلَافٍ مُّهِينٍ، هَمَّازٍ مَّشَاءٍ بَنِينٍ، مَنَاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اِئْتِمٍ؛ عَتَلٌ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ﴾ (آیت ۱۳۱۰)

ترجمہ: اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں، جو بہت فحش کھانے والا ہو، بے وقعت ہو، طعنہ دینے والا ہو، چغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو۔ حد سے گزرنے والا ہو، گناہ کرنے والا ہو، سخت مزاج ہو، اس کے علاوہ حرام زادہ ہو۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ نیک بخت اور بد بخت کی مذکورہ بالا صورتوں میں جتنی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں، ان سب کا کسی شخص یا جماعت میں پایا جانا ضروری نہیں، جیسے ﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَنَعًا سَنَابِلَ، فَبِئْسَ ثَمَرًا لِّمَنْ كَفَرَ﴾ (جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں اُن کے خرچ کرنے کا حال ایسا ہے جیسے ایک دانہ کا حال جس سے سات بالیاں جمیں اور ہر بالی میں سو سودانے ہوں)، (سورہ بقرہ آیت ۲۶۱) اس آیت میں جیسے دانے کا تذکرہ کیا گیا ہے، بالکل ویسا ہی دانہ پایا جانا ضروری نہیں، کیونکہ اس ارشاد خداوندی کا مقصد صرف اجر و ثواب کی زیادتی بیان کرنا ہے، اسی طرح مذکورہ بالا صورتوں میں جتنی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں ان سب کا کسی شخص یا جماعت میں پایا جانا ضروری نہیں، اور اگر حسن اتفاق سے کسی فرد یا جماعت میں مذکورہ صورتوں میں جتنی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں ان میں سے اکثر یا تمام خصوصیات پائی جائیں تو یہ اتفاقی بات، از قبیل التزام مالا یلزم ہے یعنی جس بات کا قصد نہیں کیا تھا وہ ہو گئی!

صورة قصية ولا قصة لها

وعلى هذا الأسلوب كثيرا ما يُذكر في القرآن العظيم صورتان: صورة سعيد، ويُذكر فيها بعض أوصاف السعادة؛ وصورة شقي، ويُذكر فيها بعض أوصاف الشقاوة؛ ويكون الغرض من ذلك: بيان أحكام تلك الأوصاف والأعمال، لا التعريض بشخص مُعين، كما قال سبحانه وتعالى: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا، حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ ثم ذكر صورتين: صورة سعيد وصورة شقي؛ وكذلك قوله تعالى: ﴿وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ: مَاذَا آتَزَلْ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ وقوله تعالى: ﴿وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا: مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: خَيْرًا﴾.

وعلى مثل هذا تحمّل قوله تعالى: ﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا: قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً﴾ وقوله تعالى: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا، فَلَمَّا تَغَشَّاهَا﴾ الآية وقوله تعالى: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ، الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ وقوله تعالى: ﴿وَلَا تَطِغْ كُلُّ خَلَافٍ مُهِينٍ﴾.

ولا يلزم في هذه الصور أن تتوفر تلك الخصوصيات بعينها في شخص، كما لا يلزم في قوله تعالى: ﴿كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ، فِي كُلِّ سُنْبَلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ﴾ أن توجد حبة بهذه الصفة؛ إنما المقصود: تصوير زيادة الأجر لا غير؛ فإن وجدت صورة توافق ذلك في أكثر الخصوصيات، أو في كلها، كان ذلك من قبيل: "الزوم مالم يلزم".

ترجمہ: صورت قصہ، مگر قصہ نہیں: اور اسی انداز پر بکثرت ذکر کی جاتی ہیں قرآن عظیم میں دو صورتیں: (۱) نیک بخت کی صورت؛ اور اس میں نیک بختی کے کچھ اوصاف ذکر کئے جاتے ہیں (۲) اور بد بخت کی صورت؛ اور اس میں بد بختی کے کچھ احوال بیان کئے جاتے ہیں، اور اس کا مقصد ان اوصاف و اعمال کے احکام بیان کرنا ہو تا ہے، نہ کہ کسی معین شخص کی طرف تعریض (اشارہ) کرنا، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا، حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ پھر دو صورتیں ذکر فرمائی ہیں: (۱) نیک بخت کی صورت (۲) اور بد بخت کی صورت، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ: مَاذَا أُنزِلَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا: مَاذَا أُنزِلَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: خَيْرًا﴾

اور اسی طرز پر محمول کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿وَصَوَّبَ اللَّهُ مَثَلًا: قُرْيَةٌ كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً﴾ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا، فَلَمَّا تَغَشَّاهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿فَلَمَّا أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ، الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿وَلَا تَطْغَى كُلُّ جُلَّافٍ مُهِينٍ﴾۔

اور ضروری نہیں ان صورتوں میں اُن خصوصیات کا بعینہ کامل طریقہ پر پایا جانا کسی شخص میں، جیسا کہ ضروری نہیں ارشاد خداوندی ﴿كَمَثَلٍ حَبَّةٍ أَتَتْ سَنَابِلَ، فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ﴾ میں اس وصف کے ساتھ متصف کسی دانہ کا پایا جانا، مقصود صرف اجر کی زیادتی کو بیان کرنا ہے، پس اگر کوئی ایسی صورت پائی جائے جو اکثر خصوصیات میں یا تمام خصوصیات میں اس (ارشاد خداوندی) کے موافق ہو تو یہ (توافق) لزوم مالم یلزم کے قبیل ہے ہوگا، یعنی جو چاہا نہیں تھا وہ ہو گیا (جس چیز کا التزام نہیں کیا تھا وہ لازم آگئی، جس چیز کو سر نہیں لیا تھا وہ سر پڑ گئی)



فرضی سوال و جواب

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ کبھی قرآن کریم میں کلام سابق کی وضاحت کی غرض سے بظاہر وارد ہونے والے شبہ کو رد کیا جاتا ہے، یا کسی سوال مقدر کا جواب دیا جاتا ہے، مگر حقیقت میں نہ کوئی سوال کرنے والا ہوتا ہے، نہ شبہ کرنے والا، لیکن صحابہ کو ام رضی اللہ عنہ ان مقامات کی تفسیر و تقریر میں کوئی سوال کرنے والا فرض کرتے ہیں، یا ایسا شخص فرض کرتے ہیں، جس کو شبہ پیش آیا ہو۔ اور سوال و جواب کی صورت میں ان مقامات کی تشریح کرتے ہیں، مگر ہم غور سے دیکھیں تو پورا جملہ ایک مربوط اور مسلسل کلام ہوتا ہے، یکے بعد دیگرے نازل ہونے کا احتمال نہیں ہوتا، اور پورا کلام ایک مرتب جملہ ہوتا ہے، اور اس کی قیود کو کسی طرح الگ نہیں کیا جاسکتا، مثلاً حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ﴿وَكُلُّوا وَأَشْرَبُوا حَتَّى يَبَيِّنَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۸۷) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

أَنْزَلْتُ كُلُّوْا وَاشْرَبُوْا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ ، وَلَمْ تَنْزَلْ مِنَ الْفَجْرِ ، فَكَانَ رَجُلًا إِذَا ارَادُوا الصَّوْمَ رَبَطَ أَحَدُهُمْ فِي رِجْلَيْهِ الْخَيْطَ الْأَبْيَضَ وَالْخَيْطَ الْأَسْوَدَ ، وَلَا يَزَالُ يَأْكُلُ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُ رُؤْيُهُمَا ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ بَعْدَهُ " مِنْ الْفَجْرِ " فَعَلِمُوا أَنَّ مَا يَعْنِي اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ (بخاری شریف، کتاب التفسیر ص ۶۳۷)

(پہلے) كُلُّوْا وَاشْرَبُوْا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ نازل کیا گیا، اور مِنَ الْفَجْرِ نازل نہیں کیا گیا، اس لئے جب لوگ روزہ کا ارادہ کرتے تھے تو کوئی اپنے پیروں میں سفید اور سیاہ دھاگا باندھ لیتا اور براہِ رکعت کھاتا رہتا یہاں تک کہ دونوں دھاگوں کو اچھی طرح دیکھ لیتا (تو کھانا بند کر دیتا) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مِنَ الْفَجْرِ نازل فرمایا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے (سیاہ اور سفید دھاگے سے) رات اور دن مراد لئے ہیں۔

نیز حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ارشاد خداوندی ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولَى الضَّرَرِ﴾ (سورہ نساء آیت ۹۵) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

لَمَّا نَزَلَتِ الْآيَةُ: لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا فَكَتَبَهَا، فَجَاءَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَشَكَا ضَرَرَتَهُ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ غَيْرُ أُولَى الضَّرَرِ (بخاری شریف، کتاب التفسیر ص ۶۶۱)

جب آیت لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا، انھوں نے اس (آیت) کو لکھ لیا، پھر حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم (جو نابینا تھے) آئے، اور اپنے اندھے پن کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے غَيْرُ أُولَى الضَّرَرِ کو نازل فرمایا۔

ظاہر ہے کہ پہلی آیت میں مِنَ الْفَجْرِ کو اور دوسری آیت میں غَيْرُ أُولَى الضَّرَرِ کو کلام سابق سے کسی طرح الگ نہیں کیا جاسکتا، اس لئے یہی کہا جائے گا کہ حضرت سہلؓ اور حضرت براءؓ نے سوال و جواب فرض کر کے آیتوں کی تفسیر کی ہے۔

قَدْ يَفْرُضُونَ السُّؤَالَ وَالْجَوَابَ فِي التَّفْسِيرِ:

وَفِي بَعْضِ الْأَحْيَانِ يُرَدُّ فِي الْقُرْآنِ عَلَى شَبَهَةِ ظَاهِرَةِ الْوُرُودِ، أَوْ يُجَابُ عَنْ

سؤالِ مَطْوِیٰ مفہومِ سہولۃ، لقصدِ ایضاحِ الکلامِ السابق، لا لأجلِ أن أحدًا وجَّه هذا السؤال بعينه، أو أورد هذه الشبهة بعينها؛ وکثیرا ما يفترض الصحابة رضی اللہ عنہم فی تقرير ذلك المقام سؤالاً موشَّرحون الکلام فی صورة السؤال والجواب؛ ولكن لونها بامعان النظر فالكلُّ كلامٌ واحدٌ منسَّقٌ، لا یحتمل نزول بعض عقیب بعض، وجملة واحدة منتظمة لا تُفكُّ قیودها علی أصلٍ من الأصول.

ترجمہ: کبھی (صحابہ) تفسیر میں سوال و جواب فرض کرتے ہیں: اور بعض وقتوں میں قرآن پاک میں رد کیا جاتا ہے ایسا شبہ جو ظاہر الورد ہے (یعنی جو ہر ایک کو پیش آ سکتا ہے) اور جواب دیا جاتا ہے ایسے پوشیدہ سوال کا جو آسانی سے سمجھا جاتا ہے کلام سابق کی تشریح کی غرض سے نہ کہ اس وجہ سے کہ کسی نے بیعینہ یہی سوال پیش کیا تھا، یا بیعینہ یہی شبہ وارد کیا تھا اور صحابہ کرام بکثرت فرض کرتے ہیں اس مقام کی تفسیر میں کوئی سوال، اور تشریح کرتے ہیں کلام کی سوال و جواب کی صورت میں، لیکن اگر ہم گہری نظر سے دیکھیں تو پورا (جملہ) ایک مرتب کلام ہوتا ہے، نہیں احتمال رکھتا کیے بعد دیگرے نازل ہونے کا، اور ایک مربوط جملہ ہوتا ہے، اس کی قیود کو الگ نہیں کیا جاسکتا قواعد میں سے کسی قاعدہ کے پیش نظر۔

لغات:

مَطْوِیٰ: (اسم مفعول) پلٹا ہوا، پوشیدہ؛ طَوِیَ یَطْوِی طَيًّا الثوب: کپڑے کو پلٹنا، طَوِیَ الحدید: بات چھپانا مُنَسَّقٌ (اسم مفعول): مرتب؛ نَسَقَ الشیء: ترتیب وار رکھنا مُنْتَظِمَةٌ (اسم فاعل): مرتب، مربوط اِنْتَظَمَ اللؤلؤ: ترتیب وار ہونا، اِنْتَظَمَ الامر: درست ہونا۔



رتبی تقدم و تاخر، زمانی نہیں

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی تقدم و تاخر کو ذکر کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ فلاں آیت پہلے اور فلاں آیت بعد میں نازل ہوئی، مگر اس سے زمانی تقدم و تاخر مراد نہیں ہوتا، بلکہ رتبی تقدم و تاخر مراد ہوتا ہے، جیسے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد خداوندی ﴿وَالَّذِينَ يَكْمِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ (سورہ توبہ آیت ۳۴) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

هذا قبل ان تُنزل الزكوة، فلما أنزلت جعلها الله طهراً للأموال (بخاری شریف، کتاب التفسیر ص ۶۷۲) تعالیٰ نے زکوٰۃ کو اموال کیلئے پاکی (کا ذریعہ) بنادیا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ آیت پہلے اور زکوٰۃ کی آیتیں بعد میں نازل ہوئی ہیں، یہ مطلب کیسے ہو سکتا ہے؟ ایہ تو سورۃ براءت یعنی سورۃ توبہ کی آیت ہے، جو نزول کے اعتبار سے آخری سورت ہے، اور یہ آیت ان واقعات کے درمیان میں آئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں پیش آئے تھے، اور زکوٰۃ کا حکم اس سے کئی سال پہلے نازل ہو چکا تھا — بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ: یہ آیت مجمل ہے، اور زکوٰۃ کا حکم مفصل ہے، اور اجمال کا درجہ اور ترتیب تفصیل سے پہلے ہوتا ہے، لہذا یوں سمجھنا چاہئے کہ گویا یہ وعید زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھی، جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو اموال کے لئے پاکی کا ذریعہ بنادیا، لہذا کوئی شخص سونا چاندی کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے تو ان کو جمع کر کے رکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔

قد يريدون التقدم والتأخر الرتبي لا الزماني

وقد يذكر الصحابة رضي الله عنهم التقدم والتأخر، ويريدون بذلك: التقدم والتأخر الرتبي، لا الزماني، كما قال ابن عمر رضي الله عنه في قوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ يَخْتِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾: "إنما كان هذا قبل أن تُنزل الزكوة، فلما أنزلت جعلها الله طهراً للأموال"، ومن المعلوم أن سورة البراءة آخر سورة نزلت، وهذه الآية في تضاعيف القصص المتأخرة، وقد كانت فرضية الزكاة متقدمة عليها بأعوام؛ ولكن مراد ابن عمر رضي الله عنه: تَقَدُّمُ الإجمال على التفصيل بالرتبة.

ترجمہ: کبھی (صحابہ کرام) زمانی کے بجائے رتبی تقدم و تاخر مراد لیتے ہیں: اور کبھی صحابہ کرام تقدم و تاخر کو ذکر کرتے ہیں، اور مراد لیتے ہیں اس سے رتبی تقدم و تاخر نہ کہ زمانی، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَالَّذِينَ يَخْتِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ کے بارے میں کہ بیشک یہ (وعید) زکوٰۃ (کا حکم) نازل کئے جانے سے پہلے تھی، پھر جب زکوٰۃ (کی

آیات) نازل کی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس (زکوٰۃ) کو اموال کے لئے پاکی (کا ذریعہ) بنادیا، اور معلوم ہے کہ سورہ براءت نزول کے اعتبار کے آخری سورت ہے، اور یہ آیت آخر میں پیش آنے والے واقعات کے درمیان میں ہے، اور زکوٰۃ کی فرضیت اس سے کئی سال مقدم ہے، بلکہ ابن عمر کی مراد اجمال کا تفصیل سے مرتبہ میں مقدم ہونا ہے۔

لغات:

تَضَاعَيْفٌ: درمیان، بچ، تضاعیفُ الشیء: دوچند، تضاعیفُ الكتاب: حواشی اور بین السطور (یہ لفظ مفرد ہے جمع نہیں ہے)..... اَعْوَامٌ: عام کی جمع ہے: سال، برس۔



مفسر کے لئے دو قسم کی باتوں کا جاننا ضروری ہے

بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ محدثین اپنی تفسیروں میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کے حوالہ سے جتنی باتیں ذکر کرتے ہیں: ان سب کا مفسر کے لئے جاننا ضروری نہیں بلکہ ان باتوں میں سے صرف دو قسم کی باتوں کا جاننا ضروری ہے:

(۱) ان واقعات کا جاننا ضروری ہے جن کی خصوصیات کی طرف آیتوں میں اشارہ آیا ہو چاہے وہ غزوات نبوی کے واقعات ہوں، یا ان کے علاوہ دیگر واقعات ہوں، کیونکہ ان واقعات کو جانے بغیر آیات کی حقیقت کو سمجھنا آسان نہیں، مثلاً ﴿إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى وَالرَّكُوبُ الْأَسْفَلُ مِنْكُمْ﴾ (سورہ انفال آیت ۴۲) میں غزوہ بدر کی خصوصیات کی طرف اشارہ ہے، اور ﴿وَإِذْ غَلَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ﴾ (آل عمران آیت ۱۲۱) میں غزوہ اُحد کی خصوصیات کی طرف اشارہ ہے، اور ﴿إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ (سورہ توبہ آیت ۴۰) میں واقعہ ہجرت کی خصوصیات کی طرف اشارہ ہے، اور اس قسم کے اشارے قرآن کریم میں بے شمار ہیں، لہٰذا ان واقعات کا جاننا ایک مفسر کے لئے ضروری ہے۔

(۲) بعض قیود کے فوائد، اور بعض مواقع میں سختی کرنے کی وجوہات کا جاننا ضروری ہے، مگر فوائد قیود اور تشدید کی وجوہات کا جاننا چونکہ اسباب نزول کے جاننے پر موقوف ہے اس لئے ان

اسباب نزول کا جاننا بھی ضروری ہے جن سے فوائد قیود اور تشدید کی وجوہات کا پتہ چلتا ہے، مثلاً حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب سورہ بقرہ میں عورتوں کی عدت بیان کی گئی تو لوگوں نے کہا: کچھ عورتیں ایسی ہیں جن کی عدت بیان نہیں کی گئی، ایک چھوٹی بچیاں جن کو حیض نہیں آتا، دوسری سن رسیدہ عورتیں جن کا حیض بند ہو گیا ہے، اور تیسری حاملہ عورتیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَالَّذِي يَسْنَنُ مِنَ الْمَحْضِضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ، وَالَّذِي لَمْ يَحْضْضْ، وَأُولَئِذَا الْأَحْمَالُ أَبْلَغُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (سورہ طلاق آیت ۴، بحوالہ تفسیر مظہری) ترجمہ: اور تمہاری وہ بیویاں جو حیض سے ناامید ہو گئی ہیں، اگر تم کو (ان کے بارے میں) شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور جن لڑکیوں کو ابھی حیض نہیں آیا ان کی بھی، اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے ان کی عدت یہ ہے کہ جن لیس پیٹ کا بچہ۔

اگر یہ شان نزول ہمارے سامنے نہ ہو تو ﴿إِنْ ارْتَبْتُمْ﴾ (اگر تم کو شک ہو) کی قید کا فائدہ سمجھ میں نہیں آسکتا، بلکہ کسی کو یہ دھوکہ ہو سکتا ہے کہ اگر سن رسیدہ عورت کو جس کا حیض بند ہو گیا ہے حاملہ ہونے میں شک نہ ہو تو اس پر عدت نہیں، جیسا کہ بعض اہل ظواہر کا مسلک ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دل لگی کے طور پر پوچھتے تھے کہ میرا باپ کون ہے؟ اور جس کی اونٹنی گم ہو جاتی وہ پوچھتا کہ: میری اونٹنی کہاں ہے؟ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنِ الْأَشْيَاءِ إِنْ بُذِلَتْ لَكُمْ، تَسْأَلُكُمْ﴾ (سورہ مائدہ آیت ۱۰۱) (بخاری شریف، کتاب التفسیر ص ۶۶۵) اگر یہ شان نزول ہمارے سامنے نہ ہو تو فضول سوالوں سے روکنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آسکتی۔

شَرَطُ الْمُفَسِّرِ أَمْرَانِ:

وبالجملة: فالذي يَشْتَرِطُ عَلَى الْمُفَسِّرِ فِي هَذَا الْبَابِ لَا يَزِيدُ عَلَى أَمْرَيْنِ:
 الأول: معرفةُ قِصَصِ الْغُرُوبِ وَغَيْرِهَا، مِمَّا وَقَعَ فِي الْآيَاتِ الْإِيمَاءِ إِلَى خصوصياتِها، فَمَالِمُ تُعْلَمُ تِلْكَ الْقِصَصُ لَا يَتَأْتِي فَهْمُ حَقِيقَتِهَا.
 والثاني: الاطلاعُ عَلَى فَوَائِدِ بَعْضِ الْقِيُودِ؛ وَكَذَا أَسْبَابُ التَّشْدِيدِ فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ، تَتَوَلَّفُ مَعْرِفَتُهَا عَلَى أَسْبَابِ النُّزُولِ.

- قد تَقَعُ فِي الْآيَةِ شَبَهَةٌ ظَاهِرَةٌ، لِاسْتِعَادِ الصُّورَةِ الَّتِي هِيَ مَدْلُولُ الْآيَةِ، أَوْ لِلتَّنَاقُضِ بَيْنَ الْآيَتَيْنِ.
- أَوْ يَضَعُ فَهْمُ مَدْلُولِ الْآيَةِ عَلَى ذَهْنِ الْمُبْتَدِئِ.
- أَوْ لَا تَسْتَقِرُّ فِي ذَهْنِهِ فَائِدَةٌ قَبْلَ مِنَ الْقِيُودِ.
- فَإِذَا قَامَ الْمَفْسَرُ بِحَلِّ هَذِهِ الْإِشْكَالَاتِ سُمِّيَ ذَلِكَ تَوْجِيهًا.

ترجمہ: فن توجیہ: اور یہ آخری بحث درحقیقت توجیہ کے فنون (اقسام) میں سے ایک فن ہے اور توجیہ کے معنی ہیں: کلام کے مقصود کو واضح کرنا، اور اس لفظ کا حاصل یہ ہے کہ:

۱- کبھی آیت میں بہ ظاہر کوئی شبہ ہوتا ہے، اس صورت کو بعید سمجھنے کی وجہ سے جو آیت کا مدلول ہے، یادو آیتوں کے درمیان (بظاہر) تعارض ہونے کی وجہ سے۔

۲- یا مبتدی کے لئے آیت کا مطلب سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔

۳- یا مبتدی کے ذہن میں قیود میں سے کسی قید کا فائدہ نہیں جتا (نہیں بیٹھتا) پس جب مفسران اشکالات کو حل کرتا ہے تو اس کو توجیہ کہا جاتا ہے۔



توجیہ کی مثالیں

شاہ صاحب نے آئندہ عبارت میں توجیہ کی پانچ مثالیں بیان فرمائی ہیں، جن میں سے پہلی استبعاد صورت کی ہے، دوسری صعوبت فہم کی، تیسری تعارض کی، چوتھی اور پانچویں فوائد قیود کی مثالیں ہیں، اور آخر میں فرمایا ہے کہ توجیہ کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، مگر یہاں توجیہ کے معنی اور مفہوم کو سمجھانے کے لئے یہی مثالیں کافی ہیں۔

أَمْثَلَةُ التَّوْجِيهِ:

- ۱- کما فی آیة: ﴿يَأْخُذْ هَارُونُ﴾ فَقَدْ سَأَلُوا: أُنَ الْمَدَّةَ بَيْنَ مُوسَى وَعِيسَى عَلَيْهِمَا السَّلَام طَوِيلَةً، فَكَيْفَ يَكُونُ هَارُونُ أَخًا لِمَرْيَمَ؟ كَأَنَّ السَّائِلَ أَضْمَرَ فِي خَاطِرِهِ: أُنَ هَارُونُ هَذَا هُوَ هَارُونُ آخِرِ مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ؛ فَأَجَابَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانُوا يَسْمُونَ بِأَسْمَاءِ الصَّالِحِينَ قَبْلَهُمْ.

۲۔ وکما سألوا: کیف یمشی الإنسان یومَ الحشر علی وجهه؟ فقال: ” إن الذی أمشاه فی الدنیا علی رِجلیه لقادرٌ علی أن یمشیَ علی وجهه“

۳۔ وکما سألوا ابن عباس رضی اللہ عنہما عن وجہ التطبيق بین قوله تعالى: ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ﴾ وبين آية أخرى: ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ﴾ فقال رضی اللہ عنہ: عدمُ التساؤلِ یومَ الحشر، والتساؤلُ بعدَ دخولِ الجنة.

۴۔ وکما سألوا عائشة رضی اللہ عنہا، فقالوا: إن کان السعی بین الصفا والمروة واجبا، فلماذا قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ الآية؟ فأجابت رضی اللہ عنہا: بأن قوما كانوا یَتَجَنَّبُونَهُ وَيَتَحَرَّجُونَ مِنْهُ، فلذلك قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَا جُنَاحَ﴾

۵۔ وکما سأل عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما معنی قید ﴿إِنْ خِفْتُمْ﴾؟ فقال صلی اللہ علیہ وسلم: صدقةٌ تصدق اللہ بها علیکم، فاقبلوا صدقته“ اے ان الکرماء لا یضایقون فی الصدقة، فکذلك لم يذكر اللہ سبحانه وتعالیٰ هذا القید للتضییق، بل القید إتفاقی. وأمثله التوجیه کثیرة، والغرض هنا التنبیہ علی معناه.

ترجمہ: توجیہ کی مثالیں: ۱۔ جیسا کہ آیت ﴿يُنَاقِضَ هَارُونُ﴾ (سورہ مریم آیت ۲۸) کے بارے میں لوگوں نے سوال کیا تھا کہ: حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان جو زمانہ ہے وہ کافی لمبا زمانہ ہے، پھر ہارون علیہ السلام، مریم رضی اللہ عنہا کے بھائی کیسے ہو سکتے ہیں؟ گویا سائل نے اپنے دل میں یہ بات چھپا رکھی تھی کہ: یہ ہارون وہی ہارون ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں، تو آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ: بنی اسرائیل اپنے سے پہلے والے برزگوں کے ناموں پر (بچوں کے) نام رکھتے تھے (یعنی اس آیت میں ہارون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام مراد نہیں ہیں، بلکہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے خاندان کا کوئی ہارون نامی بزرگ شخص مراد ہے) (ترمذی شریف، ابواب التفسیر ج ۲ ص ۱۴۴)

۲۔ اور جیسا کہ لوگوں نے سوال کیا تھا کہ: انسان حشر (قیامت) کے دن اپنے چہرے کے بل کیسے

چلے گا؟ تو آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ: جس (خدا) نے اس کو دنیا میں پیروں پر چلایا ہے وہ اس پر (بھی) قادر ہے کہ اس کو چہرے کے بل چلائے (رواہ الشیخان، مشکوٰۃ، باب الحشر ص ۸۳)۔
 ۳- اور جیسا کہ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَإِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ﴾ (سورہ مؤمنون آیت ۱۰۱) اور دوسری آیت ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ﴾ (سورہ صافات آیت ۲۷) کے درمیان تطبیق کی صورت پوچھی تھی، تو آپؐ نے فرمایا کہ: ایک دوسرے سے سوال نہ کرنا حشر (قیامت) کے دن ہوگا، اور ایک دوسرے سے سوال کرنا جنت میں داخل ہونے کے بعد ہوگا (آخر جہ الحاکم وابن جریر کما فی الدر المنثور ج ۵ ص ۱۵)

۴- اور جیسا کہ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تھا کہ اگر مفا اور مردہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّقَ بِهِمَا﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۵۸) تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ: کچھ لوگ (اساف ونامذ کی وجہ سے) اس سے بچتے تھے اور اس میں حرج محسوس کرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَلَا جُنَاحَ﴾ (مسلم شریف، کتاب الحج ص ۴۱۴)

۵- اور جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ: ﴿إِنْ حُفَّتُمْ﴾ (سورہ نساء آیت ۱۰۱) کی قید کا کیا مطلب ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: یہ خیرات ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دی ہے، پس اللہ کی خیرات کو قبول کرو یعنی سخی لوگ خیرات میں تنگی نہیں کرتے (وہ دے کر واپس نہیں لیتے) پس اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ قید تنگی کرنے کے لئے ذکر نہیں کی، بلکہ یہ قید اتفاقی ہے (جیسے سورہ النساء کی آیت ۲۳ میں فی حُجُورِکُمْ کی قید اتفاقی ہے) اور توجیہ کی مثالیں بہت ہیں اور یہاں (مثالیں ذکر کرنے سے) غرض اس کے معنی کو سمجھانا ہے (اور اس مقصد کے لئے مذکورہ مثالیں کافی ہیں)



اسباب نزول کی روایات اور مشکل مقامات کی توجیہات

فتح الخیر میں دو فائدوں کے لئے جمع کی گئیں ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سنن کی

کتاب التفسیر میں اور حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری نے اپنے مستدرک کی کتاب التفسیر میں، جو سند جید سے مرفوع یا موقوف روایات اسباب نزول کے سلسلہ کی یا مشکل مقامات کی توجیہ کے سلسلہ کی بیان کی ہیں، ان کو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تنقیح و اختصار کے ساتھ الفوز الکبیر کے پانچویں باب میں، جس کا نام فتح الخبیر بمالابد من حفظہ فی علم التفسیر ہے، دو فائدوں کے لئے جمع کر دیا ہے:

پہلا فائدہ: یہ بات بتلانا مقصود ہے کہ بس اتنی روایات کو مختصر رکھنا ایک مفسر کے لئے ضروری ہے، جس طرح اس باب میں جس قدر مشکل الفاظ کے معانی ذکر کئے گئے ہیں، اتنی مقدار کا یاد رکھنا ضروری ہے، ان سے زائد کی حاجت نہیں۔

دوسرا فائدہ: یہ بات بتلانا مقصود ہے کہ مفسرین جو اسباب نزول کی روایات ذکر کرتے ہیں ان میں سے بیشتر آیات کے مطالب سمجھنے سے کوئی تعلق نہیں، بس وہ تھوڑی سی روایات کافی ہیں، جو مذکورہ بالا تفاسیر ثلاثہ میں مذکور ہیں، جو محدثین کے نزدیک صحیح ترین تفاسیر ہیں۔

يُذَكِّرُ اسبابُ النزولِ وتوجيهُ المُشكِلي

فی فتح الخبیر لفائدتین

وَأَرَى مِنَ الْمُنَاسِبِ أَنْ أَذْكَرَ فِي الْبَابِ الْخَامِسِ مَا نَقَلَ الْبُخَارِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ فِي تَفَاسِيرِهِمْ مِنْ أَسْبَابِ النُّزُولِ وَتَوْجِيهِهِ الْمَشْكُلِ، بِسَنَدٍ جَيِّدٍ إِلَى الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، أَوْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ التَّنْقِيحِ وَالِاخْتِصَارِ لِفَائِدَتَيْنِ:

الأولى: أَنْ اسْتَحْضَرَ هَذَا الْقَدْرَ مِنَ الْآثَارِ لِأَنْدَ مِنْهُ لِلْمُفَسِّرِ، كَمَا لَا يُبْدَلُهُ مِنْ حِفْظِ الْقَدْرِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ فِي ذَلِكَ الْبَابِ مِنْ شَرْحِ غَرِيبِ الْقُرْآنِ.

والثانية: أَنْ يُعْلَمَ أَنَّهُ لَا دَخَلَ لِأَكْثَرِ مَا يُرَوَى مِنْ أَسْبَابِ النُّزُولِ فِي فِهْمِ مَعَانِي الْآيَاتِ الْكَرِيمَةِ، اللَّهُمَّ إِلَّا شَيْءٌ قَلِيلٌ مِنَ الْقِصَصِ الَّتِي ذُكِرَتْ فِي هَذِهِ التَّفَاسِيرِ الثَّلَاثَةِ الَّتِي هِيَ أَصْحُ التَّفَاسِيرِ عِنْدَ الْمُخْذَثِينَ.

ترجمہ: اسباب نزول اور مشکل مقامات کی توجیہ فتح الخبیر میں دو فائدوں کی وجہ سے ذکر کی گئی ہے:

اور میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ ذکر کردہ پانچویں باب میں وہ اسباب نزول اور مشکل مقامات کی توجیہ جن کو نقل کیا ہے امام بخاری، امام ترمذی اور امام حاکم نے اپنی تفسیروں میں عمدہ سند سے (جو) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک (پہنچتی ہے) تنقیح و تہذیب اور اختصار کے ساتھ دو فائدوں کے لئے:

پہلا فائدہ: یہ ہے کہ اتنے آثار (روایات) کا یاد رکھنا مفسر کے لئے ضروری ہے، جس طرح قرآن کریم کے غریب الفاظ کی اتنی تشریح کا یاد رکھنا ضروری ہے جس کو ہم اس (پانچویں) باب میں ذکر کریں گے۔

اور دوسرا فائدہ: یہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ جو اسباب نزول نقل کئے جاتے ہیں ان میں سے بیشتر کا کوئی دخل نہیں آیات کریمہ کے مطالب سمجھنے میں، ہاں البتہ تھوڑے سے واقعات جو ذکر کئے گئے ہیں ان تین تفسیروں میں جو محدثین کے نزدیک صحیح ترین تفسیریں ہیں۔



محمد بن اسحاق، واقدی اور کلبی کا غلو

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ محمد بن اسحاق، محمد بن عمر واقدی اور محمد بن سائب کلبی نے آیتوں کے جو اسباب نزول بیان کئے ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر محدثین کے نزدیک صحیح نہیں، اور ان کے ذکر کردہ اسباب نزول کو تفسیر کی شرطوں میں شمار کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اور جو یہ سمجھتا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر ان کے ذکر کردہ اسباب نزول کے جاننے پر موقوف ہے، وہ کتاب اللہ سے استفادہ نہیں کر سکتا، وہ ان واقعات ہی میں الجھ کر رہ جائے گا۔

إفراط ابن إسحاق والواقدي والغلبی

وأما إفراط محمد بن إسحاق والواقدي والغلبی وما ذكروا تحت كل آية من قصة، فأكثره غير صحيح عند المحدثين، وفي إسناده نظر؛ ومن الخطأ البين: أن يُعد ذلك من شروط التفسير؛ ومن يرى أن تدبر كتاب الله يتوقف على الإحاطة بها، فقد فات حظه من كتاب الله، وما توفيقني إلا بالله، عليه توكلت وهو رب العرش العظيم.

ترجمہ: ابن اسحاق، واقدی اور کلبی کا غلو: اور رہا محمد بن اسحاق، واقدی اور کلبی کا غلو (حد سے تجاوز کرنا) اور وہ واقعات جو انھوں نے ہر آیت کے تحت ذکر کئے ہیں، تو ان میں سے اکثر محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں، اور ان کی سندوں میں کلام ہے، اور واضح غلطی یہ ہے کہ ان کو تفسیر کی شرطوں میں سے شمار کیا جائے، اور جو سمجھتا ہے کہ کتاب اللہ میں غور کرنا ان واقعات کا احاطہ کرنے پر موقوف ہے، تو کتاب اللہ میں سے اس کا حصہ فوت ہو گیا اور مجھے (یہ باتیں بیان کرنے کی) توفیق نہیں ملی، مگر اللہ کی مدد سے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔

فائدہ

محمد بن اسحاق: مدینہ منورہ کے باشندے اور عرب کے قدیم ترین مؤرخ ہیں۔ مغازی اور سیر میں نمایاں مقام رکھتے تھے، مگر غیر معتبر روایتیں اور جھوٹی باتیں بیان کرتے تھے، ۱۵۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔

واقدی: کا نام محمد بن عمر واقدی سہمی الکلبی ہے، آپ مدینہ منورہ کے باشندے اور مشہور و معروف قدیم ترین اسلامی مؤرخ اور حفاظ حدیث میں سے ہیں مگر محدثین کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہیں آپ مدینہ منورہ میں ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں ۲۰۷ھ میں وفات پائی۔

کلبی: کا پورا نام محمد بن السائب بن بشر بن عمرو بن عبد الحارث الکلبی ہے، یہ قبیلہ بنو کلب کی طرف منسوب ہیں، کوفہ کے باشندے اور تاریخ و انساب اور تفسیر میں مشہور ہیں، مگر محدثین ان کے ناقابل اعتبار ہونے پر متفق ہیں، آپ کوفہ میں پیدا ہوئے اور کوفہ ہی میں ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔



فصل چہارم

فہم مراد میں دشواری پیدا کرنے والے دیگر اسباب

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے دوسرے باب کے شروع میں فہم مراد میں دشواری پیدا کرنے والے اسباب اجمالی طریقہ پر ذکر کئے ہیں، پھر ان میں سے تین اسباب کی سابقہ تین فصلوں میں تفصیل کی ہے، اب اس فصل میں اور اس کے بعد پانچویں فصل میں فہم مراد میں دشواری پیدا کرنے والے دیگر اسباب کی وضاحت کرتے ہیں اور ان کی کچھ مثالیں بیان فرماتے ہیں، تاکہ طلبہ ان اسباب کو اچھی طرح سمجھ لیں، اب عبارت چونکہ آسان ہے اس لئے مطلب خیر ترجمہ پر اکتفا کیا جائے گا اور ضروری تشریح ترجمہ کے ضمن میں کر دی جائے گی۔

الفصل الرابع

فی

بقیۃ مباحثِ هذا الباب

مما یوجبُ الخفاءَ: حذف بعضِ الأجزاء، أو أدواتِ الكلام، وإبدالُ شيءٍ بشيءٍ، وتقديمُ ماحقُّه التأخیرُ، وتأخیرُ ماحقُّه التقديمُ، واستعمالُ المتشابهاتِ والتعریضاتِ والکناياتِ، لایمیتما تصویر المعنی المراد بالصورة المحسوسة التي تكون من لوازم ذلك المعنی عادةً واستعمالُ الاستعارة المکنیة، والمجازِ العقلي؛ فلنذكر شيئاً من الأمثلة لهذه الأشياء باختصارٍ، لتكون علی بصيرة.

ترجمہ: چوتھی فصل: اس باب کی بقیہ بحثوں میں: جو امور (فہم مراد میں) پوشیدگی پیدا کرتے ہیں

ان میں سے چند یہ ہیں: (جملہ کے) بعض اجزاء کو یا کلام کے بعض حروف کو حذف کرنا، اور ایک چیز کو دوسری چیز سے بدلنا، اور جس کو مؤخر کرنا چاہئے تھا اس کو مقدم کرنا، اور جس کو مقدم کرنا چاہئے تھا اس کو مؤخر کرنا، اور متشابہات، تعریضات، اور کنایات کو استعمال کرنا خصوصاً معنی مرادی کی منظر کشی کرنا ایسی محسوس صورت ہے جو عادتاً اس معنی کے لئے لازم ہے، اور استعارہ مکلیہ اور مجاز عقلی کا استعمال کرنا، لہذا ہم ان امور کی کچھ مثالیں اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، تاکہ آپ بال بصیرت ہو جائیں۔

﴿فائدہ﴾ یہ فہم مراد میں دشواری پیدا کرنے والے باقی امور و اسباب کی فہرست ہے، ان میں سے تین امور یعنی حذف، ابدال اور تقدیم و تاخیر کی تفصیل اور مثالیں اسی فصل میں پیش کی گئی ہیں اور بقیہ امور کی تفصیل پانچویں فصل میں پیش کی جائے گی،

تنبیہ: یہاں شاہ صاحب نے استعارہ مکلیہ کا تذکرہ کیا ہے، مگر آگے اس کی تشریح یا تو اس وجہ سے نہیں کی کہ کنایہ وغیرہ کی تشریح کو کافی سمجھا ہے، کیونکہ استعارہ مکلیہ کا حال کنایہ جیسا ہے، یا سہو سے اس کا بیان رہ گیا ہے، ہم ان شاء اللہ استعارہ مکلیہ کی تعریف اور اس کی مثال پانچویں فصل کے آخر میں بیان کریں گے۔



حذف کا بیان

حذف کے لغوی معنی ہیں: گرانا، ساقط کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: جملہ کے کسی جز کو یا پورے جملہ کو گرا دینا۔ حذف کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً حذف مضاف، حذف موصوف، حذف عامل وغیرہ اور ہر ایک قسم کی متعدد مثالیں متن میں آ رہی ہیں، جو واضح ہیں۔

بیان الحذف

أما الحذف فعلى أقسام: حذف المضاف والموصوف والمتعلق وغير ذلك، مثل:

• وقوله تعالى: ﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ﴾ أى بِرٌّ مَنْ آمَنَ.

• وقوله تعالى: ﴿وَأَتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً﴾ أى آيَةٌ مُبْصِرَةٌ، لأنها مبصرة، غيرُ عمياء.

• وقوله تعالى: ﴿وَأَشْرَبُوا لِأَيْ قُلُوبِهِمُ الْعِجْلُ﴾ أى حُبُّ الْعِجْلِ.

ترجمہ: حذف کا بیان: حذف کی کئی قسمیں ہیں: حذف مضاف، حذف موصوف، حذف متعلق یعنی حذف عامل وغیرہ جیسے:

۱- ارشاد خداوندی: ﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ﴾ (سورۃ بقرہ آیت ۱۷۷) میں ﴿مَنْ آمَنَ﴾ سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ (بِرُّ) مَنْ آمَنَ﴾ لیکن نیکی اس شخص کی (نیکی) ہے۔

۲- اور ارشاد خداوندی: ﴿وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً﴾ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۵۹) میں مُبْصِرَةً سے پہلے موصوف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ (آیۃ) مُبْصِرَةً﴾ اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو آنکھیں کھولنے والا معجزہ تھی۔ اگر مُبْصِرَةً سے پہلے آیۃ کو محذوف نہ مانیں تو آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ: ہم نے قوم ثمود کو ایسی اونٹنی دی جو دیکھنے والی تھی، اندھی نہیں تھی، جبکہ آیت کا یہ مطلب نہیں ہے۔

۳- اور ارشاد خداوندی: ﴿وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ (سورۃ بقرہ آیت ۹۳) میں الْعِجْلَ سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ (حُبِّ) الْعِجْلِ﴾ اور ان کے دلوں میں پھڑے کی محبت پلا دی گئی (یعنی پیوست کر دی گئی)

• وقولہ تعالیٰ: ﴿أَفْقَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ ای بغیرِ قتلِ نفس۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿أَوْ فَسَادٍ﴾ ای بغیرِ فساد۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ای مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ؛ لَا أَنْ شَيْئًا وَاحِدًا هُوَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿ضَعُفَ الْحَيَاةِ وَضَعُفَ الْمَمَاتِ﴾ ای ضَعُفَ عَذَابِ الْحَيَاةِ وَضَعُفَ عَذَابِ الْمَمَاتِ۔

ترجمہ: ۴- اور ارشاد خداوندی: ﴿أَفْقَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ (سورۃ کہف آیت ۷۳) میں نَفْسٍ سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿أَفْقَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ (قَتْلِ) نَفْسٍ﴾ کیا آپ نے ایک معصوم جان کو قتل کر دیا کسی جان کے قتل کے بغیر۔

۵- اور ارشاد خداوندی: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ

جَمِيعًا ﴿سورہ مائدہ آیت ۳۲﴾ میں فساد سے پہلے مضاف یعنی جار و مجرور محذوف ہیں، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ قَتْلٍ﴾ (قَتْلٍ) نَفْسٍ أَوْ بِغَيْرِ فساد فی الارض فکائنًا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا جس نے کسی شخص کو کسی جان کے قتل کے بغیر یا زمین میں فساد پھیلانے بغیر قتل کیا، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔

۶- اور ارشاد خداوندی: ﴿مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (سورہ رحمن آیت ۲۹، اس کے علاوہ اور کئی جگہوں میں بھی اسی طرح آیا ہے) میں الارض سے پہلے اسم موصول اور حرف جار محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿مَنْ فِي السَّمَوَاتِ (وَمَنْ فِي) الْأَرْضِ﴾ جو آسمانوں میں ہیں، اور جو زمین میں ہیں (سب اسی سے مانتے ہیں) — اگر الارض سے پہلے مَنْ اسم موصول اور فی حرف جار کو محذوف نہ مائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ: ایک ہی چیز آسمانوں اور زمین دونوں میں ہے، حالانکہ آیت کا یہ مطلب نہیں۔

۷- اور ارشاد خداوندی: ﴿إِذَا لَدُنْكَ ضِعْفُ الْحَيَاةِ وَضِعْفُ الْمَمَاتِ﴾ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۵) میں الْحَيَاةِ اور الْمَمَاتِ سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت یہ ہے: ﴿إِذَا لَدُنْكَ ضِعْفُ (عَذَابِ) الْحَيَاةِ وَضِعْفُ (عَذَابِ) الْمَمَاتِ﴾ تب تو ضرور چکھاتے ہم آپ کو زندگی کا دو گنا عذاب اور مرنے کا دو گنا عذاب۔

• وقوله تعالى: ﴿وَإِنَّا لِلْقَرْيَةِ﴾ ای اہل القرية.

• وقوله تعالى: ﴿بَذَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ ای فعلوا مکان شکر نعمة الله كُفْرًا.

• وقوله تعالى: ﴿يَهْدِي لِئَلْنٰى هٰى اَقْوَمُ﴾ ای للخصلة التي هي اقوم.

• وقوله تعالى: ﴿بِالَّتِي هٰى اَحْسَنُ﴾ ای بالخصلة التي هي احسن.

• وقوله تعالى: ﴿سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى﴾ ای الكلمة الحسنی والعدة الحسنی

ترجمہ: ۸- اور ارشاد خداوندی: ﴿وَإِنَّا لِلْقَرْيَةِ﴾ (سورہ یوسف آیت ۸۲) میں الْقَرْيَةِ سے

پہلے مضاف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿وَإِنَّا (أَهْلُ) الْقَرْيَةِ﴾ بستی والوں سے پوچھے!

۹- اور ارشاد خداوندی: ﴿بَذَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ (سورہ ابراہیم آیت ۲۸) میں نِعْمَتَ اللَّهِ سے پہلے مضاف اور مضاف الیہ دونوں محذوف ہیں، اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ﴿فَعَلُوا (مَكَانَ)

شُكْرِ) يَغْمَتِ اللَّهُ كُفْرًا ﴿انہوں نے اللہ کی نعمت کے شکر کی جگہ ناشکری کی۔

۱۰۔ اور ارشاد خداوندی: ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۹) میں ”الَّتِي“ سے پہلے موصوف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلْخَصْلَةِ الَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾ یہ قرآن ایسی بات کی راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔

۱۱۔ اور ارشاد خداوندی: ﴿إِذْ دَفَعْنَا بِكَ بِالْبَيِّنَاتِ حَقَّ الْحَقِّ﴾ (حم السجدہ آیت ۳۲) میں بھی الَّتِي سے پہلے موصوف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿إِذْ دَفَعْنَا بِالْخَصْلَةِ الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ آپ جواب دیجئے ایسے طریقہ سے جو بہتر ہے۔

۱۲۔ اور ارشاد خداوندی: ﴿إِنَّ الدِّينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَى﴾ (سورہ انبیاء آیت ۱۰۱) میں اَلْحُسْنَى سے پہلے موصوف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿إِنَّ الدِّينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا (الْكَلِمَةُ) الْحُسْنَى وَ نَبَذَهُ الْحُسْنَى﴾ جن کے لئے پہلے سے ٹھہر چکی ہے ہماری طرف سے اچھی بات، اور اچھا وعدہ۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿عَلَىٰ مُلْكِكَ سُلَيْمَانُ﴾ ای علی عہد مُلْكِ سُلَيْمَانِ۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿وَعَدْنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ﴾ ای عَلَى السِّنَةِ رُسُلِكَ۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ای أَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ، وَإِنْ لَمْ يَسْبِقْ لَهُ ذِكْرٌ۔

ترجمہ: ۱۳۔ اور ارشاد خداوندی: ﴿عَلَىٰ مُلْكِكَ سُلَيْمَانُ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۰۲) میں مُلْكِ سُلَيْمَانِ سے پہلے مضاف اول محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿عَلَى (عَهْدِ) مُلْكِكَ سُلَيْمَانُ﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کے زمانہ میں۔

۱۴۔ اور ارشاد خداوندی: ﴿وَمَا وَعَدْنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ﴾ (آل عمران آیت ۱۷۴) میں بھی رُسُلِكَ سے پہلے مضاف اول محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿وَمَا وَعَدْنَا عَلَى (السِّنَةِ) رُسُلِكَ﴾ جو آپ نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے اسے پیغمبروں کی زبانی۔

۱۵۔ اور ارشاد خداوندی: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (سورہ قدر آیت ۱) نازل کیا ہم نے اس کو یعنی قرآن کریم کو شب قدر میں — اس میں ضمیر کے مرجع کو حذف کیا گیا ہے کیونکہ انزال قرآن پر دلالت کرتا ہے، اس لئے اس کی طرف ضمیر لوٹانا صحیح ہے۔

- وقولہ تعالیٰ: ﴿حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ ای توارت الشمس۔
 • وقولہ تعالیٰ: ﴿وَمَا يُلْقَاهَا﴾ ای خصلۃ الصبر۔
 • وقولہ تعالیٰ: ﴿وَعَبْدَ الطَّاغُوتِ﴾ — فیمن قرأ بالنصب — ای جعل منهم مَنْ عَبَدَ الطَّاغُوتَ۔
 • وقولہ تعالیٰ: ﴿فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا﴾ ای جعل له نسبًا وصہرًا۔
 • وقولہ تعالیٰ: ﴿وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ﴾ ای من قومه۔
 • وقولہ تعالیٰ: ﴿إِلَّا إِنْ غَادَا كَفَرُوا رَبَّهُمْ﴾ ای كفروا نعمة ربهم، أو: كفروا بربهم، بنزع الخافض۔

ترجمہ: ۱۶- اور ارشاد خداوندی: ﴿حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ (سورہ ص آیت ۳۲) یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اوٹ میں — اس میں بھی ضمیر کے مرجع کو حذف کیا گیا ہے، کیونکہ مشہور تفسیر کے مطابق تَوَارَتْ کی ضمیر کا مرجع ”الشمس“ ہے جو پہلے مذکور نہیں۔ مگر رائج تفسیر کے اعتبار سے تَوَارَتْ کی ضمیر کا مرجع الْكُفَّارَاتِ الْجَبَادِ ہے جو پہلے مذکور ہے، اور یہ تفسیر دو وجہ سے رائج ہے: اولاً اس وجہ سے کہ اس میں اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا، اور ثانیاً اس وجہ سے کہ تمام مؤنث ضمیروں کا مرجع ایک رہتا ہے، اور مشہور تفسیر پر اضمار قبل الذکر اور انتشار ضائر دونوں کو تسلیم کرنا پڑتا ہے جو خلاف اولیٰ ہے۔

۱۷- اور ارشاد خداوندی: ﴿وَمَا يُلْقَاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا، وَمَا يُلْقَاهَا إِلَّا دُوْ حَظٍّ عَظِيمٍ﴾ (سورہ حم السجدۃ آیت ۳۵) اور یہ بات (یعنی صبر کی خصلت) ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، جو مستقل مزاج ہوتے ہیں، اور یہ بات (یعنی صبر کی خصلت) اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے جو بڑی قسمت والا ہو تا ہے — اس میں بھی ضمیر کا مرجع محذوف ہے، اور وہ خصلۃ الصبر ہے۔

۱۸- اور ارشاد خداوندی: ﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ، مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْفِرْدَۃَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتِ﴾ (سورہ مائدہ آیت ۶۰)

وَعَبَدَ الطَّاغُوتِ میں دو قرأتیں ہیں (۱) حمزہ کی قراءت میں عَبْدُ کی باء مضمومہ اور الطَّاغُوتِ کی تاء مکسورہ ہے، اور ان کے علاوہ دیگر تمام قراء نے باء کو مفتوح اور تا کو منصوب پڑھا ہے، حمزہ کی قرأت میں کوئی حذف نہیں ہے، اور عَبْدُ، عَبْدُ کی جمع ہے اور اس کا عطف الْفِرْدَۃَ وَالْخَنَازِيرَ پر ہے، اور

دیگر حضرات کی قرأت میں عَبْدَ فعل ماضی ہے اور اس سے پہلے ”مَنْ“ اسم موصول محذوف ہے، اور آیت کا ترجمہ دونوں قرأتوں کے اعتبار سے اس طرح ہے:

آپ فرمادیجئے: کیا میں تم کو بتاؤں اس سے بدتر شخصِ عقوبت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک؟ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا، اور جس پر غضب نازل فرمایا، اور ان میں سے بعضوں کو بندر اور بعض کو سوز بنا دیا۔ اور بعضوں کو شیطان کا پجاری بنایا۔ اور بعض کو ایسا بنایا جنہوں نے شیطان کی پرستش کی۔

۱۹- اور ارشاد خداوندی: ﴿فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا﴾ (سورہ فرقان آیت ۵۳) میں حرف جار کو حذف کر کے فعل کو ضمیر مجرور کے ساتھ ملا دیا ہے، اور تقدیر عبارت یوں ہے: ﴿فَجَعَلَ لَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا﴾ اس کے لئے نسب اور سرال بنایا۔

۲۰- اور ارشاد خداوندی: ﴿وَاخْتَارَ مُؤْمِنِي قَوْمَهُ﴾ (سورہ اعراف آیت ۱۵۵) میں حرف جار کو حذف کر کے مجرور کو منصوب بنایا ہے، تقدیر عبارت ہے: ﴿وَاخْتَارَ مُؤْمِنِي (مِنْ) قَوْمِهِ سَبْعِينَ رَجُلًا﴾ اور چن لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر مرد۔

۲۱- اور ارشاد خداوندی: ﴿أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ﴾ (سورہ ہود آیت ۶۰) میں مضاف یا حرف جار کو حذف کر کے مجرور کو منصوب بنایا ہے، تقدیر عبارت ہے: ﴿أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا (بِعَمَّةِ) رَبِّهِمْ، أَوْ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ﴾: سنو! قوم عاد نے اپنے رب کی نعمت کی ناشکری کی، یا اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿تَفْتَرُوا﴾ ای لا تفترو، ومعناه: لا تنزل۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ ای يقولون: ما نعبدہم۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ ای الذين اتخذوا العجل إلہا۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿تَأْتُونَ نَاعِنَ الْيَمِينِ﴾ ای وعن الشمال۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿فَلَقَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ، إِنَّا لَمَغْرُمُونَ﴾ ای تقولون: إنا لمغرمون۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً﴾ ای بدلا منکم۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ﴾ ای اِمض۔

ترجمہ: ۲۲- اور ارشاد خداوندی: ﴿تَفْتَرُوا تَذْكُرُ يُونُسَ﴾ (سورہ یوسف آیت ۸۵) میں تَفْتَرُوا

سے پہلے ”لا“ حرف نفی محذوف ہے، ای لا تَفْتَنُوْا ذٰلِكَ يُؤَسِّفُ: آپ برابر یوسف کو یاد کرتے ہیں گے۔
 ۲۳- اور ارشاد خداوندی: ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ اَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰی﴾ (سورہ زمر آیت ۳) میں مَا نَعْبُدُهُمْ سے پہلے قول محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے:
 ﴿يَقُولُوْنَ مَا نَعْبُدُهُمْ﴾ جنہوں نے اللہ کے سوا اور شرکاء تجویز کر رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں۔

۲۴- اور ارشاد خداوندی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ (سورہ اعراف آیت ۱۵۲) میں مفعول ثانی محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ (الٹھا) بیشک جنہوں نے پھڑے کو معبود بنایا۔ اگر مفعول ثانی کو محذوف نہ مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ: جنہوں نے پھڑا بنایا، جو خلاف مراد معنی ہیں۔

۲۵- اور ارشاد خداوندی: ﴿تَاتُوْنَ نَّاعِنِ الْيَمِيْنِ﴾ (سورہ صافات آیت ۲۸) میں جملہ کا ایک جزء محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿تَاتُوْنَ نَّاعِنِ الْيَمِيْنِ﴾ (وَعَنِ السَّمَآءِ) تم ہمارے پاس آتے تھے داہنی طرف سے، اور بائیں طرف سے۔

۲۶- اور ارشاد خداوندی: ﴿فَطَلَمْتُ تَفْكُهُوْنَ، اِنَّا لَمُفْرَمُوْنَ﴾ (سورہ ذائقہ آیت ۶۵ و ۶۶) میں اِنَّا لَمُفْرَمُوْنَ سے پہلے قول محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿فَطَلَمْتُ تَفْكُهُوْنَ، تَقُولُوْنَ﴾ اِنَّا لَمُفْرَمُوْنَ: پھر تم حیرت زدہ ہو کر کہتے ہو کہ: ہم تو قرض دار رہ گئے۔

۲۷- اور ارشاد خداوندی: ﴿لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلَآئِكَةً﴾ (سورہ زخرف آیت ۶۰) میں مِنْكُمْ سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا (بَدَلًا) مِنْكُمْ مَّلَآئِكَةً﴾: اگر ہم چاہتے تو تمہارے بدلے فرشتے بناتے۔

۲۸- اور ارشاد خداوندی: ﴿كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ﴾ (سورہ انفال آیت ۵) میں كَمَا سے پہلے فعل امر محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿(اِمْنُ) كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ﴾ آپ چلتے رہے جس طرح آپ کے رب نے آپ کو آپ کے گھر سے نکالا ہے۔

حذف خبر إنّ والجزاء والمفعول

والمبتدأ وماشابهها مَطْرُودٌ.

وَلْيَعْلَمَ اَنْ حَذَفَ خَبَرُ "اِنَّ" اَوْ حَذَفَ جَزَاءُ الشَّرْطِ، اَوْ مَفْعُولُ الْفِعْلِ، اَوْ مَبْتَدَأٌ

الجملة، وما شَبَّهَ ذلك مَقْرَدَ في القرآن الكريم إذا كان فيما بعده دلالة على حذفه، نحو:

• قوله تعالى: ﴿فَلَوْ شَاءَ لَهَذَا كُمْ أَجْمَعِينَ﴾ ای لو شاء هدايتكم لهذاكم.

• وقوله تعالى: ﴿الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ﴾ ای هذا الحق من ربك.

• وقوله تعالى: ﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلْ، أُولَئِكَ أَكْثَرُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتِلُوا﴾ ای لا يستوى من أنفق من قبل الفتح ومن أنفق من بعد الفتح. فحذف الثاني لدلالة قوله: ﴿أُولَئِكَ أَكْثَرُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ﴾.

• وقوله تعالى: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاتُوا مَاتِينَ أَيَدِيكُمْ وَمَا خَلَقَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ: وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ﴾ ای إذا قيل لهم: اتقوا ما بين أيديكم وما خلفكم اعرضوا.

ترجمہ: قاعدہ: اِن کی خبر، جزاء، مفعول، مبتدا اور ان کے مشابہ چیزوں کا حذف عام ہے: جانا چاہئے کہ قرآن کریم میں اِن کی خبر کا، یا شرط کی جزاء کا، یا فعل کے مفعول کا یا جملہ کے مبتدا کا اور ان جیسی دوسری چیزوں کا حذف کرنا ایک عام بات ہے، جب اس کے مابعد میں اس کے حذف پر دلالت کرنے والا قرینہ ہو، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی: ﴿فَلَوْ شَاءَ لَهَذَا كُمْ أَجْمَعِينَ﴾ (سورہ انعام آیت ۱۴۹) میں مفعول کو حذف کیا گیا ہے، اور حذف پر لَهَذَا كُمْ دلالت کرتا ہے اور تقدیر عبارت ہے: ﴿فَلَوْ شَاءَ (هَذَا يَتَكُم) لَهَذَا كُمْ أَجْمَعِينَ﴾ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت کا ارادہ فرماتے تو تم سب کو ہدایت دیدیتے۔

۲- اور ارشاد خداوندی: ﴿الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۳۷) میں مبتدا محذوف ہے اور تقدیر عبارت ہے: ﴿هَذَا الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ﴾ یہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، اس ترکیب میں مِنْ رَبِّكَ یا تو حال ہے یا خبر ثانی ہے۔ اور بعض حضرات کے نزدیک الْحَقُّ مبتدا ہے، اور مِنْ رَبِّكَ خبر ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿الْحَقُّ مَا بَيَّنَّ مِنْ رَبِّكَ﴾

۳- اور ارشاد خداوندی: ﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ﴾ (سورہ حدید آیت ۱۰) میں جملہ کا ایک جزء محذوف ہے اور تقدیر عبارت ہے: ﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلْ﴾ (وَمَنْ أَنْفَقَ مِنْ بَعْدِ الْفَتْحِ وَقَاتِلْ) جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا، اور جس نے فتح مکہ کے

بعد خرچ کیا اور قتال کیا دونوں برابر نہیں۔ پس جزمائی کو حذف کر دیا ارشاد خداوندی: ﴿وَأُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتِلُوا﴾ (ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا) کی دلالت کی وجہ سے۔

۴۔ اور ارشاد خداوندی: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ﴾ الخ (سورہ یٰسین آیت ۴۵ میں شرط کی جزاء کو حذف کیا گیا ہے) تقدیر عبارت ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (اَعْرِضُوا) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے (یعنی دنیا میں ہے) اور جو تمہارے پیچھے ہے (یعنی مرنے کے بعد ہے) تاکہ تم پر مہربانی کی جائے تو رد گردانی کرتے ہیں (اور جزاء کے حذف پر یہ آیت دلالت کرتی ہے) ﴿وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ﴾ (سورہ یٰس آیت ۴۶) اور ان کے رب کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی ان کے پاس نہیں آتی جس سے یہ سرتابی نہ کرتے ہوں۔

لغت:

مُطَرَّدَہ کے معنی ہیں: عام، شائع و ذائع، کہا جاتا ہے: حُكْمٌ مُطَرَّدٌ: عام حکم، قَاعِدَةٌ مُطَرَّدَةٌ: مشہور قاعدہ۔ اس کا مقابل شانہ ہے۔

﴿فَاكْذِبْ﴾ خبر ان کے حذف کی مثال متن میں بیان نہیں کی گئی ہے۔ اس لئے اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے: ارشاد خداوندی: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نَضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا﴾ (سورہ کہف آیت ۳۰) میں ان اولیٰ کی خبر محذوف ہے، اور حذف پر ﴿إِنَّا لَا نَضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا﴾ دلالت کرتا ہے۔



قاعدہ: ”اِذْ“ کا عامل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ ”اِذْ“ دراصل کسی فعل کا ظرف ہوتا ہے، لیکن ﴿وَإِذَا قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۳۰) اور ﴿وَإِذَا قَالَ مُوسٰی﴾ (سورہ بقرہ آیت ۵۴) جیسی آیتوں میں تخویف و تہویل کے لئے استعمال ہوا ہے، اس لئے قرآن کریم میں جہاں کہیں گزشتہ واقعات کے ذکر سے پہلے اِذْ استعمال ہوا ہے، وہاں اِذْ کا عامل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں،

کیونکہ ان واقعات کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مخاطب کے ذہن میں ان واقعات کی صورتیں نقش ہو جائیں، اور لوگ ان واقعات سے خوف زدہ ہو جائیں، جیسے کوئی شخص جب ہولناک جگہوں اور خوفناک حوادث کا ذکر کرتا ہے تو ان پر اعراب ظاہر نہیں کرتا، بغیر ترکیب کے ان کو بیان کرتا ہے۔ تاکہ سامعین ان واقعات اور حوادث سے خوف زدہ ہو جائیں، اسی طرح قرآن کریم میں ماضی کے اہم واقعات اس لئے ذکر کئے گئے ہیں کہ لوگ خوف زدہ ہو کر اللہ جل شانہ کی طرف رجوع کریں اور گناہوں سے باز آجائیں، لہذا کا عامل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

لا حاجة إلى تفتيش العامل في كلمة "إذ"

وَلْيَعْلَمَ أَيْضًا: أَنَّ الْأَصْلَ فِي مِثْلِ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ﴾ وَقَوْلِهِ: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى﴾ أَنْ تَكُونَ كَلِمَةُ "إِذْ" ظَرْفًا لِفِعْلِ مِنَ الْأَفْعَالِ، وَلَكِنِهَا نُقِلَتْ هُنَا إِلَى مَعْنَى التَّخْوِيفِ وَالتَّهْوِيلِ، كَمَثَلِ الَّذِي يَذْكُرُ الْمَوَاضِعَ الْهَائِلَةَ أَوْ الْوَقَائِعَ الْعَظِيمَةَ عَلَى سَبِيلِ التَّعْدَادِ، مِنْ دُونِ تَرْكِيبٍ لِلجُمْلِ، وَمِنْ غَيْرِ وَقُوعِ الْكَلِمَاتِ فِي حَيْزِ الْإِعْرَابِ؛ بَلِ الْمَقْصُودُ ذِكْرُهَا بِأَعْيُنِهَا، حَتَّى تَرْتَسِمَ صُورَتُهَا فِي ذَهْنِ الْمُخَاطَبِ، وَيَسْتَوْلِيَ الْخَوْفُ مِنْهَا عَلَى قَلْبِهِ. فَالتَّحْقِيقُ: أَنَّهُ لَا يَلْزَمُ فِي امْتِثَالِ هَذِهِ الْمَوَاضِعِ تَفْتِيشَ الْعَامِلِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: کلمہ "إِذ" میں عامل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں: اور نیز جانا چاہئے کہ ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ﴾ اور ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى﴾ جیسے ارشادات خداوندی میں اصل یہ ہے کہ کلمہ "إِذ" افعال میں سے کسی فعل کا ظرف ہو، لیکن کلمہ إِذ کو یہاں منتقل کیا گیا ہے تخویف و تہویل کے معنی کی طرف، جیسے اس شخص کا حال ہوتا ہے جو ہولناک جگہوں یا عظیم واقعات کو ذکر کرتا ہے، شمار کرنے کے طریقہ پر، جملوں کی ترکیب کے بغیر، اور کلمات کو محل اعراب میں رکھے بغیر، بلکہ مقصود بعینہ ان واقعات کو ذکر کرنا ہے، تاکہ ان کی صورتیں نقش ہو جائیں مخاطب کے ذہن میں، اور ان واقعات سے اس کے دل پر خوف چھا جائے۔ لہذا تحقیقی بات یہ ہے کہ ایسی جگہوں میں عامل تلاش کرنا ضروری نہیں، واللہ اعلم۔

لغات:

إِرْتَسَمَ إِرْتِسَامًا: نقش ہونا، راسخ ہونا، جاگزیں ہونا..... إِسْتَوَلَى عَلَيْهِ إِسْتِيلَاءً: غالب ہونا، قدرت یافتہ ہونا، چھا جانا۔



قاعدہ: کبھی اُن مصدریہ سے پہلے جار محذوف ہوتا ہے

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ کلام عرب میں کبھی اُن مصدریہ سے پہلے جار محذوف ہوتا ہے، جیسے ارشاد خداوندی: ﴿ذَٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكَ الْقُرْىٰ بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غَافِلُونَ﴾ (سورۃ النعام آیت ۱۳۱) میں اُن لَمْ یَكُنْ سے پہلے لام حرف جار محذوف ہے۔ اور تقدیر عبارت ہے: ﴿لَاَنْ لَّمْ يَكُنْ﴾ (روح المعانی)

اور ارشاد خداوندی: ﴿فَلَمَّا جَاءَ هَا نُودِیْ اَنْ یُّوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (سورۃ نمل آیت ۸) میں اُن یُّوْرِكَ سے پہلے باء حرف جار محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿فَلَمَّا جَاءَ هَا نُودِیْ بِاَنْ یُّوْرِكَ﴾ (جلالین)

حذف الجارِ من "اَنْ" مُطَرَّدٌ

وَلْيَعْلَمَ اَيْضًا: اِنْ حَذَفَ الْجَارِ مِنْ "اِنْ" الْمَصْدَرِيَّةِ مُطَرَّدٌ فِی كَلَامِ الْعَرَبِ؛
والمعنى: لَان، او: بَان.

ترجمہ: اُن کے جار کا حذف عام ہے۔ اور نیز جانا چاہئے کہ اُن مصدریہ کے جار کا حذف کلام عرب میں عام ہے، اور معنی لَان یا بَان ہوتے ہیں۔



قاعدہ: لو کا جواب تلاش کرنے کی ضرورت نہیں

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ: ﴿وَلَوْ تَرَىٰ اِذِ الظَّالِمُونَ فِیْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ﴾ (اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم لوگ موت کی تختیوں میں ہوں، سورۃ النعام آیت ۹۳) اور ﴿وَلَوْ يَرَىٰ

الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ ﴿۱﴾ اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم اس وقت کو جبکہ دیکھیں گے عذاب؛ سورہ بقرہ آیت (۱۶۵) جیسی آیتوں میں دراصل 'لو' شرطیہ کا جواب محذوف ہوتا ہے۔ چنانچہ مفسرین ایسی جگہوں میں ﴿لَوْ لَآئْتَ أَمْرًا عَجَبًا﴾ یا اس کے مانند کوئی جواب شرط محذوف مانتے ہیں، لیکن یہ ترکیب (یعنی وَلَوْ تَرَىٰ اور وَلَوْ يَرَىٰ) کلام عرب میں تعجب کے لئے استعمال ہوتی ہے، اور قرآن کریم میں بھی تعجب ہی کے لئے استعمال ہوئی ہے، اس لئے قرآن کریم میں جہاں کہیں آئندہ پیش آنے والے ہولناک واقعات کے تذکرہ سے پہلے وَلَوْ تَرَىٰ یا وَلَوْ يَرَىٰ آیا ہے، وہاں 'لو' شرطیہ کا جواب تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

حذف جواب "لو" الشرطية

وليعلم أيضًا: ان الأصل في مثل قوله تعالى: ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ﴾، وقوله تعالى: ﴿وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ﴾: ان يكون جواب الشرط محذوفًا، إلا أنهم نقلوا هذا التركيب إلى معنى التعجب، فلاحاجة إلى تفتيش المحذوف والله أعلم.

ترجمہ: 'لو' شرطیہ کے جواب کا حذف: اور نیز جانا چاہئے کہ ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ﴾ اور ﴿وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ﴾ جیسے ارشادات خداوندی میں اصل یہ ہے کہ شرط کا جواب محذوف ہو، مگر لوگوں نے اس ترکیب کو تعجب کے معنی کی طرف منتقل کیا ہے اس لئے محذوف کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔



ابدال کا بیان

جس طرح جملہ کے بعض اجزاء کو یا پورے جملہ کو حذف کرنا فہم مراد میں لا شواہی پیدا کرتا ہے، اسی طرح ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے بدلنا بھی فہم مراد میں لا شواہی پیدا کرتا ہے اور حذف کی طرح ابدال کی بھی کئی قسمیں ہیں: اس لئے شاہ صاحب حذف کی مثالیں ذکر کرنے کے بعد اب ابدال کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔

بیان الإبدال

أما الإبدال فإنه تصرف كثير الفنون.

إبدال فعلٍ بفعلٍ:

قد يذكر سبحانه وتعالى فعلاً مكان فعلٍ، لأغراض شتى، وليس استقصاء تلك الأغراض من وظيفة هذا الكتاب، نحو:

• قوله تعالى: ﴿أَهْلًا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ﴾ أى يَسُبُّ آلِهَتَكُمْ؛ وكان أصل الكلام: أهلاً الذى يَسُبُّ، ولكن كره ذكر السَّبِّ، فابْدَل بالذِّكْرِ.

ومن هذا القبيل ما يقال فى العرف: "أَصِيبُ أَعْدَاءِ فُلَانٍ بِمَرَضٍ" أو: "شَرَفْنَا بِالْمَجِيِّ عَيْدُ الْحَضْرَةِ" أو: "عَيْدُ الْجَنَابِ الْعَالِي مَطْلَعُونَ عَلَى هَذِهِ الْمَقْدِمَةِ" والمراد: قد مَرِضَ فُلَانٌ، وَقَدِمَ سَعَادَةُ فُلَانٍ واطْلَعَ سُمُو فُلَانٍ.

• وقوله تعالى: ﴿وَلَا هُمْ مِنَّا يُضْحَبُونَ﴾ أى مَنْ لَا يُنْصَرُونَ؛ لَمَّا كَانَتِ النِّصْرَةُ لَا تَنْصُورُ بِدُونِ الْاجْتِمَاعِ وَالصَّحْبَةِ أَبْدَلَ يُنْصَرُونَ بِيُضْحَبُونَ.

• وقوله تعالى: ﴿ثَقُلْتُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ أى خَفِيتُ؛ لِأَنَّ الشَّيْءَ إِذَا خَفِيَ عِلْمُهُ ثَقُلَ عَلَى أَهْلِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ.

• وقوله تعالى: ﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا﴾ أى عَفَوْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْ طِبَةِ أَنْفُسِهِنَّ.

ترجمہ: ابدال کا بیان: رہا ابدال (یعنی ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے بدلنا) تو وہ بہت شاخوں والا (یعنی قسموں والا) تصرف ہے۔

ایک فعل کو دوسرے فعل سے بدلنا

کبھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ ایک فعل کی جگہ دوسرا فعل ذکر فرماتے ہیں مختلف اغراض کی وجہ سے اور ان اغراض کی چھان بین کرنا اس کتاب کا وظیفہ (یعنی فریضہ) نہیں ہے، جیسے:

۱- اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿أَهْلُوا الَّذِي يَذْكُرُ إِلَهُكُمْ﴾ (سورۃ انبیاء آیت ۳۶) کیا یہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے، یعنی برائی کرتا ہے، اصل کلام اَهْلُوا الَّذِي يَسُبُّ تَعَالَى، لیکن ”سَبَّ“ کے ذکر کو ناپسند فرمایا، اس لئے اس کو ”ذکر“ سے بدل دیا۔

اور اسی قبیل سے ہیں وہ محاورات جو عرف میں بولے جاتے ہیں، یعنی حضرت کے دشمن بیمار ہیں، یا حضور والا کے غلام ہمارے پاس تشریف لائے، یا جناب عالی کے غلام اس معاملہ سے واقف ہیں، اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ: خود حضرت بیمار ہیں، اور حضور والا تشریف لائے، اور جناب عالی واقف ہیں۔

۲- اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا هُمْ مِنَّا يُضْحَبُونَ﴾ (سورۃ انبیاء آیت ۴۳) اور نہ ہمارے مقابلہ میں ان کا ساتھ دیا جائے گا؛ یعنی ہمارے مقابلہ میں ان کی نصرت و مدد نہیں کی جائے گی، چونکہ اجتماع اور صحبت کے بغیر نصرت کا تصور نہیں ہو سکتا؛ اس لئے يُنْصَرُونَ کو يُضْحَبُونَ سے بدل دیا۔

۳- اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ثَقُلْتُ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ (سورۃ اعراف آیت ۱۸) وہ (قیامت) بھاری بات ہے آسمانوں اور زمین میں؛ یعنی مخفی ہے، کیونکہ جب کسی بات کا علم مخفی ہو جاتا ہے تو آسمانوں اور زمین والوں پر وہ بھاری ہو جاتی ہے، (اس لئے خَفِيفَتْ کو ثَقُلْتُ سے بدل دیا)

۴- اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ طِبَّنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا﴾ (سورۃ نساء آیت ۴) پھر اگر وہ بیویاں مہر میں سے کچھ بخوشی تم کو دے دیں تو اس کو کھاؤ مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر؛ یعنی وہ بیویاں بطیب خاطر کچھ مہر تمہارے لئے چھوڑ دیں تو اس کو کھاؤ مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر (یہاں عَفْوَنَ کو طِبَّنَ سے بدلنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر عورت کسی دباؤ سے مہر معاف کرے تو معافی صحیح نہیں)

لغات:

الْإِسْتِفْصَاءُ: انتہائی چھان بین کرنا، مُعْمُو: بلندی، عظمت، اعلیٰ حضرت، حضور، جناب عالی، عموماً شہزادوں اور شاہی خاندان کے افراد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ شَرْفٌ تَشْرِيفًا: عزت بخشا، حیثیت بلند کرنا، شَرْفٌ بِالْمَجْبِيِّ: تشریف لانا، قدم رنجہ فرمانا، عَفَا عَنِ الْحَقِّ يَعْفُو عَفْوًا: ساقط کرنا، چھوڑ دینا، مَعَادَةُ فَلَانٍ: آنجناب، حضور والا، یہ تعظیسی لقب ہے۔

إبدال اسم باسم

وقد يذكّر سبحانه وتعالى اسما مكان اسم، نحو:

• قوله تعالى: ﴿فَطَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ﴾ ای خاضعة.

• وقوله تعالى: ﴿وَكَاثَ مِنَ الْقَانِينِ﴾ ای من القانتات.

• وقوله تعالى: ﴿وَمَالَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾ ای من ناصر.

• وقوله تعالى: ﴿لَمَّا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾ ای حاجزا.

• وقوله تعالى: ﴿وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ ای أفراد بنی آدم؛ أفرد اللفظ

لأنه اسم جنس.

• وقوله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَذَّحًا﴾ المعنى: "يا بني آدم

إنكم"؛ أفرد اللفظ لأنه اسم جنس.

• وقوله تعالى: ﴿وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ﴾ يعنى أفراد الإنسان.

ترجمہ: ایک اسم کو دوسرے اسم سے بدلنا

اور کبھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ ایک اسم کی جگہ دوسرا اسم ذکر کرتے ہیں، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَطَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ﴾ (سورہ شعراء آیت ۴) یعنی خاضعة:

پھر اس (نشانی) کے آگے ان کی گردنیں جھک جائیں گی (یہاں دراصل خاضعة ہونا چاہئے تھا، کیونکہ یہ أَعْنَاقُهُمْ کی خبر ہے، اور أَعْنَاقُ غیر ذوی العقول کی جمع ہونے کی وجہ سے واحد مؤنث کے حکم میں ہے، مگر اعناق کی اضافت چونکہ "ہم" ضمیر کی طرف ہو رہی ہے جو مذکور ذوی العقول کے لئے استعمال کی جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے خاضعة کے بجائے خاضِعِينَ فرمایا ہے)

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَكَاثَ مِنَ الْقَانِينِ﴾ (سورہ تحریم آیت ۱۲) یعنی مِنَ الْقَانِنَاتِ:

اور وہ یعنی حضرت مریم رضی اللہ عنہا بندگی کرنے والیوں میں سے تھیں (یہاں الْقَانِنَاتِ کے بجائے الْقَانِنِينَ اس لئے فرمایا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا عبادت و اطاعت میں کامل مردوں سے کم نہیں تھیں)

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَمَالَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾ (سورہ آل عمران آیت ۲۲) یعنی مِنْ نَاصِرٍ: اور ان کا کوئی مددگار نہیں (یہاں فاصلہ کی رعایت سے مِنْ نَاصِرٍ کے بجائے مِنْ نَاصِرِينَ فرمایا ہے) ۴- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾ (سورہ حاقہ آیت ۷۷) یعنی حَاجِزًا: پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس سے بچالے (یہاں بھی فاصلہ کی رعایت سے واحد کے بجائے جمع کو: کر فرمایا ہے)

۵- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِفِي خُسْرٍ﴾ (سورہ عصر آیت او ۲) قسم ہے زمانہ کی۔ بیشک انسان یعنی افراد بنی آدم ٹوٹے میں ہیں، لفظ (انسان) کو مفرد لائے، اس لئے کہ انسان اسم جنس ہے (اور قلیل و کثیر سب پر صادق آتا ہے)

۶- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا﴾ (سورہ اشتقاق آیت ۱۱) اے انسان تجھے اپنے رب تک پہنچنے میں کھپ کھپ کر تکلیف اٹھانی ہے، اس کے معنی ہیں: اے بنی آدم تم کو اٹھانے والا لفظ مفرد لائے اس لئے کہ وہ اسم جنس ہے۔

۷- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ﴾ (سورہ احزاب آیت ۷۲) اور اٹھایا اس کو انسان نے یعنی افراد بنی آدم نے (یہاں بھی لفظ کو مفرد لائے اس لئے کہ انسان اسم جنس ہے اور قلیل و کثیر پر صادق آتا ہے)

● وقولہ تعالیٰ: ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ﴾ ای نوحاً وحذہ۔
 ● وقولہ تعالیٰ: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ﴾ ای ابی فتحتُ لک۔
 ● وقولہ تعالیٰ: ﴿إِنَّا لَقَادِرُونَ﴾ ای ابی لقادر۔

ترجمہ: ۸- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ﴾ (سورہ شعراء آیت ۱۰۵) جھٹلایا قوم نوح نے پیغمبروں کو یعنی صرف نوح علیہ السلام کو (چونکہ ایک نبی کی تکذیب سے تمام انبیاء کی تکذیب لازم آتی ہے؛ اس لئے نوح علیہ السلام کی تکذیب کو تمام پیغمبروں کی تکذیب سے تعبیر فرمایا ہے)

۹- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ﴾ (سورہ فتح آیت ۱) بیشک ہم نے آپ کو فتح دی؛ یعنی میں نے آپ کو فتح دی (اللہ تعالیٰ واحد ہیں، اس لئے واحد متکلم کی ضمیر استعمال کرنا چاہئے تھا، مگر تعظیم کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے واحد کے بجائے جمع متکلم کی ضمیر استعمال فرمائی ہے)

۱۰- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِنَّا لَقَادِرُونَ﴾ (سورہ معارج آیت ۴۰) بلاشبہ ہم قادر ہیں: یعنی میں قادر ہوں (یہاں بھی تعظیم کی غرض سے واحد کے بجائے جمع کی ضمیر لائی گئی ہے) ایک اہم مسئلہ: یہاں یہ مسئلہ اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ: جس طرح ہم تعظیم کی غرض سے بچے بزرگوں کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں، اور واحد کا صیغہ استعمال کرنا سوئے ادبی سمجھتے ہیں، اسی طرح جل شانہ کے لئے بھی تعظیمی کلمات استعمال کرنے چاہئیں۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اللہ جل شانہ کے لئے جمع کے کلمات استعمال کرنا توحید کے منافی ہے، کیونکہ جمع کے کلمات استعمال کرنا اگر توحید کے خلاف ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے لئے جمع کا صیغہ ہرگز استعمال نہ فرماتے۔ حالانکہ قرآن کریم میں بے شمار جگہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جن کے صیغہ استعمال فرمائے ہیں۔

• وقوله تعالى: ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ﴾ ای یسلط محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم.

• وقوله تعالى: ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ﴾ ای عروۃ الثقفی وحذہ.

• وقوله تعالى: ﴿فَإَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ﴾ ای طعم الجوع؛ أبدل الطعم باللباس. ایدانا بان الجوع له أثر من التحول والذبول ما يعظم البدن كله وتشملمه كاللباس.

• وقوله تعالى: ﴿صِبْغَةَ اللَّهِ﴾ ای دین اللہ؛ أبدل بالصبغة ایدانا بانه كالصبغ تتلون به النفس؛ أو مشاكلة بقول النصارى فى المعمودية.

• وقوله تعالى: ﴿وَكُورٍ بَيْنَيْنِ﴾ ای طور سیناء.

• وقوله تعالى: ﴿سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْلِيسَ﴾ ای علی ایلاس؛ فُلب الاسمان لللازواج.

ترجمہ: ۱۱- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ﴾ (سورہ حشر آیت ۶) لیکن اللہ تعالیٰ غالب فرماتے ہیں اپنے پیغمبروں کو یعنی حضرت محمد ﷺ کو (یہاں واحد کے بجائے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے کیونکہ اللہ جل شانہ کی سنت تمام پیغمبروں کے حق میں یکساں ہے)

۱۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ﴾ (سورہ آل عمران آیت ۱۷۳) جن سے کہا لوگوں نے، یعنی تنہا عروہ ثقفی نے کہا (یہاں شخص واحد کو الناس سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کا ترجمان تھا)

۱۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَإَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ﴾ (سورہ نحل آیت ۱۱۲) پھر اللہ تعالیٰ نے چکھایا اس (بستی) کو بھوک کا لباس یعنی بھوک کا مزہ، طعم (مزہ) کو لباس سے بدلا ہے۔ یہ بتانے

کے لئے کہ بھوک کا اثر یعنی لاغری اور پشمر دگی لباس کی طرح پورے بدن کو عام اور شامل ہوتی ہے
۱۴- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿صِبْغَةَ اللَّهِ﴾ (سورۃ بقرۃ آیت ۱۳۸) ہم نے قبول کر لیا اللہ کا
رنگ یعنی اللہ کا دین؛ دین کو صِبْغۃ (رنگ) سے بدلا گیا یہ بتانے کے لئے کہ دین رنگ کے مانند ہے؛
اس (دین) سے انسان کا نفس رنگین ہوتا ہے، یا (دین کو صِبْغۃ سے بدلا گیا ہے) بپتسمہ میں نصاری
کے قول کی مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے (نصاری کے یہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے
سر پر زرد پانی کے چھینٹے ڈالے جاتے ہیں اور اس طرح اس کو عیسائی بنایا جاتا ہے، اس رسم کو وہ بپتسمۃ
کہتے ہیں، یعنی عیسائیت کے رنگ میں رنگنا کہتے ہیں، اس لئے یہاں ان کے قول کی مشابہت اختیار
کرتے ہوئے کہا گیا کہ: ہم نے اللہ کا رنگ قبول کر لیا)

۱۵- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَطُورِ مِیْنِیْنِ﴾ (سورۃ تین آیت ۲) اور قسم ہے طور مِیْنِیْنِ کی
یعنی طور سیناء کی۔

۱۶- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿سَلِّمْ عَلٰی اِیَّاسِیْنِ﴾ (سورۃ صافات آیت ۱۳۰) سلام ہے
الیاسین پر یعنی حضرت الیاس علیہ السلام پر، دونوں اسوں (یعنی طور سیناء اور الیاس) کو بدلا گیا ہے
(آیتوں کے فاصلوں میں) جوڑ پیدا کرنے کے لئے۔

لغات:

سَلَّطَہُ علیہ: کسی پر غالب بنانا، قدرت دینا، قابض بنانا..... النُّحُولُ: لاغری، وُیْلَا یُنْ نَحَلَ (ف)
(ن) وَنَحَلَ (س) وَنَحَلَ (ک) نُحُولًا: بیماری یا تھکن یا بھوک سے دبلا ہونا..... الذُّبُولُ: پشمر دگی؛
ذَبِلَ وَذَبِلَ (ن) ک) ذُبُولًا وَذَبُلًا النَّبَاتُ: نباتات کا پشمر دہ ہونا، مرجھانا..... الْمَعْمُودِیَّةُ: بپتسمۃ
..... اِزْدَوَجَ الْکَلَامُ اِزْدَوَاجًا: کلام کے ایک حصہ کا دوسرے حصہ سے سجع یا وزن میں مشابہ ہونا۔

إبدال حروف بحرف

وقد یدکر سبحانه وتعالی حروفا مکان حروف، نحو:

• قوله تعالى: ﴿فَلَمَّا تَبَجَّلَى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ﴾ أى على الجبل، كما تبجلى فى المرة
الأولى على الشجرة.

• وقوله تعالى: ﴿وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ﴾ أى إليها سابقون.

• وقولہ تعالیٰ: ﴿لَا يَخَافُ لَدَيْ الْمُرْسَلُونَ، إِلَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ ای لکن من ظلم؛ فہو استیناف۔

ترجمہ: ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا

اور کبھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف ذکر فرماتے ہیں: جیسے:

۱- ارشاد خداوندی: ﴿فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ﴾ (سورہ اعراف آیت ۱۴۳) میں ”علی“ کی جگہ ”لام“ ذکر فرمایا ہے، لہذا آیت کا مطلب یہ ہوگا: پھر جب تجلی فرمائی ان کے رب نے پہاڑ پر جیسا کہ پہلی مرتبہ تجلی فرمائی تھی درخت پر۔

۲- اور ارشاد خداوندی: ﴿وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ﴾ (سورہ مؤمنون آیت ۶۱) میں ”الی“ کی جگہ ”لام“ ذکر فرمایا ہے لہذا آیت کا ترجمہ ہوگا: اور وہ ان (بھائیوں) کی طرف دوڑ رہے ہیں۔

۳- اور ارشاد خداوندی: ﴿لَا يَخَافُ لَدَيْ الْمُرْسَلُونَ، إِلَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ (سورہ نمل آیت ۱۰۱) میں ”لکن“ کی جگہ ”إلا“ ذکر فرمایا ہے؛ لہذا إِلَّا مَنْ ظَلَمَ جملہ مستانفہ ہوگا، اور آیت کا ترجمہ ہوگا: اور ہمارے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے؛ ہاں مگر جس سے کوئی قصور ہو جائے۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿لَأَصْلَبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ﴾ ای علی جذوع النخل۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ﴾ ای يستمعون عليه۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿السَّمَاءُ مُنْقَطِرٌ بِهِ﴾ ای منقطرٌ فيه۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿مُسْتَكَبِرِينَ بِهِ﴾ ای عنه۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ﴾ ای حَمَلَتْهُ الْعِزَّةُ عَلَى الْإِثْمِ۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿فَسَنَلَّ بِهِ حَبِيرًا﴾ ای فاسال عنه۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ﴾ ای مع أموالكم۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ ای مع المرافق۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ﴾ ای يشرب منها۔

• وقولہ تعالیٰ: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا: مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى بَشَرٍ مِنْ شَيْءٍ﴾ ای أن قالوا۔

ترجمہ: ۳- اور ارشاد خداوندی: ﴿لَا ضَلَبَئَكُمْ فِي جُلُوعِ النَّفْلِ﴾ (سورہ طہ آیت ۷۷) میں ”علیٰ“ کی جگہ ”لام“ ذکر فرمایا ہے؛ لہذا آیت کا ترجمہ یہ ہوگا: اور تم سب کو کھجوروں کے درختوں پر ننگو اتا ہوں۔

۵- اور ارشاد خداوندی: ﴿أَمْ لَهُمْ سُلْمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ﴾ (سورہ طور آیت ۳۸) میں ”علیٰ“ کی جگہ ”فی“ ہے؛ لہذا آیت کا ترجمہ یہ ہوگا: کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر (چڑھ کر آسمان کی) باتیں سن لیا کرتے ہیں۔

۶- اور ارشاد خداوندی: ﴿السَّمَاءُ مُنْقَطِرَةٌ بِهِ﴾ (سورہ مزمل آیت ۱۸) میں ”فی“ کی جگہ ”با“ ہے؛ لہذا آیت کا ترجمہ یہ ہوگا: جس (دن) میں آسمان پھٹ جائے گا۔

۷- اور ارشاد خداوندی: ﴿مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ﴾ (سورہ مؤمنون آیت ۶۷) میں ”عَنْ“ کی جگہ ”با“ ہے؛ پس ترجمہ ہوگا: اس (قرآن) سے تکبر کر کے۔

۸- اور ارشاد خداوندی: ﴿أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۲۰۶) میں ”علیٰ“ کی جگہ ”با“ ہے؛ پس ترجمہ ہوگا: غرور اس کو آمادہ کرتا ہے گناہ پر۔

۹- اور ارشاد خداوندی: ﴿فَسُئِلَ بِهِ خَبِيرًا﴾ (سورہ فرقان آیت ۵۹) میں ”عَنْ“ کی جگہ ”با“ ہے؛ لہذا ترجمہ یہ ہوگا: سو اللہ کی شان کے بارے میں کسی جاننے والے سے دریافت کیجئے۔

۱۰- اور ارشاد خداوندی: ﴿لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِهِمْ﴾ (سورہ نساء آیت ۲) میں ”مَعَ“ کی جگہ ”الیٰ“ ذکر فرمایا ہے؛ لہذا ترجمہ یہ ہوگا: نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر۔

۱۱- اور ارشاد خداوندی: ﴿إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ (سورہ مائدہ آیت ۶) میں بھی ”مَعَ“ کی جگہ ”الیٰ“ ہے؛ پس ترجمہ یہ ہوگا: کہنیوں سمیت۔

۱۲- اور ارشاد خداوندی: ﴿يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ﴾ (سورہ دہر آیت ۶) میں ”مِنْ“ کی جگہ ”با“ ہے؛ لہذا ترجمہ ہوگا: ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں اللہ کے مخصوص بندے۔

۱۳- اور ارشاد خداوندی: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا: مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ﴾ (سورہ انعام آیت ۹۱) میں ”أَنَّ“ کی جگہ ”إِذْ“ ذکر فرمایا ہے؛ لہذا ترجمہ یوں ہوگا: اور انھوں نے جیسا اللہ کو پہچانا چاہئے تھا تمہیں پہچانا، اسی لئے انھوں نے کہا کہ: اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اناری ہے۔

ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے بدلنا

کبھی اللہ تعالیٰ ایک جملہ کی جگہ دوسرا جملہ ذکر فرماتے ہیں۔ مگر ایسا اس وقت کیا جاتا ہے جب جملہ مذکورہ؛ جملہ مخدوفہ کے حاصل مضمون اور اس کی علت پر دلالت کرتا ہو، جیسے ﴿وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۲۲۰) میں فَإِخْوَانُكُمْ کو فَلَانَسَ بِذَلِكَ کی جگہ ذکر فرمایا ہے؛ کیونکہ فَإِخْوَانُكُمْ؛ فَلَانَسَ بِذَلِكَ کے حاصل مضمون اور اس کی علت پر دلالت کرتا ہے، اور آیت کے معنی یہ ہیں: اور اگر تم ان (یتیم بچوں) کا خرچ ملاؤ، تو (اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ) وہ تمہارے بھائی ہیں (اور بھائی بھائی شامل رہا ہی کرتے ہیں)

اور جیسے ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقُوا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۰۳) میں لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ کو لَوْ جَدُّوا ثَوَابًا کی جگہ ذکر فرمایا ہے، کیونکہ لَمَثُوبَةٌ الْخِ لَوْ جَدُّوا ثَوَابًا کے حاصل مضمون پر دلالت کرتا ہے، اور آیت کے معنی یہ ہیں: اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے، تو (معاوضہ پاتے، اور) اللہ کے یہاں کا معاوضہ بہتر ہے۔

اور جیسے: ﴿إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ﴾ (سورہ یوسف آیت ۷۷) میں فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ کو فَلَا عَجَبَ کی جگہ ذکر فرمایا ہے، کیونکہ فَقَدْ سَرَقَ الْخِ فَلَا عَجَبَ کے حاصل مضمون اور اس کی علت پر دلالت کرتا ہے، اور آیت کے معنی یہ ہیں: اگر اس (بنیامین) نے چوری کی، تو (کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ) اس سے پہلے اس کا (حقیقی) بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔

اور جیسے ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَبْرِئِيلِ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۹۷) میں فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ کو فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لَهُ کی جگہ ذکر فرمایا ہے، کیونکہ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ الْخِ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لَهُ کے حاصل مضمون اور اس کی علت پر دلالت کرتا ہے، اور آیت کے معنی یہ ہیں: جو عداوت رکھتا ہے جبرئیل سے؛ تو (اللہ تعالیٰ اس سے عداوت رکھتے ہیں، کیونکہ) اس (قرآن) کو جبرئیل نے آپ کے قلب مبارک پر اتارا ہے اللہ کے حکم سے (لہذا جبرئیل کا دشمن درحقیقت اللہ کا دشمن ہے)

إبدال جملة بجملة

وقد یورد جملة مکان جملة، مثلاً: إذا دلت جملة على حاصل مضمون جملة أخرى، وسبب وجودها، فتبدل بتلك الجملة؛ نحو:

• قوله تعالى: ﴿وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ﴾ ای إن تخالطوهم فلا بأس بذلك، لأنهم أخوانكم؛ وشأن الأخ أن یخالط أخاه.

• وقوله تعالى: ﴿لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ﴾ ای لو جدوا ثواباً؛ ومثوبة من عند الله خیر.

• وقوله تعالى: ﴿إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ﴾ ای إن سرق فلا عجب لأنه قد سرق أخ له من قبل.

• وقوله تعالى: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ، فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ای من كان عدواً لجبریل فإن الله عدو له، فإنه نزل على قلبك بإذنه؛ فعدوه يستحق أن يعاديه الله تعالى؛ فحذف: "فإن الله عدو له" بدليل الآية التالية، وأبدل منه: ﴿فإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ﴾.

ترجمہ: ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے بدلتا: اور کبھی اللہ تعالیٰ مثال کے طور پر ایک جملہ کو دوسرے جملہ کی جگہ ذکر فرماتے ہیں، جب ایک جملہ دوسرے جملہ کے حاصل مضمون اور اس کے سبب وجود (یعنی علت اور دلیل) پر دلالت کرتا ہو، تو اس کو اس جملہ سے بدل دیا جاتا ہے (یعنی دوسرے جملہ کی جگہ پہلا جملہ (جو دوسرے جملہ کے حاصل مضمون پر دلالت کرتا ہے) ذکر کیا جاتا ہے) جیسے:

۱- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ﴾ یعنی اگر تم ان کا خرچ ملاؤ، تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ تمہارے بھائی ہیں، اور بھائی کی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی کو ملائے۔

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ﴾ یعنی پاتے وہ معاوضہ، اور اللہ کے یہاں کا معاوضہ بہتر ہے۔

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی اگر اس نے چوری

کی، تو کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ، فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ یعنی جو عداوت رکھتا ہے جبرئیل سے، تو اس سے اللہ تعالیٰ عداوت رکھتے ہیں، کیونکہ اس (قرآن) کو جبرئیل نے آپ کے دل پر اتارا ہے اللہ کے حکم سے، پس جبرئیل کا دشمن مستحق ہے اس کا کہ اللہ تعالیٰ اس سے عداوت رکھیں، پس ﴿فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لَهُ﴾ کو حذف فرمادیا بعد والی آیت کی دلالت کی وجہ سے، اور اس کو بدل دیا ﴿فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ﴾ ہے۔

إبدال التنكير بالتعريف

وقد يقتضى أصل الكلام التنكير، فَيَتَصَرَّفُ فِيهِ بِإِدْخَالِ اللّامِ وَالْإِضَافَةِ، وَيَبْقَى الْمَعْنَى عَلَى التَّنْكِيرِ الْأَوَّلِ، نَحْوُ:

• قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَقِيلَ يَا رَبِّ أَيُّ قَبِيلٍ لَهُ: يَا رَبِّ، فَأَبْدَلَ بِقَبِيلِهِ، لِأَنَّهُ أَخْصَرُ فِي اللفظ.

• وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿حَقُّ الْيَقِينِ﴾ أَيُّ حَقٍّ يَقِينٌ؛ أَضِيفَ لِيَكُونَ أَيْسَرَ فِي اللفظ.

ترجمہ: تنکیر کو تعریف سے بدلنا:

اور کبھی اصل کلام تنکیر کا تقاضا کرتا ہے، پھر اس میں اللہ تعالیٰ تصرف فرماتے ہیں لام تعریف داخل کر کے، اور اضافت فرما کر، اور معنی پہلی تنکیر پر باقی رہتے ہیں (یعنی کبھی نکرہ پر لام تعریف داخل کر کے؛ اور کبھی نکرہ کی دوسرے اسم کی طرف اضافت کر کے نکرہ کو معرفہ بنایا جاتا ہے، مگر معنی کے اعتبار سے نکرہ، نکرہ ہی رہتا ہے) جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَقِيلَ يَا رَبِّ﴾ (سورہ زخرف آیت ۸۸) اصل میں قیل لہ: يَا رَبِّ! تھا پھر اس کو قبیلہ سے بدل دیا، کیونکہ یہ (یعنی قبیلہ) تلفظ میں (قبیل لہ) سے مختصر ہے۔

تشریح: وَقِيلَ: يَا رَبِّ! کا عطف الساعۃ پر ہے جو پہلے مذکور ہے، اور اصل عبارت اس طرح ہے: وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ، وَقِيلَ: يَا رَبِّ! إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ (سورہ زخرف آیت ۸۵ و آیت ۸۸) اکثر مفسرین کے نزدیک قبیلہ کی ضمیر کا مرجع رسول اکرم ﷺ ہیں، اور آیت کے معنی یہ ہیں: اور اس کو قیامت کی خبر ہے، اور اس کو رسول کے اس کہنے کی بھی خبر

ہے کہ: اے میرے رب! یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے (بیان القرآن)
 لیکن شاہ صاحب کے نزدیک قیلہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہیں، اس لئے وہ فرماتے ہیں:
 کہ: قیلہ (اس کا کہنا) اصل میں قیل لہ (اس سے کہنا) تھا، لہذا شاہ صاحب کے نزدیک آیت
 کے معنی یہ ہوں گے: اور اس کو قیامت کی خبر ہے، اور اس کو (یعنی اللہ کو) رسول کے اس کہنے
 کا بھی علم ہے کہ اے میرے رب! یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے۔
 ۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿حَقُّ الْيَقِينِ﴾ برحق یقین (سورہ واقعہ آیت ۹۵) اصل میں
 حَقُّ يَقِينٌ تھا، پھر اضافت کی گئی تاکہ تلفظ میں آسانی ہو۔

إبدال التذكير والتأنيث والإفراد بأضدادها

وقد يقتضى سنن الكلام الطبيعي تذكير الضمير، أو تانيثه، أو إفراده، فيُخرجه
 سبحانه وتعالى عن ذلك السنن الطبيعي، ويذكر المؤنث مقام المذكر، وبالعكس،
 ويأتي بالجمع مكان المفرد، رعاية للمعنى، نحو:

● قوله تعالى: ﴿فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسُ بَازِغَةً، قَالَ: هَذَا رَبِّي، هَذَا أَكْبَرُ﴾.

● وقوله تعالى: ﴿مَنْ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾.

● وقوله تعالى: ﴿مَنْ لَّهُمْ كَمَلٌ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا، فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ

اللَّهُ بِنُورِهِمْ﴾

ترجمہ: مذکر و مؤنث اور مفرد کو ان کی اضداد سے بدلنا

اور کبھی کلام کا طبعی اور فطری اسلوب تقاضا کرتا ہے کہ ضمیر کو مذکر یا مؤنث، یا مفرد لایا جائے، پھر
 اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کو اس فطری اسلوب سے نکالتے ہیں، اور مذکر کی جگہ مؤنث اور اس کے برعکس ذکر
 فرماتے ہیں، اور مفرد کی جگہ جمع لاتے ہیں: معنی کی رعایت کرتے ہوئے: جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسُ بَازِغَةً، قَالَ: هَذَا رَبِّي، هَذَا أَكْبَرُ﴾ پھر جب

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ: یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔

(سورہ انعام آیت ۷۸) ہَذَا كَامِثَارِ الْيَوْمِ "الشمس" ہے، جو مؤنث سائی ہے، لہذا یہاں هَذَا کے

بجائے هَذِهِ ہونا چاہئے تھا، مگر معنی کی رعایت کرتے ہوئے "هَذَا" اسم اشارہ مذکر لائے: تفسیر مظہری میں

ہے: قيل: ذُكِرَ اسْمُ الْاِشَارَةِ..... رُدُّ اِلَى الْمَعْنَى، وَهُوَ الضِّيَاءُ وَالنُّورُ (ج ۳ ص ۲۶۱)
 ۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿مِنْ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ عالم لوگوں سے (سورہ مؤمنون آیت ۲۸) ”الْقَوْم“ مفرد ہے، لہذا ﴿مِنْ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ کہنا چاہئے تھا؛ مگر معنی کی رعایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ مفرد کی جگہ جمع لائے، کیونکہ ”الْقَوْم“ معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿مَنْظِلُهُمْ كَمَنْظِلِ الَّذِي اسْتَوْفَدَ نَارًا﴾، فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ ﴿أَنْ﴾ (منافقین) کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب روش کر دیا آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کر دی اللہ نے ان کی روشنی (سورہ بقرہ آیت ۱۷) الَّذِي لَفْظُوں میں مفرد ہے، اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے، اس لئے اسْتَوْفَدَ میں مفرد کی ضمیر اور نُورِهِمْ میں جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔

إِبْدَالُ التَّشْبِيهِ بِالْمَفْرُودِ

وقد يورد المفرد مكان التشبيه، نحو:

- قوله تعالى: ﴿وَمَا نَقْمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾.
- وقوله تعالى: ﴿إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي، وَأَتَانِي رَحْمَةٌ مِنْ عِنْدِهِ، فَعَمِيتَ عَلَيْكُمْ﴾، والأصل: ”فَعَمِيتَا“ فافرد، لأنهما كشيء واحد؛ ومثله: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَغْلَمَ.

ترجمہ: تشبیہ کو مفرد سے بدلنا

اور کبھی اللہ تعالیٰ تشبیہ کی جگہ مفرد کو ذکر کرتے ہیں: جیسے:

- ۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَمَا نَقْمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ اور یہ سب کچھ اسی کا بدلہ تھا کہ دولت مند کر دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے (سورہ توبہ آیت ۷۴) (در اصل مِنْ فَضْلِهِمَا ہونا چاہئے تھا، مگر فضل نے مراد چونکہ رزق ہے، اور رزاق صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اس لئے تشبیہ کے بجائے مفرد ضمیر لائی گئی)

- ۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي، وَأَتَانِي رَحْمَةٌ مِنْ عِنْدِهِ، فَعَمِيتَ عَلَيْكُمْ﴾ اگر میں اپنے رب کی طرف سے صاف راستہ پر ہوں، اور اس نے مجھے اپنے پاس

سے رحمت عطا فرمائی ہو، پھر وہ (بینہ اور رحمت) تم پر مخفی ہو جائے (سورہ ہود آیت ۲۸) دراصل قَعْمَتًا (پھر وہ دونوں یعنی بینہ اور رحمت مخفی ہو جائیں) ہے، مگر مفرد لائے، اس لئے کہ وہ دونوں شئی واحد کے مانند ہیں، اور اسی کے مانند ہے: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَعْلَمُ (اصل میں اَعْلَمَانِ ہونا چاہئے، لیکن رسول کا علم درحقیقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، لہذا رسول کا علم اور اللہ کا علم دونوں شئی واحد کے مانند ہیں، اس لئے اَعْلَمَانِ کے بجائے اَعْلَمُ کہا جاتا ہے)

إبدالُ الجزاءِ وجوابِ القسمِ بجملةٍ مستقلةٍ

وقد تقتضى طبيعة الكلام أن يُذكرَ الجزاءُ في صورةِ الجزاءِ، والشرطُ في صورةِ الشرطِ، وجوابُ القسمِ في صورةِ جوابِ القسمِ، فيتصرف سبحانه وتعالى في الكلام، ويجعلُ ذلكَ الجزءَ من الكلامِ جملةً مستقلةً مستأنفةً، لتتنظم بالمعنى، ويُقيم شيئاً يدل عليه بوجهٍ من الوجوه، نحو:

• قوله تعالى: ﴿وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا، وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا، وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا، فَالسَّابِقَاتِ سَبْقًا، فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا، يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾ المعنى: البعث والحشرُ حقٌّ يدل عليه قوله تعالى: ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾.

• وقوله تعالى: ﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ، وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ، قِيلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ﴾ المعنى: المجازاة على الأعمالِ حق.

• وقوله تعالى: ﴿وَإِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ، وَأَذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ، وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ، وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ، وَأَذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ، يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ﴾ المعنى: الحسابُ والجزاءُ كائن.

ترجمہ: جزاء اور جواب قسم کو مستقل جملہ سے بدلنا

اور کبھی کلام کی طبیعت تقاضا کرتی ہے کہ جزاء کو جزاء کی صورت میں ذکر کیا جائے اور شرط کو شرط کی صورت میں، اور جواب قسم کو جواب قسم کی صورت میں (ذکر کیا جائے) پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کلام میں تصرف فرماتے ہیں، اور کلام کے اس جزء کو (یعنی جزاء اور جواب قسم کو) مستقل جملہ مستأنفہ بنا دیتے

ہیں، اور قائم فرماتے ہیں (قرینہ کے طور پر) کوئی ایسی چیز جو دلالت کرے اس (محدوف) پر کسی نہ کسی طریقہ سے، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: قسم ہے ان فرشتوں کی جو سختی سے جان نکالتے ہیں، اور جو بند کھولتے ہیں اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں، پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں، پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں۔ جس دن ہلانے والی چیز ہلا ڈالے گی (سورہ نازعات آیت ۱-۶) یعنی بعث اور حشر حق ہے (یہ جواب قسم ہے جو محدوف ہے، اور) اس پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: جس دن ہلانے والی چیز ہلا ڈالے گی۔

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: قسم ہے برجوں والے آسمانوں کی، اور وعدہ کئے ہوئے دن کی، اور حاضر ہونے والے (دن) کی، اور اس (دن) کی جس میں (لوگوں کی) حاضری ہوتی ہے، مارے گئے کھائیاں کھودنے والے (سورہ بروج آیت ۱-۴) یعنی اعمال کی جزا و سزا برحق ہے، (یہ جواب قسم ہے جو محدوف ہے اور اس پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: مارے گئے کھائیاں کھودنے والے)

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: جب آسمان پھٹ جائے گا، اور اپنے رب کا حکم سن لیگا اور وہ آسمان اسی لائق ہے، اور جب زمین پھیلا دی جائے گی، اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس میں ہے، اور خالی ہو جائے گی، اور وہ اپنے رب کا حکم سن لے گی، اور وہ زمین اسی لائق ہے، اے انسان! تجھے تکلیف اٹھانی ہے (سورہ اشقاق آیت ۱-۶) یعنی حساب و کتاب اور جزا و سزا ہونے والی ہے (یہ شرط کی جزاء ہے جو محدوف ہے، اور اس پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: اے انسان! تجھے تکلیف اٹھانی ہے)

إِبْدَالُ الْخَطَابِ بِالْغَيْبَةِ

وَقَدْ يُقَلَّبُ اللَّهُ تَعَالَى أَسْلُوبَ الْكَلَامِ ، بَانَ يَقْتَضِي الْأَسْلُوبُ الْخَطَابَ فَيَأْتِي بِالْغَائِبِ ، نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ، وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ﴾ .

ترجمہ: حاضر کو غائب سے بدلنا

اور کبھی اللہ تعالیٰ کلام کے اسلوب کو پلٹ دیتے ہیں، اس طرح کہ اسلوب حاضر (کی ضمیر) کا تقاضا کر تا ہو تو غائب (کی ضمیر) لاتے ہیں، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ، وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ﴾ . یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو، اور وہ کشتیاں ان کو عمدہ ہوا

کے ذریعے سے لے کر چلتی ہیں (سورہ یونس آیت ۲۲) یہاں جَوْنِیْنِ بِہِم کے بجائے جَوْنِیْنِ بِکُمْ ہونا چاہئے تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے حاضر سے غائب کی طرف التفات فرمایا ہے۔

إبدال الإخبار بالإنشاء وبالعكس

وقد يذكر سبحانه وتعالى الإنشاء مكان الإخبار، والإخبار مكان الإنشاء، نحو:

• قوله تعالى: ﴿فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا﴾ أى لَتَمْشُوا.

• وقوله تعالى: ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ أى إيمانكم يقتضى هذا.

• وقوله تعالى: ﴿مَنْ أَجَلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ المعنى: على قياس

حال ابن آدم كتبنا، أو: على مثال حال ابن آدم؛ فأبدل منه: ﴿مَنْ أَجَلِ ذَلِكَ﴾ لأن القياس لا يكون إلا بملاحظة العلة؛ فكان القياس نوع من التعليل.

• وقوله تعالى: ﴿أَرَأَيْتَ﴾ هو فى الأصل بمعنى الاستفهام، من الرؤية، ولكن

نقل هنا ليكون تنبيها على استماع الكلام الآتى بعده كما يقال فى العرف: ترى شيئا؟ تسمع شيئا؟

ترجمہ: خبر کو انشاء سے بدلنا اور اس کے برعکس کرنا

اور کبھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ جملہ خبریہ کی جگہ انشائیہ اور انشائیہ کی جگہ خبریہ ذکر کرتے ہیں، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا؛ فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا﴾ (سورہ

ملک آیت ۱۵) وہ ایسا (مُنْعِم) ہے کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا؛ سو تم اس کے راستوں

میں چلو، یعنی تاکہ تم اس کے راستوں میں چلو۔ (یہاں فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا کو بیان غایت (یعنی

زمین کو مسخر کرنے کی غرض و غایت بیان کرنے) کی جگہ پر رکھا گیا ہے، اس لئے فَامْشُوا کی بجائے

لَتَمْشُوا ہونا چاہئے تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ کو ذکر فرمایا ہے۔ تَمْشُوا

مضارع کا صیغہ ہونے کی وجہ سے خبر ہے۔ اور اِمْشُوا امر کا صیغہ ہونے کی وجہ سے انشاء ہے)

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَغْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

(سورہ آل عمران آیت ۱۳۹) اور تم بہت نہ ہارو، نہ رنج کرو، اور تم ہی غالب رہو گے، اگر تم ایمان (کامل) رکھتے ہو؛ یعنی تمہارا ایمان اس کا تقاضا کرتا ہے (کہ تم بہت نہ ہارو، نہ رنج کرو، اور انجام کے اعتبار سے تم ہی غالب رہو گے) — یہ بھی جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ ذکر کرنے کی مثال ہے)

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿مَنْ أَجَلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ﴾ (سورہ مائدہ آیت ۳۲) اسی (شر انگیزی) کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا، یعنی آدم علیہ السلام کے بیٹے (قابل) کے حال سے اندازہ کر کے ہم نے لکھ دیا، یا آدم علیہ السلام کے بیٹے کی جیسی صورت حال تھی ویسی صورت میں ہم نے لکھ دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو مِنْ أَجَلِ ذَلِكَ سے بدل دیا، اس لئے کہ اندازہ کرنا علت کا لحاظ کئے بغیر نہیں ہو سکتا، پس گویا اندازہ کرنا بھی تعلیل کی ایک قسم ہے — (یہ ایک جملہ کی جگہ دوسرا جملہ ذکر کرنے کی مثال ہے، کیونکہ مِنْ أَجَلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا، اور عَلٰی قِیَاسِ حَالِ ابْنِ آدَمَ كَتَبْنَا دونوں جملہ خبریہ ہیں، پس یہ تراجم نہیں، بلکہ مثال بیان کرنے میں توسع ہے)

۴- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿أَرَأَيْتَ﴾ (یہ جملہ قرآن کریم میں متعدد جگہ آیا ہے، مثلاً سورہ ماعون کے شروع میں، اور سورہ علق کی نوں، گیارہویں اور تیرہویں آیت میں) وہ (یعنی أَرَأَيْتَ) اصل میں ”دریافت کرنے“ کے معنی میں ہے اور رویت سے بنا ہے لیکن یہاں اللہ نے (اس کو) منتقل فرمایا ہے؛ تاکہ اس کے بعد آنے والے کلام کو غور سے سننے پر تنبیہ ہو جائے، جیسا کہ عرف میں کہا جاتا ہے: آپ نے کچھ دیکھا؟ آپ نے کچھ سنا؟ (اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ: میں آپ کو متنبہ کرتا ہوں، یا میں آپ کو آگاہ کرتا ہوں، اسی طرح أَرَأَيْتَ (کیا آپ نے دیکھا؟) مخاطب کو متنبہ کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے — یہ بھی جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ ذکر کرنے کی مثال ہے)

تنبیہ: شاہ صاحب نے جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ ذکر کرنے کی متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں، مگر جملہ انشائیہ کی جگہ جملہ خبریہ ذکر کرنے کی کوئی مثال اس لئے بیان نہیں فرمائی کہ قرآن کریم میں اس کی مثالیں بے شمار ہیں؛ مثلاً ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَ قُرُوءٍ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۲۲۸) اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَتُوفُونَ مِنْكُمْ، وَيَلْزَمُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ (سورہ بقرہ آیت ۲۳۴) ان دونوں آیتوں میں يَتَرَبَّصْنَ فعل مضارع کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے جو بمعنی امر غائب ہے۔

التقديم والتأخير والتعلق بالبعيد وما شابههما

وقد يوجب التقديم والتأخير أيضًا صعوبة في فهم المراد، كما في الشعر المشهور:

بُيِّنَتْ شَأْنُهَا سَلَبَتْ فُرَادَى ÷ بِلَا جَرَمِ أَتَيْتُ بِهِ سَلَامًا
والتعلق بالبعيد أيضًا مما يوجب الصعوبة في الكلام، وكذلك ما يكون من هذا القبيل، نحو:

• قوله تعالى: ﴿إِلَّا آلَ لُوطٍ، إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ، إِلَّا امْرَأَتَهُ﴾ ادْخَلَ الاستثناء على الاستثناء فصعب.

• وقوله تعالى: ﴿لَمَّا يَكْلَبُكَ بَعْدَ الَّذِينَ﴾ متصل بقوله: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾

• وقوله تعالى: ﴿يَدْعُوا لِمَنْ ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ﴾ أى يدعوا مَنْ ضَرُّهُ.

• وقوله تعالى: ﴿لَتَتَوَّأ بِالْمُضَيَّةِ أُولَى الْقُوَّةِ﴾ أى لتتوا العصبية بها.

• وقوله تعالى: ﴿وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ﴾ أى اغسلوا أرجلكم.

• وقوله تعالى: ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُسَمًّى﴾ أى ولولا كلمة سبقت وأجل مسمى لكان لزامًا.

• وقوله تعالى: ﴿إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ﴾ متصل بقوله: ﴿فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ﴾.

• وقوله تعالى: ﴿إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ﴾ متصل بقوله: ﴿لَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ﴾

• وقوله تعالى: ﴿يَسْتَلُونَكَ كَأَنَّكَ خَفِيٌّ عَنْهَا﴾ أى يستلونك عنها كأنك خفي.

ترجمہ: تقدیم و تاخیر، تعلق بالبعید اور ان کے مانند امور کا بیان

اور کبھی تقدیم و تاخیر بھی فہم مراد میں دشواری پیدا کرتی ہے، جیسا کہ اس مشہور شعر میں تقدیم و تاخیر کی وجہ سے شاعر کی مراد سمجھنے میں دشواری ہو گئی ہے۔

بُئِنْتُ شَانُهَا سَلَبْتُ فُوَادِي ÷ بلا جرم اَتَيْتُ بِهِ سَلَامًا
(اس شعر کی اصل اس طرح ہے: بُئِنْتُ سَلَبْتُ فُوَادِي بِلا جَرْمٍ اَتَيْتُ بِهِ، شَانُهَا يَكُونُ
سَلَامًا: بُئِنْتُ نے چھین لیا میرا دل کسی جرم کے بغیر جس کو میں نے کیا ہو، اس کی شان سلامت رہے
— مگر شاعر نے شَانُهَا کو مقدم اور سَلَبْتُ فُوَادِي بِلا جَرْمٍ اَتَيْتُ بِهِ کو مؤخر کر دیا ہے جس کی
وجہ سے شاعر کی مراد تک پہنچنا دشوار ہو گیا ہے)

اور تعلق بالبعد (یعنی کلام کے کسی جزء کا دور سے تعلق ہونا) بھی کلام (کی مراد تک پہنچنے) میں
دشواری پیدا کرتا ہے، اور اسی طرح وہ امور (بھی فہم مراد میں دشواری پیدا کرتے ہیں) جو اسی قبیل
سے ہیں، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِلَّا آلَ لُوطٍ، إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ، إِلَّا أَمْرًا﴾ (سورہ حجر آیت ۵۹
۶۰) مگر لوط علیہ السلام کے گھر والے۔ ہم ان سب کو بچالیں گے، جز ان کی بیوی کے (اس ارشاد
میں) اللہ تعالیٰ نے استثناء پر استثناء داخل فرمایا ہے، پس (مراد خداوندی کا سمجھنا) دشوار ہو گیا —
(یہ مایکون من هذا القبیل کی مثال ہے)

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَمَا يَكْذِبُكَ بَعْدَ لَدُنِّي﴾ (پھر کون سی چیز تجھ کو جزاء کے بارے
میں منکر بنا رہی ہے) متصل ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ
تَقْوِيمٍ﴾: ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے (سورہ تین) — (یہ تعلق بالبعد
کی مثال ہے)

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ﴾ یعنی يَدْعُوا مَنْ ضَرُّهُ
(سورہ حج آیت ۱۳) پکارتا ہے اس کو جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے (لَمَنْ ضَرُّهُ
در اصل يَدْعُوا کا مفعول ہے، لہذا اس پر لام نہیں ہونا چاہئے، مگر اللہ تعالیٰ نے لام کا اضافہ فرمایا ہے
جس کی وجہ سے مراد خداوندی تک پہنچنے میں دشواری ہو رہی ہے — یہ بھی مایکون من هذا
القبیل کی مثال ہے)

۴- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿لَتَنُوءَ بِالْعُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ﴾، یعنی لَتَنُوءَ الْعُصْبَةُ بِهَا (سورہ
قصص آیت ۶۶) تھک جاتی ہے طاقت ور جماعت (قارون کے خزانوں کی) چابیاں اٹھانے سے (اس
میں ترکیب کو پلٹ دیا ہے جس کی وجہ سے مراد خداوندی کے سمجھنے میں دشواری ہو گئی ہے — یہ

بھی مایکون من هذا القبیل کی مثال ہے)

۵- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَزْجَلُونَ﴾ (سورہ مائدہ آیت ۶) اور اپنے سروں پر مسح کرو، اور اپنے پیروں کو دھو دو — (یہ تعلق بالجعد کی مثال ہے)

۶- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ یعنی وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ وَأَجَلٌ مُّسَمًّى لَكَانَ لِزَامًا (سورہ طہ آیت ۱۲۹) اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے فرمائی ہوئی نہ ہوتی، اور ایک میعاد معین نہ ہوتی، تو عذاب لازمی طور پر ہوتا — (اس ارشاد میں لَكَانَ لِزَامًا کو مقدم اور وَأَجَلٌ مُّسَمًّى کو مؤخر کر دیا ہے جس کی وجہ سے فہم مراد میں دشواری ہو رہی ہے)

۷- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةً﴾ (اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو فتنہ پھیلے گا) متصل ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے: ﴿فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ﴾ — (یہ بھی تعلق بالجعد کی مثال ہے) آیت ۷۲ و ۷۳ —

۸- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ﴾ متصل ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے: ﴿لَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ﴾ تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے ابراہیم علیہ السلام میں (سورہ ممتحنہ آیت ۴ — یہ بھی تعلق بالجعد کی مثال ہے)

۹- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَسْتَلُونَكَ كَمَا تَنْكَ حَفِيٌّ عَنْهَا﴾ یعنی ﴿يَسْتَلُونَكَ عَنْهَا﴾ (سورہ اعراف آیت ۱۸۷) لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں گویا آپ پوری تحقیق کر چکے ہیں — اس میں كَمَا تَنْكَ حَفِيٌّ کو مقدم اور عَنْهَا کو مؤخر کر دیا ہے جس کی وجہ سے فہم مراد میں دشواری ہو رہی ہے)



کلام میں زیادتی کا بیان

جس طرح حذف، ابدال، اور تقدیم و تاخیر وغیرہ امور فہم مراد میں دشواری پیدا کرتے ہیں، اسی طرح عرف میں گفتگو کا جو طریقہ رائج ہو اس پر زیادتی کرنا بھی فہم مراد میں دشواری پیدا کرتا ہے، اور حذف و ابدال کی طرح زیادتی کی بھی کئی قسمیں ہیں؛ مثلاً (۱) صفت کے ذریعہ

زیادتی کرنا (۲) بدل کے ذریعہ زیادتی کرنا (۳) عطف تفسیری کے ذریعہ زیادتی کرنا (۴) تکرار کے ذریعہ زیادتی کرنا (۵) اور حرف جر کی زیادتی کرنا، آئندہ عبارت میں شاہ صاحب ان پانچوں قسموں کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔

الزیادة فی الکلام

والزیادة علی السَّنَنِ الطَّبِيعِیِ اَيْضًا عَلَى اَقْسَامٍ:

الزیادةُ بالصفة:

قد تكون الزیادةُ فی الکلام بالصفة، نحو:

• قوله تعالى: ﴿وَلَا طَائِرٌ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ﴾.

• وقوله تعالى: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا: إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا، وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا﴾.

الزیادةُ بالإبدال

وقد تكون بالإبدال، نحو قوله تعالى: ﴿الَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ﴾

الزیادةُ بالعطف التفسیری

وقد تكون بالعطف التفسیری، نحو قوله تعالى: ﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ، وَبَلَغَ اَرْبَعِينَ سَنَةً﴾

ترجمہ: کلام میں زیادتی کرنا

اور فطری انداز (یعنی عرف میں گفتگو کا جو طریقہ رائج ہو اس) پر زیادتی کرنے کی بھی کئی صورتیں ہیں:

صفت کے ذریعہ زیادتی کرنا: کبھی کلام میں صفت کے ذریعہ زیادتی کی جاتی ہے، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَا طَائِرٌ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ﴾ اور نہیں ہے کوئی پرندہ جو اڑتا ہو اپنے دو بازوؤں سے (سورہ انعام آیت ۳۸) — یہاں بظاہر یَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ کے اضافہ کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ ہر پرندہ اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے، مگر مجاز کا احتمال ختم کرنے کے لئے اس صفت کا اضافہ

فرمایا ہے، کیونکہ مجازاً تیز رفتاری کو بھی طائر کہا جاتا ہے)

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا: إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا، وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا﴾ بیشک انسان پیدا کیا گیا ہے جی کا کچا: جب اس کو برائی پہنچتی ہے تو بے صبرا ہو جاتا ہے، اور جب اس کو بھلائی پہنچتی ہے تو بخیل ہو جاتا ہے (سورہ معارج آیت ۱۹-۲۱) — إِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا کی تفسیر ہے، وضاحت کی غرض سے اس کو بڑھایا گیا ہے)

بدل کے ذریعہ زیادتی کرنا: اور کبھی زیادتی بدل کے ذریعہ ہوتی ہے: جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿لِّلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ﴾ غریب لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے (سورہ اعراف آیت ۷۵) — لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ حرف جار کے اعادہ کے ساتھ لِّلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا سے بدل ہے اور وضاحت کی غرض سے اس کو بڑھایا گیا ہے)

عطف تفسیری کے ذریعہ زیادتی کرنا: اور کبھی زیادتی عطف تفسیری کے ذریعہ ہوتی ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ، وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً﴾ یہاں تک کہ جب پہنچا وہ اپنی قوت کو یعنی پہنچ گیا چالیس برس کو (سورہ احقاف آیت ۱۵) — یہ عطف: تفسیر اور وضاحت کے لئے ہے اس لئے ”وَ“ کا ترجمہ ”یعنی“ سے کیا گیا ہے)

الزيادة بالتكرار

وقد تكون بالتكرار، نحو:

• قوله تعالى: ﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ، إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ﴾

اصل الكلام: وما يتبع الذين يدعون من دون الله شركاء إلا الظن.

• وقوله تعالى: ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ — وَكَانُوا

مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا — فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ﴾

• وقوله تعالى: ﴿وَلَيَخْشَى الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةَ ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ

فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ﴾

ترجمہ: تکرار کے ذریعہ زیادتی کرنا: اور کبھی زیادتی تکرار کے ذریعہ ہوتی ہے، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ﴾ الخ (سورہ یونس آیت ۶۶، اس میں إِنَّ

يَتَّبِعُونَ كَاتِبًا هُوَ، اور) اصل کلام اس طرح ہے: ﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ، إِلَّا الظَّنُّ﴾ اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کرتے ہیں وہ محض بے سند خیال کا اتباع کرتے ہیں۔

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ الخ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایسی کتاب پہنچی، جو تصدیق کرنے والی ہے اس (کتاب) کی جو ان کے پاس ہے — اور پہلے سے فتح مانگتے تھے وہ کافروں پر — پھر جب ان کے پاس پہنچی وہ (کتاب) جس کو وہ لوگ پہچانتے تھے، تو اس کا انکار کر بیٹھے (سورہ بقرہ آیت ۸۹) — اس میں ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا﴾ کا تکرار ہے، کیونکہ ما عَرَفُوا اسے کتاب مذکور ہی مراد ہے، اور تکرار کا مقصد یہود کی ہٹ دھرمی کو واضح کرنا ہے کہ یہ لوگ جانتے بوجھتے حق کا انکار کرتے ہیں، اور نحوی اعتبار سے تکرار کی وجہ یہ ہے کہ شرط یعنی ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ﴾ اور جزاء یعنی ﴿كَفَرُوا﴾ ابہ میں جملہ معترضہ کی وجہ سے فاصلہ طویل ہو گیا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے شرط کا اعادہ فرمایا ہے

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلِيُخْشِ اللَّهُ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا﴾ الخ اور چاہئے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑیں وہ اپنے پیچھے ضعیف اولاد تو اندیشہ کریں ان پر (کہ ہمارے پیچھے ان کا حال بھی ایسا ہی ہوگا) پس چاہئے کہ ڈریں وہ اللہ سے اور کہیں وہ سیدھی بات (سورہ نساء آیت ۹) — اس میں ﴿فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ﴾ کو تکرار لایا گیا ہے، کیونکہ وَلِيُخْشِ کا جو مفہوم ہے وہی اس کا بھی ہے، اور تکرار کا مقصد بات کو مؤکد کرنا اور اس کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے، اور نحوی اعتبار سے تکرار کی وجہ وہی ہے جو سابقہ مثال میں گذری ہے

• وقوله تعالى: ﴿يَسْتَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِ، قُلْ: هِيَ مَوَاقِئُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ ای ہی مَوَاقِئُ لِلنَّاسِ باعتبارِ أَنْ اللَّهُ تعالى شَرَعَ لَهُمُ التَّوْقِيفَ بِهَا، وَلِلْحَجِّ باعتبارِ أَنْ التَّوْقِيفَ بِهَا حَاصِلٌ لِلْحَجِّ، وَلَوْ قِيلَ: ”هِيَ مَوَاقِئُ لِلنَّاسِ فِي حَجِّهِمْ“ لَكَانَ أَخْصَرَ؛ وَلَكِنْ أَطْنَبَ.

• وقوله تعالى: ﴿تَنْذِرُ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا، وَتُنذِرُ يَوْمَ الْجَمْعِ﴾ ای تنذر أُمَّ الْقُرَى يَوْمَ الْجَمْعِ.

• وقوله تعالى: ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسِبُهَا جَمَادَةً﴾ ای ترى الْجِبَالَ جَمَادَةً؛ أَدْخَلَ ”الْحِسَابَ“ لِأَنَّ ”الرُّؤْيَا“ تَجِيءُ لِمَعَانٍ، وَالْمُرَادُ بِهَا ههنا معنى ”الْحِسَابَ“

ترجمہ: ۴- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِ، قُلْ: هِيَ مَوَاقِئُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں مہینہ کے شروع کے چاندوں کے بارے میں، آپ فرمادیجئے کہ: وہ چاند وقت متعین کرنے کا ذریعہ ہے، لوگوں کے لئے اور حج کے لئے (سورۃ بقرہ آیت ۱۸۹) یعنی وہ چاند وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے لوگوں کے لئے اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا ہے لوگوں کے لئے ان چاندوں سے وقت کی تعیین کرنا (یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے شمسى حساب کے بجائے قمری حساب کو شروع فرمایا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: وہ چاند لوگوں کے لئے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں) اور حج کے لئے اس اعتبار سے کہ ان چاندوں سے وقت کی تعیین کرنا حج کے لئے ثابت ہے (یعنی حج کے وقت کی تعیین چونکہ چاند سے ہوتی ہے، اس لئے فرمایا ہے: اور حج کے لئے) اور اگر کہا جاتا: هِيَ مَوَاقِئُ لِلنَّاسِ فِي حَجَّتِهِمْ: وہ چاند لوگوں کے لئے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں ان کے حج میں، تو کلام مختصر ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بات کو طویل کیا ہے۔

تشریح: یہاں شاہ صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ: هِيَ مَوَاقِئُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ میں تکرار ہے، اور چاند درحقیقت لوگوں کے لئے حج کا وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے، اس لئے وَالْحَجِّ کے بجائے فِي حَجَّتِهِمْ ہوتا، تو کلام میں تکرار نہ ہوتا، اور کلام مختصر ہوتا؛ کیونکہ جس کلام میں تکرار ہوتا ہے وہ اظہار سے خالی نہیں ہوتا۔

لیکن الفوز الکبیر کے شارح، محدث کبیر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: اس ارشاد خداوندی میں نہ تکرار ہے نہ اظہار، بلکہ ایک اہم مسئلہ کی وجہ سے حج کو خاص طور پر ذکر فرمایا ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ فرمادیجئے کہ: چاندوں سے لوگ اپنے دنیوی کاموں اور دینی امور کے اوقات جان لیتے ہیں، جیسے رمضان کے روزے، عید کی نماز، زکوٰۃ، صدقہ فطر اور قربانی کے اوقات لوگوں کو چاندوں سے معلوم ہو جاتے ہیں، اور حج کا وقت بھی چاند سے معلوم ہو جاتا ہے، مگر حج کے علاوہ دیگر امور دینیہ میں اپنے اپنے علاقوں اور ملکوں کے چاندوں اور تاریخوں کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور حج میں پوری دنیا کے لوگوں پر ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے علاقوں کے چاندوں اور تاریخوں کو چھوڑ کر مکہ کے چاند اور تاریخ کے اعتبار سے حج ادا کریں (العون الکبیر)

۵- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿تُنذِرُ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا، وَتُنذِرُ يَوْمَ الْجُمُعِ﴾ یعنی ﴿تُنذِرُ

أَمُّ الْقُرَى يَوْمَ الْجَمْعِ: تاکہ آپ مکہ والوں کو اور جو مکہ کے آس پاس رہتے ہیں ان کو ڈرامیں جمع ہونے کے دن سے یعنی قیامت کے دن سے (سورہ شوری آیت ۷) — اس میں ”انذار“ کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے وَتُنذِرُ کو مکرر لایا گیا ہے)

۶- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسِبُهَا جَامِدَةً﴾ یعنی ﴿تَرَى الْجِبَالَ جَامِدَةً﴾ اور تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے کہ وہ جمے ہوئے ہیں (سورہ نمل آیت ۸۸) اللہ تعالیٰ نے ”جَسْبَان“ کو (دو مفعولوں کے درمیان) داخل فرمایا ہے، اس لئے کہ لفظ ”رؤیت“ کئی معنوں کے لئے آتا ہے، اور اس (رؤیت) سے مراد یہاں جَسْبَان (گمان کرنے اور خیال کرنے) کے معنی ہیں۔

• وقوله تعالى: ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً، فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ — وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تَهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ — فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ، وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ ادخل: ﴿وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ﴾ في تضاعيف الكلام المنتظم بعضه ببعض بيانا لضمير: ”اختلفوا“ وإيدانا بأن المراد من ”الاختلاف“ ههنا: هو الاختلاف الواقع في أمة الدعوة بعد نزول الكتاب: بأن آمن بعض وكفر بعض.

ترجمہ: ۷- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ الخ سب لوگ ایک ہی طریقہ کے تھے (یعنی گمراہ تھے) پھر اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو بھیجا جو خوشخبری سنانے والے، اور ڈرانے والے تھے، اور ان کے ساتھ برحق کتاب اتاری، تاکہ لوگوں کے درمیان جو باتیں مختلف تھیں ان میں اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادیں — اور اس کتاب میں اختلاف نہیں کیا مگر ان لوگوں نے جن کو وہ کتاب ملی تھی، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلائل آچکے تھے، آپس کی ضد سے — پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایمان والوں کو وہ حق بات بتادی جس میں وہ اختلاف کر رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سیدھا راستہ بتاتے ہیں (سورہ بقرہ آیت ۲۱۳) اور اللہ تعالیٰ نے ﴿وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تَهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ کو ایسے کلام کے درمیان داخل فرمایا ہے جس کا بعض حصہ بعض سے مربوط (اور جڑا ہوا) ہے، اِخْتَلَفُوا کی ضمیر (کا مرجع) واضح کرنے کے لئے، اور یہ بتانے کے لئے کہ یہاں اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو امت دعوت میں واقع ہوا ہے

کتاب اللہ کے نازل ہونے کے بعد، اس طرح کہ کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ لوگ کافر رہے۔

زیادۃ حرف الجبر

وقد یزید سبحانه وتعالی حرف الجر علی الفاعل، أو المفعول به، ویجعلہ معمولاً للمفعول بواسطۃ حرف الجبر، لتأكيد الاتصال، نحو:

• قوله تعالى: ﴿يَوْمَ يُخْمَىٰ عَلَيْهَا﴾ ای تُخْمَىٰ ہی۔

• وقوله تعالى: ﴿وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ ای قفینا ہم بعیسی ابن مریم۔

ترجمہ: حرف جر کو زیادہ کرنا

اور کبھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ فاعل یا مفعول بہ پر حرف جر زیادہ کرتے ہیں، اور اسکو (یعنی فاعل یا مفعول بہ کو) فعل کا معمول بناتے ہیں حرف جر کے واسطے سے اتصال کی تاکید کے لئے (عامل اور معمول کے درمیان جو اتصال ہوتا ہے اس کو مؤکد کرنے کے لئے) جیسے:

- ۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَوْمَ يُخْمَىٰ عَلَيْهَا﴾ یعنی تُخْمَىٰ ہی: جس دن اس کو (یعنی سونے چاندی کے خزانے کو) تپایا جائے گا (سورہ توبہ آیت ۳۵ — اس میں نائب فاعل پر علی داخل کیا گیا ہے)
- ۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ اور ہم نے ان کے پیچھے بھیجا عیسیٰ ابن مریم کو (سورہ مائدہ آیت ۴۶ — اس میں مفعول بہ پر علی داخل کیا گیا ہے، اور قَفَّيْنَا فلاناً بفلان یا بآثر فلان کے معنی ہیں: ایک کو دوسرے کے پیچھے بھیجنا)

واوالاتصال

وبغنی أن يُعلم هنا نكتة، وهي أن " الواو " تُستعملُ في مواضع كثيرة لتوكيد الاتصال، لا للعطف، نحو:

• قوله تعالى: ﴿إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ — إلى قوله تعالى — وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ﴿

• وقوله تعالى: ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ وَهَّاءُهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾

• وقوله تعالى: ﴿وَلِيَمْحَضَ اللَّهُ الدِّينَ آمَنُوا﴾

ترجمہ: واو اتصال کا بیان

اور یہاں ایک نکتہ جان لینا مناسب ہے، اور وہ یہ ہے کہ ”واو“ بہت جگہوں میں اتصال کی تاکید کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، نہ کہ عطف کے لئے، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ — تارِ شاد خداوندی — وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ﴿﴾ جب قیامت واقع ہوگی — اور تم تین قسم کے لوگ ہو جاؤ گے (سورہ واقعہ آیت ۱-۷) — یہاں كُنْتُمْ سے پہلے جو ”واو“ ہے وہ عطف کے لئے نہیں ہے، بلکہ ماقبل سے اتصال کی تاکید کے لئے ہے (۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ وَهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾ یہاں تک کہ جب متقی لوگ پہنچ جائیں گے جنت کے پاس اور کھولے جائیں گے جنت کے دروازے (سورہ زمر آیت ۷۳) — یہاں فُتِحَتْ سے پہلے جو ”واو“ ہے وہ نہ عطف ہے نہ حالیہ ہے جیسا کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے، بلکہ ماقبل سے اتصال کی تاکید کے لئے ہے)

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ پاک صاف فرمادیں ایمان والوں کو (سورہ آل عمران آیت ۱۴۱) — یہاں آیت نقل کرنے میں صاحب کتاب سے چوک ہو گئی ہے، کیونکہ لِيُمَحِّصَ سے پہلے جو ”واو“ ہے اس کو عاطفہ ماننے میں کوئی اشکال نہیں، لبتہ اس سے پہلی آیت میں وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا میں جو ”واو“ ہے اس کو عاطفہ ماننے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا عطف کس پر ہے؟ اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا عطف علت محذوفہ پر ہے، پھر ملت محذوفہ کی تشریح میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے، اور شاہ صاحب کے نزدیک يَعْلَمَ سے پہلے جو واو ہے وہ عطف کے لئے نہیں ہے، بلکہ ماقبل سے اتصال کی تاکید کے لئے ہے، کیونکہ اس ”واو“ کو عاطفہ ماننے میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کا عطف کس پر ہے؟ اور اگر اس ”واو“ کو اتصال کی تاکید کے لئے مانا جائے، تو نہ کوئی اشکال ہوتا ہے، نہ علت محذوفہ کے تلاش کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے)

فاء الاتصال

وكذلك تُزاد "الفاء" أيضا، قال القسطلاني في شرح كتاب الحج، في باب المعتمر إذا طاف طواف العمرة ثم خرج، هل يُجزئيه من طواف الوداع؟:

”وَجُوزَ تَوَسُّطَ الْعَاطِفِ بَيْنَ الصِّفَةِ وَالْمَوْصُوفِ لِتَاكِيدِ لُصُوقِهَا بِالْمَوْصُوفِ،
نَحْوُ: ﴿إِذَا يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ﴾ قَالَ سَيَبُوهُ: هُوَ مِثْلُ:
”مَرَرْتُ بِزَيْدٍ وَصَاحِبِكَ“ إِذَا أَرَدْتَ بِصَاحِبِكَ زَيْدًا.

وَقَالَ الزَّمَخْشَرِيُّ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ﴾:
جَمْلَةٌ وَاقِعَةٌ صِفَةً لِقَرْيَةٍ؛ وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا تَتَوَسَّطَ الْوَاوُ بَيْنَهُمَا، كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمَا
أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ﴾ وَإِنَّمَا تَوَسَّطَتْ لِتَاكِيدِ لُصُوقِ الصِّفَةِ بِالْمَوْصُوفِ، كَمَا
يَقَالُ فِي الْحَالِ: جَاءَ نِي زَيْدٌ عَلَيْهِ ثَوْبٌ، وَجَاءَ نِي زَيْدٌ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ (انتهی)

ترجمہ: فائے اتصال کا بیان

اور اسی طرح (اتصال کی غرض سے) ”فام“ بھی بڑھائی جاتی ہے (جیسے ارشاد خداوندی ہے:
﴿فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا﴾: سواں پران کو خوش ہونا چاہئے (سورہ یونس آیت ۵۸) اس ارشاد میں بِذَلِكَ
سے پہلے جو ”فام“ ہے وہ ربط و اتصال کے لئے ہے، تفسیر مظہری میں ہے: وَالْفَاءُ فِي قَوْلِهِ فَبِذَلِكَ
لِلرَّحْمَةِ بِمَا قَبْلَهَا (ج ۵ ص ۳۵ — آگے ”واو“ کبھی اتصال کی تاکید کے لئے آتا ہے اس کا حوالہ ہے)
علامہ قسطلانی نے (بخاری شریف کی) کتاب الحج کی شرح میں، بَابُ الْمُعْتَمِرِ إِذَا طَافَ طَوَافَ
الْعُمْرَةِ ثُمَّ خَرَجَ، هَلْ يُجْزِيهِ مِنْ طَوَافِ الْوُدَاعِ؟ میں فرمایا ہے کہ:

”صفت اور موصوف کے درمیان حرف عطف کو لانا جائز ہے، موصوف کے ساتھ صفت کے
اتصال کی تاکید کے لئے، جیسے ﴿إِذَا يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ﴾ (سورہ انفال
آیت ۴۹) میں موصوف کے ساتھ صفت کے اتصال کو مؤکد کرنے کے لئے ”واو“ لایا گیا ہے (سیبویہ
نے کہا ہے: یہ ارشاد خداوندی مَرَرْتُ بِزَيْدٍ وَصَاحِبِكَ کے مانند ہے، جب آپ صَاحِبِكَ سے زید
کو مراد لیں۔

اور علامہ زمخشری نے ارشاد خداوندی: ﴿وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ﴾
(سورہ حج آیت ۴) کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ: یہ جملہ (یعنی وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ) قَرْيَةٍ کی صفت واقع
ہوا ہے، اور قیاس (کا تقاضا) یہ تھا کہ ان دونوں (یعنی موصوف، صفت) کے درمیان ”واو“ نہ آتا،
جیسا کہ ارشاد خداوندی: ﴿وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ﴾ (سورہ شعراء آیت

۲۰۸) میں ہے، اور پیشک (موصوف، صفت) کے درمیان میں ”واو“ آیا ہے موصوف کے ساتھ صفت کے اتصال کی تاکید کے لئے، جیسا کہ حال میں کہا جاتا ہے: جاء نى زيدٌ عليه ثوبٌ، اور جاء نى زيدٌ وعليه ثوبٌ (انتہی یعنی زمخشری کا کلام ختم ہوا، اور اسی پر قسطلانی کی عبارت بھی پوری ہوئی)

فائدہ

علامہ قسطلانی: مصر کے نامور محدث تھے، آپ کا نام احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک قسطلانی، قُتَيْبِيْ مصری ہے، ۸۵۱ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے، اور ۹۲۳ھ میں قاہرہ میں وفات پائی، آپ کی تصانیف میں سے بخاری شریف کی شرح ”ارشاد الساری“ اور سیرت پاک میں ”مواهب للذنیہ“ کافی مشہور ہیں۔

سیبویہ: نحو کے مشہور و معروف امام ہیں، آپ کا نام عمرو بن عثمان بن قنبر اور کنیت ابو بشر اور لقب سیبویہ ہے، ۴۸ھ میں شیراز کی کسی بستی میں پیدا ہوئے، اور ۸۰ھ میں اھواز میں وفات پائی، کل ۳۲ یا ۳۳ سال کی عمر پائی مگر اتنی قلیل مدت میں علم نحو میں ایسا کمال پیدا کیا کہ اپنے استاذ خلیل بن احمد سے آگے بڑھ گئے، آپ کی تالیف ”کتاب سیبویہ“ فن نحو میں نہایت عمدہ کتاب ہے۔

زمخشری: مشہور مفسر اور لغت و ادب کے امام ہیں مگر معتزلی تھے، آپ کا نام محمود بن عمر خوارزمی زمخشری اور کنیت ابو القاسم ہے اور جار اللہ زمخشری سے مشہور ہیں، خوارزم کی مشہور بستی زمخشر میں ۴۶۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۳۸ھ میں وفات پائی۔

انتشار الضمائر، وإرادة المعنيتين من كلمة واحدة

وربما تكون الصعوبة في فهم المراد لانتشار الضمائر، وإرادة المعنيتين من كلمة واحدة، نحو:

• قوله تعالى: ﴿وَأَنَّهُمْ لَيَصْدُوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ، وَيَخْسَوْنَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ﴾ یعنی ان الشياطين يحدون الناس عن السبيل، ويحسب الناس أنهم مهتدون.

• وقوله تعالى: ﴿قَالَ قَرِينُهُ﴾ المراد به الشيطان في موضع واحد، وفي الموضع

الآخر الملک

• وقوله تعالى: ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ؟ قُلْ: مَا أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ﴾ وقوله تعالى: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ؟ قُلْ: الْعَفْوَ﴾ فالأولُ معناه: أى إنفاقٍ يُنفقون؟ وأى نوعٍ من الإنفاقٍ يُنفقون؟ وهو صادق بالسؤال عن المَصْرِفِ، لأن الإنفاقَ يصير باعتبارِ المصارفِ أنواعاً؛ والثانى معناه: أى مالٍ يُنفقون؟

ترجمہ: انتشارِ ضماّر اور ایک لفظ سے دو معنی مراد لینے کا بیان

اور کبھی مراد خداوندی کے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے ضمیروں (کے مراجع) منتشر اور مختلف ہونے کی وجہ سے، اور ایک لفظ سے دو معنی مراد لینے کی وجہ سے؛ جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَأِنَّهُمْ لَيَصُدُّوهُمْ عَنْ السَّبِيلِ، وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ﴾ یعنی شیاطین لوگوں کو راہ حق سے روکتے ہیں، اور لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں (سورہ زُخْرَفِ آیت ۳۷ — یہ انتشارِ ضماّر کی مثال ہے)

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿قَالَ قَرِينُهُ﴾ ایک جگہ قرین سے مراد شیطان ہے اور دوسری جگہ فرشتہ ہے — (یہ ایک لفظ سے دو معنی مراد لینے کی مثال ہے، اور جن دو آیتوں میں یہ کلمہ آیا ہے وہ یہ ہیں: (الف) وَقَالَ قَرِينُهُ: هَذَا مَا لَدَىٰ عِيتَةٍ: اور اس کا ساتھی (یعنی جو فرشتہ اس کے ساتھ رہتا تھا وہ) کہے گا: یہ (روزِ نامح) ہے جو میرے پاس تیار ہے (سورہ ق آیت ۲۳) — (ب) قَالَ قَرِينُهُ: رَبَّنَا مَا أَطْعَمْتَهُ، وَلَكِنْ كَانُ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ: اور اس کا ساتھی (یعنی جو شیطان اس کے ساتھ رہتا تھا وہ) کہے گا: اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا، لیکن یہ خود دور دراز کی گمراہی میں تھا (ق آیت ۲۷)

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ؟ قُلْ: مَا أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۲۱۵) اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ؟ قُلْ: الْعَفْوَ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۲۱۹) پس پہلے سوال کرنے کے معنی ہیں: کیسا خرچ کریں؟ اور انفاق کی کوئی قسم اختیار کریں؟ اور یہ معنی مصرف کے بارے میں سوال کرنے پر صادق آتے ہیں، کیونکہ مصارف کے اعتبار سے انفاق کی کئی قسمیں ہو جاتی ہیں، اور دوسرے سوال کے معنی ہیں: کونسا مال خرچ کریں؟ — (یہ بھی ایک کلمہ

سے دو معنی مراد لینے کی مثال ہے)

ومن هذا القبيل: مجيء لفظ "جعل" و "شيء" ونحوهما لمعان شتى:
 • قد يجيء "جعل" بمعنى خلق، كقوله تعالى: ﴿جَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ﴾
 • وقد يكون بمعنى اعتقد، كقوله تعالى: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ﴾
 ويجيء "شيء" مكان الفاعل، والمفعول به والمفعول المطلق وغيرها، نحو:
 • قوله تعالى: ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾ أي من غير خالق.
 • وقوله تعالى: ﴿فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ﴾ أي عن شيء مما تتوقف فيه من أمري.
 وقد يريد بالأمر والنبا والخطب المخبر عنه، نحو:
 • قوله تعالى: ﴿هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ﴾ أي قصة عجيبة.
 وكذلك: كلمتا النخیر والشر وما في معناهما يختلف المراد منهما حسب
 اختلاف المواضع.

ترجمہ: اور اسی قبیل سے (یعنی ایک کلمہ سے دو معنی مراد لینے کے قبیل سے) ہے لفظ "جعل"
 اور "شیء" اور ان دونوں کے مانند دیگر الفاظ کا مختلف معانی کے لئے آنا (چنانچہ)
 کبھی "جعل" خلق کے معنی میں آتا ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿جَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ﴾:
 اللہ نے تاریکیاں اور روشنی پیدا کی (سورۃ انعام آیت ۱)
 اور کبھی "جعل" اعتقد کے معنی میں آتا ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ﴾
 اور وہ اللہ کے لئے ٹھہراتے ہیں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے (سورۃ انعام آیت ۱۳۶)
 اور "شیء" فاعل، اور مفعول بہ اور مفعول مطلق اور ان کے علاوہ کی جگہ میں آتا ہے، جیسے: ارشاد
 خداوندی ہے: ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾ یعنی من غیر خالق: کیا یہ لوگ کسی خالق کے
 بغیر خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ (سورۃ طور آیت ۳۵) — یہ اسم فاعل کی جگہ "شیء" کو ذکر کرنے
 کی مثال ہے)

اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ﴾: مجھ سے کوئی چیز نہ پوچھنا، یعنی میرے
 معاملہ میں سے جس معاملہ میں آپ کو تامل ہو اس کے بارے میں نہ پوچھنا (سورۃ کہف آیت ۷۰)
 — یہ امری کی جگہ "شیء" کو ذکر کرنے کی مثال ہے، یعنی مذکورہ دونوں مثالیں فاعل، اور مفعول بہ،

اور مفعول مطلق کے ماسواء کی ہیں؛ اور فاعل کی جگہ ”شیئی“ کو ذکر کرنے کی مثال یہ ہے: ﴿وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ أَوْ زَوْجٌ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ﴾ (سورہ ممتحنہ آیت ۱۱)

اور مفعول بہ کی جگہ ”شیئی“ کو ذکر کرنے کی مثال یہ ہے: ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (سورہ نساء آیت ۳۶) اور مفعول مطلق کی جگہ ”شیئی“ کو ذکر کرنے کی مثال یہ ہے: ﴿وَإِنْ تَعْرَضْ عَنْهُمْ فَلْيَعْرَضْ وَكَشَيْئًا إِيَّائِي مِنَ الْمُضْرِبِ﴾ ان کا فریب تم کو کوئی نقصان نہیں دے گا (آل عمران آیت ۱۲۰)

اور کبھی اللہ تعالیٰ اَمْر، نَسَا اور غَطَب سے مُخْبِر عنہ یعنی خبر اور قصہ مراد لیتے ہیں، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ﴾ یعنی قِصَّةٌ عَجِيبَةٌ یہ ایک بڑی خبر ہے — (سورہ ص آیت ۶۷) اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿عَنِ النَّبِیِّ الْعَظِيمِ﴾ بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں (سورہ مابا آیت ۲) اور ارشاد خداوندی ہے: قَالَ: بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً: یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ تم نے اپنی طرف سے ایک قصہ گھڑ لیا ہے (سورہ یوسف آیت ۸۱ اور ۸۳) اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿قَالَ لَمَّا خَطَبْتُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ﴾ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اب تم کو کیا مہم درپیش ہے اے فرستادہ؟ (سورہ حجر آیت ۵۷، سورہ زاریات آیت ۳۱) اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿قَالَ: لَمَّا خَطَبْتُكُمُ يَسَامِيُّ بْنُ مَرْيَمَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟ (سورہ طہ آیت ۹۵) پہلی مثال کے علاوہ تمام مثالیں الفوز الکبیر کے شارح مولانا خورشید انور صاحب فیض آبادی نے بڑھائی ہیں)

اور اسی طرح لفظ ”خیر“ اور لفظ ”شر“ اور جو الفاظ ان دونوں کے ہم معنی ہیں (جیسے لفظ حسنة اور مشیئة) ان کی مراد مواقع کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے۔



انتشار آیات کا بیان

انتشار آیات کے معنی ہیں: آیتوں کا ترتیب میں آگے پیچھے ہونا، جس طرح انتشار ضمائر فہم مراد میں دشواری کا سبب ہوتا ہے، اسی طرح انتشار آیات سے بھی فہم مراد میں دشواری ہوتی ہے، اور انتشار آیات کی کئی صورتیں ہیں:

(۱) کبھی ایک آیت جس کو قصہ کے اختتام پر ذکر کرنا چاہئے تھا، اس کو قصہ ختم ہونے سے پہلے ذکر کیا جاتا ہے، پھر قصہ پورا کیا جاتا ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے ﴿فَلَذَبْحُوهَا، وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ﴾ (البقرة ۷۱) پھر اس (پتھرے) کو ذبح کیا، اور کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے — پھر آیت ۷۲ و ۷۳ میں قصہ کا ابتدائی حصہ بیان کیا ہے۔ تاکہ وہ ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ﴾ سے متصل رہے۔

(۲) کبھی جو آیت نزول کے اعتبار سے مقدم ہوتی ہے اس کو تلاوت اور ترتیب میں مؤخر کر دیا جاتا ہے، جیسے ﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ﴾ (سورۃ بقرۃ آیت ۱۴۳) نزول کے اعتبار سے مقدم ہے، اور ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ﴾ (سورۃ بقرۃ آیت ۱۴۲) نزول کے اعتبار سے مؤخر ہے، اور تلاوت میں اس کے برعکس ہے۔

(۳) اور کبھی کافروں کے کلام کے بیچ میں ان کی بات کا جواب دیا جاتا ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے ﴿وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ — قُلْ: إِنَّ الْهُدَى هَذَى اللَّهُ — أَنْ يُؤْتِيَ أَحَدٌ مِثْلَ مَا أُوتِيتُمْ﴾ اور تم بجز اس شخص کے جو تمہارے دین کا پیرو ہے کسی کے سامنے یہ اقرار نہ کرنا — آپؐ فرما دیجئے کہ: یقیناً ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے — کہ کسی کو ایسی چیز مل سکتی ہے جیسی تم کو ملی ہے (سورۃ آل عمران آیت ۷۳) اس آیت میں یہود کے قول کے درمیان: قُلْ: إِنَّ الْهُدَى هَذَى اللَّهُ سے ان کی بات کا جواب دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے فہم مراد میں دشواری پیدا ہو گئی ہے اگر اَنْ يُؤْتِيَ أَحَدٌ مِثْلَ مَا أُوتِيتُمْ کو مقدم اور قُلْ: إِنَّ الْهُدَى هَذَى اللَّهُ کو مؤخر کر دیا جاتا تو فہم مراد میں کوئی دشواری پیش نہ آتی۔

ومن هذا القبيل: انتشار الآيات: قد يُبادر إلى آية مقامها الأصلي بعد إيراد القصة، فيذكرها قبل تمام القصة، ثم يعود إلى القصة فينتهيها
وقد تكون الآية: مقدمة في النزول، متأخرة في التلاوة نحو قوله تعالى: ﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ﴾ مقدمة في النزول وقوله تعالى: ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ﴾ متأخرة؛ وفي التلاوة بالعكس.

وقد يُدرج الجواب في تضعيف أقوال الكفار، نحو قوله تعالى: ﴿وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ — قُلْ: إِنَّ الْهُدَى هَذَى اللَّهُ — أَنْ يُؤْتِيَ أَحَدٌ مِثْلَ مَا أُوتِيتُمْ﴾

ترجمہ: اور اسی (یعنی انتشارِ ضائر کے) قبیل سے ہے انتشارِ آیات: کبھی اللہ تعالیٰ سبقت فرماتے ہیں ایسی آیت کی طرف جس کا اصلی مقام قصہ کے تذکرہ کے بعد ہوتا ہے، پس اس کو قصہ پورا ہونے سے پہلے ذکر فرماتے ہیں، پھر قصہ کی طرف لوٹتے ہیں، اور اس کو مکمل فرماتے ہیں۔

اور کبھی آیت نزول میں مقدم ہوتی ہے، اور تلاوت میں مؤخر، جیسے ارشاد خداوندی: ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ﴾ نزول میں مقدم ہے اور ارشاد خداوندی: ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاةُ﴾ مؤخر ہے، اور تلاوت میں برعکس ہے۔

اور کبھی جواب داخل کیا جاتا ہے کافروں کے اقوال کے بیچ میں، جیسے ارشاد خداوندی ہے: اور تم کسی کے سامنے اقرار نہ کرنا مگر اس شخص کے سامنے جو تمہارے دین کا پیرو ہے — آپ فرما دیجئے: یقیناً ہدایت اللہ کی ہدایت ہے — کہ کسی کو ایسی چیز مل سکتی ہے جیسی تم کو ملی ہے۔
لغات: أَدْرَجَ الشَّيْءَ فِي الشَّيْءِ: داخل کرنا..... تَضَاعَيْفٌ: درمیان، بیچ، ضمن۔

وبالجملة: فهذه المباحث تحتاج إلى تفصيل كثير، وفيما ذكرناه كفاية؛ ومن قرأ القرآن الكريم من أهل السعادة، واستحضر هذه الأمور عند تلاوته؛ أدرك بآدنى تأمل غرض الكلام ومغزاه، ويقين غير المذكور على المذكور، وينتقل من مثال إلى أمثلة أخرى.

ترجمہ: الحاصل یہ مباحث (یعنی وہ امور جو فہم مراد میں دشواری پیدا کرتے ہیں) مزید تفصیل کے محتاج ہیں، اور ہم نے جو باتیں ذکر کی ہیں وہ کافی ہیں، اور سعادت مندوں میں سے جو قرآن کریم (سمجھ کر) پڑھے گا، اور ان باتوں کو تلاوت کے وقت ذہن میں رکھے گا، وہ (ان شاء اللہ) معمولی غور و فکر سے کلام خداوندی کی غرض اور اس کا مقصد پالے گا، اور غیر مذکور کو مذکور پر قیاس کرے گا، اور ایک مثال سے دوسری مثالوں کی طرف منتقل ہو گا۔



فصل پنجم

محکم، متشابہ، کنایہ، تعریض اور مجاز عقلی کے بیان میں

محکم کا بیان: محکم وہ کلام ہے جس سے زبان کا جاننے والا ایک ہی معنی سمجھے، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ﴾ تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں (سورہ نساء آیت ۲۳) مگر یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ یہاں پہلے زمانہ کے عربوں کی سمجھ کا اعتبار ہے، ہمارے زمانہ کے محققین کا، جو بال کی کھال نکالتے ہیں اور ہندی کی چندی کرتے ہیں، ان کی سمجھ کا اعتبار نہیں، کیونکہ فضول تحقیق و تدقیق ایسی لاعلاج بیماری ہے جو محکم کو مبہم اور معلوم کو نامعلوم بنا دیتی ہے۔

الفصل الخامس

فی

بیان المحکم، والمتشابہ والکنایۃ والتعریض والمجاز العقلی
المحکم

لِیَعْلَمَ أَنَّ الْمَحْکَمَ هُوَ مَا لَا يُدْرِكُ الْعَارِفُ بِاللُّغَةِ مِنْ ذَلِكَ الْكَلَامِ إِلَّا مَعْنَى وَاحِدًا؛ وَالْمَعْتَبَرُ فَهْمُ الْعَرَبِ الْأَوَّلِينَ، لَا فَهْمُ مَدَقِّقِي زَمَانِنَا الَّذِينَ يَشْقُونَ الشَّعْرَةَ، فَإِنَّ التَّدْقِيقَ الْفَارِغَ دَاءٌ غَضَالٌ يَجْعَلُ الْمَحْکَمَ مُتَشَابِهًا، وَالْمَعْلُومَ مَجْهُولًا.

ترجمہ: پانچویں فصل محکم، متشابہ، کنایہ، تعریض اور مجاز عقلی کے بیان میں: محکم کا بیان: جاننا چاہئے کہ محکم وہ کلام ہے جس سے زبان کا جاننے والا ایک ہی معنی سمجھے، اور (ایک ہی معنی سمجھنے میں) پہلے زمانہ کے عربوں کی سمجھ کا اعتبار ہے، نہ کہ ہمارے زمانہ کے ان محققین کی سمجھ کا جو بال کی کھال نکالتے

ہیں، کیونکہ فضول تحقیق ایسی لاعلاج بیماری ہے جو محکم کو متشابہ اور معلوم کو مجہول بنا دیتی ہے۔



متشابہ کا بیان

اور متشابہ: وہ کلام ہے جو دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے بچہ و جوح:

(۱) یا تو اس وجہ سے کہ کلام میں جو ضمیر ہے وہ دو مرجعوں کی طرف لوٹ سکتی ہے، جیسے کوئی کہے: اَمَّا اِنَّ الْاَمِيرَ اَمَرَنِي اَنْ اَلْعَنَ فُلَانًا؛ لَعْنَةُ اللّٰهِ (سنو! حاکم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فُلان پر لعنت کروں، اللہ کی لعنت ہو اس پر) اس قول میں لَعْنَةُ اللّٰهِ کی ضمیر کا مرجع ”فُلان“ بھی ہو سکتا ہے، اور حاکم بھی ہو سکتا ہے۔

(۲) یا اس وجہ سے کہ ایک کلمہ دو معنوں میں مشترک ہے، جیسے ارشاد خداوندی: ﴿لَا مَسْئَمَہٗ﴾ (سورہ نساء آیت ۳۳ اور سورہ مائدہ آیت ۶) ہم بستی اور ہاتھ سے چھونے کے معنی میں مشترک ہے۔ (۳) یا اس وجہ سے کہ ایک کلمہ کا عطف قریب پر بھی ہو سکتا ہے اور بعید پر بھی، جیسے ارشاد خداوندی: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ﴾ (سورہ مائدہ آیت ۶) میں اَرْجُلِكُمْ کا عطف کسرہ والی قرأت میں رُءُوسِكُمْ پر بھی ہو سکتا ہے، اور وُجُوْہِكُمْ پر بھی ہو سکتا ہے، اور جَرّ، جَرّ جوار ہو۔

(۴) یا اس وجہ سے کہ ایک جملہ میں عطف کا بھی احتمال ہے اور استیناف کا بھی، جیسے ارشاد خداوندی: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلُهُ اِلَّا اللّٰهُ، وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ (سورہ آل عمران آیت ۷) میں یہ بھی احتمال ہے کہ ﴿وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ کا عطف ”اللّٰهُ“ پر ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ﴿وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ جملہ متانفہ ہو۔

تنبیہ: یہاں شاہ صاحب نے محکم اور متشابہ کی جو تعریفات کی ہیں وہ عرف شرع کے اعتبار سے ہیں، اور اصول فقہ میں محکم اور متشابہ کی جو تعریفات کی جاتی ہیں وہ اس سے مختلف ہیں، کیونکہ اصول فقہ میں اصولیوں کی اصطلاح کے اعتبار سے تعریف کی جاتی ہے، اور یہاں عرف شرع کے اعتبار سے تعریف کی گئی ہے اور دونوں اصطلاحوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، شرعی اصطلاح عام ہے اور فقہی اصطلاح خاص ہے، اس فرق کو اگر آپ ذہن میں رکھیں تو

ان شاء اللہ کوئی الجھن پیش نہیں آئے گی۔

المتشابه

والمتشابه هو ما يحتمل معنيين:

- لاحتمال رجوع الضمير إلى المَرَجَعَيْنِ، كما قال رجلٌ: "أَمَا إِنْ الْأَمِيرَ أَمَرَنِي أَنْ أَلْعَنَ فَلَنَا، لَعَنَهُ اللَّهُ!"
- أو لاشتراك الكلمة في معنيين، نحو قوله تعالى ﴿لَا مَسْئَمَةَ فِي الْجَمَاعِ وَالْمَسِّ بِالْيَدِ﴾.
- أو لاحتمال العطف على القريب والبعيد، نحو قوله تعالى: ﴿وَأَمْسَحُوا بِرءُكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ﴾ في قراءة الكسر.
- أو لاحتمال العطف والاستئناف، نحو قوله تعالى: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ، وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾.

ترجمہ: متشابہ کا بیان: اور متشابہ وہ کلام ہے جو دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے:

ضمیر کے دو مرجعوں کی طرف لوٹنے کے احتمال کی وجہ سے، جیسے کسی شخص نے کہا: سنو! امیر نے مجھے حکم دیا کہ میں فلاں پر لعنت کروں، اللہ کی لعنت ہو اس پر۔

یا ایک کلمہ کے دو معنوں میں مشترک ہونے کی وجہ سے، جیسے ارشاد خداوندی: ﴿لَا مَسْئَمَةَ﴾ ہم بستی اور ہاتھ سے چھونے میں مشترک ہے۔

یا قریب اور بعید پر عطف کے احتمال کی وجہ سے، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَأَمْسَحُوا بِرءُكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ﴾ کسر والی قرأت میں۔

یا عطف اور استئناف کے احتمال کی وجہ سے، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ، وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾



کنایہ کا بیان

کِنَايَةً؛ كُنَّا يَكْنُو بِكُنَى يَكْنِي بِكَذَا وَعَنْ كَذَا كَمَا صَدَرَ هُ، اس کے لغوی معنی ہیں: صراحت نہ کرنا اور اصطلاحی معنی ہیں: لفظ بول کر اس کے لازم معنی کا ارادہ کرنا، چاہے لزوم عادی ہو

یا عقلی، جیسے عَظِيمُ الرَّمَادِ (بہت راکھ والا) بول کر کثرت ضیافت کا ارادہ کرنا، اور ﴿يَذَاهُ مَبْسُوطَانِ﴾ (اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) سے کثرت سخاوت کا ارادہ کرنا ”کنایہ“ ہے۔

الكنایة:

والكنایة هی ان یُنْبِتَ حکما من الأحکام، ولا یَقْصُدُ به ثبوت ذلك الأمر بعینه، بل یَقْصُدُ ان ینتقل ذهنُ المخاطبِ إلى لازمه بلزوم عادی أو عقلی، كما یُفْهَمُ معنی کثرة الضیافة من قولهم: ”عَظِيمُ الرَّمَادِ“ ویُفْهَمُ معنی السخاوة من قوله تعالى: ﴿يَذَاهُ مَبْسُوطَانِ﴾.

ترجمہ: کنایہ کا بیان: اور کنایہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ احکام میں سے کوئی حکم ثابت فرمائیں، اور اس سے بعینہ اس حکم کے ثبوت کا ارادہ نہ فرمائیں، بلکہ اس بات کا ارادہ فرمائیں کہ سامع کا ذہن منتقل ہو اس کے لازم کی طرف لزوم عادی یا عقلی کی وجہ سے، جیسے کثرت ضیافت کے معنی سمجھے جاتے ہیں لوگوں کے قول: عَظِيمُ الرَّمَادِ (بہت راکھ والے) سے، اور سخاوت کے معنی سمجھے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿يَذَاهُ مَبْسُوطَانِ﴾ (بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) سے (سورہ مائدہ آیت ۶۴)



معنویات کو محسوس پیکر میں بیان کرنا بھی کنایہ کی ایک صورت ہے

کبھی معنویات کو محسوس پیکر میں بیان کیا جاتا ہے یعنی مرادی معنی کا نقشہ کھینچا جاتا ہے، اور یہ منظر کشی بھی کنایہ کی ایک قسم ہے، شعراء کے کلام میں اور خطیبوں کے بیان میں یہ بات بکثرت پائی جاتی ہے، قرآن کریم اور احادیث نبویہ بھی اس سے بھری پڑی ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے اس سلسلہ کی تین مثالیں اور عرف سے متعدد نظریں پیش کی ہیں، جن کی تفصیل متن میں آرہی ہے۔

تصویر المعنی المراد بالصورة المحسوسة:

وتصویر المعنی المراد بالصورة المحسوسة من هذا القبیل؛ وذلك باب واسع فی أشعار العرب وخطبهم؛ والقرآن العظیم وسنة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم مشحون به، نحو:

• قوله تعالى: ﴿وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ﴾: شبه الشيطان برئيس قطاع الطريق، حيث ينادى أصحابه، فيقول: "تعال من هذه الجهة" و"ادخل من تلك الجهة".

• وقوله تعالى: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا﴾ وقوله تعالى: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا﴾ شبه إعراضهم عن تدبر الآيات بمن غلّت يده، أو بنى حوالبه سد من كل جهة فلم يستطع النظر أصلاً.

• وقوله تعالى: ﴿وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ﴾ يعني اجتمع خاطرک، ودع الاضطراب وقلقي البال.

ترجمہ: معنی مرادی کا محسوس صورت میں نقشہ کھینچنا: اور معنی مرادی کی محسوس صورت میں منظر کشی اسی (کنایہ کے) قبل سے ہے، اور یہ ایک وسیع باب (قسم) ہے عربوں کے اشعار اور ان کے خطبوں میں، اور قرآن عظیم اور ہمارے نبی ﷺ کی احادیث اس سے بھری ہوئی ہیں، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ﴾: تو ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا (سورہ اسراء آیت ۶۳) — اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کو راہزنوں کے سردار کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جب وہ اپنے چیلوں کو لکارتا ہے، اور کہتا ہے: ادھر سے حملہ کرو، اور ادھر سے گھس پڑو۔

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا﴾ اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار بنا دی (سورہ یس آیت ۹) اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا﴾: بیشک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں (سورہ یس آیت ۸) — ان دونوں ارشادوں میں اللہ تعالیٰ نے قدرت کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے سے کافروں کی روگردانی کو تشبیہ دی ہے ایسے شخص سے جس کے دونوں ہاتھ طوق سے جکڑ دیئے گئے ہوں، یا جس کے ارد گرد ہر طرف سے دیوار چن دی گئی ہو جس کی وجہ سے وہ بالکل دیکھ نہ سکتا ہو۔

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ﴾: اپنا بازو اپنی طرف ملا لو (سورہ قصص آیت ۳۲) یعنی اپنے دل کو تھامو، اور بے چینی اور دل کی پریشانی کو دفع کرو (اس ارشاد خداوندی میں اللہ تعالیٰ نے دل کو تھامنے اور قابو میں رکھنے کو اس پرندے سے تشبیہ دی ہے جو

گھبراہٹ اور پریشانی کے وقت اپنے بازو ملا لیتا ہے تاکہ گھبراہٹ دور ہو)

لغات:

صَوْرَةُ تَصْوِيرًا: منظر کشی کرنا، نقشہ کھینچنا..... مَشْحُونٌ: بھرا ہوا، شَحْنٌ (ف) شَحْنًا المَدِينَةُ بالخيل: بھرنا..... الخَيْلُ: گھوڑوں کا گروہ جمع خُيُولٌ وَأَخْيَالٌ، اور مجازاً خَيْلٌ کا اطلاق سواروں پر بھی ہوتا ہے..... رَجُلٌ رَجُلًا کی جمع ہے: پیدل چلنے والا، کہا جاتا ہے: أَتَى بِخَيْلِهِ وَرَجُلِهِ: وہ اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ آیا..... أَغْلَالٌ، غُلٌّ کی جمع ہے: جھکڑی یا طوق..... غَلَّةٌ (ن) غَلًا: ہاتھ میں جھکڑی یا گلے میں طوق ڈالنا..... فَلَقٌ (س) فَلَقًا: مضطرب ہونا، بے قرار ہونا۔

ونظير ذلك في العرف:

- اُنہ إذا أراد أحد أن يُبين شجاعة رجلٍ يشيرُ بالسيفِ أنه يضربُ إلى هذه الجهة، ويضربُ إلى تلك الجهة، وليس مقصودُه إلا بيانُ غلبته أهلُ الآفاقِ بصفةِ الشجاعة، ولولم يأخذ السيفُ بيده مرةً من الدهرِ.
- أويقولون: فلان يقول: "لأرأى أحداً على وجه الأرضِ يُبارِ زُنًى"، أو يقولون: "فلان يفعلُ كذا وكذا" ويشيرون بيمينه أهلُ المِبارزةِ وقتَ مُغالبةِ الخصمِ؛ ولولم يصدرُ عنه هذا القولُ قَطُّ، ولم يفعل هذا الفعلُ أصلاً.
- أويقولون: "فلانٌ خَنَقَنِي وَنَزَعَ اللَّقْمَةَ مِنْ فَمِي"

ترجمہ: اور عرف میں اس کی نظیر یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی مرد کی بہادری بیان کرنا چاہتا ہے تو تلوار سے اشارہ کرتا ہے کہ فلاں مرد ادھر مارتا ہے اور ادھر مارتا ہے، اور اس (تلوار چلانے والے) کا مقصد نہیں ہوتا مگر وصف بہادری سے اہل دنیا پر اس (بہادر مرد) کے غلبہ (اور تسلط) کو بیان کرنا (یعنی جو شخص کسی کی بہادری بیان کرنا چاہتا ہے، وہ ادھر ادھر تلوار چلا کر اشارہ کرتا ہے کہ فلاں مرد اپنی بہادری کی وجہ سے پوری دنیا پر چھا گیا ہے) اگرچہ اس (بہادر مرد) نے اپنے ہاتھ میں زندگی میں ایک مرتبہ بھی تلوار نہ پکڑی ہو۔

یا لوگ کہتے ہیں: فلاں شخص یوں کہتا ہے کہ: مجھے روئے زمین پر کوئی مائی کالال نظر نہیں آتا جو مجھ

کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اور وہ واقعہ یہ ہے کہ: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے تھے جب جوان ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکاح کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش کا انتخاب فرما کر نکاح کا پیغام دیا، مگر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ چونکہ آزاد کردہ غلام تھے، اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا قریش کے معزز خاندان کی خاتون تھیں، اس لئے زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اس رشتہ سے انکار کر دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، تو حضرت زینب اور ان کے بھائی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہما دونوں رضامند ہو گئے اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو گیا۔

(۲) اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا يَأْتِلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ، وَهُوَ أَهْلُ قُرَابَتٍ كَوَافِرٌ مَّا كَانُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا، أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ، وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سورہ نور آیت ۲۲) معاف فرمادیں بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

اس ارشاد خداوندی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ جو حضرت ابو بکر صدیق کے عزیز قریب اور غریب آدمی تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی امداد فرمایا کرتے تھے، جب واقعہ اٹک میں ان کی ایک گونہ شرکت ثابت ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیق کو رنج ہوا، اور قسم کھائی کہ آئندہ ان کی کوئی مالی مدد نہیں کریں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، احادیث میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب سنا اَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ: کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرمائیں، تو فوراً بول اٹھے: بَلَىٰ يَا رَبَّنَا اِنَّا نَحِبُّ: بیشک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں یہ کہہ کر حضرت مسطح کی جو امداد پہلے کیا کرتے تھے وہ بدستور جاری کر دی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دوگنی کر دی، رضی اللہ عنہما۔

التعريض

والتعريضُ أن يذكرَ الله تعالى حكماً عاماً أو مُتكرراً، ويكونُ الغرضُ منه الإيماءُ إلى حالِ رجلٍ خاصٍ، أو التنبيهُ على حالِ رجلٍ معينٍ، ويأتي في عُضُوفِ الكلامِ بعضُ خصوصياتِ ذلك الرجلِ التي يُعرفُ المخاطبُ عليه، فيفرّقُ القارئُ في الفكرِ في مثلِ هذا الموضوعِ، ويحتاجُ إلى تلكِ القصّةِ؛ و كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أراد أن يُنكرَ على شخصٍ يقولُ: "مأبالُ أقوامٍ يفعلونَ كذاً وكذا"، وكما: ﴿فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا﴾ الْآيَةُ تعريضٌ لقصّةِ زينبٍ وأخيها.

﴿وَفِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا يَأْتَلِي أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ﴾ تعريضٌ بابي بكر الصديقِ رضي الله عنه . . . ففى هذه الصُورِ ما لم يطلعوا على تلكِ القصّةِ لا يُدْرِكُونَ فَحْوَى الكلامِ .

ترجمہ: تعريض کا بیان: اور تعريض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عام حکم یا غیر معین بات ذکر فرمائیں، اور اس کا مقصد کسی خاص شخص کے حال کی طرف اشارہ کرنا، یا کسی معین شخص کی حالت پر تنبیہ کرنا ہو، اور کلام کے بیچ میں اس شخص کی بعض خصوصیات آتی ہیں جو مخاطب کو اس شخص کی پہچان کراتی ہیں، اس لئے قرآن پاک کا پڑھنے والا ایسی جگہوں میں سوچ میں ڈوب جاتا ہے، اور اس واقعہ کا محتاج ہوتا ہے، اور نبی کریم ﷺ جب کسی شخص پر نکیر کرتے تو فرماتے کہ: "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسے ایسے کام کرتے ہیں" اور جیسے

۱- ارشاد خداوندی: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا﴾: میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اور ارشاد خداوندی: ﴿وَلَا يَأْتَلِي أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ﴾: میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔

پس ان صورتوں میں جب تک لوگوں کو وہ واقعہ معلوم نہ ہو کلام خداوندی کا مطلب نہیں سمجھ سکتے۔ لغات:

عُضُوفٌ: غَضَنٌ اور غُضُنٌ کی جمع ہے: درمیان، بیچ، کپڑے کی شکن، سلوٹ..... غُرُق (س)

عَرَفًا فِي الْمَاءِ: دُونَا..... أَنْكَرَ عَلَيْهِ فِعْلُهُ: عَيْبَ لَكَانَا أَوْ مَنَعَ كَرْنَا..... فَخَوَى الْكَلَامَ: مَضْمُون
كَلَامَ، مَطْلَب، مَفْهُومِ جَمْعِ فَحَاوٍ.



مجاز عقلی کا بیان

مجاز عقلی یہ ہے: فعل یا شبہ فعل کی کسی ملاہست و مناسبت کی وجہ سے غیر فاعل یا غیر مفعول بہ کی طرف نسبت کرنا، قرآن پاک میں اس کی مثالیں بے شمار ہیں، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَإِذَا ثَلَيْتَ عَلَيْهِمْ آيَتَهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ اور جب اللہ کی آیات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیات ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہے (سورہ انفال آیت ۲) اس ارشاد میں زَادَتْ کی نسبت آیات کی طرف کی گئی ہے، یہ اسناد مجاز عقلی ہے، کیونکہ حقیقت میں ایمان زیادہ کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں، اور آیات ایمان میں زیادتی کا سبب ہیں — اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَذْبَحُ أَبْنَاءَهُمْ﴾ فرعون ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا (سورہ قصص آیت ۴) اس ارشاد میں ذبح کرنے کی نسبت فرعون کی طرف کی گئی ہے، یہ اسناد مجاز عقلی ہے، کیونکہ حقیقت میں ذبح کرنے والے فرعون کے نوکر چاکر تھے، اور فرعون صرف حکم دینے والا تھا۔

المجاز العقلي

والمجاز العقلي: هو أن يُسند الفعل إلى غير فاعله، أو يُجعل المفعول به مالمس بمفعول به في الحقيقة، لعلاقة المشابهة بينهما، ويدعى المتكلم أنه داخل في عداده، وفرد من أفراد

• كما يقولون: "بنى الأمير القصر" مع أن الباني بعض البنائين.

• وكما يقولون: "أبنت الربيع البقل" مع أن المنبت هو الله سبحانه وتعالى في فصل الربيع، والله أعلم بالصواب.

ترجمہ: مجاز عقلی کا بیان: اور مجاز عقلی یہ ہے کہ: فعل کی اس کے فاعل کے علاوہ کی طرف نسبت کرنا، یا جو حقیقت میں مفعول بہ نہیں ہے اس کو مفعول بہ بنانا، ان دونوں (یعنی فاعل اور غیر فاعل، یا مفعول

بہ اور غیر مفعول بہ) کے درمیان علاقہ مشابہت کی وجہ سے، اور متکلم کا دعویٰ کرنا کہ یہ (غیر فاعل اور غیر مفعول بہ) اس (فاعل یا مفعول بہ) کی گنتی میں داخل ہے، اور اس کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔

جیسے لوگ کہتے ہیں: امیر نے محل تعمیر کیا، جبکہ تعمیر کرنے والا کوئی معمار ہوتا ہے۔ اور جیسے لوگ کہتے ہیں: موسم بہار نے سبزہ اگایا، حالانکہ اگانے والے اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہیں موسم بہار میں (پہلی مثال میں علاقہ سببیت کی وجہ سے، اور دوسری مثال میں علاقہ ظرفیت کی وجہ سے فعل کی غیر فاعل کی طرف نسبت کی گئی ہے) واللہ اعلم بالصواب



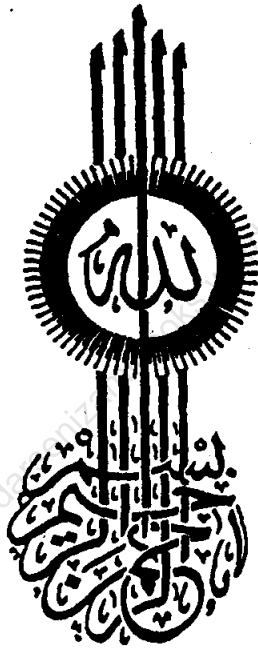
استعارہ مکنیہ کا بیان

شاہ صاحب نے چوتھی فصل کے شروع میں جن اسباب صعوبت کو اجمالی طریقہ پر بیان کیا ہے، ان سب کی وضاحت فرمادی، مگر استعارہ مکنیہ کی وضاحت نہیں فرمائی، اس لئے ذیل میں اس کی وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

استعارہ مکنیہ جس کو استعارہ بالکنایہ بھی کہتے ہیں یہ ہے: مشبہ بہ کو حذف کرنا، اور اس کے لوازم میں سے کسی لازم کو ذکر کر کے اس کی طرف اشارہ کرنا، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَأَشْتَعَلْ الرَّأْسُ شَيْئًا﴾ اور سر میں بڑھاپے کا شعلہ بھڑک اٹھا، (سورہ مریم آیت ۴) اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے رَأْس (سر) کو وَقُود (ایندھن) سے تشبیہ دی ہے، اور أَشْتَعَلْ (شعلہ بھڑک اٹھا) سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ﴾ جو لوگ اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں (سورہ بقرہ آیت ۲۷) اس میں اللہ تعالیٰ نے عہد کو حبل (رسی) کے ساتھ تشبیہ دی ہے، اور رسی کے لوازم میں سے نقض کو ذکر فرما کر اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔





باب سوم

نظم قرآن کے لطائف کی توضیح، اور اس کے انوکھے انداز کی تشریح

فصل اول

قرآن کریم کی ترتیب، اور سورتوں کے اسلوب کی وضاحت

اس باب میں نظم قرآن کے لطائف اور خوبیوں کو بیان کیا جائے گا، اور قرآن کریم کے انوکھے انداز بیان کی تشریح کی جائے گی، اس باب میں کل چار فصلیں ہیں، ان میں سے پہلی فصل میں قرآن کریم کی موجودہ ترتیب اور سورتوں کے اسلوب کی وضاحت کی گئی ہے۔

قرآن کریم، مکاتیب کے مجموعہ کی طرح ہے

قرآن کریم میں جو علوم صراحتہ بیان کئے گئے ہیں وہ کل پانچ ہیں، پہلے باب کے شروع میں ان کی وضاحت گذر چکی ہے، لیکن ان علوم خمسہ کے مقاصد و مسائل کو الگ الگ ابواب اور فصلوں میں بیان نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ اہل متون کا طریقہ ہے، بلکہ قرآن کریم کا حال شاہی فرمانوں کے مجموعہ جیسا سمجھنا چاہئے، جس طرح ایک بادشاہ اپنی رعایا کے نام حسب ضرورت یکے بعد دیگرے فرمان جاری کرتا رہتا ہے، اور جب بہت سے فرمان ہو جاتے ہیں، تو کوئی شخص ان کو خاص ترتیب سے جمع کر دیتا ہے، اسی طرح حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے حالات کے تقاضوں کے مطابق آنحضور ﷺ پر متفرق سورتیں اور آیتیں نازل فرماتے رہے، نزول میں موجودہ ترتیب جو توقیفی ہے ملحوظ نہیں ہوتی تھی، البتہ نزول کے ساتھ ساتھ مساوی ترتیب کے مطابق سورتوں کو اور آیتوں کو لکھ لیا جاتا تھا۔

الباب الثالث

فی

بیان لطائف نظم القرآن، وشرح أسلوبه البديع

الفصل الأول

فی

ترتیب القرآن الکریم، وأسلوب السُّورِ فيه

لم يجعل القرآن مبوباً مفصلاً على منهج المتون، ليدكر كل مطلب منه في باب أو فصل، بل افترض القرآن الكريم كمجموعة المكتوبات، فكما يوجه الملوك إلى رعاياهم حسب مقتضيات الأحوال فرماناً، وبعد زمان يكتبون فرماناً آخر، وهلم جرا، حتى تجتمع فرامین كثيرة، فيدونها شخص ويجعلها مجموعاً مرتباً، كذلك أنزل الملك على الإطلاق جل شأنه على نبيه صلى الله عليه وسلم لهداية عبادِهِ سورة بعد سورة حسب متطلبات الظروف.

تیسرا باب

نظم قرآن کے لطائف کی توضیح میں، اور اس کے انوکھے انداز کی تشریح میں

پہلی فصل

قرآن کریم کی ترتیب، اور اس کی سورتوں کے اسلوب کی وضاحت میں
قرآن کریم کو متون کے طرز پر ابواب وار اور فصل وار نہیں بنایا گیا ہے کہ اس کا ہر مسئلہ ایک

باب، یا ایک فصل میں ذکر کیا جائے، بلکہ قرآن کریم کو مکاتیب کے مجموعہ کی طرح سمجھنا چاہیے، پس جس طرح بادشاہ اپنی رعایا کی طرف ایک فرمان بھیجتے ہیں، حالات کے تقاضوں کے مطابق، اور ایک زمانہ کے بعد دوسرا فرمان لکھتے ہیں، اور اسی طرح سلسلہ چلتا رہتا ہے، یہاں تک کہ بہت سے فرمان اکٹھا ہو جاتے ہیں، تو ان کو ایک شخص مدون کر دیتا ہے اور ان کو مرتب مجموعہ بنا دیتا ہے، اسی طرح شہنشاہ مطلق جل شانہ نے اپنے نبی ﷺ پر اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے ایک سورت کے بعد ایک سورت نازل فرمائی، احوال کے تقاضوں کے مطابق۔

لغات:

لَطَائِفُ: لَطِيفۃ کی جمع ہے: نکتہ جس سے انبساط پیدا ہو۔..... اُسْلُوب: طرز، انداز بیان جمع
اَسَالِيب..... بَدِيع: انوکھا، نرالا، بَدْع (ک) بَدْعًا: انوکھا ہونا، بے مثال ہونا..... مَنَهَج، وَمَنَهَجٌ:
کشادہ راستہ، طریقہ جمع مَنَاهِج..... مَطْلَبٌ: مقصد، مسئلہ جمع مَطَالِب..... وَجْهٌ الی فلان: کسی
کے پاس بھیجنا..... مُفْتَضِلَاتٌ، مُفْتَضِلٌ کی جمع ہے: تقاضا، مصلحت..... مُتَطَلِبَاتٌ، مُتَطَلِبٌ کی جمع
ہے: تقاضا، مصلحت..... ظُرُوف، ظُورَف کی جمع ہے، حالت۔



تدوین قرآن کی تاریخ

آنحضرت ﷺ کے مبارک عہد میں قرآن کریم کی ہر سورت الگ الگ محفوظ تھی، مگر پورا قرآن کریم ایک جلد میں جمع نہیں کیا گیا تھا، کیونکہ قرآن کریم کا نزول مکمل نہیں ہوا تھا، اور جو سورتیں اور آیتیں نازل ہو چکی تھیں ان میں نسخ کا سلسلہ جاری تھا، جب آنحضرت ﷺ دنیا سے رحلت فرما گئے تو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے قرآن کریم کی تدوین کی طرف توجہ فرمائی، اور تمام سورتوں کو خاص ترتیب سے ایک جلد میں جمع فرمایا، اور اس مجموعہ کا نام مُصْحَف رکھا، جس کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے:

”حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ یمامہ کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا، میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، حضرت

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آکر مجھ سے کہا کہ جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہو گئی، اور اگر آئندہ معرکوں میں اسی طرح قرآن کریم کے حفاظ شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے، لہذا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کریم کے جمع کرنے کا حکم دیں، میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جس کام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کو آپ کیسے کریں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ مجھے اس کام پر شرح صدر ہو گیا، اور اب میری رائے بھی وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سمجھ دار نو جوان ہو، ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں، اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وحی کی کتابت کرتے رہے ہو، لہذا تم قرآن کریم کو تلاش کر کے جمع کرو۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھے اتنا مشکل معلوم نہ ہو تا جتنا قرآن کریم کے جمع کرنے کا حکم مشکل معلوم ہوا، چنانچہ میں نے کہا: آپ حضرات وہ کام کیسے کر رہے ہیں، جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بار بار یہی بات دہراتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ اس کام کے لئے کھول دیا، جس کام کے لئے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھول دیا تھا، چنانچہ میں نے کھجور کی شاخوں پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کریم تلاش کر کے جمع کرنا شروع کر دیا۔

پھر یہ صحیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہے، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے۔ پھر حضرت حفصہ بنت عمر کے پاس رہے (بخاری شریف، باب جمع القرآن ص ۷۵)۔

وقد كانت كل سورة في عهد النبي صلى الله عليه وسلم محفوظة مضبوطة على حدة، ثم دُرِّبَت السُّورُ كُلُّهَا فِي مَجْلَدٍ وَاحِدٍ بِتَرْتِيبٍ خَاصٍ فِي عَهْدِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، وَسُمِّيَ هَذَا الْمَجْمُوعُ بِالْمُضْحَفِ

ترجمہ: اور نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں ہر سورت علیحدہ محفوظ اور ضبط شدہ تھی، پھر تمام سورتوں کو ایک جلد میں خاص ترتیب سے مدون کیا گیا حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں، اور نام رکھا اس مجموعہ کا مصحف۔

لغت:

مُصْحَف (میم پر تینوں حرکتیں): لکھے ہوئے کاغذات کا جلد مجموعہ، جلد کتاب، جمع مَصَاحِف؛ علامہ سیوطی نے الاقان فی علوم القرآن میں مظفری کے حوالہ سے یہ بات نقل فرمائی ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم جمع فرمایا تو لوگوں سے کہا کہ: اس کا نام رکھو، چنانچہ بعض حضرات نے اس کا نام ”انجیل“ تجویز کیا، مگر یہ نام لوگوں کو پسند نہیں آیا، تو دوسرے حضرات نے اس کا نام ”سُفْر“ تجویز کیا، مگر لوگوں نے یہود کی مشابہت کی وجہ سے اس کو بھی ناپسند کیا، بالآخر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حبشہ میں ایک کتاب دیکھی ہے جس کو لوگ مُصْحَف کہتے ہیں، یہ نام سب کو پسند آیا اس لئے اس مجموعہ کا نام لوگوں نے مصحف رکھا (الاقان نوع ۷۱)



سورتوں کی تقسیم اور ان کی ترتیب

آئیوں کے کم و بیش ہونے کے اعتبار سے صحابہ کرام کے نزدیک قرآن کریم کی سورتیں چار قسموں میں منقسم تھیں: (۱) سَبْعُ طُول (۲) مِئُون (۳) مِثَانِی (۴) اور مُفَصَّل۔

(۱) طُول؛ طُولِی (اسم تفضیل مؤنث) کی جمع ہے؛ جیسے کُتِبَ؛ کُتِبَی کی جمع ہے، اور سَبْعِ طُول کے معنی ہیں سات بڑی سورتیں — صحابہ کرام قرآن کریم کی سات بڑی سورتوں کو جو سورہ بقرہ سے شروع ہو کر سورہ توبہ پر ختم ہوتی ہیں، سَبْعِ طُول کہتے تھے، اور سورہ انفال اور سورہ توبہ کو ایک ہی سورت شمار کرتے تھے، کیونکہ ان دونوں سورتوں میں حضور اکرم ﷺ کے غزوات کا تذکرہ ہے، اسی لئے مصحف عثمانی میں ان دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ کے ذریعہ فصل نہیں کیا گیا۔

(۲) مِئُون؛ مِأَة (سو) کی جمع ہے، اور یہاں مِئُون سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں سو یا سو سے کچھ زائد آیتیں ہیں۔

(۳) مثانی؛ مثنیٰ کی جمع ہے، جیسے معانی: معنی کی جمع ہے، اور مثنیٰ کے معنی ہیں: دودو، دوہرا، ڈبل اور یہاں مثنائی سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں سو سے کم آیتیں ہیں۔ ان سورتوں کو مثانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی تلاوت سَبْع طَوَّل اور مِثْنُون کی بہ نسبت زیادہ کی جاتی ہے، یعنی ان کو بار بار دہرانے کی وجہ سے مثانی کہا جاتا ہے۔

(۴) مُفَصَّل؛ تفصیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اور مُفَصَّل سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں، مشہور قول کے مطابق ان کی ابتداء سورہ حجرات سے اور راجح قول کے مطابق سورہ ق سے ہوتی ہے، پھر مفصل کی تین قسمیں ہیں: (۱) طَوَالِ مفصل (۲) اوساط مفصل (۳) قصار مفصل۔

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب میں عام طور پر پہلے طوال پھر مئون پھر مثانی پھر مفصل سورتوں کو رکھا گیا ہے، مگر بعض جگہوں میں اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا، مثلاً سورہ رعد کی کل آیتیں ۴۳، اور سورہ ابراہیم کی کل آیتیں ۵۲، اور سورہ حجر کی کل آیتیں ۹۹، اور سورہ مریم کی کل آیتیں ۹۸، اور سورہ حج کی کل آیتیں ۷۸ ہیں، اس لئے یہ پانچوں سورتیں مثانی کے درمیان رکھی جانی چاہئے تھیں، مگر ان کو مئون کے درمیان رکھا گیا ہے، کیونکہ ان سورتوں کے مضامین مثانی کے بجائے مئون سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔

اسی طرح سورہ شعراء کی کل آیتیں ۲۲، اور سورہ صافات کی کل آیتیں ۱۸۲ ہیں، اس لئے ان کو بڑی سورتوں کے درمیان رکھنا چاہئے تھا، مگر ان کو مثانی کے درمیان رکھا گیا ہے، اس لئے کہ ان کے مضامین مثانی سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم کی موجودہ ترتیب میں ایک تصرف یہ بھی کیا گیا ہے کہ سورہ انفال جو مثانی میں سے ہے، اور سورہ توبہ جو مئون میں سے ہے، دونوں کو ملا کر سبع طویل میں رکھا گیا ہے۔

تقسیم السور

وقد كانت السور مقسومة عند الصحابة رضى الله عنهم الى اربعة اقسام:

القسم الأول: السبع الطول التي هي أطول السور.

والقسم الثاني: المئون: وهي التي تشتمل كل واحدة منها على مائة آية، أو

تَزِيدُ قَلِيلًا.

وَالْقِسْمُ الثَّالِثُ: الْمَثَانِي: وَهِيَ مَاتِقُلُ آيَاتِهَا عَنِ الْمَائَةِ.

وَالْقِسْمُ الرَّابِعُ: الْمَفْصَلُ

وَقَدْ أَدْخَلْتُ سَوْرَتَانِ أَوْ ثَلَاثَ هِيَ مِنْ عِدَادِ الْمَثَانِي فِي الْمَثْنِ، لِمُنَاسَبَةِ سِيَاقِهَا بِسِيَاقِ الْمَثْنِ؛ وَهَكَذَا جَرَى التَّصَرُّفُ فِي بَعْضِ الْأَقْسَامِ الْأُخْرَى أَيْضًا.

ترجمہ: سورتوں کی تقسیم: اور سورتیں تقسیم شدہ تھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک چار قسموں کی طرف:

پہلی قسم: سبع طول ہے، جو سورتوں میں سب سے لمبی ہیں۔

اور دوسری قسم: مئون ہے، اور مئون وہ ہیں جن میں سے ہر ایک سورت سو آیتوں پر مشتمل ہے، یا

کچھ بڑھی ہوئی ہے۔

اور تیسری قسم: مثانی ہے، اور مثانی وہ ہیں جن کی آیتیں سو سے کم ہیں۔

اور چوتھی قسم: مفصل ہے۔

اور داخل کی گئی ہیں دو یا تین سورتیں جو مثانی کی تعداد میں سے ہیں مئون میں، ان کے مضمون کے مئون کے مضمون سے مناسبت رکھنے کی وجہ سے، اور اسی طرح تصرف ہوا ہے بعض دوسری سورتوں میں بھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کارنامہ

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قرآن کریم کی تمام سورتوں کو خاص ترتیب سے ایک جلد میں جمع کر کے اس کا نام مصحف رکھا گیا تھا۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی مصحف صدیقی سے قرآن کریم کے چند نسخے تیار کرائے، اور ان نسخوں کو اطراف عالم میں پھیلا دیا، تاکہ مسلمان ان سے استفادہ کریں، اور دوسری ترتیب کی طرف متوجہ نہ ہوں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس کارنامہ کی تفصیل بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ:

آرمینہ اور آذربجان کو فتح کرنے میں اہل شام اور اہل عراق شریک تھے، وہاں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں ممالک کے مسلمانوں کے درمیان قرأتوں کا اختلاف دیکھا تو سخت پریشان ہوئے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ امیر المؤمنین اس سے پہلے کہ یہ امت اللہ کی کتاب میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کرے، آپ اس کی خبر لیجئے۔

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے وہ صحیفے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں تیار کئے گئے تھے، یہ کہہ کر منگوائے کہ ہم ان کو نقل کر کے واپس بھیج دیں گے۔ جب حضرت حفصہ نے وہ صحیفے بھیج دیئے تو حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص، اور حضرت عبد الرحمن بن الحارث رضی اللہ عنہ کو ان کی نقلیں تیار کرنے کا حکم دیا، اور یہ کہا کہ جب تمہارا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قرآن کریم کے کسی کلمہ کے بارے میں اختلاف ہو تو اُسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا، کیونکہ قرآن کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔

ان حضرات نے حضرت عثمان کے حکم کی تعمیل کی، اور جب ان حضرات نے صُحف صدیقی سے چند نسخے تیار کر لئے تو حضرت عثمان نے حسب وعدہ وہ صحیفے حضرت حفصہ کو واپس کر دیئے، اور حضرت عثمان نے جو مصاحف تیار کرائے تھے ان کو ہر طرف بھیج دیا، اور یہ حکم دیا کہ ان کے علاوہ جتنے مصاحف اور صحیفے ہیں ان کو نذر آتش کر دیا جائے (بخاری شریف ص ۷۴۶)

الغرض حضرت عثمان نے مصحف صدیقی سے قرآن کریم کے پانچ یا سات نسخے تیار کرائے تھے، اور ان میں سے ایک نسخہ اپنے پاس رکھ لیا تھا، اور ایک ایک نسخہ مکہ، کوفہ، بصرہ، شام، یمن اور بحرین میں بھیج دیا تھا، اور ان کے علاوہ لوگوں کے پاس جتنے مصاحف اور صحیفے تھے ان کو نذر آتش کرنے کا حکم دیا تھا۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ درحقیقت جامع قرآن نہیں ہیں، بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور حضرت عثمان جامع الناس علی القرآن ہیں، مگر حضرت ابو بکرؓ نے جو فریضہ انجام دیا تھا وہ عام طور پر لوگوں کی نگاہوں سے مخفی تھا، اور حضرت عثمان نے جو کارنامہ انجام دیا وہ لوگوں کے سامنے آیا، اس لئے لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ قرآن کریم

کو جمع کرنے والے اور موجودہ ترتیب پر مرتب کرنے والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، لہذا یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن کریم کو جمع کرنے والے اور اس کو موجودہ ترتیب پر مرتب کرنے والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہیں، بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ (العون الکبیر)

القرآن فی عهد عثمان رضی اللہ عنہ

وقد استنسخ عثمان رضی اللہ عنہ عنہ عدۃ نسخ من ذلك المصحف، وأرسلها إلى الآفاق، ليستفيد المسلمون منها، ولا يميلون إلى ترتيب آخر.

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن کریم (کی خدمت) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف (صدیقی) سے چند نسخے نقل کرائے، اور ان کو اطراف میں بھیج دیا، تاکہ مسلمان ان سے استفادہ کریں، اور دوسری ترتیب کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

لغات:

اِسْتَنْسَخَ الْكِتَابَ: نقل کرانا، نسخہ لکھنے کو کہنا..... آفاق؛ اُفق و اُفق کی جمع ہے: کنارہ، طرف۔



اکثر سورتوں کا آغاز شاہی فرمانوں کے منہج پر ہوا ہے

قرآن کریم کی سورتوں اور شاہی فرمانوں کے درمیان چونکہ مناسبت تامہ ہے، اس لئے اکثر سورتوں کی ابتداء میں خطوط کا منہج اپنایا گیا ہے، چنانچہ جس طرح لوگ بعض تحریروں کو حمد باری سے شروع کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد و تسبیح سے شروع فرمایا ہے، جیسے سورہ فاتحہ اور سورہ کہف وغیرہ کو حمد سے، اور سورہ حشر، سورہ صف، اور سورہ جمعہ وغیرہ کو تسبیح سے شروع کیا ہے۔

اور جس طرح لوگ بعض نوشتوں کے شروع میں تحریر کی غرض اور مقصد بیان کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کے شروع میں نزول قرآن کی غرض اور نزول سورت کا مقصد بیان فرمایا ہے، جیسے سورہ بقرہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ، هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ اور سورہ نور کے شروع میں ہے: ﴿سُورَةٌ أَنزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا﴾

سورتوں کی قسم ان نوشتوں اور ناموں کے مشابہ ہے جن کے آغاز میں لوگ لکھتے ہیں: ہَذَا مَا صَلَّحَ عَلَيْهِ فَلَانٌ وَفَلَانٌ: یہ وہ معاہدہ ہے جس پر فلاں فلاں حضرات نے صلح کی ہے، اور کبھی یہ لکھتے ہیں: هَذَا مَا أَوْضَى بِهِ فَلَانٌ: یہ فلاں کا وضی نامہ ہے، اور آنحضرت ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر لکھا تھا: هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ (ﷺ) یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد (ﷺ) نے صلح کی ہے۔

نیز جس طرح لوگ بعض مکاتیب کے آغاز میں مُرْسِل (کاتب) اور مُرْسَلِیہ (مکتوب الیہ) کے نام کی وضاحت کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کے آغاز میں مُرْسِل (بھیجنے والے) اور مُرْسَلِیہ (جس کی طرف بھیجا گیا) کا تذکرہ فرمایا ہے، جیسے سورہ جاثیہ اور سورہ احقاف کے آغاز میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ اور سورہ ہود کے آغاز میں ہے: ﴿كِتَابٌ أُخْكِمَتْ آيَاتُهُ، ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ سورتوں کی قسم ان شاہی فرمانوں کے مشابہ ہے جن کے شروع میں لکھا جاتا ہے: صَدَرَ الْحُكْمُ مِنَ الْبَابِ الْعَالِي: بارگاہ عالی سے حکم صادر ہوا، اور کبھی یہ لکھا جاتا ہے: هَذَا إِعْلَامٌ مِنْ حَضْرَةِ الْخِلَافَةِ إِلَى سُكَّانِ الْبَلَدِ الْفُلَانِي بِأَنَّ الْخ: بارگاہ خلافت کی طرف سے فلاں شہر کے باشندوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ الخ، اور آنحضرت ﷺ نے شاہ روم کے نام جو خط لکھا تھا اس کے شروع میں تھا: مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى هِرَقْلٍ عَظِيمِ الرُّومِ: محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے شاہ روم ہرقل کے نام۔

نیز جس طرح لوگ پریچوں اور چٹھیوں میں کسی عنوان کے بغیر اصل مقصد ذکر کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں میں یہی نہج اپنایا ہے، جیسے سورہ منافقون، سورہ مجادلہ، اور سورہ تحریم کا آغاز اسی نہج پر ہوا ہے۔

الحاصل اللہ تعالیٰ نے اکثر سورتوں کے آغاز میں مکاتیب اور نوشتوں کا نہج اور طرز اپنایا ہے اور مکتوبات جس طرح چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، اسی طرح سورتیں بھی چھوٹی بڑی ہیں۔

استهلال السور على أسلوب الفرامين

ولما كانت بين أسلوب السور وأسلوب فرامين الملوك مناسبة تامّة، رُوِيَ فِي

البدایۃ والنہایۃ طریق المکاتیب؛ فکما أنهم يتدون بعضها بحمد الله تعالى، وبعضها ببيان غرض الإملاء، وبعضها ببيان همس المرسل والمرسل إليه؛ وبعضها تكون رُفْعَةً وَشِقَّةً بغير عنوان، وبعضها تكون طويلة، وأخرى مختصرة، كذلك استهلَّ الله تعالى بعض السور بالحمد والتسبيح، وبعضها ببيان غرض التنزيل، كما قال تعالى: ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ، هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ وقال تعالى: ﴿سُورَةٌ أَنزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا﴾

وهذا القسم من السور يشبه بما يكتبون: "هذا ما صالح عليه فلان وفلان" و"هذا ما أوصى به فلان" وقد كتب النبي صلى الله عليه وسلم في صلح الحُدَيْبِيَّة: "هذا ما قاضى عليه محمد — صلى الله عليه وسلم .

واستهلَّ بعضها بذكر المرسل والمرسل إليه، كما قال تعالى: ﴿تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ وقال تعالى: ﴿كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ، ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾

وهذا القسم يشبه بما يكتبون: "صدَّر الحكم من الباب العالی" أو يكتبون: "هذا إعلام من حضرة الخلافة إلى سكان البلد الفلانی بأن الخ"؛ وقد كتب النبي صلى الله عليه وسلم: "من محمد رسول الله إلى هرقل عظيم الروم" واستهلَّ بعضها على أسلوب الرِّقَاع والشَّقَق بغير عنوان، كما قال تعالى: ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ﴾ وقال تعالى: ﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا﴾ وقال تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ﴾

ترجمہ: سورتوں کا آغاز شاہی فرمانوں کے نسخ پر ہے۔ اور جب سورتوں کے اسلوب اور شاہی فرمانوں کے اسلوب کے درمیان مناسبت تامہ ہے، تو رعایت رکھی گئی ہے (سورتوں کی) ابتداء اور انتہاء میں مکاتیب کے نسخ کی، چنانچہ جس طرح لوگ بعض مکاتیب کو اللہ کی حمد سے شروع کرتے ہیں، اور بعض مکاتیب کو تحریر کی غرض کی وضاحت سے، اور بعض مکاتیب کو مرسل اور مرسل الیہ کے نام کی وضاحت سے (شروع کرتے ہیں) اور بعض تحریرات عنوان کے بغیر پرچیاں اور چٹھیاں ہوتی

ہیں، اور بعض تحریرات طویل اور دوسری مختصر ہوتی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد و تسبیح سے شروع فرمایا ہے، اور بعض سورتوں کو تنزیل کی غرض کی وضاحت سے (شروع فرمایا ہے) جیسے اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ، هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۲) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿سُورَةٌ أَنزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا﴾ (سورہ نور آیت ۱)

اور سورتوں کی یہ قسم ان (دستاویزوں) کے مشابہ ہے جن (کے آغاز) میں لوگ لکھتے ہیں: ”یہ عہد نامہ ہے جس پر فلاں فلاں نے مصالحت کی ہے“ اور ”یہ فلاں صاحب کا وصیت نامہ ہے“ اور نبی کریم ﷺ نے صلح حدیبیہ میں لکھا تھا: یہ معاہدہ ہے جس پر محمد (ﷺ) نے صلح کی ہے“

اور بعض سورتوں کو مرسل اور مرسل الیہ کے ذکر سے شروع فرمایا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ (سورہ جاثیہ آیت ۲ اور سورہ احقاف آیت ۲) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ، ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ (سورہ ہود آیت ۱) اور یہ قسم ان (شای فرمانوں) کے مشابہ ہے جن (کے آغاز) میں لکھتے ہیں، بارگاہ عالی سے حکم صادر ہوا، یا لکھتے ہیں یہ آگاہی ہے بارگاہ خلافت کی طرف سے فلاں شہر کے باشندوں کے لئے کہ الخ، اور نبی کریم ﷺ نے لکھا تھا: محمد رسول اللہ (ﷺ) کی جانب سے شاہ روم ہر قل کے نام۔

اور بعض سورتوں کو بلا عنوان پر چیوں اور چٹھیوں کے طرز پر شروع فرمایا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ﴾ (سورہ منافقون آیت ۱) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الْبَغِيِّ تَبَادُلَكَ فِي زَوْجَهَا﴾ (سورہ مجادلہ آیت ۱) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ﴾ (سورہ تحریم آیت ۱)

لغات:

إِسْتِهْلَالٌ: شروع کرنا..... رُفْعَةٌ: پرچی، تحریر کا پرزہ جمع رِفَاعٌ..... شِقَّةٌ: چٹھی، کپڑے وغیرہ کی لمبی چٹ جمع شِقَقٌ..... فَأَصَاهُ عَلَى مَالٍ: صلح کرنا۔



بعض سورتوں کے آغاز میں قصائد کا نہج ہے۔

عربوں کی فصاحت و بلاغت چونکہ قصیدوں سے آشکارا ہوتی ہے، اور وہ قصیدوں کے آغاز

میں عجیب و غریب مناظر اور ہولناک واقعات کا تذکرہ کر کے اپنے قاصدوں کو مزین اور آراستہ کرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کے آغاز میں قصائد کا بیج اپنایا ہے، جیسے سورہ صافات، سورہ ذاریات، سورہ مرسلات، سورہ نازعات اور سورہ تکویر وغیرہ کے شروع میں عجیب و غریب مناظر اور ہولناک واقعات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

مَنْهَجُ الْقَصَائِدِ فِي مُبْتَدَأِ بَعْضِ السُّورِ

ولما كانت فصاحة العرب تتجلى في القصائد، وكان من عاداتهم القديمة في مَبْدَأِ الْقَصَائِدِ التَّشْيِيبُ بِذِكْرِ الْمَوَاضِعِ الْعَجِيبَةِ وَالْوَقَائِعِ الْهَائِلَةِ، فَاخْتَارَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى هَذَا الْأَسْلُوبَ فِي بَعْضِ السُّورِ، كَمَا قَالَ تَعَالَى: ﴿وَالصَّافَّاتِ صَفًّا، فَالْزَّاجِرَاتِ زَجْرًا﴾ وقال تعالى: ﴿وَالذَّارِيَاتِ ذُرًّا، فَالْحَامِلَاتِ وِجْرًا﴾ وقال تعالى: ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ﴾

ترجمہ: بعض سورتوں کے آغاز میں قصائد کا بیج ہے: اور جب عربوں کی فصاحت چھلکتی تھی قصیدوں میں، اور ان کی قدیم عادت تھی قصیدوں کے آغاز میں عجیب و غریب مقامات اور ہولناک واقعات کے تذکرہ سے (قصیدوں کو) مزین اور آراستہ کرنے کی، چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس انداز کو بعض سورتوں میں اپنایا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَالصَّافَّاتِ صَفًّا، فَالْزَّاجِرَاتِ زَجْرًا﴾ (سورہ صافات آیت ۲) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَالذَّارِيَاتِ ذُرًّا، فَالْحَامِلَاتِ وِجْرًا﴾ (سورہ ذاریات آیت ۲) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ﴾ (سورہ تکویر آیت ۲)

لغات:

تَجَلَّى الشَّيْءُ تَجَلَّى: اچھی طرح ظاہر ہونا..... شَبَّبَ قَصِيدَتَهُ تَشْيِيبًا: قصیدے کو عورتوں کے ذکر سے آراستہ اور مزین کرنا، شعراء کی عادت تھی کہ قصائد مدحیہ کی ابتداء میں تشبیہ کیا کرتے تھے، یعنی ایام شباب اور عورتوں کے ذکر سے قصیدے کو مزین اور آراستہ کیا کرتے تھے، پھر ہر چیز کی ابتداء کو تشبیہ کہنے لگے، اگرچہ اس میں ایام شباب اور عورتوں کا تذکرہ نہ ہو۔



سورتوں کا اختتام بھی شاہی فرامین کے نہج پر ہوا ہے

قرآن کریم کی سورتوں اور شاہی فرمانوں کے درمیان چونکہ مناسبت تامہ ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمام سورتوں کے اختتام میں شاہی فرمانوں کا نہج اختیار فرمایا ہے، چنانچہ جس طرح سلاطین اپنے فرمانوں کے آخر میں جامع کلمات، نادر وصیتیں اور احکام مذکورہ پر گامزن ہونے کی سخت تاکیدیں اور احکام مذکورہ کی مخالفت کرنے والوں کے لئے شدید دھمکیاں ذکر کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورتوں کے آخر میں جامع کلمات، پر حکمت باتیں، سخت تاکیدیں اور بھاری دھمکیاں دی ہیں۔

خواتم السور علی منهج الفرامین

و كما أن الملوك يختمون فرامینهم بجوامع الکلم، ونوادیر الوصایا، والتأكيد البلیغ بتمسك الأوامر المذكورة، والتهدید الشدید لكل من یخالفها، كذلك ختم الله تبارک وتعالیٰ أواخر السور بجوامع الکلم، ومنابع الحکم والتأكيد البلیغ والتهدید العظیم.

ترجمہ: سورتوں کا اختتام شاہی فرمانوں کے نہج پر ہے: اور جیسا کہ سلاطین اپنے فرمانوں کو ختم کرتے ہیں جامع کلمات اور نادر وصیتوں پر، اور احکام مذکورہ کو مضبوط قہانے کی انتہائی تاکید پر، اور ہر اس شخص کے لئے جو ان (احکام) کی مخالفت کرے سخت دھمکی پر، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورتوں کے اواخر کو ختم فرمایا ہے، جامع کلمات اور پر حکمت باتوں اور انتہائی تاکید اور بھاری دھمکی پر۔

لغات:

خواتیم؛ خاتِمۃ کی جمع ہے: انجام، آخر..... جَوَامِعُ الکَلِم: جامع کلمات؛ اس میں صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے، اور جَوَامِع: جامع کی جمع ہے، اور کَلِم: کلمۃ کی جمع ہے، اور الکلام الجامع اس کلام کو کہتے ہیں: جس کے الفاظ کم اور معنی زیادہ ہوں..... نَوَادِرُ الوَصَايا: نادر وصیتیں؛ اس میں بھی صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے، اور نَوَادِر: نادرۃ کی جمع ہے: نایاب، کمیاب،

اور وصایا؛ وصیۃ کی جمع ہے..... مَنَابِعُ الْحِجَمِ: حکمتوں کے چشمے، پر حکمت باتیں، مَنَابِعُ؛ مَنَبِع کی جمع ہے: چشمہ، اور حِجَم؛ حِکْمۃ کی جمع ہے: دانائی۔



کبھی سورتوں کے بیچ میں بلیغ کلام ذکر کیا جاتا ہے

کبھی کسی سورت کے درمیان میں نہایت مفید اور انوکھے انداز کا بلیغ کلام ذکر کیا جاتا ہے، جو اللہ جل شانہ کی حمد و تسبیح یا انعام و احسان پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے سورہ نمل کے بیچ میں: ﴿قُلِ: الْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾ (آیت ۵۹) سے خالق و مخلوق کے مابین فرق مراتب کا تذکرہ شروع فرمایا ہے، جو اللہ کی حمد و تسبیح پر مشتمل ہے، پھر اس مضمون کو پانچ آیتوں میں نہایت بلیغ اور انوکھے انداز سے بیان فرمایا ہے۔

اور سورہ بقرہ کے بیچ میں: ﴿یٰۤاٰیُّہَاۤ اِسْرَآئِیْلُ اذْكُرُوْا﴾ (آیت ۴۷) سے بنی اسرائیل کے ساتھ خاصہ اور مجادلہ کا آغاز فرمایا ہے، اور آخر میں اسی کلام پر خاصہ کو ختم فرمایا ہے، اور جس بات سے گفتگو شروع کی گئی ہو اسی پر ختم کرنا فصاحت و بلاغت میں بڑا اہم مقام رکھتا ہے۔

اسی طرح سورہ آل عمران میں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾ (آیت ۱۹) سے یہود و نصاریٰ کے ساتھ خاصہ اور مجادلہ کا آغاز فرمایا ہے، تاکہ محل نزاع کی تعیین ہو جائے اور اسی دعویٰ پر بات چیت اور بحث چلتی رہے۔

تَخَلُّلُ الْکَلَامِ الْبَلِیْغِ فِیْ اَثْنَاءِ السُّورِ

وقد یؤتی فی اثناء السور بالکلام البلیغ العظیم الفائدة البدیع الأسلوب، الذی یشتمل علی نوع من الحمد والتسبیح، أو علی نوع من النعم والامتنان، کما:

• بَدَأَ بَیَانَ التَّبَایُنِ بَیْنَ مَرْتَبَةِ الْخَالِقِ وَالْمَخْلُوْقِ بِقَوْلِهِ: ﴿قُلِ: الْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾ ثم بَيَّنَّ هَذَا الْمَوْضُوْعَ فِی خَمْسِ اٰیَاتٍ بِاَبْلَغِ وَجْهِ وَاَبْدَعِ اسْلُوْبٍ.

• وَبَدَأَ مُخَاصَمَةَ بَنِي اِسْرَآئِیْلَ فِیْ اَثْنَاءِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ بِقَوْلِهِ: ﴿یٰۤاٰیُّہَاۤ اِسْرَآئِیْلُ

اذْكُرُوا ۝ ثُمَّ خَتَمَهَا بِنَفْسِ هَذَا الْكَلَامِ؛ فابتداءً المحاجة بهذه الكلمة، وانتهاءً بها بِهَا يَخْتَلُّ مَكَانًا عَظِيمًا فِي الْبَلَاغَةِ.

• وبدا المخاصمة مع أهل الكتاب في سورة آل عمران بقوله: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ لِيَتَّضِحَ محلُّ النزاع، ويدور الجوارُ على ذلك المُدْعَى واللَّهِ أعلم بحقيقة الحال.

ترجمہ: سورتوں کے درمیان میں بلیغ کلام کا آنا اور کبھی لایا جاتا ہے سورتوں کے درمیان میں نہایت عمدہ اور انتہائی مفید انوکھے انداز کا کلام، جو شتمل ہوتا ہے حمد و تسبیح کی کسی نوع پر، یا نعمتوں اور احسان کی کسی قسم پر، جیسے خالق اور مخلوق کے مرتبہ کے درمیان جو فرق ہے اس کو بیان کرنا شروع فرمایا ہے اپنے اس ارشاد سے: ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ، وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى، اللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (سورہ نمل آیت ۵۹) پھر اس مضمون کو بیان فرمایا ہے پانچ آیتوں میں نہایت بلیغ طریقہ اور انتہائی انوکھے انداز سے۔

اور سورہ بقرہ کے درمیان میں بنی اسرائیل کے مخاصمہ کا آغاز فرمایا ہے اپنے اس ارشاد سے: ﴿يٰٓاَيُّهَا اِسْرَآئِيْلُ اذْكُرُوا ۝﴾ (آیت ۴۷) پھر اس (مخاصمہ) کو ختم فرمایا ہے یعنی اسی کلام پر، پس مباحثہ کو اس بات سے شروع کرنا، اور اسی پر ختم کرنا بلاغت میں اہم مقام رکھتا ہے اور سورہ آل عمران میں اہل کتاب (یہود و نصاری) کے ساتھ مخاصمہ شروع فرمایا ہے اپنے اس ارشاد سے: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آیت ۱۹) تاکہ واضح ہو جائے محل نزاع، اور اس دعویٰ کے گرد گفتگو گھومتی رہے، اور اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو خوب جاننے والے ہیں۔

لغات:

تَخَلَّلَ تَخَلَّلًا: دو چیزوں کے درمیان آنا..... اِخْتَلَّ مَكَانًا: اترنا، قبضہ کرنا، مقام حاصل کرنا، یہاں بھی معنی مراد ہیں..... الْجَوَارُ: بحث و مباحثہ، گفتگو، بات چیت؛ حَاوَرَهُ مُحَاوَرَةً، وَجَوَّارَ وَحَوَّارًا: بحث کرنا، بات چیت کرنا، گفتگو کرنا..... الْعَظِيمُ الْفَائِدَةُ اور الْبَدِيعُ الْاَسْلُوبِ میں مضاف پر الف لام داخل کیا گیا ہے، اور دونوں جملوں میں صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے۔

فصل دوم

سورتوں کو آیتوں میں تقسیم کرنے کی حکمت، اور سورتوں کے منفرد اسلوب کی وضاحت اس فصل میں سورتوں کو آیتوں میں تقسیم کرنے کی حکمت، اور سورتوں کے منفرد انداز بیان کی وضاحت کی جائے گی، شاہ صاحب اس فصل میں جو باتیں بیان فرما رہے ہیں، وہ مبتدی طلبہ کے لئے قدرے دقیق ہیں، اور ان باتوں کو شاہ صاحب سے پہلے کسی نے بیان نہیں کیا، اس لئے شاہ صاحب اس فصل میں قدرے طویل کلام فرما رہے ہیں، تاکہ مبتدی طلبہ قرآن کریم کے منفرد اسلوب اور انوکھے انداز بیان کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مخصوص وزن اور مخصوص قافیہ کا خیال رکھتے ہوئے اکثر سورتوں کو آیتوں میں اس طرح تقسیم فرمایا ہے جس طرح شعراء قصائد کو ابیات اور اشعار میں تقسیم کرتے ہیں (اکثر کی قید کا فائدہ ان شاء اللہ فصل کے آخر میں بیان کیا جائے گا) اور اسی مشابہت کی وجہ سے آیات اور ابیات دونوں کو ترنم اور خوش الحانی سے پڑھا جاتا ہے، تاکہ پڑھنے والا اور سننے والے لطف اٹھائیں، مگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو آیات اور ابیات میں بہت بڑا فرق ہے، اور وہ یہ ہے کہ ابیات کا مدار ان اوزان و قوافی پر ہے جن کو ظلیل نحوی نے مدون کیا ہے، اور آیات کا مدار اس اجمالی وزن اور اجمالی قافیہ پر ہے جو فطرت انسانی سے بہت زیادہ ہم آہنگ ہیں۔

الفصل الثانی

فی

تقسیم السُّورِ إِلَى الْآيَاتِ، وَأَسْلُوبِهَا الْفَرِيدِ

لَقَدْ جَرَتْ سُنَّةُ اللَّهِ تَعَالَى فِي أَكْثَرِ السُّورِ بِتَقْسِيمِهَا إِلَى الْآيَاتِ، كَمَا كَانُوا

يقسمون القصائد إلى الأبيات.

الفرق بين الآيات والأبيات

وغاية ما يقال في الفرق بينهما: أن كلا منهما نشأ، التي تُنشأ للتأذ في نفس المتكلم والسامع؛ إلا أن الأبيات مقيدة بالعروض والقوافي التي دونها الخليل بن أحمد وتلقاها منه الشعراء، وبناء الآيات على الوزن والقافية الإجمالية، يُشبهان أمرا طبيعيا، لا على أفاعيل العروضيين وتفاعيلهم. وقوافيهم المعينة التي هي أمر صناعي واصطلاحي.

ترجمہ: دوسری فصل: سورتوں کو آیتوں میں تقسیم کرنے، اور ان کے منفرد انداز بیان میں: اللہ تعالیٰ کی سنت جاری ہے اکثر سورتوں میں ان (سورتوں) کو آیتوں میں تقسیم کرنے کی طرف، جس طرح شعراء قصائد کو ابیات (اشعار) میں تقسیم کرتے ہیں۔

آیات اور ابیات کے درمیان فرق: اور زیادہ سے زیادہ وہ بات جو ان دونوں کے درمیان فرق کے سلسلہ میں کہی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک راگ (ترنم) سے پڑھا جانے والا کلام ہے، جو بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے پڑھنے والے اور سننے والے کے نفس کی لذت کے لئے، مگر ابیات ان اوزان اور قافیوں کے ساتھ مقید ہیں، جن کو ظیل بن احمد نے مدون کیا ہے، اور اس سے شعراء نے ان (اوزان و قوافی) کو سیکھا ہے، اور آیات کا مدار اجمالی وزن اور اجمالی قافیہ پر ہے، جو فطری بات سے مشابہت رکھتے ہیں، اہل عروض کے افاعیل و تفاعیل پر اور ان کے معین قافیوں پر مدار نہیں ہے جو ایک مصنوعی اور اصطلاحی چیز ہے۔

لغات:

قَصَائِد؛ قَصِيدَة کی جمع ہے: وہ نظم جس میں کسی کی تعریف یا جوب ہو، اس کے پہلے دونوں مصرعوں اور ہر شعر کے آخری مصرع میں قافیہ کا التزام ہوتا ہے (فیروز المغات)..... آبیَات؛ بَيْت کی جمع ہے: شعر، وہ منظوم کلام جو دو مصرعوں پر مشتمل ہو..... نَشَائِد؛ نَشِيدَة کی جمع ہے: وہ منظوم کلام جس کو راگ اور ترنم سے پڑھا جائے، ترانہ، گانا، اَنَشَدَ الشَّعْرُ: بلند آواز سے پڑھنا..... العَرُوض (فتح العين): (۱) اشعار کا وزن (۲) وہ علم جس سے نظم کے قواعد معلوم ہوتے ہیں (۳) شعر کے پہلے مصرع کا

آخری جزء، یہاں پہلے معنی مراد ہیں، القوافی؛ القافیۃ کی جمع ہے: شعر کا آخری کلمہ، اس کی مزید وضاحت آگے آئے گی تَلَقَّى الشَّيْءَ مِنْهُ: سیکھنا افاعیل و تفاعیل: اشعار کے اوزان کو علم عروض کی اصطلاح میں افاعیل و تفاعیل سے تعبیر کرتے ہیں، اور اوزان کل چار ہیں: (۱) فَعُولُنْ (۲) مَفَاعِلُنْ (۳) مُفَاعِلَتُنْ (۴) فَعَا عَلَتُنْ، بقیہ اوزان انہی سے ماخوذ ہیں الْعُرُو ضِيْنُ ؛ الْعُرُو ضِيْنُ کی جمع ہے: علم عروض کا جاننے والا۔

﴿فائدہ﴾ خلیل بن احمد فرہیدی: علم نحو اور ادب کے امام علم عروض کے واضع و مدون اور سیبویہ کے استاذ ہیں، ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۰ھ میں وفات پائی۔



آیات و ابیات میں مشترک چیز حلاوت و مٹھاس ہے

جس طرح ایک جنس کی انواع میں ایک امر تو مشترک ہوتا ہے اور ایک امر ماہہ الامتياز ہوتا ہے، مثلاً حیوان کی انواع: انسان و فرس میں حیوانیت تو امر مشترک ہے، جو ان دونوں انواع کی جنس ہے، انسان کی تعریف ہے حیوانٌ ناطقٌ اور فرس کی تعریف ہے حیوانٌ صاھلٌ اور ناطقٌ و صاھلٌ فصلیں ہیں، جن کے ذریعہ ہر نوع دوسری نوع سے جدا ہوتی ہے۔ اسی طرح آیات و ابیات میں بھی ایک چیز مشترک ہے جو بمنزلہ جنس ہے اور ایک چیز فصل ہے جو آیات کو ابیات سے ممتاز کرتی ہے، دونوں میں مشترک چیز حلاوت و مٹھاس ہے جس کو ہم نَشِيْذَ سے تعبیر کرتے ہیں یہ دونوں کے لئے بمنزلہ جنس ہے اور آیات میں جن امور کا التزام کیا گیا ہے، جو آیات کو ابیات سے ممتاز کرتے ہیں وہ آیات کی فصل ہیں یہ دونوں باتیں تفصیل طلب ہیں، عبارت ذیل میں پہلے امر مشترک کی تفصیل بیان کی جاتی ہے پھر ان امور کی وضاحت کی جائے گی جن کا آیات میں التزام کیا گیا ہے۔ غرض یہ بحث دور تک چلے گی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فطرت سلیمہ اپنے ذوق سے موزون و مقفّی قصائد میں، عمدہ اور پسندیدہ رجزوں میں اور اس طرح کے دوسرے کلاموں میں حلاوت و مٹھاس محسوس کرتی ہے، اور غور کرنے سے اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جب کسی کے سامنے ایسا کلام پیش کیا جاتا ہے جس کے اجزاء میں ہم آہنگی اور یکسانیت ہوتی ہے تو مخاطب کو کلام میں ایک خاص قسم کی لذت

محسوس ہوتی ہے، اور وہ کلام نفس کو ایسی جیسے دوسرے کلام کا مشتاق بناتا ہے، پھر جب نفس دوسرا شعر سنتا ہے جس کے اجزاء میں وہی توافقی اور ہم آہنگی ہوتی ہے، اور جس چیز کا انتظار تھا وہ چیز پائی جاتی ہے تولدت دوبالا ہو جاتی ہے، اور اگر دونوں شعروں کا قافیہ بھی ایک ہو تولدت سر گنا ہو جاتی ہے غرض اس راز کی وجہ سے فطرت انسانی اشعار سے لطف اندوز ہوتی ہے، اور یہ ایک فطری چیز ہے، اور معتدل ممالک کے سلیم المزاج لوگ اس امر پر متفق ہیں۔

پھر ہر شعر کے اجزاء میں ہم آہنگی اور یکسانیت پیدا کرنے کے لئے لوگوں نے مختلف راہیں اپنائی ہیں، اسی طرح مشترک قافیہ کے قوانین بھی جدا جدا ہیں۔ عربوں نے وہ اصول و ضوابط اختیار کئے ہیں جو ظلیل نحوی نے وضع کئے ہیں، اور ہندوستان کے لوگ اس قانون کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے فطری ذوق نے تجویز کیا ہے، اسی طرح ہر زمانہ کے لوگوں نے الگ الگ قوانین اور طریقے اپنائے ہیں۔

الأمر المشترك بين الآيات والأبيات

وأما تنقيح الأمر المشترك بين الآيات والأبيات — ونعبر ذلك الأمر العام بالنشأيد — ثم ضبط تلك الأمور التي التزم بها في الآيات — وذلك بمنزلة الفضل — فكل ذلك يحتاج إلى تفصيل، والله ولي التوفيق.

وتفصيل هذا الإجمال: أن الفطرة السليمة تُدرك بدوّقها في القصائد الموزونة المُقَفَّاة، والأراجيز الرائقة الجميلة، وأمثالها، حلاوة وعدّوبة؛ وإذا تأمل أحد في سبب إدراك تلك الحلاوة، وجد أن نفس المخاطب تنذوق لذّة خاصة في الكلام الذي يوافق بعضه بعضاً، ويجعلها منتظراً إلى كلام آخر مثله، فإذا سمعت بعد ذلك البيت الآخر مع ذلك التوافق والانسجام بين أجزائه، وتحقق الأمر المنتظر، تضاعفت اللذة عند ذلك؛ ولما كان البيتان مُشترَكَيْنِ في قافية واحدة، ازدادت اللذة ثلاثة أضعافها؛ فالتمتع والالتذاذ بالأبيات بهذا السرفطرة قديمة فطر الناس عليها، وأصحاب الأمزجة السليمة من أهل الأقاليم المُعتدلة متفقون على ذلك.

ثم حدث بعد ذلك مذاهب مختلفة ورسوم متباينة في توافقي الأجزاء في كل

بیت من الأبیات، وكذا فی شروط القوافی المشتركة بین الأبیات: فالعربُ عندهم ضوابطُ وأصولٌ بینَها الخلیل، والهنودُ يتبعون قانونا يحكم به سلیقتهم اللغویةُ وقریحتهم الفطریةُ، وهكذا اختار أهلُ كلِّ عصرٍ وضعاً من الأوضاع وسلكوا مسلكاً من المسالك.

ترجمہ: آیات اور ابیات کے درمیان مشترک امر کا بیان: آیات اور ابیات کے درمیان جو بات مشترک ہے اس کو نکھارنا — اور ہم اس عام بات کو ”نشاید“ سے تعبیر کرتے ہیں (اور یہ عام بات جنس کے درجہ میں ہے) — پھر ان باتوں کو بیان کرنا جن کا آیات میں التزام کیا گیا ہے — اور یہ باتیں فصل کے درجہ میں ہیں — پس ان میں سے ہر ایک تفصیل کی محتاج ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی (تفصیل کرنے کی) توفیق دینے والے ہیں۔

اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فطرت سلیمہ اپنے ذوق سے موزون اور مُقَفّی قصیدوں میں، اور پسندیدہ اور نفیس رجزوں میں اور ان کے مانند نظموں میں حلاوت و شیرنی محسوس کرتی ہے، اور جب کوئی شخص اس حلاوت کے پانے کی وجہ میں غور کرے تو وہ پائے گا کہ مخاطب کا نفس خاص لذت محسوس کرتا ہے اس کلام میں جس کا بعض حصہ بعض سے ہم آہنگ ہو، اور وہ کلام مخاطب کے نفس کو اس جیسے دوسرے کلام کا منتظر بناتا ہے، پھر جب اس کے بعد مخاطب کا نفس دوسرے شعر کو سنتا ہے، اسی توافق اور کلام کے اجزاء میں ہم آہنگی کے ساتھ اور جس بات کا انتظار تھا وہ بات پائی جاتی ہے، تو اس وقت لذت دوگنی ہو جاتی ہے، اور جب دونوں شعر ایک تافیہ میں مشترک ہوں، تو لذت سہ گنا ہو جاتی ہے، چنانچہ اسی راز کی وجہ سے اشعار سے متمتع اور لطف اندوز ہونا قدیم فطرت ہے جس پر لوگوں کو پید کیا گیا ہے، اور معتدل ممالک کے رہنے والے سلیم مزاج لوگ اس پر متفق ہیں۔

پھر اس کے بعد پیدا ہوئے مختلف طریقے اور الگ الگ رواج اشعار میں سے ہر شعر کے اجزاء کے توافق کے بارے میں، اور اسی طرح اشعار کے درمیان مشترک تافیوں کی شرطوں کے بارے میں چنانچہ عربوں کے یہاں وہ قوانین اور قواعد رائج ہیں جن کو خلیل نحوی نے بیان کیا ہے، اور اہل ہند اس قانون کی پیروی کرتے ہیں جس کا فیصلہ کیا ہے ان کے لسانی سلیقہ نے اور ان کی فطری طبیعت نے، اور اسی طرح ہر زمانہ کے لوگوں نے وضعوں میں سے ایک خاص وضع اپنائی ہے، اور وہ طریقوں میں سے ایک مخصوص طریقہ پر چلے ہیں۔

لغات:

الْأَرَاخِيزُ؛ الْأَرْجُوزَةُ کی جمع ہے: رَجَز اشعار کی سولہ بحر وں میں سے ایک بحر ہے، اور وہ یہ ہے: مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ الرَّائِقَةُ: پسندیدہ اِنْسَجَمَ الْكَلَامُ اِنْسَجَامًا: کلام کا مرتب ہونا تَضَاعَفَ: دوچند ہونا اَضْعَافٌ: ضِعْف کی جمع ہے: دوچند، دوگنا الْأَجْزَاءُ؛ الْجُزْءُ کی جمع ہے: جزء سے یہاں مراد رکن ہے جیسے مُسْتَفْعِلُنْ ایک رکن ہے، بعض اشعار میں چھ ارکان ہوتے ہیں، اور بعض میں چار ارکان ہوتے ہیں الْقَرْنِیْحَةُ مِنَ الْاِنْسَانِ: انسان کی طبیعت جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے وَضْعٌ: شکل، ظاہری حالت، طرز، ڈھنگ جمع اَوْضَاعٌ۔



مختلف شاعریوں میں مشترک چیز تقریبی توافق ہے

ابھی اوپر یہ بات گذری ہے کہ اشعار کے اجزاء و ارکان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے لوگوں نے مختلف راہیں اپنائی ہیں، اسی طرح مشترک قافیہ کے قوانین بھی جدا جدا ہیں۔ اب اگر ہم دنیا کی مختلف شاعریوں کے قواعد میں غور کر کے ہمہ گیر مشترک چیز نکالنا چاہیں اور ہم اس بھید کو سوچیں جو تمام شاعریوں کو عام اور سب میں پھیلا ہوا ہے تو ہمیں بس توافق تقریبی ہی ایک ایسی چیز ملے گی جو سب شاعریوں میں قدر مشترک ہے۔ توافق کے معنی ہیں: یکسانیت، ایک دوسرے کے قریب ہونا، ایک دوسرے کے موافق ہونا اور تقریبی کے معنی ہیں: تخمینہ، قریب قریب، اور توافق تقریبی کے معنی ہیں: ایک گو نہ ہم آہنگی، تخمینہ یکسانیت۔

دنیا کی مختلف شاعریوں میں بہمہ وجہ ہم آہنگی اور یکسانیت نہیں ہے، بلکہ باہم شدید اختلافات ہیں، مثلاً عربی شاعری میں حشو میں زحافات کی گنجائش ہے، فارسی میں اس کی گنجائش نہیں، اسی طرح اور بہت سی باتیں ہیں جو عربی اور فارسی شاعری میں مختلف فیہ ہیں، شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں، اور خلاصہ یہ نکالا ہے کہ مختلف منظوم کلاموں کے درمیان مشترک چیز تخمینہ توافق ہی ہے، تحقیقی یعنی بہمہ وجہ توافق نہیں ہے۔ اور اسی تقریبی توافق کی وجہ سے عربی اور فارسی دونوں شاعریوں میں حلاوت اور مٹھاس پائی جاتی ہے۔

اور ہندی شاعری تو عربی اور فارسی شاعری سے بالکل جداگانہ ہے، جس میں صرف حروف کی کتنی دیکھی جاتی ہے، حرکات و سکنات کا لحاظ نہیں کیا جاتا، اس میں بھی حلاوت و لذت ہے۔ اور بعض دیہاتی تو مزے لے کر راگ الاپتے ہیں، جن کے نہ اوزان کا ٹھکانا ہوتا ہے نہ ردیف کا، مگر وہ ان کو قصائد کی طرح خوب مزے لے کر پڑھتے ہیں۔ غرض دنیا کی ہر قوم کی شاعری کا انداز الگ ہے، مگر لطف و مزہ سب میں ہے، پس یہ بات تسلیم کرنی ہوگی کہ مختلف منظوم کلاموں کے درمیان بس تخمینہ اور تقریبی توفیق ہی قدر مشترک ہے۔

آگے عبارت میں چونکہ اصطلاحی الفاظ آئے ہیں، اس لئے ترجمہ سے پہلے ان کی وضاحت ضروری ہے، جو درج ذیل ہے:

صَدْر اور عَجْز کے معنی: فن عروض کی اصطلاح میں شعر کے پہلے مصرع کو صدر اور دوسرے مصرع کو عَجْز کہتے ہیں، جیسے یہ مصرع (ہم کو ملا جو لطف کوئے یار کا) ”صدر“ ہے اور یہ مصرع (کب وہ صبا کو لطف ہے گلزار کا) عَجْز ہے۔

صَدْر، عروض، ابتداء، صَوْب اور حَشْو کے معنی: فن عروض کی اصطلاح میں شعر کے پہلے مصرع کے پہلے جزء اور رکن کو ”صدر“ کہتے ہیں — اور پہلے مصرع کے آخری جزء کو ”عروض“ کہتے ہیں — اور دوسرے مصرع کے پہلے جزء کو ”ابتداء“ اور آخری جزء کو ”ضرب“ کہتے ہیں — اور صدر اور عروض یا ابتداء اور ضرب کے درمیان جو اجزاء اور ارکان ہوتے ہیں ان کو ”حشو“ کہتے ہیں، جیسے مذکورہ شعر میں ”ہم کو ملا“ (بروزن مُسْتَفْعِلُنْ) صدر ہے۔ اور ”جو لطف کو“ (بروزن مُسْتَفْعِلُنْ) حشو ہے۔ اور ”ئے یار کا“ (مُسْتَفْعِلُنْ) عروض ہے، اور ”کب وہ صبا“ (مُسْتَفْعِلُنْ) ابتداء ہے، اور ”کو لطف ہے“ (مُسْتَفْعِلُنْ) حشو ہے، اور ”گلزار کا“ (مُسْتَفْعِلُنْ) ضرب ہے۔

نوٹ: جس بحر میں چار ارکان ہوں اس میں حشو نہیں ہوتا۔

سَبَب، وَتَد اور فاصلہ کے معنی: فن عروض کی اصطلاح میں دو حرفی کلمہ کو ”سبب“ (رسی) کہتے ہیں، پھر سَبَب کی دو قسمیں ہیں: (۱) سبب خفیف (۲) اور سبب ثقیل، ایسے دو حرفی کلمہ کو جس کا آخری حرف ساکن ہو سبب خفیف کہتے ہیں، جیسے فنی، من، مذ، لم، اور اگر دونوں حرف متحرک ہوں تو اس کو سبب ثقیل کہتے ہیں، جیسے مَعَ، لَک، اَر — اور تین حرفی کلمہ کو

”وَتَد“ (میخ، کیل) کہتے ہیں، پھر وَتَد کی دو قسمیں ہیں: (۱) وَتَد مجموع (۲) وَتَد مفروق، جس میں حرفی کلمہ کے پہلے دونوں حرف متحرک اور تیسرا حرف ساکن ہو اس کو وَتَد مجموع کہتے ہیں: جیسے عَلٰی، اَقِم، اور اگر بیچ کا حرف ساکن ہو تو اس کو وَتَد مفروق کہتے ہیں، جیسے ظَهَرَ، خَفِيَ، حَيْثُ، اَمْسَ — اور چار یا پانچ حرفی کلمہ کو فاصلہ کہتے ہیں، پھر فاصلہ کی دو قسمیں ہیں (۱) فاصلہ صغریٰ (۲) اور فاصلہ کبریٰ، اگر پہلے تین حرف متحرک اور چوتھا حرف ساکن ہو تو اس کو فاصلہ صغریٰ کہتے ہیں، جیسے ضَرْبَتْ اور مَعَ مَنْ اور جَبَلٌ (یہ بھی چار حرفی کلمہ ہے کیونکہ اس کا تلفظ اس طرح ہوتا ہے: جَبَلُنْ) اور اگر پہلے چار حرف متحرک اور پانچواں حرف ساکن ہو تو اس کو فاصلہ کبریٰ کہتے ہیں، جیسے ضَرْبَكُمْ، سَمَكَةٌ (یہ بھی پانچ حرفی کلمہ ہے، کیونکہ اس کا تلفظ اس طرح ہوتا ہے: سَمَكُنْ) — مذکورہ بالا تمام اقسام اس مقولہ میں پائے جاتے ہیں، لَمْ اَرَ عَلٰی ظَهَرَ جَبَلٌ سَمَكَةٌ (میں نے کسی پہاڑ کی پشت پر کوئی مچھلی نہیں دیکھی)

زحاف اور عِلَّتْ کے معنی: اشعار کے اجزاء اور ارکان میں جو تغیر ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) زحاف (۲) علت، زحاف اس تغیر کو کہتے ہیں جو سبب خفیف یا ثقیل کے دوسرے حرف میں ہوتا ہے، زحاف ہمیشہ حشو میں ہوتا ہے اور لازم نہیں ہوتا، یعنی ایک شعر میں اگر زحاف ہو اہو تو دوسرے شعر میں زحاف کا ہونا ضروری نہیں — اور جو تغیر عروض اور ضرب یعنی مصرع کے آخری رکن میں ہوتا ہے اس کو علت کہتے ہیں، علت، اسباب و اوتاد دونوں میں ہوتی ہے اور لازم ہوتی ہے یعنی قصیدے کے پہلے شعر میں جو تغیر ہوا ہو وہ قصیدے کے تمام اشعار میں ہوگا۔

زحاف مُنْفَرِدٌ اور مُزْدَوِج کے معنی: زحاف کی دو قسمیں ہیں (۱) منفرد (۲) اور مزدوج، اگر کسی رکن میں ایک ہی جگہ تغیر ہوا ہو، تو اس کو زحاف منفرد کہتے ہیں، اور اگر ایک ہی رکن میں دو جگہ تغیر ہوا ہو تو اس کو زحاف مزدوج کہتے ہیں، پھر زحاف منفرد کی آٹھ قسمیں ہیں: (۱) خَبْنٌ (۲) وَفْصٌ (۳) اِضْمارٌ (۴) طَى (۵) قُبْضٌ (۶) عَقْلٌ (۷) عَضْبٌ (۸) اور كُفٌّ اور زحاف مزدوج کی چار قسمیں ہیں: (۱) خَبْلٌ (۲) خَزْلٌ (۳) شَكْلٌ (۴) اور نَقْصٌ۔

خَبْنٌ، وَفْصٌ، اِضْمارٌ اور طَى کے معنی: جس رکن کے شروع میں سبب خفیف ہو اس کے دوسرے حرف کو حذف کرنے کا نام خَبْنٌ ہے، جیسے مُسْتَفْعِلُنْ کی سین کو حذف کیا جائے

تو مُتَفَعِّلُنْ باقی رہتا ہے، اور مَفَاعِلُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے۔ اور جس رکن کے شروع میں سبب ثقیل ہو اس کے دوسرے حرف کو گرانے کا نام وقص ہے، جیسے مُتَفَاعِلُنْ کی تاء کو گرایا جائے تو مَفَاعِلُنْ ہو جاتا ہے۔ اور جس رکن کے شروع میں سبب ثقیل ہو اس کے دوسرے حرف کو ساکن کرنے کا نام اضمار ہے، جیسے مُتَفَاعِلُنْ کی تاء کو ساکن کیا جائے تو مُتَفَاعِلُنْ ہو کر مُسْتَفَعِّلُنْ ہو جاتا ہے۔ اور جس رکن کے شروع میں سبب خفیف مکرر ہو اس کے چوتھے حرف کو گرانے کا نام طی ہے، جیسے مُسْتَفَعِّلُنْ کی فاء کو گرایا جائے تو مُسْتَعِلُنْ ہو کر مُفْتَعِّلُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے۔

قبض، عقل، عصب اور کف کے معنی: کسی رکن کے پانچویں حرف ساکن کو حذف کرنے کا نام قبض ہے، جیسے فَعُولُنْ کی نون کو حذف کیا جائے تو فَعُولُ ہو جاتا ہے، اور مَفَاعِلُنْ کی یاء کو گرایا جائے تو مَفَاعِلُنْ ہو جاتا ہے۔ اور کسی رکن کے پانچویں حرف متحرک کو گرانے کا نام عقل ہے، جیسے مُفَاعِلَتُنْ کے لام کو گرایا جائے تو مُفَاعِلَتُنْ ہو کر مَفَاعِلُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے۔ اور کسی رکن کے پانچویں حرف متحرک کو ساکن کرنے کا نام عصب ہے، جیسے مُفَاعِلَتُنْ کے لام کو ساکن کیا جائے تو مُفَاعِلَتُنْ ہو کر مَفَاعِلَتُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے۔ اور کسی رکن کے ساتویں حرف ساکن کو گرانے کا نام کف ہے، جیسے فَاعِلَاتُنْ کی نون کو گرایا جائے تو فَاعِلَاتُ ہو جاتا ہے۔

خَبَل، خَزَل، شُكْل اور نَقَص کے معنی: اگر کسی رکن میں خبن اور طی دونوں اکٹھا ہوں تو اس کو خبل کہتے ہیں، جیسے مُسْتَفَعِّلُنْ کی سین کو خبن کی وجہ سے اور اس کی فاء کو طی کی وجہ سے حذف کیا جائے تو مُتَعِلُنْ باقی رہتا ہے اور فَعِلَتُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی رکن میں اضمار اور طی جمع ہوں تو اس کو خزل کہتے ہیں، جیسے مُتَفَاعِلُنْ کی تاء کو اضمار کی وجہ سے ساکن کیا جائے اور الف کو طی کی وجہ سے گرایا جائے تو مُتَفَعِّلُنْ باقی رہتا ہے اور مُفْتَعِّلُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے۔ اور کسی رکن میں خبن اور کف جمع ہوں تو اس کو شُكْل کہتے ہیں، جیسے مُسْتَفَعِّلُنْ کی سین کو خبن کی وجہ سے اور نون کو کف کی وجہ سے گرایا جائے تو مُتَفَعِّلُ ہو جاتا ہے، اور فَاعِلَاتُنْ کے الف اور اس کی نون کو گرایا جائے تو فَعِلَاتُ ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی رکن میں عصب اور کف جمع ہوں تو اس کو نَقَص کہتے ہیں، جیسے مُفَاعِلَتُنْ کے لام کو عصب کی وجہ سے

سے ساکن کیا جائے اور نون کو کف کی وجہ سے حذف کیا جائے تو مُفَاعَلْتُ ہو کر مَفَاعِلُ کے وزن پر ہو جاتا ہے۔

قافیہ کی تعریف: آخری دو ساکنوں سے پہلے جو حرف متحرک ہو وہاں سے آخر شعر تک جتنے حروف ہیں ان کے مجموعہ کو قافیہ کہتے ہیں (ہی مِنَ المتحرك قبل الساكنين الى آخر البيت) اور کبھی پورا کلمہ قافیہ ہوتا ہے، اور کبھی بعض کلمہ، جیسے درج ذیل شعر میں ”خَوَمَل“ پورا کلمہ قافیہ ہے:

فَقَاتَبَكَ مِنْ ذِكْرِي حَبِيبٌ وَمَنْزِلٌ بِسْفِطِ اللُّوْى بَيْنَ الدَّخُولِ فَخَوَمَلٌ
اور درج ذیل دوسرے شعر میں ”قَارِبُهُ“ بعض کلمہ قافیہ ہے
وَمَا مِثْلُهُ فِي النَّاسِ إِلَّا مَمْلُكًا أَبُو أُمِّهِ حَتَّى أَبُوهُ يَقَارِبُهُ.

رَوِی کی تعریف: قافیہ کا اصلی حرف جس پر قافیہ کا مدار ہوتا ہے، اور جس کی طرف قافیہ کی نسبت کی جاتی ہے اس کو رَوِی کہتے ہیں، جیسے مذکورہ بالا دونوں اشعار میں سے پہلے شعر میں حرف لام رَوِی ہے، اور دوسرے شعر میں حرف باء رَوِی ہے۔

مُقَيَّدہ، مطلقہ، مُرَدَّفہ اور موصولہ کے معنی: اگر رَوِی ساکن ہو تو اس کو مقید اور قافیہ کو مقیدہ کہتے ہیں، جیسے کُلُّ غَيْشٍ صَانِدٌ لِلزَّوَالِ — اور رَوِی محترک ہو تو اس کو مطلق اور قافیہ کو مطلقہ کہتے ہیں جیسے خَوَمَلِ — اور رَوِی سے پہلے حرف مدہ یا حرف لین ہو تو اس کو رَدَف اور قافیہ کو مُرَدَّفہ کہتے ہیں — اور رَوِی کے بعد حرف مدہ یا ہائے ساکنہ بلا فسخ ہو تو اس کو وَصَل اور قافیہ کو موصولہ کہتے ہیں، اور مُرَدَّفہ موصولہ کی مثال یہ ہے: وَمِنْ أَيْنَ لِلْوَجْهِ الْمَلِيحِ دُنُوبٌ، اس مصرع میں باء سے پہلے جو واو ہے وہ رَدَف ہے، اور باء کے پیش کو کھینچنے کی وجہ سے جو واو پیدا ہوتا ہے وہ وَصَل ہے، اسی طرح وَقُلْنَا الْقَوْمُ إِخْوَانٌ میں نون سے پہلے جو الف ہے وہ رَدَف ہے اور نون کے پیش کو کھینچنے کی وجہ سے جو واو پیدا ہوتا ہے وہ وَصَل ہے اور نُوبٌ اور وَاوٌ میں سے ہر ایک قافیہ مُرَدَّفہ موصولہ ہے (یہ تمام تعریفات اور معانی محیط الدائرۃ اور اس کے حواشی سے ماخوذ ہیں)

ردیف کی تعریف: فن عروض کی اصطلاح میں ردیف اس کلمہ کو کہتے ہیں جو غزل کے مطلع کے دونوں مصرعوں میں اور ہر شعر کے آخر میں قافیہ کے پیچھے بار بار آتا ہے، جیسے قمر سنبھلی

صاحب کے درج ذیل نعتیہ کلام میں ”کی روشنی“ ردیف ہے، اور اس سے پہلے قافیہ ہے:
 غارِ حراء سے ابھری جو بخت کی روشنی ÷ پھیلی زمانہ بھر میں حقیقت کی روشنی
 جس در سے ہم نے پائی شریعت کی روشنی ÷ اس در سے ہی ملے گی سیاست کی روشنی
 عشرِ عَشیر بھی کہیں اس کا نہ مل سکا ÷ اُمی لقب سے پائی جو حکمت کی روشنی
 پھوٹی دلیل بن کے شہادت کے واسطے ÷ پشتِ نبی سے مہرِ نبوت کی روشنی
 ابھری کچھ اس طرح کہ زمانہ پہ چھا گئی ÷ ارضِ حرم سے شمعِ رسالت کی روشنی

التوافق التقريبيُّ هو الأمر المشترك

بَيْنَ مُخْتَلَفِ الْكَلَامِ الْمَنْظُومِ

وإذا أردنا أن ننتزع من بين هذه الرسوم والمذاهب المختلفة أمراً جامعاً مشتركاً، وتاملنا السَّرَّالمتشتر الشامل فيها، وجدنا أنه هو التوافق التقريبي، لا غير، لأن العرب يستعملون مَفَاعِلُنْ ومُفْتَعِلُنْ مكانَ مُسْتَفْعِلُنْ، ويعتبرون فَعِلَاتُنْ بدلَ فاعِلَاتُنْ وفق القاعدة، ويجعلون موافقةً ضَرْبِ بَيْتٍ بضربِ بَيْتٍ آخر، وموافقةً عَرُوضِ بَيْتٍ بعروضِ بَيْتٍ آخر، أمراً مهماً؛ ويُجَوِّزون زحافات كثيرةً في الحشو بخلاف شعراء الفُرس، فإن الزحافات عندهم مستهجنة. وكذلك تستحسن العرب كونَ القافية في البيتِ ”قبوراً“ وفي البيتِ الآخرِ ”منيراً“ بخلاف شعراء العجم.

وهكذا يرى الشعراء العرب أن ”حاصل“ و”داخل“ و”نازل“ من قسم واحد، بخلاف الشعراء العجم.

وكذلك وقوعُ كلمةٍ واحدةٍ بين شَطْرَي البيتِ، بحيثُ يكونُ نصفُها في الصدرِ والنصفُ الآخرُ في العَجْزِ صحيحٌ عند العرب، لا عند العجم.

وقد لَكُةُ القولِ: أن الأمرَ الجامعَ المشتركَ بين الكلامِ المنظومِ العربيِّ والفارسيِّ هو التوافقُ التقريبيُّ، لا التوافقُ التحقيقي.

وقد وضعَ الهنودُ أوزانَ شعرهم على عددِ الحروفِ بدونِ ملاحظةِ الحركاتِ

والسكنات، وهى ايضا تمنح لذة وحلاوة، وقد سَمِعْنَا بعض اهل البدَاوَةِ يختارون فى تغريداتهم التى يتلذذون بها، كلامًا متوافقًا بتوافقي تقريبى، اورديفًا — تارة يكون كلمة واحدة، واخرى يزيد عليها — ويُشِدُّونها مثل القصائد، ويتلذذون بها؛ ولكل قوم أسلوب خاص فى كلامهم المنظوم.

ترجمہ: مختلف منظوم کلاموں کے درمیان امر مشترک توافق تقریبی ہے: اور جب ہم ان مختلف رواجوں اور طریقوں سے جامع امر جو ان میں مشترک ہے نکالنے کا ارادہ کریں، اور اس مشترک راہ میں غور کریں جو سب کو عام ہے تو ہم پائیں گے کہ وہ صرف تقریبی توافق ہے، اس لئے کہ عرب مَفَاعِلُنْ اور مُفْتَعِلُنْ کو مُسْتَفْعِلُنْ کی جگہ استعمال کرتے ہیں (کیونکہ مُسْتَفْعِلُنْ کی سین جب ضن کی وجہ سے گر جاتی ہے، تو وہ مَفَاعِلُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے، اور مُسْتَفْعِلُنْ کی فاء جب طی کی وجہ سے گر جاتی ہے تو مُفْتَعِلُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے) اور فَاعِلَاتُنْ کے بدلے فَعِلَاتُنْ کو قاعدے کے موافق سمجھتے ہیں (کیونکہ فَاعِلَاتُنْ کا الف جب ضن کی وجہ سے گر جاتا ہے تو فَعِلَاتُنْ ہو جاتا ہے) اور (عرب) ایک شعر کی ضرب کی دوسرے شعر کی ضرب کے ساتھ موافقت کو اور ایک شعر کے عروض کی دوسرے شعر کے عروض کے ساتھ موافقت کو بہت اہمیت دیتے ہیں، اور حشو میں زحافات (تغییرات) کثیرہ کو جائز سمجھتے ہیں، برخلاف فارسی شعراء کے، کیونکہ ان کے نزدیک زحافات قبیح ہیں (یعنی عربی شعراء صرف مصرع کے آخری جزء کی موافقت کو ضروری سمجھتے ہیں، اور درمیان میں تغیرات کثیرہ کو جائز سمجھتے ہیں، مگر فارسی شعراء زحافات کو اچھا نہیں سمجھتے)

اسی طرح عرب شعراء اس کو اچھا سمجھتے ہیں کہ ایک شعر میں قافیہ ”قبورا“ ہو، اور دوسرے شعر میں ”مُنْبِرًا“ ہو، برخلاف شعراء عجم کے (کہ وہ اس کو اچھا نہیں سمجھتے) اسی طرح شعراء عرب سمجھتے ہیں کہ حاصل، داخل، اور نازل ایک ہی قسم میں سے ہیں (یعنی تینوں لفظ ہم قافیہ ہیں) برخلاف شعراء عجم کے (کہ وہ ان کو ہم قافیہ نہیں سمجھتے) — مگر یہ شاہ صاحب کا خیال ہے، میں نے دارالعلوم دیوبند کی تدریس کے زمانہ میں حضرت مولانا معراج الحق صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہما سے دریافت کیا تھا کہ ان دونوں باتوں میں شعراء عرب اور عجم کے درمیان کوئی اختلاف ہے؟ تو دونوں حضرات نے یہی جواب دیا کہ: یہ شاہ صاحب کا خیال ہے، درحقیقت ان دونوں باتوں میں شعراء عرب اور عجم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں)

اور اسی طرح ایک کلمہ کا شعر کے دو مصرعوں کے درمیان اس طرح واقع ہونا کہ آدھا کلمہ پہلے مصرع میں ہو، اور آخری آدھا دوسرے مصرع میں ہو، عربوں کے نزدیک صحیح ہے، نہ کہ عجیوں کے نزدیک۔

اور بات کا خلاصہ: یہ ہے کہ عربی اور فارسی منظوم کلام کے درمیان جامع اور مشترک بات توافق تقریبی ہے، نہ کہ توافق تحقیقی۔

اور اہل ہند نے اپنے اشعار کے اوزان کا مدار حروف کی تعداد پر رکھا ہے، حرکات و سکنات کا لحاظ کئے بغیر، اور یہ بھی لذت اور حلاوت دیتا ہے، اور ہم نے بعض بدویوں کو سنا ہے کہ وہ اپنے گانوں میں جن سے وہ لطف اندوز ہوتے ہیں، ایسا کلام اختیار کرتے ہیں جس میں توافق تقریبی ہوتا ہے، یا ایسی ردیف اختیار کرتے ہیں جو کبھی ایک کلمہ ہوتی ہے، اور کبھی ایک کلمہ سے بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ (بدوی) ان (گانوں) کو قصیدوں کی طرح بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اور ہر قوم کا اپنے منظوم کلام میں ایک خاص انداز ہے۔

لغات:

فَلَذْلِكَةَ: میزان کل، خلاصہ..... مَنَعَهُ الشَّيْءُ (ف، ض) مَنَحًا: دینا، عطا کرنا،..... تَغْرِيدَات؛ تغرید کی جمع ہے: گیت، گانا، غَرَّدَ الطَّائِرُ وَالْإِنْسَانُ تَغْرِيدًا: گانے میں آواز بلند کرنا۔



دوسری قوموں کی شاعریوں میں بھی توافق تقریبی ہے

جس طرح عربی، فارسی اور ہندی کے منظوم کلاموں میں حقیقی توافق نہیں ہوتا، صرف تقریبی توافق ہوتا ہے، اسی طرح دوسری قوموں کی شاعری میں بھی حقیقی توافق نہیں ہے، صرف تقریبی توافق ہے اور قواعد میں بڑا اختلاف ہے، مثلاً اہل ہند کے یہاں کل چھ راگ ہیں، اور ہر راگ کی پانچ راگنیاں ہیں، اور اہل یونان کے یہاں کل بارہ راگ ہیں، جن کو وہ ”مقامات“ کہتے ہیں، اور ہر راگ کی دو راگنیاں ہیں جن کو شُعَب کہتے ہیں، اور ہر راگنی کے کئی سُر ہیں جن کی تعداد سال کے ایام کے برابر یعنی ۳۶۰ ہے، اگر شاعری میں حقیقی توافق ہو تا تو اہل ہند اور اہل یونان کے راگوں کی تعداد میں اتنا بڑا تفاوت نہ ہوتا کہ اہل ہند کے یہاں کل ۳۶ راگ ہیں، اور

اہل یونان کے یہاں ۳۶۰ راگ ہیں، نیز کچھ خانہ بدوش لوگ ایسے بھی ہیں جو اہل ہند اور اہل یونان کی اصطلاحوں سے نا آشنا ہیں، پھر بھی وہ اپنے گیت خاص انداز میں گاتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مختلف شاعریوں میں صحیح توافق نہیں، صرف تقریبی توافق ہے۔

وهكذا وقع اتفاق الأمم على الالتذاذ بالحنّ ونغمات، وتحقق اختلافهم في قوانين تغريدهم، وأساليب تلحينهم
وقد وضع اليونانيون عددًا من الأوزان، يسمونها "المقامات" واستنبطوا منها أصواتا وشعبًا، ودوّنوا لأنفسهم قنّامبسطًا مفصلاً.
وكذلك وضع الهنود ستة نغمات، وفرّعوا منها نغمات؛ وقد رأينا أهل البدوة منهم الذين لا يعرفون هذين المصطلحين، تفتنوا بحسب سليقتهم لتأليف الكلام وتلحينه، وتغنّوا به من دون أن يضبطوا له الكليات، ويحصروا له الجزئيات.

ترجمہ: اسی طرح ایشی سریلی آوازوں اور راگوں سے لطف اندوز ہونے پر متفق ہیں، اور ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے گانے کے قوانین اور خوش الحانی سے پڑھنے کے طریقوں میں۔
اور اہل یونان نے (گانے کے) چند اوزان (راگ) وضع کئے ہیں، جن کو وہ "مقامات" کہتے ہیں، اور ان راگوں سے بہت سی آوازیں اور قسمیں نکالی ہیں، اور اپنے لئے ایک مبسوط مفصل فن مدون کیا ہے۔
اسی طرح اہل ہند نے چھ راگ مقرر کئے ہیں، اور ان راگوں سے بہت سی راگتیاں نکالی ہیں، اور ہم بدوی لوگوں میں سے بعض کو دیکھتے ہیں — جو ان دونوں اصطلاحوں سے نا آشنا ہیں — کہ انھوں نے اپنے سلیقہ سے نظم کلام اور اس کو خوش الحانی سے پڑھنے کے (طریقہ) کو سمجھ لیا ہے، اور اسی (طریقہ) پر گاتے ہیں، مگر انھوں نے اس کے لئے نہ کلمات کو محفوظ کیا ہے، نہ اس کے لئے جزئیات کا احاطہ کیا ہے۔

لغات:

الْحَنّ؛ لحن کی جمع ہے: سریلی آواز، خوش خوانی..... نَغَمَات؛ نَغْمَةٌ وَنَغْمَةٌ کی جمع ہے: راگ..... تَلْحِينٌ: خوش الحانی سے پڑھنا، گانا..... مَقَامَات؛ مقام کی جمع ہے: ٹھہرنے کی جگہ

راگ، أَصَوَاتٍ؛ صَوْتٌ کی جمع ہے: آواز، سُر شُعَبٌ؛ شُعْبَةٌ کی جمع ہے: شاخ، قسم، راگنی تَقَطَّنَ لِكَلَامِهِ: سمجھنا ضَبْطَةٌ (ن، ض) ضَبْطًا: خوب حفاظت کرنا۔

☆

☆

☆

گفتگو کا خلاصہ

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مختلف قوموں کے منظوم کلاموں اور راگوں کے بارے میں جو تفصیل ماقبل میں پیش کی گئی ہے، اس کو سامنے رکھ کر اگر ہم سوچیں اور غور کریں، تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مختلف منظوم کلاموں میں قدر مشترک چیز تو اتنی قریبی ہے، اور عقل انسانی کو اسی قدر مشترک چیز سے دلچسپی ہے، مردفہ موصولہ قافیوں سے کوئی دلچسپی نہیں، اور ذوق سلیم اسی حلاوت کو چاہتا ہے، بحر طویل اور مدید سے اس کو کوئی واسطہ نہیں۔

وَإِذَا حَكَمْنَا الْحَدْسَ بَعْدَ هَذِهِ الْمُلَاحَظَاتِ، لَمْ نَجِدِ الْأَمْرَ الْمَشْتَرَكِ سِوَى التَّوَافُقِ التَّقْرِيبِيِّ؛ وَلَا غَرَضٍ لِلْعَقْلِ إِلَّا بِذَلِكَ الْمَنْتَزِعِ الْإِجْمَالِي، وَلَا هَمٌّ لَهُ فِي تَفَاصِيلِ الْقَوَافِي الْمُرْدَفَةِ الْمَوْصُولَةِ؛ وَلَا يَحِبُّ الذُّوقُ السَّلِيمُ إِلَّا تِلْكَ الْحَلَاوَةَ الْمَحْضَةَ وَالْعَذُوبَةَ الْخَالِصَةَ، وَلَا عِلَاقَةَ لَهُ بِطَوِيلِ الْبَحْرِ وَمَدِيدِهِ.

ترجمہ: اور جب ہم حدس کو حکم بنائیں ان معروضات کے بعد، تو ہم توافقی قریبی کے سوا کوئی چیز مشترک نہیں پائیں گے، اور عقل کو کوئی غرض نہیں مگر اس نکالی ہوئی اجمالی چیز سے، اور اس کو کوئی دلچسپی نہیں مردفہ موصولہ قافیوں کی تفصیل سے، اور ذوق سلیم نہیں چاہتا مگر اسی خالص حلاوت اور خالص شربنی کو، اور اس کو کوئی واسطہ نہیں بحر طویل اور بحر مدید سے۔

لغات:

حَكْمَةٌ: حکم بنانا الْحَدْسُ: دانائی، زیرکی، ذہن کا مطلوب کی طرف دفعۃً منتقل ہونا مُلَاحَظَاتٍ؛ ملاحظہ کی جمع ہے: معروض، پیش کردہ بات الْمَحْضَةُ: خالص بحر طویل یہ ہے: فَعُولُنْ مَفَاعِيلُنْ فَعُولُنْ مَفَاعِيلُنْ دو مرتبہ اور بحر مدید یہ ہے: فَاعِلَاتُنْ فَاعِلَاتُنْ فَاعِلَاتُنْ دو مرتبہ۔

☆

☆

☆

قرآن کریم نے مشترک حسن اجمالی کی رعایت کی ہے

جب خلاق عالم نے — جن کی قدرت بلند و بالا ہے — انسان سے — جو ایک مشت خاک ہے — گفتگو کرنے کا ارادہ فرمایا تو صرف اس حسن اجمالی اور مشترک خوبی کو پیش نظر رکھا جو مختلف اقوام کے منظوم کلام میں پائی جاتی ہے، ان سانچوں اور پیانوں کا لحاظ نہیں فرمایا جو ایک قوم کے نزدیک پسندیدہ ہیں تو دوسری قوم کے نزدیک ناپسندیدہ۔ اور جب مالک الملک نے انسانوں کی طرح گفتگو کرنا چاہا تو اسی سادہ بنیاد کو اور مشترک راز کو ملحوظ رکھا جو مختلف شاعریوں میں پایا جاتا ہے، اُن قواعد و قوانین کی پابندی نہیں کی جو زمانے اور طور و طریق کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔

اور اصطلاحی قواعد سے چپٹنے کی بنیاد عجز و جہل ہے یعنی جو قواعد کی پابندی کئے بغیر کلام میں حسن پیدا کرنے کا طریقہ نہیں جانتا اور عاجز ہے وہ قواعد سے چپٹتا ہے، اور ان کے سہارے کلام میں مطلوبہ خوبی پیدا کرتا ہے، کیونکہ شاعری کے مقررہ قواعد کے توسط کے بغیر کلام میں حسن اجمالی اور فنی خوبی پیدا کرنا — اس طرح کہ ہر نشیب و فراز میں انداز بیان یکساں رہے، اور میدانوں میں اور گھاٹیوں میں کلام ضائع نہ ہو — محال اور ناممکن ہے۔ ہم برابر دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کوئی طویل کلام کرتا ہے تو وہ یکساں نہیں ہوتا بلکہ کوئی جملہ فصیح، کوئی غیر فصیح، کوئی صحیح، کوئی غیر صحیح، کوئی سچا کوئی جھوٹا، کوئی موافق کوئی ناموافق کوئی مطابق حال کوئی غیر مطابق حال اور کبھی باہم متناقض کلام ہوتا ہے۔ انسان ایک حال میں نہیں رہتا کبھی غصہ میں ہوتا ہے کبھی مہربان، کبھی خوش دل ہوتا ہے کبھی تنگ دل، کبھی انبساط ہوتا ہے کبھی انقباض اور آدمی جس حالت میں ہوتا ہے اسی حالت کے موافق کلام کرتا ہے، ایک حالت میں دوسری حالت کا دھیان نہیں رہتا، یہ اللہ ہی کی شان ہے کہ ان کا کلام ہر حال میں یکساں رہتا ہے وہ اس پر پوری طرح قادر ہیں کہ مقررہ قواعد و ضوابط کی پابندی کے بغیر اپنے کلام میں حسن و خوبی پیدا کریں۔ اس کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ کلام اللہ کو سامنے رکھ کر ایک بنیاد منترع کرتے ہیں اور ایک ضابطہ بناتے ہیں، جس کا اللہ پاک نے اپنے کلام میں لحاظ فرمایا ہے۔

اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر سورتوں میں سانس کی درازی کا لحاظ فرمایا ہے،

عروضیوں کی بحروں کا لحاظ نہیں فرمایا، اسی طرح فاصلوں (آیات کے آخری کلمات) میں اس بات کا لحاظ فرمایا ہے کہ سانس حرف مدہ پر یا اس حرف پر جا کر ختم ہو جس پر حرف مدہ تکیہ کرتا ہے، فن قافیہ کے قواعد کی رعایت نہیں کی۔
اور یہ بات بھی وضاحت طلب ہے، آگے اسکی وضاحت آرہی ہے، قارئین اس کو بغور پڑھیں۔

مرعاة القرآنِ الکریم للحسنِ الإجمالی المشترك

ولما أراد الخلاق — جلّت قدرته — أن يُخاطبَ الإنسانَ المخلوق من قُبضة طين، نظر إلى ذلك الحسنِ الإجمالی والجمالِ المشتركِ فحَسَبُ، ولم ينظر إلى قوالب مستحسنة عند قوم دون قوم؛ وحينما شاء مالكُ المُلْك أن يتكلمَ على منْهَجِ الآدميين، لاحظ ذلك الأصلَ البسيطَ والسرَ المشتركَ، ولم يراعِ هذه القوانينَ المتغيرة بتغيرِ الأدوارِ والأطوارِ
ومبنى التمسُّكِ بالقوانينِ الاصطلاحية هو العَجْزُ والجهلُ؛ وتحصيلُ تلك الحسنِ الإجمالی والجمالِ الفنى بدونِ تَوْسُطِ تلك القواعدِ — بحيث لا يتغير البیانُ فى الوهادِ والأنجادِ ولا يَضِيعُ الكلامُ فى السُّهولِ والجبالِ — معجَزٌ ومُفْجِعٌ، وأنا أنتزعُ من جَوَيانِ الحقِّ تعالى على ذلك السَّنَنِ أصلاً، وأضع منه قاعدةً:
وتلك القاعدةُ: أنه تعالى قد راعى فى أكثرِ السورِ امتدادَ النفسِ لا البحرَ الطویلَ والمديدَ؛ وكذلك اعتبر فى الفواصلِ انقطاعَ النفسِ بالمُدَّةِ، وبما تستقر عليه المدَّةُ، لاقواعدٍ فى القافية.

وهذه الكلمةُ أيضًا تقتضى بسطاً وتفصيلاً فَلْيُلْقِ القارئُ السَّمْعَ لما يُذكر بالتالى :

ترجمہ: قرآن کریم نے مشترک حسن اجمالی کی رعایت کی ہے: اور جب خالق کائنات نے — جن کی قدرت نہایت بڑی ہے — انسان سے گفتگو کرنے کا ارادہ فرمایا، جو ایک مشت خاک سے پیدا کیا گیا ہے؛ تو صرف اس حسن اجمالی اور مشترک خوبی کو پیش نظر رکھا (جس کی وضاحت پہلے گذر چکی ہے) اور ان سانچوں کو پیش نظر نہیں رکھا، جو ایک قوم کے نزدیک پسندیدہ ہیں نہ کہ دوسری قوم

کے نزدیک، اور جب مالک الملک نے انسانوں کے بیچ پرکھام کرنا چاہا؛ تو اسی سادہ بنیاد اور مشترک راز کا لحاظ فرمایا، اور ان قوانین کی رعایت نہیں فرمائی جو زمانوں اور احوال کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔ اور اصطلاحی قوانین کی پابندی کا سبب عاجزی اور جہالت ہے، اور اس حسن اجمالی اور فنی خوبی کو ان قواعد کے توسط کے بغیر حاصل کرنا۔ اس طرح کہ (کلام کے) نشیب و فراز میں، خوش بیانی میں کوئی فرق نہ آئے اور کلام (کی خوبی) میدانوں اور گھاٹیوں میں ضائع نہ ہو۔ عاجز کرنے والا اور لاجواب کرنے والا ہے، اور میں اللہ تعالیٰ کے اس طرز کو اپنانے سے ایک اصل نکالتا ہوں، اور اس سے ایک قاعدہ بناتا ہوں۔

اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اکثر سورتوں میں سانس کی درازی کا لحاظ فرمایا ہے، نہ کہ بحر طویل اور مدید کا، اور اسی طرح فاصلوں میں اعتبار فرمایا ہے سانس کا حرف مدہ اور اس حرف پر ختم ہونے کا جس پر حرف مدہ ٹھہرتا ہے، نہ کہ فن قافیہ کے قواعد کا۔ اور یہ بات بھی وضاحت اور تفصیل چاہتی ہے، لہذا پڑھنے والا غور سے وہ باتیں سنے جو ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

ت:

الْخَلْقُ (میعذہ مبالغہ) پیدا کرنے و؛ یعنی اللہ تعالیٰ..... قَوَالِبُ؛ قَالِبُ وَقَالِبُ کی جمع ہے: سانچہ، ڈھانچہ، فرمہ..... الْحُسْنُ الْاجْمَالِي، الْجَمَالُ الْمُشْتَرِكُ؛ الْاَصْلُ الْبَسِيطُ؛ السِّرُّ الْمُشْتَرِكُ؛ اور الْجَمَالُ الْفَنِّي یہ مختلف تعبیرات ہیں اور ان سے مراد وہ خوبی ہے جو مختلف قوموں کے منظوم کلام میں پائی جاتی ہے، یعنی توافق تقریبی..... الْأَذْوَارُ؛ الدَّوْرُ کی جمع ہے: حرکت، چکر یہاں الدَّوْر سے زمانہ کا ایک حصہ مراد ہے..... الْأَطْوَارُ؛ الطُّوْر کی جمع ہے: حالت، طریقہ..... الْوِهَادُ؛ الْوَهْدَةُ کی جمع ہے: پست زمین، نشیب..... الْاَنْجَادُ؛ النَّجْدُ کی جمع ہے: بلند زمین فراز..... السُّهُولُ؛ السُّهْلُ کی جمع ہے: ہموار زمین، میدانی علاقہ..... الْجِبَالُ؛ الْجَبَلُ کی جمع ہے، پہاڑ، سنگلاخ زمین..... مُعْجِزُ (اسم فاعل) عاجز کرنے والا..... مُفْجِجُ (اسم فاعل) لاجواب کرنے والا..... السَّنَنُ؛ طریقہ، طرز،..... النَّفْسُ (بفتح الفاء) سانس جمع أنفاس..... الْقَوَاصِلُ؛ الْفَاصِلَةُ کی جمع ہے: آیت کا آخری کلمہ..... أَلْقَى إِلَيْهِ السَّمْعُ: کان لگاتا، غور سے سنا..... التَّالِي: پیچھے آنے والا، بالبعد۔

سانس کی فطری درازی قرآن کریم کا وزن ہے

ابھی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر سورتوں میں سانس کی درازی کا لحاظ فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سانس کا اندر جانا اور باہر نکلنا ایک فطری چیز ہے اور سانس کو انسان اپنے اختیار سے لمبا بھی کر سکتا ہے، اور کوتاہ بھی کر سکتا ہے، لیکن اگر اس کو اس کی طبعی رفتار پر چھوڑ دیا جائے تو اس کی ایک محدود درازی ہوتی ہے یعنی سانس اندر جانے کے بعد چند سکنڈ کے بعد باہر نکلتا ہے، یہ دخول و خروج کے درمیان کا وقفہ اس کی درازی ہے۔ اور انسان جب سانس لیتا ہے تو طبیعت میں نشاط اور انبساط پیدا ہوتا ہے، پھر وہ نشاط آہستہ آہستہ کم ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ آخر میں بالکل ختم ہو جاتا ہے اور آدمی تازہ نیا سانس لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اور سانس کی اس درازی کی ایک مبہم حد ہے یعنی متعین تو ہے مگر تقریبی طور پر متعین ہے، تحقیقی طور پر متعین نہیں اور وہ ایک ایسی مقدار کے ساتھ اندازہ کی ہوئی ہے جو سب لوگوں میں مشترک ہے یعنی تقریباً سبھی لوگوں کا سانس اسی قدر دراز ہوتا ہے اور اس کی درازی اس طرح متعین ہے کہ دو تین کلموں کی کمی بیشی مضر نہیں، بلکہ سانس کی جو فطری درازی ہے اس کو کوئی تہائی یا چوتھائی کے بقدر گھٹا بڑھانا چاہے تو آسانی سے گھٹا بڑھا سکتا ہے، اور آدمی جو شعر پڑھتا ہے اس میں او تادو اسباب کی کمی بیشی کی بھی گنجائش ہے یعنی لہذا شعر بھی ایک سانس میں پڑھ سکتا ہے اور چھوٹا شعر بھی، اسی طرح بعض ارکان کو بعض پر مقدم کرنے سے بھی پڑھنے میں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ غرض سانس کی اس فطری درازی کو قرآن کریم میں وزن بنایا گیا ہے، اور اسی پر آیات کریمہ کو ڈھالا گیا ہے، پھر اس وزن (سانس کی درازی) کو تین قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے: طویل، قصیر، اور متوسط۔ لمبی آیات جیسے سورہ نساء کی آیات، متوسط آیات جیسے سورہ اعراف و انعام کی آیات اور قصیر آیات جیسے سورہ شعراء اور دخان کی آیات۔ اس طرح سانس کے چھوٹے بڑے کا لحاظ کر کے قرآن کریم میں آیات کو موزون کیا گیا ہے۔

الامتداد النفسی الطبیعی هو الوزن فی القرآن

إعلم أن دخول النفس في الحلقوم وخروجها منه أمر طبيعي في الإنسان، وإن كان تمديدُهُ وتقصيرُهُ من مقدوره، ولكنه إذا ترك على سجيته فلا بُدَّ له من امتداد

محدود؛ والإنسانَ حينما يتنفسُ يجد النشاط، ثم يَضْمَحِلُّ ذلك النشاط تدريجاً، حتى ينقطع كلياً في آخر الأمر، ويضطر إلى أخذ النفس الجديد الطازج. وهذا الامتداد أمرٌ محدّدٌ بحدٍّ مُبهم، ومقدّرٌ بمقدارٍ مشترك، بحيث لا يضرُّه نقصانٌ كلمتين أو ثلاث، بل ولا نقصانٌ قدرِ الثلث والرابع وكذلك لا يُخرجه عن الحد زيادةٌ كلمتين أو ثلاث، بل ولا زيادةٌ قدرِ الثلث والرابع؛ ويسع فيه اختلاف عدد الأوتاد والأسباب ويُسامح فيه بتقديم بعض الأركان على بعض فُجِعِلَ هذا الامتداد النفسى وزناً، وقُسِمَ على ثلاثة أقسام:

۱- طویل ۲- ومتوسط ۳- وقصیر

أما الطویل: فنحو سورة النساء.
وأما المتوسط: فنحو سورة الأعراف والأنعام.
وأما القصیر: فنحو سورة الشعراء والدخان.

ترجمہ: سانس کی فطری درازی ہی قرآن کریم کا وزن ہے۔ جان لیں کہ گلے میں سانس کا داخل ہونا، اور اس سے سانس کا نکلنا انسان میں ایک فطری چیز ہے، اگرچہ سانس کا دراز کرنا اور کوتاہ کرنا انسان کی قدرت میں ہے، لیکن سانس کو جب اس کے فطری حال پر چھوڑ دیا جائے تو اس کیلئے محدود درازی ضروری ہے، اور انسان جب سانس لیتا ہے، تو انبساط پاتا ہے، پھر وہ انبساط آہستہ آہستہ کم ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ آخر میں بالکل ختم ہو جاتا ہے، اور انسان نیا تازہ سانس لینے پر مجبور ہوتا ہے۔

اور درازی مبہم حد کے ساتھ محدود ہے، اور مشترک مقدار کے ساتھ اندازہ کی ہوئی ہے۔ اس طور پر کہ اس کو دو یا تین کلموں کی کمی کوئی ضرر نہیں پہنچاتی، بلکہ تہائی اور چوتھائی مقدار کے بقدر کمی (بھی) کوئی ضرر نہیں پہنچاتی، اور اسی طرح دو یا تین کلموں کی زیادتی اس کو اس کی حد سے نہیں نکالتی، بلکہ تہائی اور چوتھائی کے بقدر زیادتی بھی اس کو محدود حد سے نہیں نکالتی، اور اس (درازی) میں اوتاد اور اسباب کی تعداد کے مختلف ہونے کی گنجائش ہوتی ہے، اور اس میں (کلام کے) بعض اجزاء کے بعض پر مقدم ہونے کے معاملہ میں چشم پوشی کی جاتی ہے۔

الغرض سانس کی اس درازی کو وزن بنایا گیا ہے، اور اس کو تین قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

۱- طویل ۲- متوسط ۳- اور قصیر

رہی طویل: تو جیسے سورہ نساء، اور رہی متوسط: تو جیسے سورہ اعراف اور انعام، اور رہی قصیر: تو جیسے سورہ شعراء اور دخان۔

لغات:

الحُلقوم: نرخرہ، گلا، سانس کی نالی..... مَسْجِيَةٌ: طبیعت، عادت، حالت..... فَنَشاط: انبساط، فرحت، خوشی..... اِضْمَحَلٌ: نیست و نابود ہونا، کمزور ہونا..... اَوْتَادٌ؛ وَتِدٌ کی جمع ہے اور اَسْبَاب؛ سَبَب کی جمع ہے ان دونوں کے معنی پہلے گذر چکے ہیں..... مَسَامَحَةٌ فِي الْأَمْرِ وَالْأَمْرِ: نرمی کرنا، چشم پوشی کرنا۔

☆

☆

☆

سانس کا حرف مدہ پر ختم ہونا قرآن کریم میں قافیہ ہے

واو، الف اور یاء (جن کا مجموعہ وَاوِیْیَ ہے) جب یہ حروف ساکن ہوں اور ان کے ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو تو یہ حروف مدہ کہلاتے ہیں۔ الف تو ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور اس سے پہلے زیر ہی ہوتا ہے اس لئے وہ صرف حرف مدہ ہوتا ہے البتہ واو اور یاء جب ساکن ہوں اور واو سے پہلے پیش ہو اور یاء سے پہلے زیر ہو تو دونوں حرف مدہ ہوتے ہیں، اور اگر دونوں ساکن ہوں اور ان سے پہلے زیر ہو تو وہ حروف لین کہلاتے ہیں۔ الغرض حروف مدہ سے پہلے ایک ایسا حرف ہونا ضروری ہے جس کی موافق حرکت حروف وَاوِیْیَ کو حروف مدہ بناتی ہے اس لئے حروف مدہ کا اس حرف پر اعتماد اور تکیہ ہوتا ہے۔

اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ پہلے یہ قاعدہ گذرا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیتوں کے فاصلوں میں اس بات کا اہتمام فرمایا ہے کہ سانس حرف مدہ پر اور اس حرف پر ختم ہو، جس پر حرف مدہ کا اعتماد ہے، اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ سانس کا حرف مدہ اور اس حرف پر ختم ہونا جس پر حرف مدہ کا اعتماد اور تکیہ ہوتا ہے ایک ایسا عام قافیہ ہے جس کو بار بار دہرانے سے لذت اور حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ چاہے حرف مدہ کسی جگہ ”الف“ ہو، اور کسی جگہ ”واو“ ہو، اور کسی جگہ ”یا“ ہو، اور خواہ وہ آخری حرف جس پر حرف مدہ کا اعتماد ہوتا ہے کہیں ”با“ ہو تو کہیں ”میم“ یا ”قاف“ ہو،

لِهَذَا يَعْلَمُونَ، مُؤْمِنِينَ اور مُسْتَقِيمٍ سب ہم قافیہ ہیں، اسی طرح خُرُوج، مَرِيج، تَحِيد، تَبَار، فُواق اور عُجَاب بھی ہم قافیہ ہیں، کیونکہ ان تمام کلمات میں سانس حرف مدہ اور اس حرف پر جا کر ختم ہوتا ہے جس پر حرف مدہ کا اعتماد ہے۔

خاتمة النفس على المدة هي القافية في القرآن

وخاتمة النفس على المدة المعتمدة على حرف، هي القافية المتسعة التي يتلذذ الطبع من إعادتها مراراً؛ ولو كانت تلك المدة في موضع "ألفاً" وفي موضع آخر "واواً" أو "ياءً" وسواء كان ذلك الحرف الأخير في موضع "باء" وفي موضع آخر "ميماً" أو "قافاً" يعلمون" و"مؤمنين" و"مستقيم" كلها متوافقة؛ و"خروج" و"مريج" و"تحيد" و"تبار" و"فواق" و"عجاب" كلها على قاعدة.

ترجمہ: سانس کا حرف مدہ پر ختم ہونا قرآن کریم میں قافیہ ہے: اور سانس کا ایسے حرف مدہ پر ختم ہونا جو کسی حرف پر اعتماد رکھتا ہے، ایسا عام قافیہ ہے۔ کہ اس کو بار بار دہرانے سے طبیعت لذت محسوس کرتی ہے، اگرچہ وہ مدہ ایک جگہ "الف" ہو اور دوسری جگہ "واو" یا "ياء" ہو، اور چاہے وہ آخری حرف ایک جگہ "باء" ہو اور دوسری جگہ "میم" یا "قاف" ہو، لہذا يَعْلَمُونَ، مُؤْمِنِينَ اور مُسْتَقِيمٍ سب باہم موافق ہیں، اور خُرُوج، مَرِيج، تَحِيد، تَبَار، فُواق اور عُجَاب سب قاعدے کے مطابق ہیں۔



کلمہ کے آخر میں الف کا آنا بھی قافیہ ہے

جس طرح سانس کا حرف مدہ اور اس حرف پر ختم ہونا جس پر حرف مدہ کا اعتماد ہے قرآن کریم میں قافیہ ہے، اسی طرح کلمہ کے آخر میں الف کا آنا بھی قرآن کریم میں دوسرا عام قافیہ ہے، جس کو بار بار دہرانے سے لذت اور حلاوت محسوس ہوتی ہے، چاہے حرف روی بدلتا رہے، اسی لئے ایک جگہ كَرِيمًا، دوسری جگہ حَدِيثًا اور تیسری جگہ بَصِيرًا کہا جاتا ہے — اور قافیہ کی اس قسم میں کبھی التزام کے بغیر حرف روی میں اتحاد ہو جاتا ہے، جیسے سورہ مريم کے ابتدائی فاصلوں میں الف سے پہلے "یا" ہے، اور سورہ فرقان کے ابتدائی فاصلوں میں الف سے پہلے "راء" اور "لام" ہیں۔

لحوق الألف في آخر الكلمة أيضًا قافيةً

وكذلك لحوق الألف في آخر الكلمة قافيةً متسعةً، في إعادتها لذّة، ولو كان حرف الروي مختلفاً، فيقول في موضع "كریما" وفي موضع آخر "حديثاً" وفي موضع ثالث "بصیراً".

فإن التزم في هذه الصورة موافقة الروي، كان من قبيل: "التزام ما لا يلتزم" كما وقع في أوائل سورة مريم وسورة الفرقان.

ترجمہ: کلمہ کے آخر میں الف کا آنا بھی قافیہ ہے: اور اسی طرح کلمہ کے آخر میں الف کا آنا عام قافیہ ہے، اس کے دہرانے میں لذت ہے، اگرچہ حرف ردی مختلف ہو، چنانچہ ایک جگہ میں کریمًا اور دوسری جگہ میں حدیثًا اور تیسری جگہ میں بصیرًا فرماتے ہیں۔

پھر اگر اس صورت میں ردی کی موافقت کا التزام کیا جائے، تو وہ التزام مالا یلتزم (جو ضروری نہیں تھا اس کو ضروری قرار دینے) کے قبیل سے ہوگا، جیسا کہ سورۃ مریم اور سورۃ فرقان کے ابتدائی فاصلوں میں واقع ہوا ہے۔

نوٹ: ردی کی تعریف اور مثالیں پہلے گزر چکی ہیں۔



آیتوں کے آخر میں ایک ہی حرف کا آنا، اور ایک ہی جملہ کو بار بار لانا لذت بخش ہے

جس طرح ہر کلمہ کے آخر میں الف کا آنا فرحت افزا ہے، اسی طرح ہر آیت کے آخر میں

ایک ہی حرف کا آنا لذت بخش ہے، جیسے سورۃ محمد میں ہر آیت کے آخر میں "میم" ہے اور سورۃ

رحمن میں ہر آیت کے آخر میں "نون" ہے، اس سے بھی طبیعت میں سرور اور فرحت پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح کلام کی ایک مقدار کے بعد ایک ہی جملہ کا بار بار آنا بھی لذت بخش ہے، جیسے

سورۃ شعراء میں ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً، وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ، وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ

الرَّحِيمُ﴾ بار بار آیا ہے، اور سورۃ قمر میں ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي، وَلَقَدْ يَسْرُنَا الْقُرْآنُ

لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ﴾ بار بار آیا ہے، اور سورۃ رحمن میں ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ بار

بار آیا ہے۔ اور سورہٴ مرسلات میں ﴿وَيَلْ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ﴾ بار بار آیا ہے، اس سے بھی طبیعت میں سرور و فرحت پیدا ہوتی ہے، چنانچہ بعض غزلوں اور ترانوں میں فرحت و سرور ہی کی غرض سے مطلع کو بار بار دہرایا جاتا ہے۔

توافق الآيات على حرف واحد وإعادة الجملة مفيداً لذة

وكذلك توافق الآيات على حرف واحد، كحرف "الميم" في سورة القتال، و"النون" في سورة الرحمن يفيد لذة وحلاوة.

وكذلك إعادة جملة بعد طائفة من الكلام مفيداً لذة كما وقع في سورة الشعراء، وسورة القمر، وسورة الرحمن، وسورة المرسلات.

ترجمہ: آیتوں کی ایک حرف میں موافقت، اور ایک جملہ کی تکرار لذت بخش ہے: اسی طرح آیتوں کی ایک حرف میں موافقت، جیسے سورہٴ محمد میں ميم اور سورہٴ حنن میں نون (کی موافقت) لذت اور حلاوت کا فائدہ دیتی ہے، اور اسی طرح ایک جملہ کا کلام کے ایک ٹکڑے کے بعد دہرائالذت بخش ہے، جیسا کہ سورہٴ شعراء، سورہٴ قمر، سورہٴ حنن اور سورہٴ مرسلات میں واقع ہوا ہے۔



کبھی سورت کے آخری فاصلے ابتدائی فاصلوں سے مختلف ہوتے ہیں

کبھی سامع میں نشاط پیدا کرنے کے لئے، اور کلام کی لطافت کو واضح کرنے کے لئے سورت کے آخری فاصلوں کو ابتدائی فاصلوں سے مختلف لایا جاتا ہے، مثلاً سورہٴ مریم کے آخر میں إِذَا هَذَا، وَذَا اور لَذَا جیسے فاصلے آئے ہیں، جو ابتدائی فاصلوں سے مختلف ہیں ابتدائی فاصلے یہ ہیں: زَكْرِيَّا، خَفِيَّا، وَلِيَّا اور رَضِيَّا اور فرقان کے آخر میں سَلَامًا، كَرَامًا، اِمَامًا اور لَزَامًا جیسے فاصلے ہیں، جو ابتدائی فاصلوں سے مختلف ہیں، ابتدائی فاصلے اس طرح ہیں: نَذِيرًا، تَقْدِيرًا، نُسُورًا، زُورًا، اَصِيلًا اور رَجِيمًا، اسی طرح سورہٴ ص کے آخر میں سَاجِدِينَ، كَافِرِينَ، مُنْظَرِينَ اور طِينَ جیسے فاصلے آئے ہیں جو ابتدائی فاصلوں سے مختلف ہیں، کیونکہ ابتدائی فاصلے اس طرح کے ہیں: شَقَاق، مَنَاص، كَذَّاب، عُجَاب اور وَهَّاب.

الغرض جس وزن اور قافیہ کی ماقبل میں وضاحت کی گئی ہے، ان کو اکثر سورتوں میں بہت اہمیت دی گئی ہے۔

اختلاف فواصل آخر السورۃ من أوائلها

وقد بُدِّل فواصل آخر السورۃ أوائلها تَنْشِيطًا لِلْسَامِعِ، وإشعارًا بِلَطَافَةِ الْكَلَامِ،
مثلاً: "إِذَا" و"هَذَا" فی آخر سورۃ مریم؛ ومثل: "سَلَامًا" و"کَرَامًا" فی آخر
سورۃ الفرقان؛ ومثل: "طین" و"ساجدین" و"منظرین" فی آخر سورۃ ص، مع أن
الفواصل فی أوائل هذه السور جاءت مختلفۃ عنها، کمالاً یخفی
فجعل الوزن والقافیۃ اللذان مضی التعبير عنهما مُهِمًّا فی اکثر السور.

ترجمہ: سورت کے آخری فاصلوں کا ابتدائی فاصلوں سے مختلف ہونا: اور کبھی سورت کے
آخری فاصلوں کو اس کے ابتدائی فاصلوں سے مختلف لایا جاتا ہے، سامع میں نشاط پیدا کرنے کے لئے،
اور کلام کی لطافت (خوبی) ظاہر کرنے کے لئے، مثلاً سورۃ مریم کے آخر میں إِذَا اور هَذَا (جیسے فاصلے
ہیں) اور سورۃ فرقان کے آخر میں سَلَامًا اور کَرَامًا (جیسے فاصلے ہیں) اور سورۃ ص کے آخر میں
طین، ساجدین اور منظرین (جیسے فاصلے ہیں) جبکہ ان سورتوں کے ابتدائی فاصلے ان سے مختلف
آئے ہیں، جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

الغرض اُس وزن اور قافیہ کو جن کی وضاحت گزر چکی ہے، اکثر سورتوں میں بہت اہمیت دی گئی ہے

لغات:

نَشْطَةٌ تَنْشِيطًا: نشاط پیدا کرنا..... أَشْعَرَهُ بِالْأَمْرِ: جتنا، خبر دینا۔



فاصلوں کے سلسلے میں قرآن کا انداز

اگر آیت کا آخری کلمہ قافیہ بننے کے لائق ہوتا ہے، تو اسی کو قافیہ بنایا جاتا ہے، ورنہ آیت
کے آخر میں ایسا جملہ بڑھایا جاتا ہے جس میں اللہ کی نعمتوں کا بیان ہوتا ہے یا مخاطب کے لئے
تنبیہ ہوتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ اور ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا

حَکِيمًا اور ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ اور کبھی فرماتے ہیں: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ﴿إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ اور ﴿إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ اور کبھی ایسی جگہوں میں اطناب سے کام لیتے ہیں، جیسے سورہ فرقان کی آیت ۵۹ کے آخر میں ﴿فَسَنَلِيهِ خَيْرًا﴾ کا اضافہ اطناب ہے، کیونکہ اس کو کلام سابق کی مزید وضاحت اور تاکید کے لئے لایا گیا ہے، اور جو کلام مزید وضاحت یا تاکید کی غرض سے لایا جائے اس کو اصطلاح میں اطناب کہتے ہیں۔ اسی طرح سورہ فلق کی آخری آیت ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾ میں ﴿إِذَا حَسَدَ﴾ کا اضافہ اطناب ہے۔

اور کبھی ایسی جگہوں میں تقدیم و تاخیر کی جاتی ہے، جیسے ﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرُؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۴۳) میں تقدیم و تاخیر ہے، کیونکہ رُؤُوف میں مبالغہ زیادہ ہے اور رَحِيم میں کم، لہذا قاعدے کی رو سے رُؤُوف کو مؤخر اور رَحِيم کو مقدم کرنا چاہئے تھا۔ مگر فاصلہ کی رعایت سے رُؤُوف کو مقدم اور رَحِيم کو مؤخر کیا گیا ہے، چنانچہ صاحب جلالین فرماتے ہیں: وَقَدْ مَّ الْاَبْلَغُ لِلْفَاصلَةِ: فاصلہ کی وجہ سے ابلغ کو بلیغ پر مقدم کیا گیا ہے۔

اور کبھی ایسی جگہوں میں قلب و زیادتی کی جاتی ہے، جیسے سورہ صفات کی آیت ۱۳۰ کے آخر میں اِلْيَاس کو ”إِلَى يَاسِينَ“ سے بدلا گیا ہے، اور سورہ تین کی دوسری آیت میں سیناء کو سِينِينَ سے بدلا گیا ہے، یہ دونوں قلب و زیادتی کی مثالیں ہیں، کیونکہ الیاس اور سیناء کے آخر میں یا اور نون کا اس طرح اضافہ کیا گیا ہے کہ ان دونوں کی صورتیں بدل گئی ہیں، اور واحد کے صیغہ جمع جیسے ہو گئے ہیں، اور صرف زیادتی کی مثالیں یہ ہیں: وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونَا (سورہ احزاب آیت ۱۰) اور ﴿وَاطْعَنَّا الرَّسُولَا﴾ (سورہ احزاب آیت ۶۶) اور ﴿فَاضْلُونَا السَّيْلَا﴾ (سورہ احزاب آیت ۶۷) ان تینوں آیتوں کے آخر میں فاصلہ کی رعایت سے الف کی زیادتی کی گئی ہے۔

منهج القرآن في الفواصل

إن كان اللفظ في آخر الآية صالحا للقافية فيها، وإلا وصل بجملة فيها بيان
إلى الله، أو تنبيه للمخاطب، كما يقول: ﴿وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا
حَكِيمًا﴾ ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ﴿إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ

لأُولَى الْأَلْبَابِ ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾

وقد يُطَنَّبُ في مِثْلِ هذه المواضع، مثل: ﴿فَسَنَلِّ بِهِ خَيْرًا﴾ ويستعمل التقديم والتأخير تارة، والقلب والزيادة أخرى، مثل: ﴿إِلَّا يَاسِينَ﴾ في الياس، ﴿وَطُورٍ سِينِينَ﴾ في سيناء.

ترجمہ: فاصلوں میں قرآن کریم کا بیج: اگر آیت کا آخری کلمہ قافیہ کے لائق ہوتا ہے تو اس کو قافیہ بنایا جاتا ہے، ورنہ (آخر میں) ایسا جملہ ملایا جاتا ہے جس میں اللہ کی نعمتوں کا بیان ہو، یا مخاطب کے لئے تنبیہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾، ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾، ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾، ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾، ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولَى الْأَلْبَابِ﴾، ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ اور کبھی ایسی جگہوں میں کلام کو طویل کرتے ہیں، جیسے ﴿فَسَنَلِّ بِهِ خَيْرًا﴾ اور کبھی تقدیم و تاخیر سے کام لیتے ہیں، اور کبھی قلب و زیادتی سے (کام لیتے ہیں) جیسے الیاس میں ﴿إِلَّا يَاسِينَ﴾ اور سیناء میں ﴿وَطُورٍ سِينِينَ﴾



چھوٹی آیتوں کے ساتھ لمبی آیت لانے، یا اس کے عکس کرنے کی حکمت

یہاں یہ جان لینا چاہئے کہ جس کلام میں نئے الفاظ اور جدید کلمات ہوتے ہیں اس کی ادائیگی میں قدرے رکاوٹ اور دشواری ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس کلام کے ادا کرنے میں دیر لگتی ہے، اور جو کلام بار بار دہرایا جاتا ہے، یا جو کہات لوگوں میں رائج ہوتی ہے، اس کی ادائیگی میں روانی اور سہولت ہوتی ہے۔ اور کلام کی روانی اور سلاست طویل کلام کو مختصر کلام کے ہم وزن بنادیتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم کی بعض سورتوں میں کبھی چھوٹی آیتوں کے درمیان کوئی طویل آیت آجاتی ہے، جیسے سورہ نجم کے پہلے رکوع میں چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں، مگر آیت نمبر ۲۳ طویل ہے، اور وہ یہ ہے: ﴿إِنَّ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمِيَتْهُمَا أَنْتُمْ وَآبَاءُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ، إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ، وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى﴾

اسی طرح سورہ بروج میں چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں، مگر آیت ۱۰ اور ادونوں طویل ہیں، اور

وہ یہ ہیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ، إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ، ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ﴾ ان آیتوں کو طویل لانے میں حکمت اور راز یہ ہے کہ ان آیتوں میں جو کلمات استعمال ہوئے ہیں وہ قرآن پاک میں بار بار آئے ہیں اس لئے یہ طویل آیتیں چھوٹی آیتوں کے ہم وزن شمار کی گئی ہیں۔

اودکھی کلام میں حلاوت پیدا کرنے کے لئے شروع کے فقرے آخر کے فقرے سے چھوٹے لائے جاتے ہیں، جیسے سورہ حاقہ میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿خُذْهُ فَعْلُوهُ، ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلْوُهُ، ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ﴾ اسی طرح سورہ مدثر کے بالکل آخر میں ارشاد باری ہے: ﴿كَلَّا إِنَّهُ تَذَكُّرَةٌ، فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرَهُ، وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ﴾ اس قسم کے کلام میں متکلم کا دلی منشا یہ ہوتا ہے کہ جب پہلے فقرے کو دوسرے فقرے کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے گا تو دونوں فقرے مل کر تیسرے فقرے کے برابر ہو جائیں گے۔

السُّرُّ فِي الْآيَةِ الطَّوِيلَةِ مَعَ الْآيَاتِ الْقَصِيرَةِ، وَبِالْعَكْسِ

وَلْيَعْلَمْ ههنا: ان انسجام الكلام وسهولته على اللسان — لكونه مثلاً سائراً أولئك ذكره في الآية — يجعل الكلام الطويل موزوناً مع الكلام القصير. وربما يؤتى بالفقر الأول أقصر من الفقر التالية، وهو يفيد عذوبة في الكلام نحو قوله تعالى: ﴿خُذْهُ فَعْلُوهُ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلْوُهُ، ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ﴾ فكان المتكلم يضم في نفسه في مثل هذا الكلام: أن الفقرة الأولى مع الثانية في كِفَّةٍ والفقرة الثالثة وحدها في كفة.

ترجمہ: چھوٹی آیتوں کے ساتھ لمبی آیت (لانے) اور اس کے برعکس (کرنے) کا راز: اور چاہئے کہ جانا جائے یہاں کہ کلام کی روانی، اور زبان پر اس کی آسانی — اس کے رائج کہات ہونے کی وجہ سے، یا آیت میں اس کا بار بار ذکر آنے کی وجہ سے — طویل کلام کو مختصر کلام کے ہم وزن بنا دیتی ہے۔

اور کبھی شروع کے فقرے پچھلے فقروں سے چھوٹے لائے جاتے ہیں، اور یہ کلام میں حلاوت کا فائدہ دیتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ، ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ﴾ گویا شکم اس جیسے کلام میں اپنے دل میں یہ ارادہ کرتا ہے کہ پہلا فقرہ دوسرے فقرے کے ساتھ ایک پلڑے میں ہے، اور تیسرا فقرہ تہا ایک پلڑے میں ہے۔

لغات:

إِنْسِيخَام: روانی، سلاست، إِنْسَجَمَ الماءُ: بہنا، إِنْسَجَمَ الكلامُ: کلام کا مرتب ہونا، السَّائِرُ: رائج، سَارَ (ض) سَيْرًا: چلنا، سفر کرنا، الموزون: ہم وزن، أَضْمَرَ الْأَمْرَ: چھپانا، پوشیدہ کرنا، أَضْمَرَ فِي نَفْسِهِ شَيْئًا: دل میں کسی چیز کا عزم و ارادہ کرنا، الْبِكْفَةُ وَالْكُفَّةُ مِنَ الْمِيزَانِ: ترازو کا پلڑا۔



تین حصوں والی آیت

کبھی کوئی آیت تین پایوں والی ہوتی ہے یعنی اس میں تین حصے ہوتے ہیں۔ اگر ہر حصہ کو الگ پڑھا جائے تو کوئی آیت طویل نہیں ہوگی مگر عام لوگ ایک حصہ کو دوسرے حصہ کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں تو پہلی آیت طویل معلوم ہوتی ہے اور دوسری چھوٹی ہو جاتی ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ: فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ — وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (سورہ آل عمران آیت ۱۰۶ تا ۱۰۷) اس ارشاد میں تین جزء ہیں پہلا ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ الخ اور تیسرا ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ الخ اگر ہر جزء کو الگ پڑھا جائے تو کوئی آیت طویل نہ ہوگی، اسی طرح سورہ فاتحہ میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ — صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ — غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾، اس ارشاد میں بھی تین جزء ہیں، پہلا ﴿إِهْدِنَا﴾ الخ دوسرا ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ﴾ الخ اور تیسرا ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ﴾ الخ اگر ہر جزء کو الگ الگ پڑھا جائے تو کوئی آیت طویل نہ ہوگی۔ مگر لوگ آخری دو حصوں کو ملا کر ایک ساتھ پڑھتے

ہیں اس لئے آخری آیت طویل ہو جاتی ہے۔

الآیۃ ذات القوائِم الثلاث

وربما تكون الآیۃ ذات قوائِم ثلاث، نحو قوله تعالى: ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ الْآیۃُ، وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ الْآیۃُ﴾ والعامۃ يصلون الأولى مع الثانية فيحسبونها طويلة.

ترجمہ: تین پایوں والی آیت: اور کبھی کوئی آیت تین پایوں (حصوں) والی ہوتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ الْآیۃُ، وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ الْآیۃُ﴾، اور عام لوگ پہلے پایہ (حصہ) کو دوسرے پایہ (حصہ) کے ساتھ مادیتے ہیں اور اس کو طویل گمان کرتے ہیں۔



دو وفاصلوں والی آیت

جن طرح شعراء کبھی ایک شعر میں دو قافیے لاتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کبھی ایک آیت میں دو وفاصلے لاتے ہیں، جیسے سورہ رحمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿رَبِّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾ (آیت ۷۱) اور سورہ واقعہ میں ہے: ﴿فَأَصْحَبُ الْمِیْمَنَةِ مَا أَصْحَبُ الْمِیْمَنَةِ﴾ (آیت ۸) ﴿وَأَصْحَبُ الشِّمَالِ مَا أَصْحَبُ الشِّمَالِ﴾ (آیت ۴۱) اور سورہ نوح میں ہے: ﴿وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا، وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا﴾ (آیت ۱۶) ﴿وَقَدْ أَصْلَوْا كَثِيرًا، وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا﴾ (آیت ۲۳) ﴿مِمَّا خَطَبْتَهُمْ أُعْرِفُوا فَأَذْجَلُوا نَارًا، فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا﴾ (آیت ۲۵) اور سورہ صف میں ہے: ﴿نَضْرَمُ مِنَ اللَّهِ وَفَتَحَ قُرْبُ، وَبَشَّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آیت ۱۳) اور سورہ تغابن میں ہے: ﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ؛ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلْغُ الْمُبِينُ﴾ (آیت ۱۲) یہ سب دو وفاصلوں والی آیتیں ہیں، کیونکہ جس طرح نوراً اور سراجاً، کثیراً اور ضللاً، نازاً اور أنصاراً قرآن پاک کے قافیے ہیں اسی طرح قُرْبُ اور مُؤْمِنِينَ رسول اور مبین بھی قرآن پاک کے قافیے ہیں، اگر آپ کو ان کلمات کے ہم قافیہ ہونے میں شک ہو تو قرآن کریم کے قافیہ کی بحث جو پہلے گذر چکی ہے اس کو غور سے پڑھیے۔

الآیۃ ذات الفاصلتین

وقد یجیء سبحانہ وتعالیٰ بفاصلتین فی آیۃ واحدۃ کما یشاء ذلک فی البیت
ایضاً، نحو:

کالزہر فی تَرَفٍ، والبدر فی شرفٍ والبحر فی کرم، والدھر فی ھَمَمٍ

ترجمہ: دو فاصلوں والی آیت: اور کبھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ ایک آیت میں دو فاصلے لاتے ہیں،
جیسا کہ شعر میں بھی ایسا ہوتا ہے، جیسے:

کالزہر فی تَرَفٍ، والبدر فی شرف والبحر فی کرم، والدھر فی ھَمَمٍ
ترجمہ: (آنحضرت ﷺ) لطافت و نفاست میں شگوفہ کی طرح ہیں، اور عظمت و رفعت میں
بدر کی طرح ہیں، اور جو دو سخا میں سمندر کی طرح ہے۔ اور عزم و ہمت میں زمانہ کی طرح ہیں۔

لغات:

الزَّهْرُ: کلی، شگوفہ جمع اَزْهَارٌ..... تَرَفٌ: خوش حالی، تازگی، لطافت، نفاست..... شَرَفٌ:
عظمت و رفعت..... الْبَدْرُ: چودھویں کا چاند جمع البدور..... الدَّهْرُ: زمانہ جمع الذُّہور..... ھَمَمٌ:
ہمت کی جمع ہے: عزم، پختہ ارادہ۔

﴿فائدہ﴾ یہ شعر شیخ شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بن سعید البوصیری رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۱ھ یا ۶۹۶ھ)
کے مشہور قصیدہ بردہ کا ہے، جو آپ نے آنحضرت ﷺ کی مدح میں اس وقت کہا تھا جب آپ فاج
کی بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے، آپ نے جب یہ قصیدہ پورا کیا تو رات میں آنحضرت ﷺ کو خواب
میں دیکھا، آپ نے شیخ کے بدن پر اپنا دست مبارک پھیرا، اور اپنی چادر میں لپیٹ لیا؛ صبح اٹھے تو
بالکل تندرست تھے، چونکہ آنحضرت ﷺ نے شیخ کو خواب میں اپنی چادر میں لپیٹ لیا تھا اور چادر
کو عربی میں بردہ کہتے ہیں، اس لئے اس قصیدہ کو قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے۔



چھوٹی آیتوں کے ساتھ بہت لمبی آیت لانے کے حکمت

کبھی چھوٹی آیتوں کے ساتھ ایک بہت لمبی آیت لائی جاتی ہے، جیسے سورہ زلزلہ میں چھوٹی

چھوٹی آیتیں ہیں، مگر آخری آیت بہت لمبی ہے، اسی طرح سورہ مدثر کی آیتیں بھی چھوٹی چھوٹی ہیں مگر آیت ۳۱ بہت لمبی ہے۔ ایسا اس لئے کیا جاتا ہے کہ حسن کلام کی دو قسمیں ہیں: حسن ظاہری اور حسن معنوی۔ حسن ظاہری: وہ حسن ہے جو وزن کی یکسانیت اور قافیہ کی رعایت سے پیدا ہوتا ہے، اور حسن معنوی: وہ حسن ہے جو تین باتوں کے اکٹھا ہونے سے پیدا ہوتا ہے ایک: زبان سے کلام کی ادائیگی کا آسان ہونا یعنی کلام خوب رواں ہو، دوسری: کلام فطری نچ پر ہو یعنی آمد ہو اور دنہ ہو، تیسری: شروع سے آخر تک کلام ایک انداز پر ہو، درمیان میں انداز بدلانہ ہو۔

اب وہ راز سمجھنا چاہئے جو چھوٹی آیتوں کے ساتھ بہت لمبی آیت لانے میں ہے کہ فطرت سلیمہ حسن ظاہری چسن معنوی کو ترجیح دیتی ہے، اس لئے چھوٹی چھوٹی آیتوں کے بعد، جن میں حسن ظاہری ہوتا ہے، بہت لمبی آیت حسن معنوی کی رعایت سے لائی جاتی ہے، بالفاظ دیگر یوں کہیں کہ چھوٹی چھوٹی آیتیں چل رہی ہوتی ہیں جن میں حسن ظاہری ملحوظ ہوتا ہے اور قاری اسی انداز کی آیت کا منتظر ہوتا ہے کہ اچانک حسن معنوی کی بھرپور رعایت کے ساتھ بہت لمبی آیت لائی جاتی ہے اور قاری امر منتظر سے اس کو بہت ہی بہتر خیال کرتا ہے، کیونکہ حسن معنوی حسن ظاہری سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

أطولُ آيةٍ مع الآياتِ القصارِ

وقد يجيء بالآية الواحدة أطول من سائر الآياتِ والسَّرْفِيه: أنه لو وُضِعَ حسنُ الكلامِ الذى نشأ من تقاربِ الوزنِ ووجدانِ الأمرِ المنتظرِ الذى هو القافية، فى كِفَّةٍ، وُضِعَ حسنُ الكلامِ الذى نشأ من سهولةِ الأداءِ وموافقةِ طبعِ الكلامِ، وعدمِ لحوقِ التغيرِ فيه، فى كِفَّةٍ أُخرى، تُرَجِّحُ الفطرةُ السليمةُ جانبَ المعنى فَيُهْمِلُ أَحَدَ الانتظارَيْنِ، وَيُوَفِّى الْحَقَّ فى الانتظارِ الثانى.

ترجمہ: چھوٹی آیتوں کے ساتھ بہت طویل آیت: اور کبھی اللہ تعالیٰ ایک آیت دیگر آیتوں سے بہت طویل لاتے ہیں، اور اس میں رازیہ ہے کہ ایک پلڑے میں رکھا جائے کلام کے اس حسن کو جو وزن کے قریب قریب ہونے سے اور اس بات کے پائے جانے سے پیدا ہوتا ہے جس کا انتظار ہے، اور وہ قافیہ ہے، اور کلام کے اس حسن کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے جو ادائیگی کی سہولت

سے اور کلام کی طبیعت کی موافقت سے اور اس میں تغیر نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، تو فطرت سلیمہ معنی کی جانب کو ترجیح دے گی، پس اللہ تعالیٰ دو انتظاروں میں سے ایک کو چھوڑ دیتے ہیں اور دوسرے انتظار کا حق پورا پورا ادا فرماتے ہیں۔

لغات:

سائر: دیگر..... نشأ (ف) نشأ ونشأ: پیدا ہونا..... تقاربہ تقارباً: قریب ہونا..... أهملہ إهمالاً: جان بوجھ کر یا بھولے سے چھوڑ دینا۔



بعض سورتوں میں مذکورہ وزن وقافیہ کی رعایت نہیں کی ہے

پہلے جس وزن وقافیہ کی وضاحت کی گئی ہے، اس کی اکثر سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے رعایت فرمائی ہے، مگر بعض سورتوں میں اس کا لحاظ نہیں کیا، بلکہ بعض سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے خطیبوں کے انداز کو اور حکیموں کے طرز بیان کو اختیار فرمایا ہے، سورہ علق؛ سورہ قدر اور سورہ مدثر کے انداز بیان میں اور قافیوں میں غور کیجئے، معلوم ہو گا کہ ان سورتوں کا قافیہ اور انداز بیان حدیث ام زرع کے انداز بیان اور قافیوں سے ملتا جلتا ہے، حدیث ام زرع کا کچھ حصہ یہ ہے:

قَالَتِ الْأُولَى: زَوْجِي لَحْمٌ جَمَلٍ غَثٌ؛ عَلَيَّ رَأْسٌ جَبَلٍ وَغَيْرُ، لَا سَهْلٌ فَيُرْتَقَى؛ وَلَا سَمِينٌ فَيُنْتَفَى.

قَالَتِ الثَّانِيَةُ: زَوْجِي لَا أَبْتُ خَبْرَهُ، إِنِّي أَخَافُ أَنْ لَا أَذَرَهُ، إِنْ أَذْكَرُهُ أَذْكَرُ عَجْرَهُ وَبُجْرَهُ،

قَالَتِ الثَّالِثَةُ: زَوْجِي الْعَشَقُّ، إِنْ أَنْطَقَ أَطْلُقُ؛ وَإِنْ أَسْكُتَ أَغْلِقُ.

قَالَتِ الرَّابِعَةُ: زَوْجِي كَلِيلُ بَهَامَةٍ؛ لَأَحْرُ وَلَا قَرُ، وَلَا مَخَافَةٌ وَلَا سَامَةٌ.

قَالَتِ النَّاسِعَةُ: زَوْجِي رَفِيعُ الْعِمَادِ، طَوِيلُ النَّجَادِ، عَظِيمُ الرَّمَادِ، قَرِيبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ.

قَالَتِ الْعَاشِرَةُ: زَوْجِي مَالِكٌ، وَمَا مَالِكٌ؟ خَيْرٌ مِنْ ذَلِكَ، لَهُ إِبِلٌ كَثِيرَاتُ

الْمَبَارِكِ، قَلِيلَاتُ الْمَسَارِحِ، وَإِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمَزْهَرِ أَتَقَنَّ أَتَقَنَّ هُوَ الْكَ (بخاری

شریف ص ۷۹۷ شامل ترمذی ص ۱۸)

اور بعض آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کسی بات کی رعایت کئے بغیر عربوں کے رسائل و مکاتیب کا نسخ اور طرز اختیار فرمایا ہے، یعنی جس طرح لوگ آپس میں گفتگو کرتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے جیسے سورہ مزمل کی آخری آیت، اور سورہ مدثر کی اکتیسویں آیت میں بالکل سادہ انداز اور فطری سجع پر اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے مگر اللہ تعالیٰ ہر کلام کو اس طرح پورا کرتے ہیں جس طرح اس کو پورا ہونا چاہئے

اور اس میں رازیہ ہے کہ عربی زبان میں وقف ایسی جگہ کیا جاتا ہے جہاں سانس ختم ہو جائے، اور نشاط باقی نہ رہے اور وقف میں اس کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ سانس حرف مدہ ختم ہو۔
الغرض انہی رموز کی وجہ سے جو اس فصل میں بیان کئے گئے ہیں کلام خداوندی آیتوں کی صورت میں ظہور پذیر ہوا ہے اور یہ وہ رموز ہیں جو اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب پر منکشف فرمائے ہیں، واللہ اعلم۔

لم يُراعِ ذلك الوزن والقافية في بعض السور

وأما قلنا في فاتحة المبحث: أن سنة الله تعالى قد جرت في أكثر السور على ذلك، فإنما هو لأجل أن الله سبحانه وتعالى لم يُراعِ في بعض السور ذلك النوع من الوزن والقافية فجاءت طائفة من الكلام على منهج خطب الخطباء وأمثال الحكماء؛ ولعلك قد سمعت مسامرة النساء المروية عن سيدتنا عائشة رضي الله عنها وفهمت قوافيها؛ ووقع الكلام في بعض السور على منهج رسائل العرب بدون رعاية شيء، مثل محاوراة الناس؛ إلا أنه يختم كل كلام بشيء يكون مبنياً على الاختتام.

والسرُّ هنا: أن الأصل في لغة العرب هو الوقف في موضع ينتهي إليه النفس، ويضمحل نشاط الكلام؛ والمستحسن في محل الوقف انتهاء النفس على المدّة؛ ومن أجل هذا تشكّل الكلام في صورة الآيات، هذا ما فتح الله تعالى على العاجز في هذا الباب، واللہ اعلم.

ترجمہ: بعض سورتوں میں اس وزن و قافیہ کی رعایت نہیں کی: اور ہم نے بحث کے آغاز میں (یعنی اس فصل کے شروع میں) جو کہا تھا کہ ”اللہ کی سنت اکثر سورتوں میں یہ رہی ہے“ تو وہ اس وجہ

سے (کہا تھا) کہ اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں میں اس قسم کے وزن اور قافیہ کی رعایت نہیں فرمائی، چنانچہ کلام خداوندی کا ایک حصہ خطیبوں کی تقریروں اور دانشمندوں کی کہادتوں کے منہج پر وارد ہوا ہے، اور شاید آپ نے ان عورتوں کی باتیں سنی ہو گئی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور آپ نے اس کے قافیوں کو سمجھا ہو گا۔ اور بعض سورتوں میں کلام خداوندی واقع ہوا ہے عربوں کے رسائل کے منہج پر کسی بات کی رعایت کئے بغیر، جیسے لوگوں کی عام گفتگو ہوتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے ہر کلام کو ایسی بات پر ختم فرمایا ہے جو اختتام کے قابل ہوتی ہے۔

اور یہاں راز یہ ہے کہ دراصل عربی زبان میں ایسی جگہ وقف کیا جاتا ہے جہاں سانس ختم ہو جاتا ہے، اور گفتگو کا نشاط فنا ہو جاتا ہے، اور کل وقف میں اس کو اچھا سمجھا جاتا ہے کہ سانس حرف مدہ ختم ہو، اور اسی وجہ سے کلام خداوندی آیتوں کی صورت میں ظہور پذیر ہوا ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس باب میں اس عاجز پر منکشف فرمائی ہیں، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات:

أَمْثَال؛ مَثَل کی جمع ہے: کہادت، عمدہ بات مَسَامِرَةٌ مُسَامِرَةٌ: رات کو باتیں کرنا، چاند کی روشنی میں قصہ گوئی کرنا تَشْغَلُ تَشْغَلًا: صورت اختیار کرنا۔ متشکل ہونا۔

فائدہ: کسی زمانہ میں عرب کی گیارہ عورتوں نے چاند کی روشنی میں بیٹھ کر آپس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہر ایک اپنے میاں کا صحیح حال بیان کرے، پھر ہر ایک نے اپنے شوہر کا حال بیان کیا تھا، ان عورتوں میں ایک کا نام ام زرع تھا اس لئے اس قصہ کو حدیث ام زرع کہتے ہیں۔ یہ گفتگو آنحضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنائی تھی۔



نئے اوزان اور قوافی اختیار کرنے کی وجہ

سوال: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن اوزان و قوافی کو اختیار فرمایا ہے؛ ان کے بارے میں اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ان اوزان و قوافی میں اتنی لذت و حلاوت نہیں جتنی اشعار کے اوزان و قوافی میں ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اشعار کے اوزان و قوافی کو کیوں اختیار نہیں فرمایا؟ جواب: تو اس کا اولیٰ یہ جواب ہے کہ اَللّٰہُ (زیادہ لذیذ) ہونا تو اوم و اذہان کے اعتبار سے مختلف

ہوتا ہے، کسی قوم کو یا کسی شخص کو شعراء کے اوزان و قوافی زیادہ پسند ہوتے ہیں تو کسی کو قرآن کریم کے، پس مطلقاً یہ بات صحیح نہیں ہے کہ شاعری کے اوزان و قوافی اللہ ہیں۔

ثانیاً: اگر ہم تسلیم کر لیں کہ شاعری کے اوزان و قوافی میں بہ نسبت قرآنی وزن و قافیہ کے زیادہ لذت و حلاوت ہے، تو پھر ہم یہ جواب دیں گے کہ قرآن کریم میں نئے اوزان و قوافی اس لئے اختیار کئے گئے ہیں تاکہ ہر شخص پر قرآن کریم کی برتری اور فضیلت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے، کیونکہ نئے طرز کے کلام کی برتری اور فوقیت آسانی سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے، اور قدیم طرز کے کلام کی برتری اور فوقیت ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، صرف ماہرین فن ہی سمجھ سکتے ہیں، اسی لئے جب کوئی بلیغ شاعر یا ماہر ادیب اپنی برتری اپنے ہم سروں پر واضح کرنا چاہتا ہے تو نئے طرز پر غزل کہتا ہے، یا نئے انداز پر مقالہ لکھتا ہے، اور کہتا ہے: کیا کوئی شخص اس طرز پر غزل کہہ سکتا ہے؟! یا اس انداز پر مقالہ لکھ سکتا ہے!؟

الغرض آنحضرت ﷺ کے امی ہونے کے باوجود آپ کی زبان مبارک سے نئے اور نرالے اوزان و قوافی کا صادر ہونا: آپ کی نبوت و رسالت کی روشن نشانی اور واضح دلیل ہے، اگر قرآن کریم اشعار کے معروف اوزان و قوافی پر نازل ہوا ہوتا تو کفار یہ گمان کرتے کہ یہ تو وہی شاعری ہے جو عربوں کے یہاں مشہور و معروف ہے، اور اس گمان سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوتا، کیونکہ اس گمان کی وجہ سے وہ نہ قرآن پاک کی خوبی اور برتری کو پہچان سکتے اور نہ آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کو جان پاتے۔

وجه اختیارِ الأوزان والقوافی الجديدة:

وإن سألوا: لماذا لم يختَر سبحانه وتعالى تلك الوزن والقافية اللذين هما معتبران عند الشعراء، وهما اللذان من هذا؟

قلنا: كونهما اللذان يختلف باختلاف الأقوام والأذهان؛ ولو سلمنا: فإبداع أسلوب من الوزن والقافية على لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم — وهو أمي — آية ظاهرة على نبوته صلى الله عليه وسلم.

ولو نزل القرآن على أوزان الأشعار وقوافيها لحسب الكفار أنه هو الشعر المعروف المشهور عند العرب، ولم ينجوا من ذلك الحسبان فائدة، كما أن

البلغاء من الشعراء والكتاب حين يحاولون إبرازَ مزيّتهم، ورجحانهم على أقرانهم على رؤوس الأشهاد يستبطون صناعةً جديدةً، ويتحدّون: "هل من رجل يقرض الشعرَ مِنّلى، ويكتب الرسالةَ نحوى؟" ولو جرى هؤلاء على النمطِ القلّيم لم تظهر براعتهم إلا على المحققين البارعين.

ترجمہ: نئے اوزان و قوافی اختیار کرنے کی وجہ: اگر لوگ پوچھیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کیوں اختیار نہیں فرمایا اس وزن و قافیہ کو جو شعراء کے نزدیک معتبر ہیں؟ جبکہ وہ دونوں (وزن و قافیہ) اس سے زیادہ لذت بخش ہیں؟

تو ہم جواب دیں گے کہ ان دونوں کا ضارہ لذت بخش ہونا قوموں اور زبانوں کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے اور اگر ہم تسلیم کر لیں (کہ اشعار کے اوزان و قوافی زیادہ لذت بخش ہیں) تو (پھر جواب یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک پر انوکھے انداز کے وزن و قافیہ کا جاری ہونا — حالانکہ آپ امی تھے — آنحضرت ﷺ کی نبوت کی واضح نشانی ہے، اور اگر قرآن کریم اشعار کے اوزان و قوافی پر نازل ہوتا تو کفار یہ گمان کرتے کہ یہ وہی شعر ہے، جو عربوں کے یہاں مشہور و معروف ہے، اور وہ اس گمان کی وجہ سے کوئی فائدہ نہ اٹھاتے، جیسا کہ بلیغ شاعر اور ادیب جب اپنی برتری اور فضیلت اپنے ہم سرؤں پر برسر عام ظاہر کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، تو نیا طریقہ ایجاد کرتے ہیں، اور چیلنج کرتے ہیں: کیا کوئی مرد میری طرح شعر کہہ سکتا ہے؟! اور میرے طرز پر مقالہ لکھ سکتا ہے؟! اور اگر یہ لوگ قدیم طرز اپناتے تو ان کی مہارت واضح نہ ہوتی مگر محققین ماہرین پر۔

لغات:

جَنَى الثَّمَرَ (ض) جَنَیَا: درخت سے پھل توڑنا، مجازاً: فائدہ اٹھانا..... حَاوَلَ الشَّيْءَ مُحَاوَلَةً وجوالاتاً: ارادہ کرنا..... الْكُتَّابُ: الکاتب کی جمع ہے: ادیب، انشاء پرداز..... اَبْرَزَهُ اِبْرَازًا: ظاہر کرنا، اَبْرَزَ الْکِتَابَ: شائع کرنا..... اَقْرَانُ: قُرُون کی جمع ہے: ہم سر، ہم پلہ..... تَحَدَّى الْجُلَّ: مقابلہ کرنا، چیلنج کرنا..... قَرَضَ الشَّعْرَ (ض): قَرْضًا: شعر کہنا..... النَّمَطُ: طریقہ، روش، طرز..... الْبَرَاعَةُ: مہارت، کمال، بَرَعٌ (ن، س، ک) بَرَاعَةٌ: علم یا فضیلت یا جمال میں کامل ہونا، صفت بَارِعٌ ج بارعون۔



فصل سوم

علوم خمسہ کو بار بار دہرانے اور ان کو غیر مرتب بیان کرنے کی وجہ اس فصل میں قرآن کریم کے اسلوب کے بارے میں دو اہم سوال اور ان کے جواب ذکر کئے جاتے ہیں۔

پہلا سوال: اگر لوگ سوال کریں کہ قرآن کریم میں جو پانچ علوم صراحتہ بیان کئے گئے ہیں ان کے مطالب اور مباحث کو بار بار کیوں دہرایا گیا ہے؟ اور اللہ نے ایک جگہ ذکر کرنے پر اکتفا کیوں نہیں کیا؟

جواب: تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ مخاطب کے سامنے جو بات پیش کی جاتی ہے، اس کے دو مقصد ہوتے ہیں: کبھی مخاطب کے سامنے کلام اس لئے پیش کیا جاتا ہے کہ وہ جو بات نہیں جانتا اس کو جان لے، چنانچہ جب مخاطب کے سامنے کام پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس بات سے واقف ہو جاتا ہے جس سے وہ ناواقف تھا۔

اور کبھی مخاطب کے سامنے کلام اس لئے پیش کیا جاتا ہے کہ جو بات اس کو بتائی جا رہی ہے، وہ اس کے ذہن میں مستحضر ہو جائے، اور اس کے دل و دماغ میں اچھی طرح جم جائے اور مخاطب اس کے رنگ میں رنگ جائے، چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر ہم کبھی جانا پہچانا شعر بار بار دہراتے ہیں، اور ہر بار نیا لطف اٹھاتے ہیں۔

الغرض کلام ان دو مقصدوں اور فائدوں کی وجہ سے مخاطب کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اور قرآن کریم نے علوم خمسہ میں سے ہر علم کے بارے میں مذکورہ بالا دونوں فائدوں کا ارادہ کیا ہے، یعنی ناواقف کو واقف کرنا، اور جاننے والوں کے نفوس کو ان علوم سے رنگین کرنا۔ اور اسی

دوسرے فائدے کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بہ کثرت تلاوت کرنے کا اور بار بار دہرانے کا حکم دیا ہے محض سمجھ لینا کافی نہیں سمجھا۔

البتہ احکام کے اکثر مباحث کو بار بار نہیں دہرایا گیا، کیونکہ احکام کے مباحث میں یہ دوسرا فائدہ مطلوب نہیں، صرف پہلا فائدہ مقصود ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے جن مباحث کو بار بار ذکر فرمایا ہے ان کو ہر جگہ تازہ عبارت اور نئے انداز سے ذکر فرمایا ہے، تاکہ وہ مطالب و مباحث دلوں میں پیوست ہو جائیں، اور دل و دماغ باغ و باغ ہو جائیں۔ اگر ان مباحث کو ایک ہی عبارت اور ایک ہی انداز کے ساتھ بار بار دہرایا جاتا، تو وہ وظیفہ کی طرح ہو جاتے، اور لوگ ان مباحث و مطالب میں غور و خوض نہ کرتے، کیونکہ ایک بات جب ایک ہی عبارت اور ایک ہی انداز کے ساتھ بار بار دہرائی جائے تو ذہن غور و خوض نہیں کرتا، اور جب ایک بات مختلف تعبیروں اور الگ الگ اسلوبوں کے ساتھ دہرائی جائے تو ذہن غور و خوض کرتا ہے اور دل و دماغ گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

الفصل الثالث

فی

وجه التکرار فی العلوم الخمسة، وعدم الترتیب فی بیانها

۱۔ ان سألوا: لماذا تکررت مطالب العلوم الخمسة فی القرآن العظیم؟ ولم لم

یکتب سبحانه وتعالیٰ بیانها فی موضع واحد؟

قلنا: ان ما نريد إعادته للسامع علی قسمین:

الأول: ان يكون المقصود هناك مجرد تعليم مالا يعلم؛ فالمخاطب الذي لا يدري حكما من الأحكام، ولم يذكره عقله، إذا سمع هذا الكلام يصير ذلك المجهول عنده معلوماً.

والثاني: ان يكون المقصود استحضار صورة ذلك العلم في قوته المذكركة

ليتلذذ به لذة تامة، وتفنى القوى القلبية والإدراكية في ذلك العلم؛ ويغلب لوئ ذلك العلم القوى كلها، حتى تنصبغ به؛ كما نُكْرِرُ الشعرَ الذي علمنا معناه، فنجد كل مرة لذة جديدة، ونُحِبُّ التكرارَ لأجل هذه الفائدة.

والقرآن العظيم أراد إفادة القسمين المذكورين بالنسبة إلى كُلِّ واحدٍ من مباحث العلوم الخمسة، فأراد تعليم مالا يعلم بالنسبة إلى الجاهل، وأراد انصبغ النفوس بتلك العلوم بتكرارها بالنسبة إلى العالم؛ اللهم إلا أكثرُ مباحث الأحكام، فإنه لم يقع فيها هذا التكرار؛ لأن الإفادة الثانية غيرُ مطلوبة فيها.

ولأجل ذلك أمرنا الله تعالى بتكرار التلاوة والإكثار منها، ولم يكتف بمجرد الفهم.

ولكن راعى سبحانه وتعالى مع التكرار هذا القدرَ من الفرق: أنه اختار في أكثر الأحوال تكرار تلك المطالبِ بعبارة طريفة، وأسلوب جديد، ليكون أوقع في النفوس، وألذ في الأذهان، ولو كُرِّرَ سبحانه وتعالى بلفظ واحد لكان كاللوز الذي يُكررونه؛ وأما في صورة اختلاف التعابير، وتنوع الأساليب فيخوض الذهن، ويتعمق الخاطر بأسره في تلك المطالب.

ترجمہ: تیسری فصل: علومِ خمسہ کو بار بار دہرانے، اور ان کو غیر مرتب بیان کرنے کی وجہ کے بیان میں: اگر لوگ سوال کریں کہ قرآنِ عظیم میں علومِ خمسہ کے مباحث (مضامین) بار بار کیوں دہرائے گئے ہیں؟ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایک جگہ بیان کرنے پر اکتفا کیوں نہیں فرمایا؟ (تو) ہم جواب دیں گے کہ سامع کو جس چیز کا فائدہ پہنچانے کا ہم ارادہ کرتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلا فائدہ: یہ ہے کہ یہاں مقصود صرف اس چیز سے واقف کرنا ہوتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا، پس مخاطب (کلام سننے سے پہلے) احکام میں سے ایک حکم کو نہیں جانتا، اور اس کی عقل اس کا علم وادراک نہیں رکھتی، (پھر) جب مخاطب اس کلام کو سنتا ہے، تو وہ نامعلوم چیز اس کے نزدیک معلوم ہو جاتی ہے۔

اور دوسرا فائدہ: یہ ہے کہ مقصود اس علم کی صورت کا اس کی قوت مدد کہ میں مستحضر کرنا ہوتا ہے، تاکہ مخاطب اس سے پوری لذت حاصل کرے، اور قلبی اور اورا کی قوتیں اس علم میں فنا ہو جائیں، اور اس علم کا رنگ تمام قوتوں پر چھا جائے، یہاں تک کہ تمام قوتیں اس علم سے رنگین ہو جائیں، جیسا کہ ہم اس شعر کو جس کے معنی جانتے ہیں بار بار دہراتے ہیں، اور ہر بار نئی لذت محسوس کرتے ہیں، اور اسی فائدے (اور لذت) کی وجہ سے بار بار دہرانے کو پسند کرتے ہیں۔

اور قرآن کریم نے ارادہ فرمایا ہے مذکورہ دونوں قسموں کے افادہ کا علوم خمسہ کے مباحث میں سے ہر ایک کی بہ نسبت، چنانچہ نامعلوم چیز سے واقف کرنے کا ارادہ فرمایا ہے ناواقف کی طرف نظر کرتے ہوئے، اور ان علوم سے نفوس کے رنگین ہونے کا ارادہ فرمایا ہے ان علوم کو بار بار دہرانے سے عالم کی طرف نظر کرتے ہوئے، ہاں مگر احکام کے اکثر مباحث میں یہ تکرار واقع نہیں ہوئی ہے، کیونکہ دوسرا فائدہ ان میں مطلوب نہیں ہے، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تلاوت کو بار بار دہرانے، اور کثرت سے تلاوت کرنے کا حکم دیا ہے، اور صرف سمجھنے پر اکتفا نہیں فرمایا۔

لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بار بار دہرانے کے ساتھ اتنا فرق ملحوظ رکھا ہے کہ اکثر احوال میں ان مباحث کی تکرار کو پسند فرمایا ہے تازہ عبارت اور نئے اسلوب کے ساتھ، تاکہ وہ (مباحث) دلوں میں اچھی طرح پیوست ہو جائیں اور ذہنوں کے لئے لذیذ ترین ہو جائیں، اور اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ (ان مباحث کو) ایک ہی لفظ کے ساتھ بار بار دہراتے تو وہ (مباحث) اس وظیفہ کی طرح ہو جاتے جس کو لوگ بار بار دہراتے ہیں، اور تعبیروں کے مختلف ہونے، اور اسلوبوں کے متنوع ہونے کی صورت میں ذہن غور و خوض کرتا ہے، اور دل پوری طرح ان مباحث کی گہرائی میں اترتا ہے۔



علوم خمسہ کو ترتیب وار بیان نہ کرنے کی حکمت

دوسرا سوال: اور اگر لوگ یہ سوال کریں کہ قرآن کریم میں علوم خمسہ کے مباحث و مقاصد کو غیر مرتب طریقہ پر کیوں بیان کیا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ترتیب وار کیوں بیان نہیں فرمایا؟ مثلاً سب سے پہلے آلاء اللہ (اللہ کی نعمتوں) کے مباحث مکمل ذکر فرماتے، پھر ایام اللہ (یعنی

اللہ کی نواز شملی اور سزاؤں) کو کامل طریقہ پر بیان فرماتے، پھر کفار کے ساتھ جدل اور مخاصمہ کے مباحث ذکر فرماتے الی آخرہ۔

جواب: تو ہم یہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ علوم خمسہ کے مباحث و مطالب کو ترتیب وار بیان کرنا چاہتے، تو اللہ کے لئے یہ کوئی دشوار کام نہیں تھا، مگر ایک اہم حکمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ان مباحث کو ترتیب وار بیان نہیں فرمایا۔

اور وہ حکمت: آنحضرت ﷺ کی بعثت بلا واسطہ جن لوگوں کی طرف ہوئی تھی، ان کی زبان اور انداز بیان میں موافقت کرنا ہے، اور اس حکمت کی طرف اس ارشاد خداوندی میں اشارہ ہے: ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَبًا لَقَالُوا: لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ؟ أَعْتَجِبُوا وَعَرَّبُوا﴾ ترجمہ: اور اگر ہم اس کو عجیب قرآن بناتے تو لوگ یوں کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں؟ کیا عجیب کتاب اور عربی رسول؟ (یہ کیسی بے فکری بات ہے؟) (سورہ حم السجدہ آیت ۴۴)

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عربوں کے پاس نزول قرآن کے وقت تک کوئی کتاب نہیں تھی، نہ آسانی کتاب، نہ انسانی کتاب، اور نہ وہ کتابی انداز بیان کو جانتے تھے، نہ اس ترتیب کو پہچانتے تھے جو بعد میں ارباب تصنیف نے ایجاد کی ہے۔

آپ کو اگر اس بات میں شک ہو تو ان شعراء کے قصائد کو غور سے پڑھئے جنہوں نے جاہلیت اور اسلام کے دونوں زمانے پائے ہیں، اور نبی کریم ﷺ کے گرامی ناموں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مکاتیب کا مطالعہ کیجئے، ان شاء اللہ صحیح صورت حال واضح ہو جائے گی، اور آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عرب نزول قرآن سے پہلے نہ کتابی انداز بیان کو جانتے تھے، نہ اس ترتیب کو پہچانتے تھے جو بعد میں ارباب تصنیف نے ایجاد کی ہے،

ایسی صورت حال میں اگر اللہ تعالیٰ کتابی انداز بیان اختیار فرماتے اور ترتیب وار علوم خمسہ کے مباحث بیان کرتے، تو عرب حیرت زدہ رہ جاتے، اور پریشان ہو جاتے، اور ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے علوم خمسہ کے مباحث کو ترتیب وار بیان نہیں فرمایا۔

نیز علوم خمسہ کے مباحث کو ترتیب وار بیان نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نزول قرآن کا مقصد صرف ناواقف کو واقف کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا بنیادی مقصد ان علوم کا ہر وقت استحضار

اور تکرار ہے، اور یہ مقصد غیر مرتب کلام سے علی وجہ الاتم پورا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں ایک بات بار بار سامنے آتی ہے جس کی وجہ سے وہ بات ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

۲۔ وإن سألوا: لماذا نُثِرَت هذه المطالبُ في القرآن العظيم، ولم يُواع الترتيب: فيذكر آلاء الله أولاً، ويستوفي حقها، ثم يذكر أيام الله فيكملها، ثم يبدأ بالجدل مع الكفار؟

قلنا: إن قدرة الله تبارك وتعالى وإن كانت محيطه بجميع الممكنات، ولكن الحاكم في هذه الأبواب هو الحكمة.

والحكمة: هي موافقة المبعوث إليهم في اللسان وأسلوب البيان، وإلى هذا المعنى أشير في قوله تعالى: ﴿لَقَالُوا: لَوْلَا نُفِّلَتْ آيَاتُهُ؟ أَعْجَمِي وَعَرَبِيٌّ﴾.

ولم يكن لدى العرب إلى وقت نزول القرآن أي كتاب: لا من الكتب الإلهية، ولا من مؤلفات البشر؛ وإن الترتيب الذي اخترعه المصنفون اليوم لم يكن يعرفه العرب؛ وإن كنت في ريب من هذا، فتأمل قصائد الشعراء المخضرمين وأقرب أسائل النبي الكريم صلى الله عليه وسلم، ومكاتيب عمر الفاروق رضي الله عنه، يتضح لك هذه الحقيقة؛ فلو جاء الكلام على غير ما كانوا يعهدونه من طرائق البيان، لوقعوا في الخيرة، ولوصل إلى سمعهم شيء لا يالفونه، ولشوش عقولهم.

وأيضاً: لم يكن المقصود مجرد إفادة ما لا يعلمونه، بل المقصود هو الإفادة مع الاستحضار والتكرار؛ ويتوفر هذا المعنى في غير المرتب بأقوى وجه وأتم صورة.

ترجمہ: ۲۔ اور اگر لوگ سوال کریں کہ قرآن عظیم میں ان مباحث کو کیوں منتشر کیا گیا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے ترتیب کی رعایت کیوں نہیں فرمائی؟ پس آلاء اللہ کو پہلے ذکر کرتے اور اس کا پورا حق ادا فرماتے، پھر ایام اللہ کو ذکر کرتے، اور اس کو مکمل فرماتے، پھر کفار کے ساتھ خاصہ کا آغاز فرماتے۔ (تو) ہم جواب دیں گے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت اگرچہ تمام ممکنات کا احاطہ کرنے والی

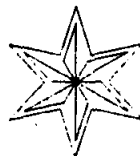
ہے، لیکن ان مباحث میں حاکم حکمت ہے (یعنی حکمت کو پیش نظر رکھا گیا ہے) اور حکمت جن لوگوں کی طرف آنحضرت ﷺ کو بھیجا گیا ہے ان کی موافقت کرنا ہے زبان اور انداز بیان میں، اور اس حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں: ﴿لَقَالُوا: لَوْلَا أَلْصَقْتَ آيَاتُكَ؟ أَعْجَبِي وَعَرَبِي﴾ (سورہ فصلت آیت ۴۴)

اور عربوں کے پاس نزول قرآن کے وقت تک کوئی کتاب نہیں تھی، نہ آسانی کتابوں میں سے کوئی کتاب، نہ انسان کی تالیفات میں سے کوئی کتاب، اور یہ ترتیب جس کو معصقین نے آج ایجاد کیا ہے، اس کو عرب نہیں جانتے تھے، اور اگر آپ کو اس بارے میں شک ہو، تو ان شعراء کے قصائد غور سے پڑھئے جنہوں نے جاہلیت اور اسلام کے زمانوں کو دیکھا ہے، اور نبی کریم ﷺ کے گرامی ناموں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مکاتیب پڑھئے، آپ کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی، لہذا اگر (ان کے سامنے) کلام خداوندی بیان کے جن طریقوں کو وہ پہچانتے تھے ان کے علاوہ کسی طریقہ پر آتا، تو وہ حیرت میں پڑ جاتے، اور ان کے کانوں میں ایسی بات پہنچتی جس سے وہ مانوس نہیں تھے، اور وہ (کلام) ان کی عقلوں کو تشویش میں مبتلا کر دیتا۔

اور نیز (نزول قرآن کا) مقصد جو بات وہ نہیں جانتے تھے صرف اس کا فائدہ پہنچانا نہیں ہے، بلکہ (نزول قرآن کا) مقصد استحضار و تکرار کے ساتھ فائدہ پہنچانا ہے اور یہ مقصد غیر مرتب کلام میں اقوی طریقے اور کامل ترین صورت کے ساتھ پورا ہوتا ہے۔

لغات:

المُخَضَّرَمِينَ؛ الْمُخَضَّرَمُ کی جمع ہے: وہ شخص جس نے جاہلیت اور اسلام دونوں کے زمانوں کو دیکھا ہو..... عَهْدَ الْأَمْرِ (س) عَهْدًا: پہچانا، جاننا..... أَلْفَهُ (س) أَلْفًا: مانوس ہونا، محبت کرنا..... شَوْشَ تَشْوِيشًا: تشویش اور پریشانی میں ڈالنا..... تَوَقَّرَ تَوَقُّرًا: پورا ہونا، کامل ہونا، زیادہ ہونا۔



فصل چہارم

اعجاز قرآن کی وجوہات

قرآن کریم کی حقانیت کی واضح ترین دلیل اس کا اعجاز ہے، یعنی ایسا کلام ہوتا ہے جس کی نظیر اور مثال پیش کرنے سے تمام انسان عاجز ہیں، اسی لئے اس کو آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ کہا جاتا ہے، قرآن کریم کے بار بار چیلنج کے باوجود آج تک کوئی فرد بشر اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کا مثل پیش نہیں کر سکا، اور نہ قیامت تک کوئی شخص اس کا مثل پیش کر سکتا ہے، اس لئے یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے معجز ہونے کی کیا وجہ ہے؟

شاہ صاحب اس فصل میں اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ہمارے نزدیک قرآن کریم کا اعجاز کسی ایک وجہ میں منحصر نہیں ہے، بلکہ اس کی وجوہات متعدد ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

پہلی وجہ: قرآن کریم کے معجز ہونے کی ایک وجہ اس کا انوکھا انداز بیان ہے — قرآن کریم کے نزول سے پہلے عرب اپنی فصاحت و بلاغت اور مہارت و فوقیت کا اظہار چار طریقوں سے کیا کرتے تھے، کوئی قصیدوں کے ذریعہ اپنی فصاحت و بلاغت کا لوہا منواتا تھا، کوئی خطبوں (تقریروں) کے ذریعہ اپنے جوہر دکھاتا تھا، کوئی مکتوبات اور نوشتوں کے ذریعہ اپنی فوقیت جتاتا تھا، تو کوئی محاورات اور عام گفتگو کے ذریعہ اپنی برتری ثابت کرتا تھا، ان چار طریقوں کے علاوہ کوئی اور طریقہ عرب نہیں جانتے تھے اور نہ کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنے پر قادر تھے — ایسی صورت میں نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے جو کہ امی تھے، عربوں کے معروف اسلوبوں کے علاوہ ایک انوکھے اسلوب کا ظاہر ہونا قرآن کریم کے اعجاز کی روشن دلیل ہے۔

دوسری وجہ: آنحضرت ﷺ کا کسی سے علم حاصل کئے بغیر گزشتہ زمانوں کے قصوں اور سابقہ ملتوں کے احکام کی صحیح خبر دینا، اور کتب سابقہ کی تصدیق کرنا قرآن کریم کے اعجاز کی نہایت واضح دلیل ہے، کیونکہ کوئی انسان وحی کے بغیر ایسے واقعہ کی خبر نہیں دے سکتا جس کو

اس نے دیکھا ہونہ سنا ہو، اسی طرح کسی سے علم حاصل کئے بغیر سابقہ ملتوں کے احکام کی صحیح خبر دینا بھی کسی کے بس کی بات نہیں، اور قرآن کریم ایسے واقعات اور خبروں سے بھرپڑا ہے، اس لئے کوئی شخص قرآن کریم کا مثل پیش کرنا چاہے، تو قیامت کی صبح تک پیش نہیں کر سکتا۔

تیسری وجہ: قرآن کریم کا آئندہ پیش آنے والے واقعات اور حالات کی خبر دینا اس کے اعجاز کی نہایت روشن دلیل ہے، جب قرآن کریم کی پیشین گوئیوں کے مطابق کوئی نیا واقعہ سامنے آتا ہے تو قرآن کریم کا نیا اعجاز ظاہر ہوتا ہے، مثلاً سورہ روم میں رومیوں کے غلبہ کی خبر ایسے وقت میں دی گئی تھی کہ بظاہر ان کے غلبہ کا کوئی امکان نہیں تھا، مگر قرآن کریم کی پیشین گوئی کے مطابق جب چند ہی سالوں میں رومیوں کو زبردست فتح حاصل ہوئی، تو انصاف پسند لوگوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ ایسی پیشین گوئی کوئی انسان نہیں کر سکتا۔

اسی طرح جب آنحضرت ﷺ کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر ہجرت کے ارادہ سے مکہ مکرمہ سے نکلے اور غار ثور میں تین دن قیام فرما کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے اور جحفہ کے قریب پہنچے، تو وہاں مکہ مکرمہ جانے والی سڑک ملی، وہ مکہ مکرمہ جہاں خدا کا گھر ہے، اور جو آپ کا وطن تھا، جس کے چھوٹنے پر آپ رنجیدہ ہوئے، تو تسلی دینے کے لئے سورہ قصص کی یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ
لَرَأٰدُكَ إِلَىٰ مَعَادٍ (سورہ قصص)
جس خدا نے آپ پر قرآن کریم (کے احکام پر عمل
اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے، وہ آپ کو لوٹنے کی
جگہ (یعنی مکہ مکرمہ) کی طرف لوٹانے والا ہے۔ (آیت ۵۸)

ہجرت کے وقت آنحضرت ﷺ جس بے سرو سامانی کے عالم میں مکہ مکرمہ سے نکلے تھے، اس کے پیش نظر بہ ظاہر اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کی کوئی توقع نہیں تھی، مگر چند ہی سال بعد آنحضرت ﷺ اسی شہر مکہ میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے، اور یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، اور کفار مکہ نے جو اسلام کے کٹر دشمن، اور آپ کے خون کے پیاسے تھے قرآن کریم کی حقانیت کو اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کو تسلیم کر لیا۔

چوتھی وجہ: قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا وہ بلند ترین درجہ جو انسان کی قدرت و دسترس سے باہر ہے، قرآن کریم کے معجز ہونے پر دلالت کرتا ہے، مگر ہم چونکہ قدیم عربوں کے بعد

آئے ہیں، اس لئے بلاغت کے اس اعلیٰ درجہ کی کُنہ اور حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے، البتہ اتنی بات ہم بھی جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں جس قدر فصیح و بلیغ کلمات اور شیریں ترکیبات جس حسن و خوبی اور بے تکلفی کے ساتھ استعمال ہوئی ہیں، اس قدر فصیح و بلیغ کلمات اور شیریں ترکیبات متقدمین اور متاخرین کے کسی قصیدے میں ہم نہیں پاتے، اور یہ ذوق و وجدان سے تعلق رکھنے والی بات ہے، جس کو ماہر شعراء ہی سمجھ سکتے ہیں، عوام اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تذکیر کی تینوں قسموں کو اور مخصوصہ کے مباحث کو ہر جگہ سورت کے اسلوب کے مطابق ایسے نئے اور تازہ انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کا دامن پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا۔ اور اگر آپ اس بات کو اور اچھی طرح بوجھنا چاہتے ہیں تو پہلے انبیائے کرام کے ان قصوں کو غور سے پڑھئے جو سورہ اعراف، سورہ ہود اور سورہ شعراء میں ذکر کئے گئے ہیں، پھر ان قصوں کو سورہ صافات میں دیکھئے، پھر ان ہی قصوں کو سورہ ذاریات میں ملاحظہ فرمائے، ہر جگہ سورت کے اسلوب کے مطابق نیا انداز نظر آئے گا، اور یہی حال ہے نافرمانوں کے عذاب اور فرماں برداروں کے ثواب کے تذکرہ کا کہ ہر جگہ نئے انداز میں عذاب و ثواب کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسی طرح دوزخیوں کے باہم مباحثہ اور جھگڑنے کا تذکرہ بھی ہر جگہ نئے اور نرالے انداز میں کیا گیا ہے یہ سب باتیں اگر تفصیل سے بیان کی جائیں تو بات دور جا پڑے گی، آپ خود ہی پڑھ کر اندازہ کریں۔

اسی طرح ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں جس قدر مقتضائے حال کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے اور استعاروں اور کنایوں کا استعمال کیا گیا ہے، اور ناخواندہ مخاطبین کا لحاظ جس قدر عمدہ اور احسن طریقہ پر قرآن کریم میں کیا گیا ہے، اس کا عشر عشر بھی کوئی نہیں کر سکتا، قرآن کریم میں عام فہم گفتگو کے دوران ایسے عمدہ نکات بیان فرمائے گئے ہیں کہ عوام و خواص سب یکساں طور پر ملحوظ ہوتے ہیں، جبکہ ایسی گفتگو کرنا جو عوام و خواص سب کے نزدیک پسندیدہ ہو نہایت دشوار کام ہے، اور انسان کی قدرت و دسترس سے باہر ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

الحاصل آپ قرآن کریم میں جتنا زیادہ غور کریں گے، آپ کو اس میں اتنی ہی زیادہ خوبیاں اور اعجاز کی دلیلیں نظر آئیں گی، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

يَزِيدُكَ وَجْهَهُ حُسْنًا إِذَا مَا زِدْتَهُ نَظْرًا

پانچویں وجہ: قرآن کریم کے اعجاز کی پانچویں وجہ ایسی ہے جس کو وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جو اسرار شریعت اور اس کی حکمتوں کو جانتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو پانچ علوم صراحتہ بیان کئے گئے ہیں، وہ خود اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی آدم کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے، جیسے کوئی حاذق طبیب اور ماہر حکیم جب ابو علی سینا کی کتاب ”القانون“ کا مطالعہ کرتا ہے اور بیماریوں کے اسباب اور ان کی علامتوں کے بارے میں ابوعلی سینا نے جو تحقیقات پیش کی ہیں اور دواؤں اور ان کی خاصیتوں کے بارے میں جو تفصیلات بیان کی ہیں، ان کو غور سے پڑھتا ہے، تو اس کو اس بات میں شک نہیں رہتا کہ اس کتاب کا لکھنے والا فن طب میں بڑی مہارت رکھتا ہے۔

اسی طرح اسرار شریعت کا ماہر جب اُن باتوں کو جان لے جن کا انسانوں کی تہذیب اور اصلاح میں دخل ہے، پھر وہ علوم خمسہ کو غور سے پڑھے تو وہ قطعی طور پر جان لے گا کہ یہ علوم ایسے عمدہ طریقہ اور مناسب انداز پر پیش کئے گئے ہیں کہ اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔
الحاصل قرآن کریم کے اعجاز کے دلائل خود قرآن کریم میں موجود ہیں، لہذا قرآن کریم کے معجز ہونے پر دلائل پیش کرنے کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے سورج کے روشن ہونے پر دلائل قائم کرنا:

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیل بائد ازوے رو متاب

الفصل الرابع

فی

وجوه إعجاز القرآن الكريم

وإن سألوا: ما هو وجه الإعجاز في القرآن الكريم؟

قلنا: الذي تحقق عندنا هو أن وجوه الإعجاز في القرآن الكريم كثيرة:

١- منها: الأسلوب البديع—لأن العرب كانت لهم عِدَّةُ ميادين يرْكُضون

فيها جَوَادُ البلاغة، ويتسابقون فيها مع أقرانهم، ألا، وهي القصائد والخُطَبُ
والمسائل والمُحاورات؛ ولم يكونوا يعرفون غيرَ هذه الأصناف الأربعة، ولم يكن
عندهم قدرة على إبداع أسلوب سواها؛ فإبداع أسلوب غير أساليبهم على لسان
النبي الأمي صلى الله عليه وسلم عِزُّ الإعجاز.

۲- ومنها: الإخبار عن القصص الماضية وأحكام الملِك السابِقة، على وجه
يصدّق الكتب السابقة بدون تعلّم من أحد.

۳- ومنها: الإخبار بالأحوال الآتية؛ فكلما وُجِدَ شيء منها على طَبَقِ ذلك
الإخبار، ظهر إعجاز جديد.

ترجمہ: چوتھی فصل: قرآن کریم کے وجوہ اعجاز کے بیان میں: اور اگر لوگ پوچھیں کہ قرآن
کریم کے معجز ہونے کی وجہ کیا ہے؟

(تو) ہم جواب دیں گے کہ جو بات ہمارے نزدیک پایہ ثبوت کو پہنچی ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن کریم
کے معجز ہونے کی وجوہات بہت ہیں:

۱- ان (وجوہات) میں سے ایک وجہ (قرآن کریم کا) انوکھا انداز بیان ہے، کیونکہ عربوں کے لئے
چند میدان تھے، جن میں وہ بلاغت کے گھوڑے دوڑاتے تھے، اور ان ہی میدانوں میں اپنے ہم سروں
کے ساتھ مسابقت (اور مقابلہ) کرتے تھے، سنو! وہ (میدان) قصیدے، خطبے، رسالے اور محاورے
تھے، اور ان چار قسموں کے علاوہ کوئی انداز نہیں پہچانتے تھے، اور نہ ان میں ان چار قسموں کے علاوہ کسی
اسلوب کے ایجاد کرنے کی طاقت تھی، پس ان کے اسلوبوں کے علاوہ انوکھے اسلوب کا ناخواندہ نبی کی
زبان مبارک سے ظاہر ہونا عین اعجاز ہے — صلی اللہ علیہ وسلم —

۲- اور ان (وجوہات) میں سے ایک وجہ گزرے ہوئے واقعات اور سابقہ ملتوں کے احکام کی خبر
دینا ہے، اس طرح کہ وہ خبر کتب سابقہ کی تصدیق کرتی ہو کسی سے سیکھے بغیر۔

۳- اور ان (وجوہات) میں سے ایک وجہ آئندہ پیش آنے والے حالات کی خبر دینا ہے، چنانچہ
جب ان (احوال) میں سے کوئی چیز اس پیشین گوئی کے مطابق پائی جاتی ہے تو (قرآن کریم کا) نیا اعجاز
ظاہر ہوتا ہے۔

۴۔ ومنها: الدرجة العليا من البلاغة التي ليست من مقدور البشر — ونحن إذ جئنا بعد العرب الأولين، لانستطيع أن نصِلَ إلى كُنْهها؛ ولكنَّ القدرَ الذي نعلمه، هو أن استعمالَ الكلماتِ الجَزَلَةِ والتركيباتِ العَدْبِيَّةِ مع اللطافةِ وعدمِ التكلفِ، كما نجد ذلك في القرآن العظيم، لانجد مثله في أي قصيدة من قصائد المتقدمين والمتأخرين، وهذا أمرٌ ذوقِي يدركه — كما ينبغي — المهره من الشعراء، ولا يتذوقه العامة.

وكذلك نعلم أن في أنواع التذكير الثلاثة، والجَدَلِ مع الكفار تُكْبِى المطالبُ في كل موضع حسبَ أسلوبِ السورة، لباسًا جديدًا طريقًا، تقصُرُ يدُ المتطاولِ عن ذيله. وإن تعمَّرَ إدراكُ ذلك على أحدٍ فليتأمل في إيرادِ قِصَصِ الأنبياءِ في سورة الأعرافِ وهودِ والشعراءِ، ثم لينظر إليها في الصافاتِ، ثم ليقرا هذه القصصَ نفسها في الذارياتِ، ليتجلى له الفرق.

وكذلك الحالُ في ذكرِ تعذيبِ العصاةِ وتنعيمِ المطيعين، فقديذكر ذلك في كل مقامِ بأسلوبِ جديدٍ؛ وهكذا تخاضعُ أهلُ النارِ بعضهم مع بعضٍ، يتجلى في كل مقام في صورةٍ جديدةٍ؛ والكلامُ في هذا يطول.

وكذلك نعلم أيضًا أن رعايةً مقتضى الحالِ الذي تفصيله في علم المعاني، واستعمالِ الاستعاراتِ والكتاباتِ، التي تكفلُ ببيانها علمُ البيان، مع مراعاةِ حالِ المخاطبينِ الأميين الذين يجهلون هذه الصناعاتِ، لا يتصورُ كلُّ ذلك أحسنَ مما يوجد في القرآن العظيم؛ وذلك لأن المطلوبَ في القرآن الكريم أن تُودَعَ في المخاطباتِ المعروفةِ التي يعرفها كلُّ أحدٍ من الناسِ، نكتةٌ رائقةٌ مفهومةٌ عند العامة، مرضيةٌ عند الخاصة؛ وهذا الأمرُ كالجمع بين الضئلين، ليس من مقدورِ البشرِ، واللَّهُ على كل شيءٍ قدير، وللهُ دُرُّ الشاعرِ حيث يقول:

يزيدُك وجهه حُسنًا إذا ما زدتَه نظرًا

ترجمہ: ۴۔ اور ان (وجوہات) میں سے ایک وجہ (قرآن کریم کی) بلاغت کا وہ بلند ترین درجہ ہے جو انسان کی قدرت میں نہیں ہے، اور جب ہم متقدمین عرب کے بعد آئے ہیں، تو اس (درجہ)

کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے، لیکن جتنی بات ہم جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ فصیح و بلیغ کلمات اور شیریں ترکیبات کا استعمال جس خوبی اور بے تکلفی کے ساتھ ہم قرآن عظیم میں پاتے ہیں حقد میں اور متاخرین کے قصیدوں میں سے کسی قصیدے میں نہیں پاتے، اور یہ ایک ذوق سے تعلق رکھنے والی بات ہے، جس کا کماحقہ اور اک ماہر شعراء کر سکتے ہیں، اور عام لوگوں کو اس کا پتہ نہیں چل سکتا۔

اسی طرح ہم جانتے ہیں کہ تذکیر کی تینوں قسموں کو اور کفار کے ساتھ خاصہ کے مباحث کو ہر جگہ سورت کے اسلوب کے مطابق ایسا جدید اور نیا لباس پہنایا گیا ہے کہ (فصاحت و بلاغت میں) یدِ طولیٰ رکھنے والے کا ہاتھ اس کے دامن (تک پہنچنے) سے کوتاہ رہ جاتا ہے۔

اور اگر کسی پر اس بات کا سمجھنا دشوار ہو تو غور کرے انبیائے کرام کے ان قصوں کے تذکرہ میں جو سورہ اعراف، سورہ ہود اور سورہ شعراء میں ہیں، پھر دیکھے ان قصوں کو سورہ صافات میں، پھر پڑھے ان ہی قصوں کو سورہ ذاریات میں، تاکہ اس کے لئے فرق واضح ہو جائے۔

اور یہی حال ہے نافرمانوں کو سزا دینے اور فرمانبرداروں کو نوازنے کے تذکرہ کا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو ذکر فرماتے ہیں ہر جگہ نئے انداز سے، اور اسی طرح دوزخیوں کا باہم ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا ہے، اور اس میں (یعنی مذکورہ امور کی تفصیل میں) گفتگو طویل ہے۔

اور اسی طرح ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مقتضائے حال کی رعایت جس کی تفصیل علم معانی میں ہے، اور استعاروں اور کنایوں کا استعمال جن کی وضاحت کی ذمہ داری علم بیان نے اٹھائی ہے، ناخواندہ مخاطبین کے حال کی رعایت کے ساتھ جو ان صنعتوں سے ناواقف تھے، یہ سب باتیں جتنی عمدگی کے ساتھ قرآن عظیم میں پائی جاتی ہیں اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں مطلوب یہ ہے کہ عام بات چیت میں جس کو ہر انسان جانتا ہے، ایسا عمدہ نکتہ رکھ دیا جائے جس کو عوام بھی سمجھ لیں، اور خواص کے نزدیک بھی پسندیدہ ہو، اور یہ دو متضاد باتوں کو جمع کرنے کے مانند ہے، جو انسان کی قدرت میں نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں، اور اللہ ہی کے لئے ہے شاعر کا کمال جو کہتا ہے:

اس کا چہرہ تجھے زیادہ حسین نظر آئے گا جب تو اس کی طرف زیادہ نظر کرے گا

لغات:

الكنه: اصل چیز، حقیقت و ماہیت..... الجزل من الكلام: فصیح و بلیغ کلام..... الطریف: نیا،

نادر..... المتناول: کسی فن میں ید طولی (مہارت تامہ) رکھنے والا۔

۵ - ومنها: وجۃ لا یتیسر فہمہ لغیر المتدبرین فی أسرار الشرائع؛ وذلك: أن العلوم الخمسة نفسها تدل على أن القرآن نازل من عند الله تعالى، لهداية بني آدم؛ كما أن عالم "الطب" إذا نظر في "القانون" ولا حظ تحقيقه وتدقيقه في بيان أسباب الأمراض وعلاماتها، ووصف الأدوية وخواصها، لا يشك أن المؤلف كامل في صناعة الطب؛ كذلك إذا علم العالم بأسرار الشرائع الأشياء التي ينبغي تلقينها للناس لتهديب نفوسهم، ثم يتأمل في العلوم الخمسة، يعلم قطعاً: أن هذه الفنون قد وقعت موقعتها، بحيث لا يتصور أحسن منه:

والشمس الساطعة تدل بنفسها على نفسها
فإن كنت في حاجة إلى الدليل فلا تؤول وجهك عنها

ترجمہ: ۵- اور ان (وجوہات) میں سے ایک وجہ ایسی ہے جس کا سمجھنا آسان نہیں ہے، اسرار شریعت میں تدبر اور غور کرنے والوں کے علاوہ کے لئے، اور وہ یہ ہے کہ علوم خمسہ خود دلالت کرتے ہیں اس بات پر کہ قرآن پاک نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی آدم کی ہدایت کے لئے، جیسا کہ فن طب کا جاننے والا جب "القانون" میں غور کرتا ہے، اور اس کی تحقیق و تفتیش دیکھتا ہے امراض کے اسباب اور ان (امراض) کی علامتیں بیان کرنے میں، اور دواؤں اور ان کی خاصیتیں بیان کرنے میں، تو وہ شک نہیں کرتا کہ مصنف فن طب میں کامل (مہارت رکھتا) ہے، اسی طرح جب اسرار شریعت کا ماہر ان چیزوں کو جانتا ہے جن کا لوگوں کے سامنے پیش کرنا مناسب ہے، ان کے نفوس کی تہذیب کے لئے، پھر غور کرتا ہے علوم خمسہ میں، تو قطعی طور پر جان لیتا ہے کہ یہ علوم اپنی جگہ پر واقع ہوئے ہیں، اس طرح کہ اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اور روشن آفتاب خود اپنی ذات پر دلالت کرتا ہے، لہذا اگر تجھے دلیل کی حاجت ہے، تو اپنا چہرہ آفتاب سے نہ پھیر (یعنی قرآن کریم خود اپنے معجز ہونے پر دلالت کرتا ہے، لہذا قرآن میں غور کر، حقیقت واضح ہو جائے گی) — یہ یعنی الشمس الساطعة الخ شعر نہیں ہے، بلکہ ماقبل میں جو فارسی شعر ذکر کیا گیا ہے اس کا عربی ترجمہ ہے)



باب چہارم

تفسیر کے مختلف مناجح کا بیان اور صحابہ و تابعین کی
تفسیروں میں جو اختلاف ہے اس کا حل

مفسرین کی مختلف جماعتیں:

تفسیر کے لغوی معنی ہیں: واضح کرنا، ظاہر کرنا، اور اصطلاح میں تفسیر کا اطلاق نظم قرآن کی توضیح و تشریح پر ہوتا ہے، اور نظم قرآن کی توضیح و تشریح میں علم لغت، علم نحو، علم صرف، علم معانی، بیان و بدیع، اصول فقہ اور احادیث و روایات سے مدد لی جاتی ہے، اس لئے فن تفسیر نہایت وسیع اور پہلودار فن ہے اور مفسر اپنی تفسیر میں اسی علم سے بحث کرتا ہے جس کا اس پر غلبہ ہوتا ہے، چنانچہ:

(۱) محدثین اپنی تفسیروں میں صرف انہی روایتوں کو نقل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں جن میں نظم قرآن کی وضاحت ہوتی ہے، چاہے وہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات ہوں، یا صحابہ و تابعین کے اقوال ہوں، یا اسرائیلی روایات، جیسے ابن جریر طبری نے تفسیر ”جامع البیان“ میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر ”الدر المنثور“ میں اسی قسم کی روایتوں کو جمع کیا ہے۔

(۲) متکلمین اسلام ان آیتوں کی تاویل و تفسیر کی طرف خاص توجہ فرماتے ہیں، جو صفات خداوندی اور اسمائے الہی پر مشتمل ہیں، متکلمین اسلام نے اس قسم کی آیتوں کی وضاحت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، جو آیتیں بظاہر مسلک تنزیہ یعنی اہل سنت و الجماعت کے مسلک کے خلاف ہیں، ان کو ظاہر سے پھیر دیا ہے اور ان کی ایسی توجہیات بیان کی ہیں کہ وہ آیتیں اہل سنت و الجماعت کے مسلک کے موافق ہو گئی ہیں، اور مخالفین جن آیتوں سے استدلال کرتے ہیں ان کی خوب تردید کی ہے۔ اس سلسلہ کی سب سے بہتر تفسیر امام فخر الدین رازی کی ”مفتاح الغیب“ ہے، جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے، اس تفسیر میں اس کے علاوہ بھی بہت سی قیمتی باتیں ہیں۔

(۳) فقہائے کرام احکام فقہیہ کے استنباط کی طرف پوری توجہ فرماتے ہیں؛ اور بعض اجتہادات کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں، اور مخالفین کے استدلال کا جواب دیتے ہیں، جیسے امام قرطبی نے ”الجامع لاحکام القرآن“ میں، اور ابوبکر جصاص رازی حنفی اور ابن العربی مالکی نے ”احکام القرآن“ میں اور ملا جیون نے ”تفسیرات احمدی“ میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

(۴) اور علم نحو اور لغت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات قرآن کریم کے نحو و صرف اور لغت کی وضاحت کرتے ہیں، وہ ہر باب میں کلام عرب سے بھرپور شواہد پیش کرتے ہیں، جیسے ابو حیان نے ”البحر المحیط“ میں اور زجاج نے ”معانی القرآن“ میں، اور ابوالحسن واحدی نے ”البسیط“ میں قرآن کریم کے نحو و صرف اور لغت کی پوری وضاحت کی ہے، اور کلام عرب کے شواہد پیش کئے ہیں۔

(۵) اُدباء یعنی معانی، بیان اور بدیع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات علم معانی اور بیان کے نکات اور قرآن کریم کے محاسن ذکر کرتے ہیں، اس سلسلہ کی سب سے بہتر تفسیر علامہ جبار اللہ زمخشری کی ”الکشاف عن حقائق التنزیل“ اور مفتی ابوالسعود کی ”ارشاد العقل السلیم الی مزیایا القرآن الکریم“ ہے۔

(۶) قراء حضرات قرآن کریم کی ان قراءتوں کو نقل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، جو ان کے اساتذہ کرام سے منقول ہیں چنانچہ کوئی سب سے کوئی عشرہ کو اور کوئی شاذ قراءتوں کو نقل کرتا ہے تو کوئی تمام قراءتوں کو ذکر کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔

(۷) صوفیائے کرام اپنی تفاسیر میں ادنیٰ مناسبت سے سلوک و حقائق سے تعلق رکھنے والے نکات بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

الحاصل ہر مفسر اپنے ہم مشربوں کے مذہب کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی ایک علم و فن سے بحث کرتا ہے، اور اپنی ہمت اور حوصلہ کے بقدر نظم قرآن کی توضیح و تشریح کرتا ہے۔ اسی وجہ سے تفسیروں کا دائرہ اتنا پھیل گیا ہے کہ کتب تفسیر سے ایک کتب خانہ بھر گیا ہے۔

(۸) اور بعض مفسرین اپنی تفسیروں میں تمام علوم تفسیر کو جمع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، اس سلسلہ کی سب سے بہتر تفسیر مفتی بغداد علامہ سید محمود آلوسی حنفی کی ”روح المعانی“ ہے، اور فارسی میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی ”فتح العزیز“ ہے اور اردو میں حضرت

مولانا شرف علی صاحب تھانوی کی ”بیان القرآن“ ہے۔

الغرض ہر مفسر کی تفسیر کا انداز دوسری تفسیروں سے مختلف ہے، کوئی ایک علم سے بحث کرتا ہے، تو کوئی تمام علوم کو سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے، کوئی اختصار کو پسند کرتا ہے، تو کوئی دراز نفسی کو ترجیح دیتا ہے، کوئی عربی میں گفتگو کرتا ہے تو کوئی فارسی یا اردو میں خامہ فرسائی کرتا ہے، اس لئے کتب تفسیر کا میدان اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ کوئی شخص اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔

الباب الرابع

فی

بیان مناهج التفسیر وتوضیح الاختلاف الواقع فی تفاسیر الصحابة والتابعین.

طوائف المفسرین:

لِیَعْلَمَ أَنَّ الْمَفْسِرِينَ عِدَّةٌ أَصْنَافٍ:

● جماعة قصدوا رواية آثار مناسبة للآیات، سواء كان حديثاً مرفوعاً أو موقوفاً أو مقطوعاً أو خبراً إسرائيلياً — وهذا طریق المحدثین.

● وفرقة قصدوا تأویل آیات الصفات والأسماء؛ فمالم یوافق منها مذهب التنزیه صرفوها عن الظاهر، ورزوا على استدلال المخالفین ببعض الآیات — وهذا طریق المتکلمین.

● وقوم صرفوا عنايتهم إلى استنباط الأحكام الفقهية، وترجیح بعض المجتهدات على بعض والجواب عن تمسك المخالفین — وهذا طریق الفقهاء الأصولین.

● وجمع أوضحوا إعراب القرآن ولغته، وأوردوا الشواهد من كلام العرب فی كل باب موفورة تامة — وهذا منهج النحاة اللغویین.

● وطائفة یذكرون نكات المعانی والبیان بیانا شافياً، یتفاخرون فی ذلك الباب — وهذا طریق الأدباء.

• واهتم بعضهم برواية القراءات المأثورة عن شيوخهم، فلم يدعوا دقيقا ولا جليلا في هذا الباب إلا جاؤا به — وهذه صفة القراء.

• وبعضهم يطلقون اللسان ببنكات متعلقة بعلم السلوك أو علم الحقائق بأدنى مناسبة — وهذا مشرب الصوفية.

وبالجملة: فالمجال واسع، ويقصد كل منهم تفهيم معاني القرآن الكريم، وخاض في فن من الفنون، وتكلم على قدر فصاحته وفهمه، واتخذ مذهب أصحابه نصب عينيه؛ ولأجل ذلك اتسع مجال التفسير اتساعاً لا يحُدُّ قدره، وصُنِفَتْ كتب كثيرة لا يحصرها عدد.

جوامع التفاسير

وقصد جماعة منهم إلى جمع ذلك كله في تفاسيرهم، فمنهم من تكلم بالعربية، ومنهم من تكلم بالفارسية، واختلفوا في الاختصار والإطناب، ووسَّعوا أذبال العلم.

ترجمہ: چوتھا باب: تفسیر کے مناج کا بیان، اور صحابہ و تابعین کی تفسیروں میں جو اختلاف ہوا ہے اس کی وضاحت۔

مفسرین کی جماعتیں: جاننا چاہئے کہ مفسرین کی متعدد اقسام ہیں:

۱- ایک جماعت نے ان آثار کو روایت کرنے کا قصد کیا ہے: جو آیتوں سے مناسبت رکھتے ہیں، چاہے وہ مرفوع حدیث ہو یا موقوف، یا مقطوع، یا اسرائیلی خبر ہو — اور یہ محدثین کا طریقہ ہے۔

۲- اور ایک گروہ نے صفات خداوندی اور اسمائے الہی پر مشتمل آیتوں کی تشریح کا قصد کیا ہے، چنانچہ ان آیتوں میں سے جو آیتیں مذہب تنزیہ کے موافق نہیں ہیں، ان کو ظاہر سے پھیر دیا ہے، اور مخالفین کے بعض آیتوں سے استدلال کی تردید کی ہے — اور یہ متکلمین کا طریقہ ہے۔

۳- اور ایک قوم نے احکام فقہیہ کے استنباط کی طرف، اور بعض اجتہادات کو بعض پر ترجیح دینے، اور مخالفین کے استدلال کا جواب دینے کی طرف توجہ مبذول کی ہے — اور یہ اصولی فقہاء کا طریقہ ہے۔

۴- اور ایک جماعت نے قرآن کریم کے اعراب (یعنی نحو و صرف) اور لغت کو واضح کیا ہے، اور ہر باب میں بھرپور اور کامل طریقہ پر کلام عرب کے شواہد پیش کئے ہیں — یہ لغوی نحویوں کا اسلوب ہے۔

۵- اور ایک گروہ علم معانی اور بیان کے نکات تشفی بخش وضاحت کے ساتھ ذکر کرتا ہے، اور وہ اس باب میں فخر کرتا ہے (کہ جیسے نکات اس نے بیان کئے ہیں، کسی نے بیان نہیں کئے)۔ اور یہ ادیبوں کا طریقہ ہے۔

۶- اور بعض مفسرین نے ان قراءتوں کو نقل کرنے کا اہتمام کیا ہے، جو ان کے مشائخ سے منقول ہیں، چنانچہ انھوں نے اس باب میں کوئی باریک یا موٹی بات ذکر کئے بغیر نہیں چھوڑی — اور یہ قراء حضرات کی شان ہے۔

۷- اور بعض مفسرین نے ان نکات کے بارے میں زبان کھولی ہے جو علم سلوک یا علم حقائق سے تعلق رکھتے ہیں ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے — اور یہ صوفیاء کا مشرب (طریقہ) ہے۔

الحاصل (تفسیر کا) میدان وسیع ہے، اور مفسرین میں سے ہر ایک نے قرآن کریم کے معانی سمجھانے کا قصد کیا ہے، اور ہر ایک نے علوم میں سے ایک علم سے بحث کی ہے، اور اپنی فصاحت اور فہم کے بقدر گفتگو فرمائی ہے، اور اپنے ساتھیوں کے مذہب کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا ہے، اور اسی وجہ سے تفسیر کا میدان اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ اس کی (یعنی کتب تفسیر کی) مقدار کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا، اور (فن تفسیر میں) اتنی زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں کہ کوئی عدد اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

جامع ترین تفسیریں:

۸- اور مفسرین کی ایک جماعت نے اپنی تفسیروں میں ان تمام علوم کو جمع کرنے کا قصد فرمایا ہے: چنانچہ ان میں سے کسی نے عربی میں گفتگو کی ہے، اور کسی نے فارسی میں کلام کیا ہے، اور انھوں نے اختصار اور طول بیانی میں اختلاف کیا ہے (یعنی کسی نے اختصار کو پسند کیا ہے، تو کسی نے طول بیانی سے کام لیا ہے) اور انھوں نے علم تفسیر کے دامن کو بہت وسیع کر دیا ہے۔

لغات:

مَنَاهِجٌ، مَنَهْجٌ وَمَنَهْجٌ وَمَنَهْجٌ کی جمع ہے: کشادہ راستہ، طرز، انداز بیان..... طَوَائِفٌ؛ طَائِفَةٌ کی جمع ہے: جماعت، گروہ..... مَرْوُوعٌ: اس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند آنحضرت ﷺ تک پہنچتی ہے..... مَوْقُوفٌ: اس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند صحابی تک پہنچتی ہے..... مَقْطُوعٌ: اس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند تابعی تک پہنچتی ہے..... مَذْهَبُ التَّنْزِیْہِ سے مراد اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے جو اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے مشابہ ہونے سے پاک مانتے ہیں۔

﴿فائدہ﴾ علم السلوک اور علم الحقائق: علم تصوف کا نظری حصہ، جس میں ذات و صفات الہی اور دقیق واردات و تجلیات، تخلیق عالم اور ربط الحادث بالقدیم، وجود اعیان ثابۃ، تنزلاتِ ستہ، روح، عالم مثال، ظاہر الوجود، باطن الوجود اور دیگر حقائق سے بحث کی جاتی ہے، اس علم کو ”علم الحقائق“ کہتے ہیں۔ اور تصوف کا عملی پہلو یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب و رضا حاصل کرنے کا طریقہ اور عبادت و ریاضت کے مختلف طریقے اور تمام واردات کو اپنے اندر جذب کرنے کا طریقہ، جس علم میں ان امور سے بحث کی جاتی ہے، وہ ”علم سلوک“ کہلاتا ہے (حاشیہ الطاف القدس ص ۲۲)



علم تفسیر میں شاہ صاحب کا عالی مقام

اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ کو بہت سے کمالات اور ملکات سے نوازا تھا، ان کمالات میں سے سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ تمام علوم و فنون تفسیر سے مناسبت تامہ، اور ان کے اکثر و بیشتر اصول و قواعد میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اور ان کی بہت سی جزئیات اور فروعات سے واقف تھے، اور فنون تفسیر میں سے ہر فن میں آپ اجتہاد فی المذہب کے بلند ترین مقام پر فائز تھے، اور مذکورہ بالا فنون تفسیر کے علاوہ مزید دو تین فنون تفسیر سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصی طور پر نوازا تھا، جن کی وضاحت اس باب کی چوتھی فصل میں آ رہی ہے۔

بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ شاہ صاحب قرآن عظیم سے بلا واسطہ فیض یافتہ تھے، یعنی کسی مفسر اور کسی تفسیر کے توسط کے بغیر براہ راست آپ نے قرآن عظیم سے استفادہ کیا تھا، اسی طرح آپ بلا واسطہ آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح سے استفادہ کرنے والے تھے، جس طرح حضرت اولیس قرنی رحمہ اللہ نے آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ سے عائبانہ استفادہ فرمایا تھا، نیز آپ کعبہ شریف اور صلوٰۃ عظمیٰ سے بھی براہ راست فائدہ اٹھانے والے اور اثر قبول کرنے والے تھے، اسی لئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”مجھ ناچیز پر اللہ تعالیٰ کے اس قدر احسانات و انعامات ہیں کہ میرے ہر بال کو زبان ملے اور ہر زبان سے شکر ادا کروں تو بھی اللہ تعالیٰ کا پورا شکر ادا نہیں کر سکتا“

اگرز روید از تن صد زبانم چو سوسن، شکر لطفش کئے تو انم

الغرض اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو علم تفسیر میں جو بلند ترین مقام عطا فرمایا تھا اس کی بنا پر آپ آگے اس باب میں مفسرین کی مختلف تفسیروں کے مناج کے بارے میں چند کار آمد باتیں ارقام فرمائیں گے جو نہایت قیمتی ہیں۔

اجتہاد فی المذہب کے معنی: جو شخص کسی امام کے طے کردہ اصول کی روشنی میں احکام کے استنباط کی پوری قدرت رکھتا ہو، اس کو مجتہد فی المذہب کہتے ہیں، اور اس کے ملکہ راخ کو اجتہاد فی المذہب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اُوَیسی ہونے کا مطلب: اُوَیسی حضرت اولیس بن عامر قرنی کی طرف نسبت ہے، اور حضرت اولیس قرنی کبار تابعین میں سے ہیں، آپ یمن کے رہنے والے تھے، اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسلمان ہو چکے تھے، مگر اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کر سکے تھے مگر اتنے اونچے پایہ کے بزرگ تھے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ سے غائبانہ کسب فیض فرمایا تھا، حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: یمن سے ایک شخص تمہارے پاس آئے گا، جس کو اُوَیسی قرنی کہا جاتا ہے، اس نے یمن میں اپنی ماں کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑا ہے، اس کو برص کی بیماری تھی، اس نے اللہ جل شانہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بیماری دور فرمادی، مگر ایک دینار یا ایک درہم کے بقدر بیماری اب بھی باقی ہے، تم میں سے جس کی اس شخص سے ملاقات ہو اس کو درخواست کرنی چاہئے کہ وہ اس کے لئے استغفار کرے، (رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۵۸۱)

الحاصل حضرت اولیس قرنی آنحضرت ﷺ کی زیارت کا شرف تو حاصل نہیں کر سکے، مگر روحانی طور پر آنحضرت ﷺ سے فیض یافتہ تھے، اس لئے جو لوگ آنحضرت ﷺ سے روحانی طور پر کسب فیض کرتے ہیں ان کو ”اُوَیسی“ کہا جاتا ہے۔

کعبہ حناء کے معنی: حَسَنَاءُ؛ حَسَن کا مؤنث ہے، اور کعبہ حناء کے معنی ہیں: کعبہ شریف — عام مسلمان کعبہ شریف سے نماز، طواف اور اس کے دیدار سے استفادہ کرتے ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بیت اللہ پر ہر روز ایک سو بیس رحمتیں نازل فرماتے ہیں (جن میں سے) ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والوں کے لئے ہیں، اور چالیس نماز پڑھنے والوں کے لئے اور بیس بیت اللہ کو دیکھنے والوں کے

لئے (طبرانی بحوالہ معلم الحجاج ص ۱۲۴)

اور کاملین کعبہ شریف پر جو تیس نازل ہوتی ہیں، ان سے نماز اور طواف کے توسط کے بغیر استفادہ کرتے ہیں، جس طرح اویس قرنی نے آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح سے غائبانہ استفادہ کیا تھا۔

صلوۃ عظمیٰ کے معنی: غظمی، أعظم اسم تفضیل کا مؤنث ہے۔ اور صلوۃ عظمیٰ کے معنی ہیں بڑی نماز، اور ”بڑی نماز“ نماز کی وہ صورت مثالیہ ہے جو عالم مثال میں پائی جاتی ہے اور تمام فرض، واجب، سنت اور نفل نمازیں اس کی جزئیات اور افراد ہیں۔ عام مسلمان ”بڑی نماز“ یعنی نماز کی ماہیت کلیہ سے اس کی جزئیات اور افراد یعنی فرائض و سنن و نوافل وغیرہ کے توسط سے فیض یاب ہوتے ہیں، اور جو لوگ احسان و سلوک کے بلند ترین مقام پر فائز ہوتے ہیں وہ ”بڑی نماز“ سے افراد کے توسط کے بغیر براہ راست استفادہ کرتے ہیں، مگر کوئی شخص خواہ کتنے ہی اونچے درجہ پر پہنچ جائے صلوۃ عظمیٰ کی جزئیات و افراد سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ سرور عالم ﷺ بھی زندگی کے آخری لمحات تک جزئیات کی پوری طرح پابندی فرماتے رہے ہیں، پس جو پیشہ ور پیر اپنے مریدوں کو باور کراتے ہیں کہ وہ اتنے اونچے مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ ان کے لئے نماز معاف ہو گئی ہے، وہ سب پیر، دجال کے چیلے ہیں لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اپنا الوسیدھا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے مکار پیروں سے امت کی حفاظت فرمائیں (آمین)

ما من اللہ به علی فی علم التفسیر

وقد حصل للفقیر — بحمد اللہ تعالیٰ و توفیقہ — مناسبت فی کل فن من هذه الفنون ، وأحطت بمعظم أصولها، وبجملہ صالحہ من فروعها، وفزت بنوع من التحقيق والاستقلال فی کل باب من أبوابها، بوجه يشبه الاجتهاد فی المذهب والفتی فی خاطری من بحر الجود الإلهی فان أو ثلاثة من فنون التفسیر، سوى الفنون المذكورة سالفاً، وإن سألتني عن الخبر الصدق فانا تلميذ القرآن العظيم بلا واسطه؛ كما أني أوتيت في الاستفادة من روح النبي صلى الله عليه وسلم، وكما أني مستفيد من الكعبة الحسناء بدون واسطه، وكذلك متأثر

بالصلاة العظمى بغير واسطة:

ولو ان لم ي في كل منبت شعرة لسانا لما استوفيت واجب حمده
وارى من اللازم ان اكتب كلمات عديدة في هذه الرسالة عن كل فن من هذه
الفنون.

ترجمہ: علم تفسیر میں اللہ تعالیٰ کا بندہ پر احسان: اور اللہ کی حمد و توفیق سے ناچیز ان علوم
(تفسیر) میں سے ہر علم و فن میں اچھی خاصی مناسبت رکھتا ہے، اور میں نے ان (علوم) کے اکثر اصول
اور ان کی جزئیات میں سے وافر مقدار کا احاطہ کر لیا ہے، اور میں ان (علوم) کے ابواب میں سے ہر باب
میں خاص قسم کی تحقیق اور استقلال پر فائز ہوں، جو اجتہاد فی الہد ہب کے مشابہ ہے، اور میرے دل میں
سخاوت خداوندی کے سمندر سے دو یا تین علوم تفسیر ڈالے گئے ہیں: جو مذکورہ بالا فنون کے علاوہ ہیں،
اور اگر آپ مجھ سے سچی بات پوچھیں، تو میں قرآن عظیم کا بلا واسطہ شاگرد ہوں، جیسا کہ میں اولیٰ
ہوں نبی کریم ﷺ کی روح سے استفادہ کرنے میں، اور جیسا کہ میں استفادہ کرنے والا ہوں کعبہ
شریف سے بلا واسطہ اور اسی طرح میں اثر قبول کرنے والا ہوں عظیم ترین نماز سے بلا واسطہ۔

اور اگر میرے لئے ہر مال کی جگہ میں ایک زبان ہو، تب بھی میں اسکی حمد کا پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔
اور میں ضروری خیال کرتا ہوں کہ اس رسالہ میں ان علوم (تفسیر) میں سے ہر علم و فن کے
بارے میں چند باتیں لکھوں۔

لغات:

مُعْظَمُ الشَّيْءِ: چیز کا بڑا حصہ، جمع معاظم کہا جاتا ہے: اِنَّ لِفُلَانٍ مُعَظِمَ وَاجِبَةِ الْمُرَاعَاةِ: فُلَانٍ
کے لئے بڑے بڑے حقوق ہیں، جن کی رعایت واجب ہے..... جُمْلَةُ صَالِحَةٍ: وافر مقدار.....
مَنْبِت: اگنے کی جگہ، مَنْبِت (بکسر الباء) نَبَت (ن) نَبَاتًا سے اسم طرف ہے، اور ثَلَاثِي مجرد سے
طرف خواہ زمانی ہو یا مکانی مَفْعَل کے وزن پر آتا ہے، جبکہ مضارع کا عین مضموم یا مفتوح ہو، مگر اس
قاعدے سے مَنْبِت مستثنیٰ ہے، دیکھئے مصباح اللغات ص ۸



فصل اول

محدثین کی تفسیروں میں جو روایات مروی ہیں ان کا بیان، اور ان کے متعلق

کچھ کار آمد باتیں

شاہ صاحب اس فصل میں محدثین کی تفسیروں میں جو آثار و روایات منقول ہیں، اولاً ان کی وضاحت فرماتے ہیں کہ وہ کس قسم کی روایات ہیں؟ پھر ان کے متعلق کچھ کار آمد باتیں بیان فرمائیں گے، جن کا جاننا تفسیر کے ہر طالب علم کے لئے نہایت ضروری ہے۔

اسباب نزول کی دونوں قسموں کے بارے میں اہم بات

جو آثار و روایات تفسیر کی کتابوں میں مروی ہیں، ان میں سے کچھ شان نزول کی تفصیل اور وضاحت پر مشتمل ہیں، اور اسباب نزول کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں جب کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تھا، جس سے مؤمنین کا ایمان اور منافقین کا نفاق نکھر کر سامنے آتا تھا، تو اللہ تعالیٰ مؤمنین کی تعریف اور منافقین کی مذمت میں کچھ آیتیں نازل فرماتے تھے، تاکہ کلام الہی فریقین کے درمیان فیصلہ کن ثابت ہو، مثلاً غزوہ احد، غزوہ احزاب اور غزوہ تبوک میں جب صحابہ کرام نے جانی اور مالی قربانیاں پیش کیں، اور منافقین نے بزدلی اور روگردانی کا مظاہرہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران، سورہ احزاب اور سورہ توبہ میں مؤمنین صادقین کی تعریف اور منافقین کی مذمت میں بہت سی آیتیں نازل فرمائیں، اور ان میں ان واقعات کی طرف اشارے کئے جو ان آیات کا پس منظر تھے، لہذا ان کی مختصر وضاحت کرنا مفسر کے لئے ضروری ہے، تاکہ پڑھنے والا کلام الہی کا مطلب اور مقصد اچھی طرح سمجھ جائے۔

دوسری قسم: آیت کے معنی آیت کے الفاظ کے عام ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سمجھ میں

آجاتے ہیں، کیونکہ تفسیر میں شان نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا، الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے، مگر پھر بھی قدیم مفسرین (صحابہ کرام و تابعین عظام) آیت اپنے عموم کی وجہ سے جس واقعہ پر صادق آتی ہے اس کو واضح کرنے کی غرض سے کوئی واقعہ ذکر کرتے ہیں، اور محدثین ان آثار کا احاطہ کرنے کی غرض سے جو آیت سے مناسبت رکھتے ہیں اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔

شان نزول کی اس قسم کا ذکر کرنا مفسر کے لئے ضروری نہیں، کیونکہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام بسا اوقات نَزَلَتْ الْآيَةُ فِي كَذَا کہہ کر ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، لیکن شان نزول بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ وہ واقعہ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جس پر آیت صادق آتی ہے، یا آیت اپنے عموم کی وجہ سے جن صورتوں کو شامل ہوتی ہے، ان میں سے بعض کو ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے خواہ وہ واقعہ آیت کے نزول سے پہلے پیش آیا ہو، یا بعد میں اور چاہے وہ واقعہ اسرائیلی ہو یا جاہلی ہو یا اسلامی، اور خواہ آیت کی تمام قیود پر منطبق ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شان نزول کی اس دوسری قسم کا مدار اجتہاد پر ہے، اور متعدد قصوں کی ایک آیت کے ذیل میں گنجائش ہے۔ جو شخص اس نکتہ کو یاد رکھے گا وہ معمولی غور و فکر سے اسباب نزول کے اختلاف کو حل کر لے گا۔

الفصل الأول

فی

بیان الآثار المروية فی تفاسیر اصحاب الحدیث، وما یتعلق بہا

قسمان من أسباب النزول

ومن جملة الآثار المروية فی کتب التفسیر بیان سبب النزول؛ وأسباب النزول

علی قسمین:

الأول: أن تقع حادثة یمحص بها ایمان المؤمنین ونفاق المنافقین، كما وقع ذلك فی غزوتی أحد والأحزاب، فأنزل اللہ تعالی مدح أولئك وذم هؤلاء، لیكون

فَيَصْلًا بَيْنَ الْقَرِيقَيْنِ؛ وَقَعُ فِي أَثْنَاءِ ذِكْرِ الْحَادِثَةِ تَعْرِضَاتٌ كَثِيرَةٌ بِخُصُوصِيَّاتِهَا؛
 فَيَجِبُ أَنْ تُشْرَحَ الْحَادِثَةُ بِكَلَامٍ مُخْتَصَرٍ لِيَتَّضِحَ عَلَى الْقَارِئِ سِيَاقُ الْكَلَامِ.
 وَالثَّانِي: أَنْ يَكُونَ مَعْنَى الْآيَةِ تَامًا بِعُمُومِ صِفَتِهَا، مِنْ دُونِ حَاجَةٍ إِلَى مَعْرِفَةِ الْقِصَّةِ
 الَّتِي هِيَ سَبَبُ النُّزُولِ، لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا لْخُصُوصِ السَّبَبِ؛ وَالْقَدَمَاءُ مِنْ
 الْمَفْسِّرِينَ قَدْ ذَكَرُوا تِلْكَ الْحَادِثَةَ بِقَصْدِ اسْتِعَابِ الْآثَارِ الْمُنَاسِبَةِ لِلْآيَةِ، أَوْ بِقَصْدِ
 بَيَانِ مَا صَدَّقَ عَلَيْهِ عُمُومُ الْآيَةِ؛ وَلَيْسَ مِنَ الضَّرُورِيِّ ذِكْرُ هَذَا الْقِسْمِ.
 وَقَدْ تَحَقَّقَ لَدَى الْفَقِيرِ: أَنَّ الصَّحَابَةَ وَالتَّابِعِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ كَثِيرًا مَا
 كَانُوا يَقُولُونَ: "نَزَلَتِ الْآيَةُ فِي كَذَا" وَكَانُوا غَرَضُهُمْ تَصْوِيرَ مَا صَدَقَتْ عَلَيْهِ
 الْآيَةُ، أَوْ ذِكْرُ بَعْضِ الْحَوَادِثِ الَّتِي تَشْتَمِلُهَا الْآيَةُ بِعُمُومِهَا، سَوَاءً تَقَدَّمَتِ الْقِصَّةُ
 عَلَى نَزُولِ الْآيَةِ أَوْ تَأَخَّرَتْ عَنْهُ، إِسْرَائِيلِيَّةٌ كَانَتْ الْقِصَّةُ أَوْ جَاهِلِيَّةٌ أَوْ إِسْلَامِيَّةٌ؛
 تَنْطَبِقُ عَلَى جَمِيعِ قِيُودِ الْآيَةِ أَوْ بَعْضِهَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.
 فَعَلِمَ مِنْ هَذَا التَّحْقِيقِ: أَنَّ لِلْاجْتِهَادِ فِي هَذَا الْقِسْمِ مَدْخَلًا، وَلِلْقَصَصِ الْمُتَعَدِّدَةِ هُنَاكَ
 مَجَالًا؛ فَمَنْ اسْتَحْضَرَ هَذِهِ النُّكْتَةَ يَسْتَطِيعُ أَنْ يُعَالِجَ اخْتِلَافَ أَسْبَابِ النُّزُولِ بِأَدْنَى تَأَمُّلٍ.

ترجمہ: پہلی فصل: ان آثار کے بیان میں جو محدثین کی تفسیروں میں مروی ہیں، اور ان باتوں کی وضاحت میں جو ان سے متعلق ہیں۔

اسباب نزول کی دو قسمیں: اور جو روایات تفسیر کی کتابوں میں منقول ہیں ان میں سے کچھ شان نزول کی وضاحت (پر مشتمل) ہیں، اور اسباب نزول کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: یہ ہے کہ (آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں) کوئی ایسا واقعہ پیش آتا، جس سے مؤمنین کے ایمان اور منافقین کے نفاق کو آزمایا جاتا، جیسا کہ غزوہ اُحُد اور غزوہ احزاب (خندق) میں یہی صورت پیش آئی، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف اور ان کی مذمت نازل فرمائی (یعنی مؤمنین کی تعریف اور منافقین کی مذمت میں آیتیں نازل فرمائیں) تاکہ (کلام الہی) فریقین کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہو جائے، اور (آیات میں) ایسے واقعہ کے تذکرہ کے درمیان میں واقعہ کی خصوصیات کی طرف بہت تعریضات واقع ہوئی ہیں، لہذا واقعہ کی مختصر کلام کے ذریعہ وضاحت کرنا (مفسر کے لئے) ضروری ہے، تاکہ پڑھنے والے کے سامنے کلام الہی کا مقصد واضح ہو جائے۔

اور دوسری قسم: یہ ہے کہ آیت کے معنی، آیت کے صیغہ کے عام ہونے کی وجہ سے تام ہوں، اس قصہ کی معرفت کی حاجت کے بغیر جو (آیت کے) نزول کا سبب ہے، کیونکہ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے، نہ کہ سبب نزول کی خصوصیت کا، اور قدیم مفسرین کبھی اس واقعہ کو ذکر کرتے ہیں ان آثار کا احاطہ کرنے کی غرض سے جو آیت کے مناسب ہیں، یا آیت کا عموم جس (صور توں) پر صادق آتا ہے اس کو بیان کرنے کی غرض سے، اور (شان نزول کی) اس قسم کا ذکر کرنا (مفسر کے لئے) ضروری نہیں۔ اور فقیر کے نزدیک یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم بکثرت فرماتے ہیں: نزلت الآیۃ فی کذا اور ان کا مقصد اس واقعہ کو بیان کرنا ہوتا ہے جس پر آیت صادق آتی ہے، یا ایسے بعض واقعات کو ذکر کرنا (مقصود) ہوتا ہے جس کو آیت شامل ہوتی ہے، اپنے عموم کی وجہ سے، خواہ وہ قصہ آیت کے نزول سے مقدم ہو، یا اس سے مؤخر ہو، (خواہ) اسرائیلی ہو وہ قصہ یا جاہلی ہو یا اسلامی، (خواہ) آیت کی تمام قیود پر منطبق ہوتا ہو، یا بعض پر، واللہ اعلم۔

پس اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ (شان نزول کی) اس قسم میں اجتہاد کو دخل ہے اور متعدد قصوں کی یہاں گنجائش ہے، لہذا جو شخص اس نکتہ کو یاد رکھے گا، وہ معمولی غور و فکر سے اسباب نزول کے اختلاف کو حل کر لے گا۔

لغات:

الآثار؛ الآثار کی جمع ہے: روایت، حدیث، صحابی یا تابعی کا قول مَحْصَنَ الرَّجُلِ تَمْحِصًا آزمائش کرنا سیاق الکلام: اسلوب کلام، کلام کا مقصد و مطلب النُّكْتَةُ: مشکل بات وقت نظر سے نکالی گئی ہو، جمع نِکْتَات.

نوٹ: اصل کتاب میں سے ذیلی عنوان (معنی قولہم: "نزلت الآیۃ فی کذا") مترجم دہم کے مشورہ سے حذف کیا گیا ہے۔



تفسیروں میں بے کار باتیں

تفسیر کی کتابوں میں جو آثار مروی ہیں ان میں سے کچھ آثار ان قصوں کی تفصیل اور وضاحت پر مشتمل ہوتے ہیں، جن کی طرف نظم قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے مفسرین اسرائیلی روایتوں سے اور سیرت کی کتابوں سے ان قصوں کی تمام تفصیلات اور جزئیات کو بیان کرتے ہیں۔

یہاں تفصیل اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ آیت میں جس قصہ کی طرف ایسا اشارہ کیا گیا ہو، جس کی تفصیل اور وضاحت جانے بغیر عربی زبان کا جاننے والا آیت کے معنی نہ سمجھ سکتا ہو، اس قصہ کی وضاحت کرنا مفسر کی ذمہ داری ہے۔ اور جو تفصیل اس کے علاوہ ہے، مثلاً بنی اسرائیل کو جس بقرہ کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ بیل تھا یا گائے؟ اور اصحاب کہف کا کتا چت کبرا تھا یا سرخ؟ اور اسی طرح کی دیگر تفصیلات جن کے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ایسی باتوں کا تذکرہ لایعنی (فضول) ہے صحابہ کرام اس قسم کی تفصیل کو ناپسند فرماتے تھے، اور تزییع اوقات کے قبیل سے شمار کرتے تھے، لہذا مفسر کو اس قسم کی باتیں بیان نہیں کرنی چاہئیں۔

أُمُورٌ فِي التَّفْسِيرِ لَا طَائِلَ تَحْتَهَا

وَمِنْ جَمَلَةٍ ذَلِكَ: تَفْصِيلُ قِصَّةٍ وَقَعَ فِي نَظْمِ الْقُرْآنِ تَعْرِیْضٌ بِأَصْلِهَا، فَيَسْتَقْصِي الْمَفْسِرُونَ تَفَاصِيلَهَا مِنْ أَخْبَارِ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَوْ مِنْ كُتُبِ السَّيْرِ فَيَذْكُرُونَهَا بِجَمِيعِ أَجْزَائِهَا.

وَهَذَا أَيْضًا تَفْصِيلٌ: إِنْ كَانَتِ الْآيَةُ تُشْتَمِلُ عَلَى تَعْرِیْضٍ بِالقِصَّةِ، بِحَيْثُ يَتَوَقَّفُ الْعَارِفُ بِاللُّغَةِ هُنَاكَ، وَيَبْحَثُ عَنْهَا، فَذَكَرُهَا مِنْ وَظِيفَةِ الْمَفْسِرِ؛ وَمَا كَانَ خَارِجًا مِنْهَا — مِثْلُ ذِكْرِ بَقَرَةَ بَنِي إِسْرَائِيلَ: أَذْكَرًا كَانَتْ أَمْ أُنْثَى؟ وَمِثْلُ بَيَانِ كَلْبِ أَصْحَابِ الْكُهْفِ: هَلْ كَانَ أَبْقَعَ أَمْ أَحْمَرٌ؟ — فَذَكَرَهُ مِمَّا لَا يَعْنِيهِ؛ وَكَانَتِ الصَّحَابَةُ رَضَى اللَّهُ عَنْهُمْ يَكْرَهُونَهُ، وَيَعْدُّونَهُ مِنْ قِبَلِ تَضْيِيعِ الْأَوْقَاتِ.

ترجمہ: تفسیر میں کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا: (تفسیر کی کتابوں میں جو آثار مروی ہیں) ان میں سے کچھ اس قصہ کی تفصیل (پر مشتمل) ہوتے ہیں، جس کی اصل کی طرف نظم قرآن میں تعریض واقع ہوئی ہے، پس مفسرین اس (قصہ) کی تمام تفصیلات بیان کرتے ہیں بنی اسرائیل کی روایتوں اور سیرت کی کتابوں سے، چنانچہ اس قصہ کو اس کی تمام جزئیات (اور خصوصیات) کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

اور یہاں بھی قدرے تفصیل ہے: اگر آیت میں قصہ کی طرف ایسی تعریض ہو کہ عربی زبان کا جاننے والا وہاں ٹھہر جائے، اور قصہ کی تفتیش کرے، تو اس (قصہ) کا ذکر کرنا مفسر کی ذمہ داری ہے،

اور جو (تفصیل) اس کے علاوہ ہے۔۔۔ جیسے بنی اسرائیل کے بقرہ کا ذکر کہ آیا وہ نہ تھا یا مادہ؟ اور جیسے اصحاب کہف کے کتے کی تفصیل کہ وہ چت کبرا تھا یا سرخ؟۔۔۔ تو اس کا ذکر کرنا بے فائدہ باتوں میں سے ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو ناپسند کرتے تھے اور اس کو تضييع اوقات کے قبیل سے شمار کرتے تھے۔

لغات:

لا طائل: کوئی فائدہ نہیں، کہا جاتا ہے: هذا امر لا طائل فيه: یہ ایسا کام ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں..... استقصی المسئلة، وفيها: مسئلہ کی تہ کو پہنچنا..... بحث (ف) عنه بحثا: تفتیش کرنا..... الاتبع: چت کبرا، سیاہ سفید داغوں والا۔



منتقد میں کبھی برسبیل احتمال تفسیر کرتے ہیں

یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ آیات کریمہ میں جن واقعات کی طرف اشارے آئے ہیں، اُن واقعات کو بعینہ بیان کرنا چاہئے عقل سے اس میں کوئی تصرف نہیں کرنا چاہئے۔ مگر قدیم مفسرین (صحابہ و تابعین) کبھی تصرف کرتے ہیں، وہ قرآن کریم کے اشارہ کو سامنے رکھ کر، اس کا کوئی مناسب محمل (مصدق) فرض کرتے ہیں، پھر اس فرضی واقعہ کو برسبیل احتمال آیت کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں، ایسے مواقع میں متاخرین مفسرین حیرت میں پڑ جاتے ہیں، اور منتقد میں ایسا اس لئے کرتے تھے کہ ان کے زمانہ میں اسلوب بیان منقطع نہیں ہوئے تھے، اس زمانہ میں حقیقی اور احتمالی شان نزول میں فرق نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ آج بھی اساتذہ تفسیر کبھی آیت کی تفہیم کے لئے اس قسم کی احتمالی باتیں علی سبیل المثال بیان کرتے ہیں، غرض ایسے مواقع میں متاخرین پر معاملہ کبھی مشتبہ ہو جاتا ہے، وہ احتمالی تفسیر اور حتمی تفسیر میں امتیاز نہیں کرتے، اور ایک کو دوسری کی جگہ ذکر کر دیتے ہیں جبکہ علی سبیل الاحتمال (مثال کے طور پر) تفسیر کرنا ایک اجتہادی امر ہے اور نظر عقلی کے لئے اس میں بہت گنجائش ہے اور قیل و قال کا گھوڑا دوڑانے کے لئے وسیع جولان گاہ ہے۔

جو شخص اس نکتہ کو یاد رکھے گا، وہ مفسرین کے درمیان بہت سی اختلافی جگہوں میں برحق فیصلہ کر سکے گا، اور صحابہ کرام کے بہت سے مباحثوں اور مذاکروں میں جان لیگا کہ یہ ان کی قطعی اور حتمی رائیں نہیں ہیں، بلکہ علمی اشکالات و اعتراضات ہیں، جن کو مجتہدین ایک دوسرے کے سامنے پیش

کرتے ہیں۔

اور اسی محل اور توجیہ پر محمول کرنا چاہئے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اُس قول کو جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ إِلَى الْكُفَّينِ﴾ (سورہ مائدہ آیت ۶) کی تفسیر میں منقول ہے: کہ ”میں اللہ کی کتاب میں مسح کے سوا کوئی حکم نہیں پاتا، لیکن لوگوں نے غسل کی ماسوا کا انکار کیا ہے“ ابن عباسؓ کے اس قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے، نہ ابن عباس کا یہ مذہب ہے، بلکہ ابن عباسؓ کے نزدیک بھی پیروں کو دھونا فرض ہے، لیکن انھوں نے یہاں ایک علمی اشکال پیش کیا ہے، اور ایک احتمال ظاہر فرمایا ہے، تاکہ دیکھیں کہ ان کے زمانہ کے علماء اس اشکال کا کیا جواب دیتے ہیں؟ اور اس تعارض کو کس طرح دفع کرتے ہیں؟ مگر جو شخص اسلاف کے محاورات اور ان کے انداز بیان سے واقفیت نہیں رکھتا، وہ اس کو ابن عباسؓ کا قول گمان کرتا ہے، اور اس کو ابن عباسؓ کا مذہب سمجھتا ہے۔ حالانکہ ابن عباس کا یہ مذہب ہرگز نہیں۔

القدماء ربما يفسرون على سبيل الاحتمال

وَلْيَحْفَظْ ههنا أيضًا نكتتان:

الأولى: أن الأصل في هذا الباب إيراد القصص المسموعة، كما رويت: من غير تصرف عقلي فيها، وأما طائفة من قدماء المفسرين فيضعون ذلك التعريض نُصَبَ أَعْيُنُهُمْ، ويُفرضون له محملاً مناسباً، ويبينونه على سبيل الاحتمال، فيشبهه الأمر على المتأخرين. ولَمَّا لم تكن أساليبُ البيانِ منقحةً في ذلك العصر، فربما يشبه التفسيرُ على سبيل الاحتمالِ بالتفسيرِ مع الجزم، فيذكرون أحدهما مكان الآخر؛ وهذا أمرٌ اجتهدتُ، وللنظرِ العقلي فيه مجالٌ، ورخصٌ جوادُ القيل والقالِ هناك ممكنٌ.

ومن حفظ هذه النكتة فإنه يستطيع أن يحكم حكماً فضلاً في كثير من مواضع الاختلاف بين المفسرين؛ ويمكن أن يعلم في كثير من مناظرات الصحابة رضی اللہ عنہم: أنها ليست آرائهم القطعية، بل هي بحوث علمية، يتداولها المجتهدون

فیما بینہم۔

وعلى هذا المَحْمِلِ يُحْمَلُ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ قَوْلَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي تَفْسِيرِ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَافِرِينَ﴾: "لَا أَجِدُ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَّا الْمَسْحَ، لَكِنِّهِمْ أَبَوَا إِلَّا الْغَسْلَ" فَالَّذِي يَفْهَمُهُ الْفَقِيرُ: أَنَّهُ لَيْسَ هَذَا بِذَهَابٍ مِنْهُ إِلَى وَجُوبِ الْمَسْحِ، وَلَيْسَ فِيهِ جَزْمٌ بِحَمْلِ الْآيَةِ عَلَى رُكْنِيَةِ الْمَسْحِ؛ بَلِ الَّذِي ثَبَتَ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا هُوَ الْغَسْلُ؛ وَلَكِنَّهُ يَقَرُّرُهَا إِشْكَالًا، وَيُبْدِي أَحْتِمَالًا، لِيَرَى كَيْفَ يُطَبِّقُ عُلَمَاءُ عَصْرِهِ فِي هَذَا التَّعَارُضِ؟ وَأَيُّ مَسْلَكٍ يَسْلُكُونَهُ؟ فَرَعَمَ الَّذِي لَمْ يَطَّلِعْ عَلَى حَقِيقَةِ مُحَاوَرَاتِ السَّلَفِ هَذَا قَوْلَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَعَدَّهُ مَذْهَبًا لَهُ حَاشَا! ثُمَّ حَاشَا!!

ترجمہ: کبھی قدیم مفسرین احتمالی تفسیر بیان کرتے ہیں: اور یہاں دو نکتے یاد رکھنے چاہئیں: پہلا نکتہ: یہ ہے کہ اصل اس باب میں (یعنی شان نزول کے واقعات کی تفصیل میں) سنے ہوئے قصوں کو ذکر کرنا ہے جس طرح وہ مروی ہیں، ان میں کوئی عقلی تقصیر کئے بغیر، مگر قدیم مفسرین کا ایک گروہ اس تعریض کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے، اور (تعریض) کا کوئی مناسب مصداق فرض کرتا ہے، اور (اس فرضی مصداق) کو احتمال کے طور پر بیان کرتا ہے، پس متاخرین پر معاملہ مشتبه ہو جاتا ہے، اور جب بیان کے اسلوب اس زمانہ میں نکھرے ہوئے نہیں تھے، تو بسا اوقات احتمالی تفسیر حتی تفسیر سے مشتبه ہو جاتی ہے، اور ایک کو دوسرے کی جگہ ذکر کر دیتے ہیں، اور یہ (احتمالی تفسیر) اجتہادی چیز ہے، اور عقلی غور و فکر کی اس میں گنجائش ہے، اور بحث و مباحثہ کے گھوڑے دوڑانا یہاں ممکن ہے۔

اور جو شخص اس نکتہ کو یاد رکھے گا، وہ صحیح فیصلہ کر سکے گا مفسرین کے درمیان بہت سی اختلافی جگہوں میں، اور صحابہ کرام کے بہت سے علمی مباحثوں (مذاکروں) میں جان لیگا کہ یہ ان کی قطعی (اور حتی) رائیں نہیں ہیں، بلکہ وہ علمی اشکالات ہیں جن کو مجتہدین ایک دوسرے کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اور اسی محمل (توجیہ) پر بندہ ضعیف محمول کرتا ہے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو، (جو) اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَافِرِينَ﴾ کی تفسیر میں (منقول) ہے کہ "میں اللہ کی کتاب میں مسح کے سوا نہیں پاتا، لیکن لوگوں نے دھونے کے علاوہ کا

انکار کیا ہے، پس فقیر جو بات سمجھتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ان (ابن عباس) کا مسح کے وجوب کی طرف جانا نہیں ہے (یعنی ان کا یہ مذہب نہیں ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے) اور نہ اس (قول) میں آیت کو مسح کی فرضیت پر محمول کرنے کا حتمی فیصلہ ہے، بلکہ جو بات ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ثابت ہے، وہ غسل ہی ہے، لیکن انھوں نے یہاں ایک اشکال پیش کیا ہے، اور ایک احتمال ظاہر کیا ہے، تاکہ دیکھیں کہ ان کے زمانہ کے علماء اس تعارض میں کس طرح تطبیق دیتے ہیں؟ اور کوئی راہ اختیار کرتے ہیں؟ پس جو شخص اسلاف کی باہمی گفتگو کی حقیقت سے واقف نہیں ہے، وہ گمان کرتا ہے کہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اور وہ اس کو ان (ابن عباس) کا مذہب سمجھتا ہے ایسا ہر گز نہیں، پھر (کہتا ہوں) ایسا ہر گز نہیں۔

لغات:

النُّصْبُ والنُّصْبُ: کھڑی کی ہوئی چیز، کہا جاتا ہے: هَذَا نُصْبٌ عَيْنِي: یہ میری نگاہ کے سامنے ہے..... الْمُحْمِلُ: وہ چیز جس میں کوئی چیز اٹھائی جائے، وہ قصہ یا کلام جس میں کسی اجمال کی تفصیل ہو مصداق، توجیہ..... رَكْعَتَانِ (ن) رَكْعَتَانِ: دو رُکعتیں، رَكْعَتَانِ الفَرَسِ بِرُجُلَيْهِ: گھوڑے کو ایڑ لگانا، گھوڑے کو دوڑانا..... جِيَادٌ: جَوَادٌ کی جمع ہے: تیز رفتار گھوڑا..... حُكْمًا فَضْلًا: قطعی فیصلہ، صحیح حکم..... حَاشَا: کلمہ استثناء ہے جس کے ذریعہ متشی کو متشی منہ کے حکم سے تنزیہاً خارج کیا جاتا ہے۔



اسرائیلی روایتوں کو بیان کرنا ایک سازش ہے جو دین میں در آئی ہے
اسرائیلی روایتوں کو تفسیر میں نقل کرنا ایک خفیہ سازش ہے جو ہمارے دین میں در آئی ہے،
جبکہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ: ”اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو، نہ ان کی تکذیب کرو“ لہذا اس مسلمہ قاعدہ کے پیش نظر دو باتوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

پہلی بات: جب حدیث میں قرآن کریم کے اشارہ کی تفصیل موجود ہو، تو اسرائیلی روایت کو تفسیر میں نقل نہیں کرنا چاہئے، مثلاً جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ، وَالْقَيْنَا عَلٰی كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا، ثُمَّ اَنَابَ﴾ (سورہ ص آیت ۳۴) کی تفسیر حدیث نبوی میں موجود ہے، اور وہ ان شاء اللہ نہ کہنے کا، اور اس پر مواخذہ کا واقعہ ہے، تو صخرہ مار د کا قصہ ذکر کرنے کی کیا

ضرورت ہے؟ چنانچہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں:

”حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام عورتوں کے پاس جاؤں گا، (جو تعداد میں ستر، یا نوے یا سو کے قریب تھیں) اور ہر ایک عورت ایک بچہ جنے گی، جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا، فرشتہ نے القاء کیا کہ ان شاء اللہ کہہ لیجئے، مگر (باوجود دل میں موجود ہونے کے) زبان سے نہ کہا، خدا کا کرنا کہ اس مباشرت کے نتیجے میں ایک عورت نے بھی بچہ نہ جنا، صرف ایک عورت سے ادھر اور اچھ ہوا —

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دایہ نے وہی بچہ ان کے تحت پر لا کر ڈال دیا، کہ لو! یہ تمہاری قسم کا نتیجہ ہے (اسی کو یہاں ”جسد“ (دھڑ) سے تعبیر کیا ہے) یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوئے، اور ان شاء اللہ نہ کہنے پر استغفار کیا، نزدیکان راہیں بود حیرانی — حدیث میں ہے کہ اگر ان شاء اللہ کہہ لیتے، تو بیشک اللہ تعالیٰ دیسا ہی کر دیتا جو ان کی تمنا تھی“ (فوائد عثمانی) یہ بخاری و مسلم شریف کی روایت ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۵۰۸ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم السلام)

دوسری بات: قرآن کریم میں جس واقعہ کی طرف اشارہ آیا ہو، اس کی تفصیل ضرورت کے بقدر ہی بیان کرنی چاہئے تاکہ قرآن کریم کی گواہی سے اس کی تصدیق ہو سکے، نیز قاعدہ بھی ہے کہ: ”ضروری بات بقدر ضرورت ہی ثابت مانی جاتی ہے“ لہذا ضرورت سے زیادہ گفتگو نہیں کرنی چاہئے، مثلاً ایوب علیہ السلام کے ابتلاء کا جو واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے، اور جس کے بارے میں سورہ ص میں ہے کہ شیطان نے آپ کو ”رنج و آزار“ پہنچایا تھا اور سورۃ الانبیاء میں ہے کہ آپ نے دعا کی کہ: ”اے میرے رب! مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں“ (آیت ۸۳) اس ابتلاء کی تفصیل بقدر ضرورت ہی کرنی چاہئے، اور بائبل کے صحیفہ ایوب میں ابتلاء کی جو تفصیلات مذکور ہیں، وہ ہرگز بیان نہیں کرنی چاہئیں، وہ شان نبوت کے ہر گز سزاوار نہیں۔

دوسری مثال: سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ، نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَانَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ، وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ

مَلِكٍ سُلَيْمٍ، وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٌ، وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا، يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السَّحْرَ، وَمَا
 أَنْزَلَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ، وَمَا يُعَلِّمَنِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا: إِنَّمَا
 نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ، فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ
 بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ، وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ، وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ
 مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ، وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ، لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ، وَلَوْ أَنَّهُمْ
 آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِنَ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ، لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (۱۰۳-۱۰۱)

ترجمہ: اور جب ان (یہود) کے پاس ایک عظیم المرتبت پیغمبر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) آئے، اللہ کی
 طرف سے، جو تصدیق کر رہے ہیں اس کتاب (تورات) کی جو ان کے پاس ہے (تو) اہل کتاب میں
 سے ایک فریق نے اللہ کی کتاب (قرآن کریم) کو پس پشت ڈال دیا، جیسے کہ ان کو گویا اصلاً علم ہی
 نہیں (حالانکہ اس نبی کی اور اس کی کتاب کی اطلاعات پیشین گوئی کے طور پر ان کی کتابوں میں موجود
 تھیں) اور انہوں نے اس چیز (جادو) کا اتباع کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین حضرت سلیمان علیہ
 السلام کے عہد سلطنت میں اور حضرت سلیمان نے کفر نہیں کیا (یعنی جادو کو رواج نہیں دیا) بلکہ
 شیاطین کفر کیا کرتے تھے سکھاتے تھے۔ وہ (شیاطین) لوگوں کو جادو اور وہ بات جو بابل شہر میں
 ہاروت و ماروت نامی دو فرشتوں پر اتاری گئی تھی، اور وہ دونوں فرشتے کسی کو نہیں سکھاتے تھے جب
 تک یہ نہ جتلا دیتے کہ ہمارا وجود ایک امتحان ہے سو تو کافر مت بن جانا، پس لوگ ان دونوں فرشتوں
 سے سیکھتے تھے وہ (تعویذ) جس کے ذریعہ تفریق پیدا کر دیتے تھے کسی مرد اور اس کی بیوی کے
 درمیان، اور وہ اس کے ذریعہ ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو مگر باذن الہی اور (یہود) سیکھتے ہیں وہ چیز جو ان کو
 ضرر رساں ہے اور جو کسی طرح بھی ان کے لئے نافع نہیں ہے، اور ضروریہ (یہودی) یہ بات جانتے
 ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے گا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بے شک بہت بری ہے
 وہ چیز جس میں وہ لوگ اپنی جان کھپا رہے ہیں، کاش ان کو عقل ہوتی! اور اگر وہ لوگ ایمان و تقویٰ
 اختیار کرتے تو خدا تعالیٰ کے ہاں کا معاوضہ بہتر تھا، کاش وہ لوگ سمجھتے!

تشریح: ان آیات میں وَمَا أَنْزَلَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ کا عطف السَّحْرَ پر ہے اور ما موصولہ کا
 بیان آگے خود قرآن کریم میں آ رہا ہے یعنی ﴿يَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْمَرْءِ
 وَزَوْجِهِ﴾ پھر بعید پر یعنی ﴿مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ﴾ پر عطف کرنے کی اور زہرہ کے لغو قصہ کو

بیان کرنے کی کیا حاجت ہے؟ بلکہ آیت کریمہ کی صحیح تفسیر اس طرح ہے:

جس زمانہ میں بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کر کے بیت المقدس کو برباد کر دیا تھا، اور بنی اسرائیل کو ہانک کر شہر بابل لے گیا تھا، جو اس کی سلطنت کا پایہ تخت تھا اور بنی اسرائیل کو غلام باندی بنا کر لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا اس زمانہ میں اہل بابل بنی اسرائیل پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے، اور ان کو دشوار ترین کام کرنے پر مجبور کرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر مہربانی فرمانے کا ارادہ کیا، اور ہاروت و ماروت نامی دو فرشتوں کو شہر بابل میں بھیجا، جو فردا فردا بنی اسرائیل سے ملاقات کرتے تھے اور چونکہ وہ فرشتے تھے اس لئے باہلی ان کو نہیں دیکھتے تھے، وہ فرشتے بنی اسرائیل کو ایسا عمل سکھاتے تھے جس سے میاں بیوی میں جھگڑا اور تفریق ہو جائے اور آقا گھریلو خر خشوں میں پھنس کر رہ جائے، مگر فرشتے پہلے بنی اسرائیل کو فردا فردا نصیحت کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو تمہاری آزمائش کے لئے بھیجا ہے، لہذا اس عمل اور تعویذ کو صرف اس آقاء کے خلاف استعمال کرنا جو تمہیں پریشان کرتا ہو، اور تم پر سختی کرتا ہو، اپنے بھائیوں کے خلاف استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری مت کرنا مگر بعد میں شیاطین نے جب یہ عمل تفریق یہود کو سکھایا تو انہوں نے جادو کی طرح اس عمل کو بھی ذریعہ معاش بنالیا، جیسا کہ آج بھی بعض مسلمان عامل یہ کفریہ حرکت کرتے ہیں۔

النقل عن بنی اسرائیل دَسِيسَةً دخلت في ديننا

النکۃ الثانیۃ: ہی ان النقل عن بنی اسرائیل دسیسۃ دخلت فی دیننا بعد ما كانت قاعدة: "لا تُصَدِّقُوا اهل الكتاب ولا تکذبوهم" مقررة؛ فلزم لأجل ذلك امران: الأول: أن لا یُرتکب النقل عن اهل الكتاب إذا وُجد فی سنة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بیان لتعریض القرآن؛ مثلاً حينما وُجد لقوله تعالى: ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَأَلْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا، ثُمَّ اَنَابَ﴾ محملاً فی السنة النبویة — وهو قصة ترك "إن شاء الله" والمواخذة علیه — فأی حاجة إلى ذکر قصة صخر المارِ؟! والثانی: أن یتکلم بقدر اقتضاء التعریض نظراً إلى قاعدة: "الضروری یتقدّر بقدر الضرورة"، لیُمكن تصدیقه بشهادة القرآن، ولیکف لسانه عن الزیادة علیه.

ترجمہ: بنی اسرائیل سے نقل کرنا ایک خفیہ سازش ہے جو ہمارے دین میں در آئی ہے:
دوسرا نکتہ: وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے نقل کرنا ایک خفیہ سازش ہے جو ہمارے دین میں داخل ہو گئی ہے، جبکہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ: ”اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو، نہ ان کی تکذیب کرو“ (اور اسرائیلی روایت کو ذکر کرنا اور اس کی تردید نہ کرنا اس کی تصدیق ہے) لہذا اس (قاعدہ) کی وجہ سے دو باتیں ضروری ہیں:

پہلی بات: یہ ہے کہ اہل کتاب سے نقل کرنے کا ارتکاب نہ کیا جائے، جب ہمارے نبی ﷺ کی حدیث میں قرآن کریم کی تعریض کی وضاحت موجود ہو، مثلاً جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ، وَالْقَيْنَا عَلٰی كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا، ثُمَّ اَنَابَ﴾ کا محمل (وضاحت) حدیث نبوی میں موجود ہے، اور وہ ان شاء اللہ ترک کرنے اور اس پر مواخذہ کا قصہ ہے، تو صخرہ مادر کا قصد کر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟
اور دوسری بات: یہ ہے کہ تعریض کے تقاضے (چاہت) کے بقدر گفتگو کی جائے، اس قاعدہ کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ: ”ضروری بات ضرورت کے بقدر ثابت مانی جاتی ہے“ تاکہ قرآن کریم کی گواہی سے اس کی تصدیق ہو سکے، اور ضرورت سے زیادہ (گفتگو کرنے) سے اپنی زبان کو روکنا چاہئے۔

لغات:

دَمِيْسَةٌ: خفیہ سازش، دَسٌّ عَلَيْهِ (ن) دَسًا: حیلہ و مکر کرنا، سازش کرنا..... تَقَدَّرَ الثَّوْبُ علیہ: کپڑے کا مقدار کے مطابق ہونا..... كَفَّهُ عَنْ الْأَمْرِ (ن) كَفَّوْا كَفَافَةً: باز رکھنا، روکنا۔
﴿فَانذِهِ﴾ لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكْذِبُوهُمْ، یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے، اور بخاری شریف میں مروی ہے (مشکوٰۃ شریف، باب الاعتصام بالکتاب والسنة ص ۲۸ —
الضروری یَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُورَةِ، یہ فقہی قاعدہ ہے، اور شیخ زرقاء نے ”شرح القواعد الفقہیہ“ میں ذکر فرمایا ہے، (قاعدہ ۲۱، ص ۱۳۳ بحوالہ العون الکبیر)



قرآن کی قرآن سے تفسیر

بسا اوقات قرآن کریم میں ایک جگہ ایک بات مبہم انداز میں ذکر کی جاتی ہے، اور دوسری

جگہ اس کی تفصیل موجود ہوتی ہے، مثلاً سورہ فاتحہ میں ارشاد ہے: ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ؛ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ہمیں سیدھا راستہ بتائیے، ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے، اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی وضاحت نہیں فرمائی جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، لیکن سورہ نساء میں ان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّدِيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ، وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا (سورہ نساء آیت ۶۹) ترجمہ: اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں۔

اسی طرح سورہ بقرہ آیت ۳ میں ارشاد ہے: ﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے، پس اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، یہاں اللہ نے ان کلمات کی وضاحت نہیں فرمائی جو آدم علیہ السلام نے سیکھے تھے، لیکن سورہ اعراف میں ان کلمات کی تفصیل آئی ہے:

قَالَا: رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا، ان دونوں (آدم وحواء) نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہم
وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا، نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور اگر آپ نے ہماری مغفرت
لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ، نہ فرمائی، نہ ہم پر مہربانی فرمائی تو ہم ضرور نقصان اٹھانے
(سورہ اعراف آیت ۲۳) والوں میں سے ہو جائیں گے۔

نیز سورہ بقرہ آیت ۳۰ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ارشاد فرمایا ہے: ﴿إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ میں اس بات کو جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے، پھر چند آیتوں کے بعد ارشاد ہے: ﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ: إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ﴾ کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ بیشک میں آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتیں جانتا ہوں، اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو، اور جس کو تم (دل میں) پوشیدہ رکھتے ہو اس کو بھی جانتا ہوں، اس ارشاد میں پہلے ارشاد کی قدرے تفصیل ہے۔

اسی طرح سورہ ذاریات آیت ۴۳ میں ارشاد ہے: ﴿وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ﴾ اور ثمود کے قصہ میں عبرت ہے جبکہ ان سے کہا گیا کہ کچھ دن اور مزے اڑالو، اس ارشاد

میں اللہ نے جو بات مبہم انداز میں بیان فرمائی ہے، سورہ ہود میں اس کی تفصیل ہے:

فَعَقَرُوهَا فَقَالَ: تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، ذَلِكَ وَعَذٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ (سورہ ہود آیت ۶۵) کرلو، یہ ایسا وعدہ ہے جس میں ذرا جھوٹ نہیں۔

یہ تفسیر القرآن بالقرآن کی چند مثالیں ہیں بعض حضرات نے اس موضوع پر مستقل تفسیریں لکھی ہیں، اس قسم کی ایک تفسیر علامہ ابن جوزی نے بھی لکھی تھی، علامہ سیوطی نے ”الاتقان“ میں اس کا تذکرہ کیا ہے، اور اسی انداز کی ایک گراند تفسیر مدینہ طیبہ کے ایک عالم شیخ محمد امین بن محمد مختار شنقیتی رحمہ اللہ نے چند سال پہلے لکھی ہے، جو ”أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن“ کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

تفسیر القرآن بالقرآن

وهنا نكتة لطيفة إلى الغاية، لا بد من معرفتها، وهي: أنها قد تُذكر في القرآن العظيم قصة في موضع بالإجمال، وفي موضع آخر بالتفصيل، كما قال تعالى: ﴿إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ثم قال بعد ذلك: ﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ: إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ﴾ فهذا القول الثاني هو القول الأول بنوع من التفصيل، فيمكن أن يُعلم به تفسير ذلك الإجمال، ويركض من الإجمال إلى التفصيل.

ومثلاً: ذَكَرَ في سورة مريم قصة سيدنا عيسى عليه السلام إجمالاً، فقال تعالى: ﴿وَلَنَجْعَلَنَّ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا، وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا﴾، وَذَكَرَتْ في سورة آل عمران تفصيلاً، فقال تعالى: ﴿وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ: أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ الآية، ففي هذه المقولة بشارة تفصيلية، وتلك المقولة بشارة إجمالية؛ فَمِنْ ثَمَّ استنبط العبد الضعيف أن معنى الآية: ”ورسولا إلى بني إسرائيل، مُخْبِراً بَأَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ“ وهذا كُلُّهُ داخل في حيز البشارة، ليس بمتعلقٍ بمحذوف، كما أشار إليه السيوطي، حيث قال: ”فلما بعثه الله تعالى إلى بني إسرائيل قال لهم: ”إني رسول الله إليكم، بَأَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ“ والله أعلم.

ترجمہ: قرآن کی قرآن سے تفسیر کرنا: اور یہاں ایک نہایت عمدہ نکتہ ہے جس کا جاننا ضروری ہے، اور وہ (نکتہ) یہ ہے کہ کبھی قرآن عظیم میں کوئی قصہ (یعنی کوئی بات) ایک جگہ میں ابہام کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے، اور دوسری جگہ میں تفصیل کے ساتھ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے“ پھر اس کے بعد فرمایا ہے: ”کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ: بیشک میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتیں، اور جانتا ہوں جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم (دل میں) پوشیدہ رکھتے ہو“ پس یہ دوسرا ارشاد وہی پہلا ارشاد ہے قدرے تفصیل کے ساتھ، لہذا اس (دوسرے ارشاد) سے اس اجمال کی تفسیر جانی جاسکتی ہے، اور اجمال سے تفصیل کی طرف پیش رفت ہو سکتی ہے۔

اور مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورہ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ اجمالی طریقہ پر ذکر فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”اور تاکہ ہم ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو لوگوں کے لئے ایک نشانی اور باعث رحمت بنائیں، اور یہ ایک طے شدہ بات ہے“ (سورہ مریم آیت ۲۱) اور سورہ آل عمران میں یہ مضمون تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ: أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ (سورہ آل عمران آیت ۴۹) پس اس ارشاد میں تفصیلی بشارت ہے اور وہ ارشاد اجمالی بشارت ہے، اسی وجہ سے بندہ ضعیف نے آیت کے یہی معنی نکالے ہیں: ﴿وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ مُخْبِرًا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ اور ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجیں گے اس حال میں کہ وہ خبر دینے والے ہوں گے کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں“ اور یہ پوری آیت بشارت کے تحت داخل ہے۔ محذوف سے متعلق نہیں ہے، جیسا کہ اس کی طرف علامہ سیوطی نے (تفسیر جلالین میں) اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ انھوں نے فرمایا ہے: پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا، تو انھوں نے بنی اسرائیل سے کہا: بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بایں طور کہ میں لایا ہوں النخ۔ واللہ اعلم۔

استدراک: شاہ صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں جو نکتہ بیان فرمایا ہے وہ نہایت عمدہ ہے، اور اس کی پہلی مثال بالکل درست ہے، مگر دوسری مثال میں کلام ہے، کیونکہ جمہور مفسرین

نے سورہ مریم کی آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا قدرت خداوندی کی ایک عظیم نشانی ہے، چنانچہ مفسر قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

”ہماری حکمت اسی کو مقتضی ہے کہ بدون مس بشر کے محض عورت کے وجود سے بچہ پیدا کیا جائے اور وہ دیکھنے اور سننے والوں کے لئے ہماری قدرت عظیمہ کی ایک نشانی ہو“ (نوائد عثمانی)

پس سورہ مریم کی آیت میں جس نشانی کا ذکر ہے وہ اور ہے، اور سورہ آل عمران کی آیت اور ہے، پس اس کو تفصیلی بشارت قرار دینا جمہور کی تفسیر کے خلاف ہے (العون الکبیر)



شرح غریب میں اختلاف کی وجہ، اور مفسر کی ذمہ داری

جو آثار تفسیروں میں مروی ہیں ان میں سے کچھ غریب الفاظ کی تشریح پر مشتمل ہیں، اور غریب الفاظ کی تشریح میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کے آثار و اقوال مختلف ہیں، اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ غریب الفاظ کی تشریح کا مدار کبھی تو لغت عرب کی جستجو اور چھان بین پر ہوتا ہے اور کبھی آیت کے سیاق و سباق کو سمجھنے پر، اور لفظ جس جملہ میں واقع ہوا ہے اس کے اجزاء سے لفظ کی مناسبت کے پہچاننے پر ہوتا ہے، اور لغت عرب میں ایک لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اس لئے عربوں کے استعمالات کی چھان بین اور جستجو میں لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح آیت کے سیاق و سباق کے سمجھنے، اور لفظ کی اجزائے جملہ سے مناسبت کے پہچاننے میں بھی لوگوں کی عقلیں متفاوت ہیں، اور ہر مفسر اپنی چھان بین اور سمجھ کے مطابق تفسیر و تشریح کرتا ہے، اس لئے غریب الفاظ کی تشریح و تفسیر میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال باہم مختلف ہوئے ہیں، لہذا انصاف پسند مفسر کے لئے ضروری ہے کہ:

پہلے غریب لفظ کی تشریح میں اسلاف سے جو مختلف آثار و اقوال مروی ہیں ان کو اچھی طرح تلاش کرے، اور عربوں کے استعمالات و محاورات کی خوب چھان بین کرے، اور آیت کے سیاق و سباق کو سمجھنے کی پوری کوشش کرے، اور لفظ کی اجزاء جملہ سے جو مناسبت اور تعلق ہے اس

کو پہچانے، پھر غریب لفظ کی تشریح کو دو مرتبہ جانچے:
 پہلی مرتبہ: عربوں کے استعمالات و محاورات کی روشنی میں جانچے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ
 پیش نظر غریب لفظ کی تشریح میں عربوں کے استعمالات میں سے کونسا استعمال راجح اور قوی تر ہے۔
 اور دوسری مرتبہ: آیت کے سیاق و سباق کی روشنی میں پرکھے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ پیش
 نظر غریب لفظ کی کوئی تشریح و توجیہ آیت کے مضمون سے قریب تر اور بہتر ہے۔

وجه اختلاف السلف فی شرح غریب القرآن

وکیف ینخرج المفسر من العہدۃ فی ذلک؟

ومن جملۃ ذلک: شرح الغریب؛ ومبناہ علی تتبع لغۃ العرب، أو التفطن
 بسباق الآیۃ وسباقہا ومعرفۃ مناسبۃ اللفظ بأجزاء الجملة الی وقع ہوفہا؛ فہنہا
 ایضاً للعقل مدخل، وللاختلاف مجال؛ لأن الکلمۃ الواحدۃ تأتي فی لغۃ العرب
 لمعان شتی، وتختلف العقول فی تتبع استعمالات العرب، والتفطن بمناسبۃ
 السابق واللاحق؛ ولہذا اختلفت أقوال الصحابۃ والتابعین رضی اللہ عنہم فی ہذا
 الباب، وسلك كل منهم مسلکاً.

فلابد للمفسر المنصف: أن یزن شرح الغریب مرتین:

- مرة فی استعمالات العرب حتی یعرف: أي وجہ من وجوہہا أقوى وأرجح.
- ومرة أخرى فی مناسبۃ السابق واللاحق، حتی یعلم: أي الوجهین أولى وأقعد
 بعد إحصاء المقدمات، وتتبع موارد الاستعمال، وتفحص الآثار.

ترجمہ: قرآن کریم کے غریب الفاظ کی تشریح میں اسلاف کے اختلاف کی وجہ اور مفسر اس
 (تشریح) میں اپنی ذمہ داری سے کیسے سبکدوش ہو سکتا ہے؟ اور (جو آثار تفسیر کی کتابوں میں مردی
 ہیں) ان میں سے کچھ غریب الفاظ کی تشریح (پر مشتمل) ہیں، اور اس (شرح غریب) کا مدار لغت
 عرب کی تلاش و جستجو پر ہے، یا آیت کے سیاق و سباق کے سمجھنے، اور لفظ کی اس جملہ کے اجزاء سے

مناسبت کے پہنچانے پر ہے، جس (جملہ) میں وہ (لفظ) واقع ہوا ہے پس یہاں بھی عقل کا دخل ہے اور اختلاف کی گنجائش ہے، اس لئے کہ ایک کلمہ لغت عرب میں مختلف معنوں کے لئے آتا ہے اور عقلیں مختلف ہوتی ہیں عربوں کے استعمالات کی تلاش و جستجو میں اور سابق و لاحق کی مناسبت کے سمجھنے میں، اور اسی لئے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف ہو گئے ہیں اس باب میں، اور ان میں سے ہر ایک نے ایک راہ اختیار کی ہے۔

لہذا انصاف پسند مفسر کے لئے ضروری ہے کہ غریب الفاظ کی تشریح کو دو مرتبہ جانچے: ایک مرتبہ عربوں کے استعمالات (کی روشنی) میں، تاکہ پہچان لے کہ استعمالات عرب کے طریقوں میں سے کون سا طریقہ رائج اور قوی تر ہے۔

اور دوسری مرتبہ سابق و لاحق کی مناسبت میں تاکہ معلوم ہو جائے کہ دو وجوہوں میں سے کون سی وجہ بہتر ہے اور قریب تر ہے، مقدمات (جستجو) کو مضبوط کرنے، اور موارد استعمال کی تلاش و جستجو کرنے، اور آثار کی کھود کرید کرنے کے بعد۔

لغات:

المُعْتَدَةُ: کفالت، ذمہ داری تَتَّبَعَ الْأَمْرَ: دیر تک تلاش و جستجو کرنا، کہا جاتا ہے: تَتَّبَعْتُ أحوالہ: میں اس کے احوال کو ٹٹولتا رہا تَفَقَّنَ لِكَلَامِهِ: سمجھنا، کہا جاتا ہے: تَفَقَّنْتُ لِمَا أَقُولُ لَكَ: جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں اس کو سمجھو السِّبَاقُ: تابع، کلام لاحق، قرینہ لاحقہ، سباق الماشية يسوق سَوْفًا وَسِبَاقًا: جانور کو پیچھے سے ہانکنا، سباق الكلام: اسلوب کلام، مضمون کلام السِّبَاقُ: ماقبل، کلام سابق، قرینہ سابقہ، سَبَقَهُ (ن، ض) سَبَقًا اِلَى كَذَا: آگے بڑھ جانا، عام طور پر سباق و سباق دونوں لفظ ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں اور سباق سے مراد قرینہ سابقہ و سباق سے مراد ماقبل ہے۔ قرینہ لاحقہ ہوتا ہے، اور یاد رکھنے کا فارمولہ یہ ہے کہ ”با“ حروف ہجا میں مقدم ہے پس سباق مقدم قرینہ ہے اور ”یا“ موخر ہے پس سباق موخر قرینہ ہے وَزَنُ يَزْنُ وَزْنًا وَزِنَةُ الشَّيْءِ: تولنا، جانچنا، پرکھنا أَفْعَدُ: قریب تر، یہ فَعَدَ (ن) فَعُوذًا سے اسم تفصیل کا صیغہ ہے أَحْكَمَ الشَّيْءِ إِحْكَامًا: مضبوطی سے کرنا تَفَحَّصَ عَنْهُ تَفْحُصًا: کھود کرید کرنا، چھان بین کرنا۔



شرح غریب میں شاہ صاحب کی چند تحقیقات

شاہ صاحب قرآن کریم کے غریب الفاظ کی کچھ نئی اور تازہ تحقیقات پیش کرتے ہیں جو نہایت عمدہ ہیں:

(۱) ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾ (سورۃ بقرہ آیت ۱۷۸) جمہور مفسرین نے ”قصاص“ کے مشہور اصطلاحی معنی مراد لئے ہیں، یعنی قصاص سے ”قود“ مراد لیا ہے، مگر شاہ صاحب ”قصاص“ کو لغوی معنی پر محمول کرتے ہیں، اور قصاص سے ”برابری کرنا“ مراد لیتے ہیں، تاکہ الَانْفَى بِالْانْفَى کے مفہوم مخالف میں نسخ کی مشقت نہ اٹھانی پڑے، اور ایسی تاویلات کی ضرورت پیش نہ آئے جو معمولی توجہ سے لغو ہو جاتی ہیں چنانچہ شیخ الہند رحمہ اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق کو اختیار کرتے ہوئے آیت کا ترجمہ اور تفسیر اس طرح کرتے ہیں:

”اے ایمان والو! فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں — زمانہ جاہلیت میں یہود اور اہل عرب نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ شریف المنسب لوگوں کے غلام کے بدلے رذیل لوگوں کے آزاد کو، اور عورت کے بدلے مرد کو، اور ایک آزاد کے بدلے دو کو قصاص میں قتل کرتے تھے، حق تعالیٰ نے اس آیت میں حکم دیا کہ: اے ایمان والو! ہم نے تم پر مقتولین میں برابری اور مساوات کو فرض کر دیا، قصاص کے معنی لغت میں برابری اور مساوات کے ہیں، تم نے جو یہ دستور نکالا ہے کہ شریف اور رذیل میں امتیاز کرتے ہو، یہ لغو ہے، جانیں سب کی برابر ہیں، غریب ہو یا امیر، شریف ہو یا رذیل، عالم و فاضل ہو یا جاہل، جوان ہو یا بوڑھا اور بچہ، تندرست ہو یا بیمار، قریب المرگ، صحیح الاعضاء ہو، یا اندھا لنگڑا“ (فوائد عثمانی)

(۲) ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ، قُلْ هِيَ مَوَاقِئُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ (سورۃ بقرہ آیت ۱۸۹) اس آیت کے معنی شاہ صاحب کے نزدیک یہ ہیں:

”لوگ آپ سے حج کے مہینوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہ (مہینے) میعاد ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے (تاکہ لوگ ان ہی مہینوں میں حج کا احرام باندھیں)“

فتح الرحمن میں ہے: بی پرست تر از ماہیا یعنی از اشهر حج، بگو! نہا میعاد اند برائے مردماں

دبرائے حج (نامرد ماں احرام حج بند ندر انہا) قرآن مجید مترجم بالترجمہ المجلد ۱۳ ص ۳۹) الغرض یہ شاہ صاحب کی بالکل نئی تحقیق ہے کہ یہاں ”الاہلہ“ سے ”اشہرج“ مراد ہیں، اور سوال کا مقصد ”اشہرج“ کی تعیین کی حکمت دریافت کرنا ہے، مگر جمہور مفسرین کے نزدیک سوال کا مقصد چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجہ اور فائدہ دریافت کرنا ہے اور ”الاہلہ“ سے نئے چاند مراد ہیں، چنانچہ الفوز الکبیر کے شارح حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے جمہور کی رائے کو اختیار کرتے ہوئے آیت کی نہایت عمدہ تفسیر فرمائی ہے، جو اس کتاب کے دوسرے باب کی چوتھی فصل میں ”الزیادة فی الکلام“ کی بحث میں گذر چکی ہے۔

(۳) ارشاد خداوندی ہے: ﴿هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ (سورہ حشر آیت ۲) اس آیت میں بعض مفسرین ”اول الحشر“ سے بنو نضیر کی پہلی جلا وطنی مراد لیتے ہیں، مگر شاہ صاحب کے نزدیک ”لأَوَّلِ الْحَشْرِ“ کے معنی یہ ہیں کہ: اسلامی فوجوں کے جمع ہوتے ہی وہ مکان اور قلعے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، کیونکہ ارشاد خداوندی: ﴿وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ﴾ (سورہ شعراء آیت ۳۶) اور ﴿وَحَشِيرٌ لِّسَلِيمَانَ جُنُودُهُ﴾ (سورہ نمل آیت ۱۷) میں ”حشر“ کے یہی معنی ہیں۔ اور یہ معنی بنو نضیر کے واقعہ سے زیادہ موافقت رکھتے ہیں اور مسلمانوں پر احسان جتانے میں قوی تر ہیں، چنانچہ شیخ الہند اور علامہ عثمانی رحمہما اللہ شاہ صاحب کی اس تشریح و تحقیق کو اختیار کرتے ہوئے آیت کا ترجمہ اور تفسیر اس طرح کرتے ہیں:

”وہی ہے جس نے نکال دیا ان کو جو منکر ہیں کتاب والوں میں سے ان کے گھروں سے پہلے ہی اجتماع پر لشکر کے — یعنی ایک ہی ہلہ میں گھبرا گئے، اور پہلی ہی مد بھیڑ پر مکان اور قلعے چھوڑ کر نکل بھاگنے کو تیار ہو بیٹھے، کچھ بھی ثابت قدم نہ دکھائی۔“

تنبیہ: ”اول الحشر“ سے بعض مفسرین کے نزدیک یہ مراد ہے کہ اس قوم کے لئے اس طرح ترک وطن کرنا یہ پہلا ہی موقع تھا، قبل ازیں ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا — یا ”اول الحشر“ میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان یہود کا پہلا حشر یہ ہوا کہ مدینہ چھوڑ کر بہت سے خیبر وغیرہ چلے گئے اور دوسرا حشر وہ ہے جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیش آیا“ (نواد عثمانی)

استنباطات العبد الضعیف فی شرح الغریب

وقد استنبط الفقیر فی هذا الباب استنباطات طازجة لاتخفی لطافتها إلا علی المتعسف غلیظ الطبع، مثلاً:

• قوله تعالى: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ﴾ حملته علی معنی: "تکافؤ القتل"، ومشاركة بعضهم مع بعض فی حکم واحد، لئلا یحتاج فی تفسیر قوله تعالى ﴿الْأَنْثَى بِالْأَنْثَى﴾ إلی مؤونة النسخ، ولا یضطر إلی توجیهات تضمحل بأدنی التفات.

• وكذلك حملت قوله تعالى: ﴿يَسْتَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِ﴾ علی معنی: "یستلونک عن الأشهر" ای أشهر الحج؛ فقال تعالى: ﴿هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾
• وهكذا قوله تعالى: ﴿هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ ای: لأول جمع الجنود، لقوله تعالى: ﴿وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ﴾ وقوله تعالى: ﴿وَحْشِيرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودَهُ﴾؛ وهذا أوفق بقصة بنی النضیر، وأقوی فی بیان المنة.

ترجمہ: شرح غریب میں کمزور بندہ کے استنباطات: اور فقیر نے اس باب (یعنی شرح غریب) میں کچھ تازہ استنباطات کئے ہیں، جن کی لطافت (عمدگی) مخفی نہیں، مگر ہٹ دھرم سخت طبیعت پر، مثلاً:
۱- ارشاد خداوندی: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ﴾ کو میں نے محمول کیا ہے تکافؤ القتل (مقتولوں کے برابر ہونے) پر اور مقتولوں کے باہم ایک ہی حکم میں شریک ہونے کے معنی پر، تاکہ ارشاد خداوندی: ﴿الْأَنْثَى بِالْأَنْثَى﴾ کی تفسیر میں نسخ کی مشقت کی حاجت پیش نہ آئے، اور ایسی توجیہات کی طرف مجبور نہ ہونا پڑے جو ادنیٰ توجہ سے مضحل ہو جاتی ہیں۔

۲- اسی طرح ارشاد خداوندی: ﴿يَسْتَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِ﴾ کو میں نے محمول کیا ہے اس معنی پر کہ: لوگ آپ سے مہینوں یعنی حج کے مہینوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، چنانچہ اللہ نے جواب دیا کہ: وہ (مہینے) میعاد ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے۔

۳- اور اسی طرح ارشاد خداوندی: ﴿هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ کے معنی ہیں: فوجوں کے اکٹھا ہوتے ہی اس لئے کہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَبْعَثْ لِي الْمَدَائِينَ حَشِيرِينَ﴾ بھیج دے شہروں میں جمع کرنے والے، اور اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَحَشِيرٌ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ﴾ اور جمع کیا گیا سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ان کا لشکر، اور یہ (معنی) بنو نصیر کے واقعہ سے زیادہ ہم آہنگ ہیں، اور احسان جتانے میں زیادہ قوی ہیں۔

لغات:

طَاوِجَةٌ: تازہ..... الْمُتَعَصِّفُ: ہٹ دھرم، نا انصافی کرنے والا، ظالم..... غَلِيظُ الطَّبَعِ: سخت جان، سخت مزاج..... تَكَافَا الْقَوْمُ: ایک دوسرے کے برابر ہونا..... مُؤَوَّنَةٌ: مشقت، بوجھ، سختی جمع مُؤُونٌ..... إِضْمَحَلَّ نِيسْتُ وَنَابُودُ ہونا..... حَشَرَ (ن) حَشَرًا النَّاسَ: جمع کرنا..... الْهِنَةُ: احسان، مَن (ن) مَنَّاوَمِنَةٌ عَلَيْهِ بِمَا صَنَعَ: احسان جتنا۔



منسوخ آیات کی تعداد میں اختلاف ”نسخ“ کے معنی میں اختلاف پر مبنی ہے

صحابہ کرام اور تابعین عظام لفظ ”نسخ“ کو اصطلاحی معنی کے بجائے ایسے معنی میں استعمال کرتے ہیں جو لغوی معنی یعنی ”ازالہ“ سے قریب ہیں، اور وہ معنی یہ ہیں: آیت سابقہ کے بعض اوصاف کو آیت لاحقہ کے ذریعہ زائل کرنا، چاہے اس ازالہ کے ذریعہ کسی حکم شرعی کی انتہاء بیان کی گئی ہو، یا کلام کو متبادر معنی سے غیر متبادر معنی کی طرف پھیرا گیا ہو، یا کسی قید کے اتفاقی ہونے کو واضح کیا گیا ہو، یا عام کی تخصیص کی گئی ہو، یا منصوص اور اس پر جس کو بظاہر قیاس کیا گیا ہے اس کے درمیان وجہ فرق بیان کی گئی ہو، یا جاہلی رسموں میں سے کسی رسم کو باطل کیا گیا ہو، یا سابقہ شریعتوں میں سے کسی شرعی حکم کو ختم کیا گیا ہو۔ اس کی تفصیل دوسرے باب کی دوسری فصل کے شروع میں گذر چکی ہے۔

الغرض اسلاف نسخ کو جس معنی میں استعمال کرتے تھے، اس کے اعتبار سے نسخ کی بحث بہت وسیع ہے، اور اس میں عقل کا دخل اور اختلاف کی گنجائش ہے، اسی لئے اسلاف نے منسوخ آیتوں

کی تعداد پانچ سو تک پہنچادی ہے۔

اختلاف المتقدمين والمتأخرين في معنى "النسخ"

مما أوجب الاختلاف في عدد الآيات المنسوخة

ومن جملة ذلك: بيان النسخ والمنسوخ؛ وينبغي أن تُعرف هنا نكتتان:
الأولى: أن الصحابة والتابعين رضي الله عنهم كانوا يستعملون "النسخ" بغير
المعنى الاصطلاحي المعروف بين الأصوليين؛ ومعناهم قريب من المعنى اللغوي
الذي هو "الإزالة".
فمضى النسخ عندهم: إزالة بعض أوصاف الآية المتقدمة بالآية المتأخرة،
سواء كان ذلك ببيان انتهاء مدة العمل، أو بصرف الكلام عن المعنى المتبادر إلى
غير المتبادر، أو ببيان كون قيد من القيود مُلغماً، أو بتخصيص عام، أو ببيان
الفارق بين المنصوص وبين ما قيس عليه ظاهراً، أو ما أشبه ذلك.
وهذا باب واسع، وللعقل فيه مجال، وللاختلاف فيه مسأغ، ولهذا أهلقوا الآيات
المنسوخة إلى خمس مائة آية.

ترجمہ: نسخ کے معنی میں متقدمین اور متاخرین کے درمیان اختلاف نے منسوخ آیتوں کی تعداد
میں اختلاف کو پیدا کیا ہے: اور (جو آثار تفسیر کی کتابوں میں مروی ہیں) ان میں سے کچھ ناخ و منسوخ
کی وضاحت (پر مشتمل) ہیں، اور یہاں (یعنی ناخ و منسوخ آثار کے سلسلہ میں) دو نکتے جان لینا
مناسب ہے۔

پہلا نکتہ: یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم "نسخ" کو استعمال کرتے تھے اس اصطلاحی معنی کے
علاوہ میں جو اصولیوں کے درمیان مشہور ہیں، اور ان (کے نزدیک نسخ) کے معنی، لغوی معنی سے
قریب ہیں، اور وہ (لغوی معنی) زائل کرنا ہیں۔

پس ان کے نزدیک نسخ کے معنی ہیں: آیت سابقہ کے بعض اوصاف کو آیت لاحقہ کے ذریعہ

زائل کرنا، چاہے وہ (ازالہ) مدت عمل کی انتہائی وضاحت سے ہو، یا کلام کو متبادر معنی سے غیر متبادر معنی کی طرف پھیرنے سے ہو، یا قیود میں سے کسی قید کے اتفاقی ہونے کی وضاحت سے ہو، یا عام کی تخصیص سے ہو، یا منصوص اور اس پر بظاہر جس چیز کو قیاس کیا گیا ہے اس کے درمیان وجہ فرق کی وضاحت سے ہو، یا اس کے مانند (اور امور کی وضاحت سے ہو)

اور یہ نہایت وسیع باب ہے، اور عقل کے لئے اس میں جولان گاہ ہے اور اختلاف کی اس میں گنجائش ہے، اور اسی لئے انھوں نے منسوخ آیتوں کو پانچ سو تک پہنچا دیا ہے۔



کبھی اجماع کو نسخ کی علامت بنایا جاتا ہے

اصطلاحی معنی کے اعتبار سے کسی آیت کو منسوخ کہنا اس وقت صحیح ہے جب نسخ و منسوخ کے نزول کی تاریخ معلوم ہو، لیکن بسا اوقات متاخرین سلف صالحین کے اجماع کو، یا جمہور علماء کے کسی مسئلہ پر اتفاق کو نسخ کی علامت بناتے ہیں، اور نسخ کے قائل ہو جاتے ہیں، اور ایسا بہت سے فقہاء نے کیا ہے، مثلاً ارشاد خداوندی: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۸۰) کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ ارغام فرماتے ہیں:

والتحقیق أنَّ الآيةَ منسوخةُ الحكمِ اور تحقیقی بات یہ ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہے،
للإجماع علی عدم جواز الوصیۃ وراثۃ کی رضامندی کے بغیر کسی وارث کے لئے
لوارث إلا عند رضاء الوارثۃ، ولاتفاق وصیت کے عدم جواز پر اجماع کی وجہ سے، اور ائمہ
الأئمة الأربعة وجمہور العلماء علی اربعہ اور جمہور علماء کے اس مسئلہ پر اتفاق کرنے کی
عدم وجوب الوصیۃ لغیر الوارث من وجہ سے کہ رشتہ داروں میں سے غیر وارث کے
الأقارب (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۸۶) لئے وصیت کرنا واجب نہیں ہے۔

مگر سلف صالحین کے اجماع کو اور جمہور علماء کے کسی مسئلہ پر اتفاق کو نسخ کی علامت قرار دینا اور کسی آیت کو منسوخ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ ایسے مواقع میں اس بات کا امکان ہے کہ آیت کا مصداق وہ نہ ہو جس پر اجماع منعقد ہوا ہے، بلکہ کوئی اور صورت ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو آثار ناسخ و منسوخ کی وضاحت پر مشتمل ہیں ان میں اس قدر گہرائی ہے کہ اس کی تہہ تک پہنچنا دشوار ہے۔

ربما يجعل الإجماع علامة للنسخ

والثانية: أن الأصل في بيان النسخ بالمعنى الاصطلاحي هو معرفة تاريخ النزول؛ ولكنهم ربما يجعلون إجماع السلف الصالح، أو اتفاق جمهور العلماء على شيء علامة للنسخ، فيقولون به؛ وقد فعل ذلك كثير من الفقهاء؛ ويمكن أن يكون في مثل هذه المواضع، ما تصدق عليه الآية غير ما ينطبق عليه الإجماع. وبالجمله: ففي الآثار التي تنبئ عن النسخ غمر عظيم، يصعب الوصول إلى غوره.

ترجمہ: کبھی اجماع کو نسخ کی علامت بنایا جاتا ہے:

اور دوسرا نکتہ: یہ ہے کہ اصطلاحی معنی کے اعتبار سے (کسی آیت کو) منسوخ کہنے میں اصل ناسخ و منسوخ کے (نزول کی تاریخ کا پہچانا ہے، لیکن متاخرین کبھی سلف صالحین کے اجماع کو، یا جمہور علماء کے کسی مسئلہ پر اتفاق کو نسخ کی علامت بناتے ہیں، اور اس کے قائل ہو جاتے ہیں، اور ایسا بہت سے فقہاء نے کیا ہے، حالانکہ ہو سکتا ہے کہ ایسی جگہوں میں آیت جس (صورت مسئلہ) پر صادق آتی ہو، وہ اس (صورت) کے علاوہ ہو جس پر اجماع منطبق ہوتا ہے۔
الحاصل ان آثار میں جو نسخ کی خبر دیتے ہیں اتنی گہرائی ہے کہ اس کی تہ تک پہنچنا دشوار ہے۔

لغات:

أَنْبَأَ فُلَانًا الْخَبَرَ وبالخير: خبر دینا..... الْغَمُورُ: بہت پانی، سمندر کا بڑا حصہ۔ جمع غَمَارٌ وَغَمُورٌ..... الْغَوْرُ: پست زمین، نیچے اترا ہوا پانی، غَارَ الْمَاءِ يَغْوُرُ غَوْرًا: گہرائی میں جانا۔



کچھ اور باتیں جو محدثین کی تفسیروں میں مذکور ہیں

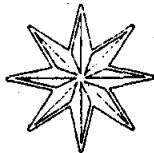
محدثین کی تفسیروں میں جو آثار مروی ہیں ان میں شان نزول، شرح غریب، ناسخ و منسوخ

اور قرآن کریم کے اشاروں کی وضاحت کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ہوتی ہیں، مثلاً کبھی محدثین اپنی تفسیروں میں صحابہ کرام کے علمی مذاکروں کا تذکرہ کرتے ہیں، تو کبھی کسی آیت سے ان کے استدلال اور تمثیل کو بیان کرتے ہیں، اسی طرح اگر کسی مسئلہ میں آنحضرت ﷺ نے کوئی آیت استدلال کے طور پر تلاوت فرمائی ہے تو اس کا بھی تذکرہ کرتے ہیں، یا ایسی حدیث بیان کرتے ہیں جو آیت کے بنیادی مضمون سے موافقت رکھتی ہے، یا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسی کلمہ کے تلفظ کا جو طریقہ منقول ہے اس کو ذکر کرتے ہیں — ان امور کی وضاحت دوسرے باب کی تیسری فصل کے آغاز میں گذر چکی ہے۔

أُمُورٌ أُخَرُ يَذْكُرُونَهَا فِي التَّفَاسِيرِ

وللمحدثين أشياء أُخَرُ خَارِجَةٌ عَنْ هَذِهِ الْأَقْسَامِ، يوردونها أَيْضًا فِي تَفَاسِيرِهِمْ، كَمُنَاطَرَةِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ فِي مَسْئَلَةٍ وَاسْتِشْهَادِهِمْ بِآيَةٍ، أَوْ تَمَثِيلِهِمْ بِآيَةٍ مِنَ الْآيَاتِ، أَوْ تَلَاوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آيَةٍ مِنَ الْآيَاتِ، أَوْ رَوَايَةِ حَدِيثٍ يُوَافِقُ الْآيَةَ فِي أَصْلٍ مَعْنَاهَا، أَوْ طَرِيقِ التَّلْفِظِ بِالنَّقْلِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ.

ترجمہ: دیگر امور جن کو محدثین تفسیروں میں ذکر کرتے ہیں: اور محدثین کے یہاں کچھ دوسری چیزیں ہیں، جو ان (سابقہ) اقسام کے علاوہ ہیں، وہ ان کو بھی اپنی تفسیروں میں ذکر کرتے ہیں، مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی مسئلہ میں مذاکرہ، اور ان کا کسی آیت سے استدلال کرنا، اور ان کا کسی آیت کو نظیر کے طور پر پیش کرنا، یا نبی کریم ﷺ کا کسی آیت کو (استدلال کے طور پر) تلاوت کرنا، یا ایسی حدیث کو نقل کرنا جو آیت کے موافق ہے آیت کے بنیادی مضمون میں، یا نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول تلفظ کا طریقہ۔



فصل دوم

باب چہارم کی باقی عمدہ باتیں

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے باب رابع کی فصل اول میں محدثین کی تفسیروں میں جو آثار مروی ہیں، ان کے بارے میں کچھ کار آمد باتیں بیان فرمائی ہیں۔ اب اس فصل دوم میں دیگر مفسرین کی تفسیروں کے بارے میں کچھ کار آمد باتیں بیان فرماتے ہیں۔

استنباط احکام کے سلسلہ میں ضروری بات

فنون تفسیر میں ایک فن استنباط احکام کا ہے۔ اور یہ فن بھی ایک نہایت وسیع فن ہے، کیونکہ آیات کے فحادی ایماءات اور اقتضاءات سے واقف ہونے میں عقلاء میں بہت کچھ اختلاف ہو سکتا ہے، بلکہ ہوا ہے، اور اس باب میں صرف جزئیات میں اختلاف نہیں ہے بلکہ اصولی اختلاف بھی ہے، مثلاً کوئی مفہوم مخالف کو معتبر مانتا ہے، کوئی فاسد کہتا ہے، کوئی مطلق کو ہر جگہ مقید پر محمول کرتا ہے، کوئی عموم کا قائل نہیں، کسی کے نزدیک خبر واحد اور قیاس کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے، کسی کے نزدیک جائز نہیں، اسی طرح اور بہت سی اصولی اور کلی باتوں میں اختلاف ہوا ہے۔ چنانچہ مذہب اربعہ کے اصول فقہ علیحدہ علیحدہ مرتب ہو گئے ہیں، غرض جو شخص اس نکتہ کو یاد رکھے گا وہ تفسیروں میں مفسرین کے درمیان استنباط احکام میں جو اختلافات ہوئے ہیں ان کی وجہ سمجھ لے گا اور اس اختلاف کی حقیقت تک پہنچنے میں اس کو کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

اس کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں استنباط احکام کے دس طریقے ڈالے ہیں بس انہیں دس طریقوں سے احکام مستنبط کئے جاتے ہیں، اور وہ دس طریقے ترتیب وار ہیں، اگر آپ ان دس طریقوں کو سمجھ لیں تو احکام مستنبط کو تولنے کی بڑی ترانوہ آپ کے ہاتھ میں آجائے گی، اور وہ دس طریقے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی عظیم

کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے باب کیفیۃ فہم المراد من الکلام (ج ۱ ص ۱۳۶) میں بیان کئے ہیں۔ مبتدی طلباء کے لئے ان کو ناقابل فہم سمجھ کر تفصیل سے گریز کیا گیا ہے، جو فضلاء ان کو جاننا چاہیں وہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی تازہ تصنیف ”رحمة الله الواسعة“ اردو شرح حجۃ اللہ البالغہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

الفصل الثانی

فی

بقیۃ لطائفِ ہذا الباب

الکلام حول استنباطِ الأحکام:

ومن جملة ذلك: استنباط الأحكام — وهذا الباب واسع جدًا، وللعقل مجالٌ فسحٌ في الاطلاع على فحواي الآيات، وإيماءاتها، واقتضاءاتها؛ والاختلاف بحذافيرها حاصل فيه؛ وقد ألقى الله تعالى في روع الفقير حصر الاستنباط في عشرة أقسام، والترتيب فيما بينها؛ وتلك المقالة ميزانٌ عظيمٌ لوزن كثير من الأحكام المستنبطة.

ترجمہ: دوسری فصل: اس باب کے بقیہ نکات (کی وضاحت) میں: استنباط احکام کے بارے میں گفتگو: اور ان (فتوئہ تفسیر) میں سے ایک احکام کا استنباط ہے — اور یہ باب نہایت وسیع ہے اور عقل کے لئے وسیع میدان ہے آیتوں کے فحوی، ان کے ایماء اور ان کے تقاضوں پر مطلع ہونے میں، اور اس (باب) میں اختلاف تمامہ موجود ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فقیر کے دل میں استنباطات کے دس اقسام میں منحصر ہونے کا القاء فرمایا ہے، اور ان کے درمیان ترتیب کا (بھی) القاء فرمایا ہے، اور وہ مقالہ (بات) عظیم میزان (معیار) ہے بہت سے مستنبط کردہ احکام کو تولد (جانچنے اور پرکھنے) کے لئے۔

لغات:

مجال: جولان گاہ، چکر لگانے کی جگہ، مجال (ن) جَوْلًا وَجَوْلَانًا فی المكان: چکر لگانا،

کھو منا..... حَذَّافِرْ؛ حَذْفَارٌ وَحَذْفُورٌ کی جمع ہے: جانب، تمام، کہا جاتا ہے: أَخَذَهُ بِحَذْفَارِهِ وَبِحَذْفَائِرِهِ: اس نے اس کو تباہ لے لیا..... رُوع (راء کا ضمہ): دل کا سیاہ نقطہ، مراد: دل ہے، کہا جاتا ہے: أَفْرِغْ رُوعَكَ: اپنے دل کو مطمئن رکھو..... فَحَاوَى؛ فَحْوَى کی جمع ہے، مضمون کلام، مفہوم موافق، فَحَايَفُحُوا فَحْوًا بَكَلَامِهِ الیٰی کذا: اپنے کلام سے کسی مضمون کی طرف اشارہ کرنا..... الْإِيْمَاءُ: اشارہ، أَوْمَأَ إِيْمَاءً الیٰی کذا: اشارہ کرنا، یہاں ”ایماء“ سے مفہوم مخالف مراد ہے..... الْإِقْتِصَاءُ: چاہنا، تقاضا، مقتضی، وہ بات جس کو کلام نے چاہا ہو اور جس پر کلام کی صحت موقوف ہو، مثلاً ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ أَوْ مَمْلُوكَةٍ﴾ (سورہ نساء آیت ۹۲) اس میں ”مملوکتہ“ مقتضی ہے، کیونکہ کلام مذکور نے اس کو چاہا ہے، اور تحریر (غلام آزاد کرنے) کی صحت اس پر موقوف ہے۔

احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کرام کے نزدیک کلام جس معنی پر دلالت کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) منطوق (۲) اور مفہوم — منطوق اس کو کہتے ہیں جس پر کلام محل نطق میں دلالت کرے، جیسے ارشاد خداوندی: ﴿فَلَا تَقْتُلْ لِّهْمَا أَفْ﴾ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳) والدین کو آف کہنے کی حرمت پر دلالت کرتا ہے، یہ منطوق ہے — مفہوم اس کو کہتے ہیں جس پر کلام غیر محل نطق میں دلالت کرے، پھر مفہوم کی دو قسمیں ہیں (۱) مفہوم موافق (۲) اور مفہوم مخالف — مفہوم موافق اس کو کہتے ہیں جو منطوق کے موافق اور مطابق ہو، جیسے ارشاد مذکور والدین کو مارنے کی حرمت پر دلالت کرتا ہے، یہ مفہوم موافق ہے، احناف اس کو ”دلالت النّص“ کہتے ہیں — اور مفہوم مخالف اس کو کہتے ہیں جو منطوق کے مخالف ہو، مثلاً ارشاد خداوندی: ﴿الْحُرُّ بِالْحُرِّ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۷۸) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل کرنا صحیح نہیں، یہ مفہوم مخالف ہے، احناف نصوص میں اس کا اعتبار نہیں کرتے۔



توجیہ کی حقیقت اور اس کے درجات

فنون تفسیر میں سے ایک فن توجیہ ہے، اور صحابہ کرام کے زمانہ میں اگرچہ توجیہ کے اصول

مصحح اور واضح نہیں تھے، مگر پھر بھی انھوں نے نظم قرآن کی بہت جگہ توجیہ فرمائی ہے — توجیہ کے معنی ہیں: کسی مصنف کا کلام سمجھنے میں جب دشواری پیش آئے تو اس کو حل کرنا، یہ بہت پہلو دار فن ہے، شارحین اس کو کسی دقیق کتاب کی شرح میں استعمال کرتے ہیں، اور اس سے ان کی ذکاوت و ذہانت کا اندازہ کیا جاتا ہے اور ان کے درجات کا تفاوت ظاہر ہوتا ہے۔

اور کتاب پڑھنے والوں کی ذہنی صلاحیت چونکہ یکساں درجہ کی نہیں ہوتی، اس لئے توجیہ بھی یکساں درجہ کی نہیں ہوتی، بلکہ اس کے مختلف درجات ہوتے ہیں، چنانچہ مبتدی قراء کی طرف نظر کرتے ہوئے جو توجیہ کی جاتی ہے، وہ اس توجیہ سے مختلف ہوتی ہے، جو منتہی قراء کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے، کیونکہ بسا اوقات منتہی قاری کو جو شبہ اور اشکال پیش آتا ہے اس سے مبتدی غافل ہوتا ہے، بلکہ اس شبہ اور اشکال کے سمجھنے کی بھی اس میں صلاحیت نہیں ہوتی، اس کے برخلاف مبتدی کو جہاں کلام سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے اور اشکال ہوتا ہے، وہاں منتہی کو کوئی دشواری پیش نہیں آتی، نہ اس کو کوئی شبہ اور اشکال ہوتا ہے، اسی لئے جو مبتدی قراء کے لئے شرح لکھتا ہے، وہ ان کی ذہنی صلاحیت کو سامنے رکھ کر توجیہ کرتا ہے، اور جو منتہی قراء کے لئے شرح لکھتا ہے وہ ان کی ذہنی پرواز کا خیال رکھ کر توجیہ کرتا ہے اور بعض شارحین تمام قراء کی ذہنی صلاحیت کو پیش نظر رکھ کر کلام کی توجیہ کرتے ہیں، اور ہر چھوٹے بڑے اشکال کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ ان کی شرح سے ہر شخص اپنی صلاحیت اور لیاقت کے مطابق فائدہ اٹھائے۔

التوجیہ فی تفسیر القرآن الکریم

ومن جملة ذلك: التوجیہ — وهو فن كثير الشعب، يستعمله الشراح في شرح المتن، ويختبر به ذكائهم، ويظهر به تفاوت درجاتهم. وقد تكلم الصحابة رضي الله عنهم — وإن لم تكن أصول التوجیہ منقحة في عصرهم — في توجیہ الآيات الكريمة، واكثروا منه.

وحقيقة التوجیہ: أنه إذا وقعت صعوبة في فهم كلام مؤلف، يقف الشارح

هناك، فيحلُّ تلك الصعوبة.

ولمالم تكن اذهانُ قُرّاءِ الكتابِ في مرتبةٍ واحدةٍ، لم يكن "التوجيه" أيضًا في مرتبةٍ واحدةٍ؛ فالتوجيهُ بالنسبةِ إلى المبتدئين غيرُ التوجيهِ بالنسبةِ إلى المنتهين: إذ ربما يخطرُ ببالِ المنتهى صعوبةُ فهمِ، فيحتاجُ إلى حلِّها، والمبتدئ غافلٌ عنها، بل لا يقدرُ أن يُحيطَ بها؛ وكثيرٌ من الكلامِ يستصعبُه المبتدئ، ولا يحصلُ في ذهنِ المنتهى شيءٌ من الصعوبةِ هناك؛ فالذي أحاطَ بجوانبِ العقولِ، يراعى حالَ جمهورِ القراءِ، ويتكلَّمُ على قدرِ عقولِهِم.

ترجمہ: قرآن کریم کی تفسیر میں توجیہ: اور ان (فنون تفسیر) میں سے ایک توجیہ ہے، اور یہ بہت شاخوں والا (پہلو دار) فن ہے، شارحین اس کو متون کی شرح میں استعمال کرتے ہیں، اور اس سے ان کی ذکاوت کو آزمایا جاتا ہے، اور اس سے ان کے درجات کا تفاوت ظاہر ہوتا ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گفتگو فرمائی ہے — اگرچہ توجیہ کے اصول مع (کھڑے ہوئے) نہیں تھے ان کے زمانے میں — آیات کریمہ کی توجیہ میں، اور بہت توجیہ فرمائی ہے — اور توجیہ کی حقیقت یہ ہے کہ جب کسی مصنف کے کلام کے سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے تو شارح وہاں ٹھہرتا ہے، پھر اس دشواری کو حل کرتا ہے۔

اور جب کتاب پڑھنے والوں کے ذہن ایک درجہ کے نہیں ہیں، توجیہ بھی ایک درجہ کی نہیں ہے، چنانچہ جو توجیہ مبتدیوں کی بہ نسبت کی جاتی ہے، وہ اس توجیہ کے علاوہ ہے جو منتہیوں کی بہ نسبت کی جاتی ہے، کیونکہ بسا اوقات منتہی کے دل میں سمجھنے کی دشواری پیش آتی ہے، پس وہ اس کے حل کا محتاج ہوتا ہے، اور مبتدی اس سے غافل ہوتا ہے، بلکہ وہ اس کے احاطہ کرنے (سمجھنے) کی بھی قدرت نہیں رکھتا، اور بسا اوقات کلام کو مبتدی دشوار سمجھتا ہے اور منتہی کے ذہن میں وہاں کوئی دشواری نہیں ہوتی، پس جو تمام عقول کا احاطہ کرتا ہے، وہ جمہور قراء کی حالت کی رعایت کرتا ہے، اور ان کی عقول کے بقدر گفتگو کرتا ہے (یعنی مبتدی اور منتہی دونوں کے شبہات و اشکالات کو حل کرتا ہے)

بہترین توجیہات

گذشتہ عبارت میں شاہ صاحب نے تمہید کے طور پر توجیہ کی حقیقت اور اس کے مختلف درجات کی وضاحت فرمائی ہے اب اصولی طور پر علوم خمسہ کی توجیہات ذکر فرماتے ہیں۔

(۱) آیات جہل میں یعنی جن آیتوں میں گمراہ فرقوں کی تردید کی گئی ہے، ان میں عمدہ توجیہ یہ ہے کہ مفسر تفسیر کے دور ان ان گمراہ فرقوں کے عقائد و نظریات اور ان کی رسوم و عادات کی اچھی طرح وضاحت کرے، اور تردید کے طریقوں کو خوب نکھار کر بیان کرے، اسی لئے شاہ صاحب نے پہلے باب کی پہلی فصل میں جن گمراہ فرقوں کی قرآن کریم میں تردید کی گئی ہے، ان کے عقائد و نظریات اور گمراہیوں کو وضاحت سے بیان کیا ہے، پھر ان گمراہیوں کو قرآن کریم نے جن جن طریقوں سے رد کیا ہے ان کی خوب تشریح فرمائی ہے۔

(۲) آیات احکام میں یعنی جن آیتوں میں احکام بیان کئے گئے ہیں، ان کی عمدہ توجیہ مسائل کی صورتوں کو بیان کرنا ہے، اور فوائد قیود کو واضح کرنا ہے کہ فلاں قید احترازی ہے، اور فلاں قید اتفاقی ہے، مثلاً ارشاد خداوندی: ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ﴾ (سورہ نساء آیت ۱۰۱) کی عمدہ توجیہ یہ ہے کہ مفسر نماز قصر کرنے کی صورت کو اچھی طرح بیان کرے اور یہ بتائے کہ ”إِنْ خِفْتُمْ“ کی قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے۔

(۳) آیات تذکیر بالاء اللہ میں یعنی جن آیتوں میں اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ ہے، ان کی عمدہ توجیہ یہ ہے کہ مفسر ان نعمتوں کی تفصیل بیان کرے پھر یہ بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں سے کس کو نوازا ہے، مثلاً ارشاد خداوندی: ﴿وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَعَاوَنُوا أَنْ يَتَخَفَتَكُمْ النَّاسُ، فَأَوَّكُمُ وَيَذْكُرْكُمْ بِنَصْرِهِ، وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (سورہ انفال آیت ۲۶) کی عمدہ توجیہ یہ ہے کہ مفسر ان نعمتوں کی وضاحت کرے جن کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، پھر یہ بتائے کہ ان نعمتوں سے اللہ تعالیٰ نے کس کو نوازا تھا۔

(۴) آیات تذکیر بایام اللہ میں یعنی جن آیتوں میں فرمان برداروں کو نوازنے اور نافرمانوں کو سزا دینے کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، ان کی عمدہ توجیہ ان واقعات کا باہمی ربط و تعلق بیان

کرنا ہے جو ایک دوسرے پر مرتب ہوتے ہیں، مثلاً ارشاد خداوندی: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقْرَةً﴾ (سورہ بقرہ آیت ۶۷) میں بنی اسرائیل کو ذبح بقرہ کا جو حکم دیا گیا تھا اس کے بارے میں بتائے کہ اس کا تعلق اس ناحق قتل سے تھا جس کے قاتل کے بارے میں بنی اسرائیل آپس میں اختلاف کر رہے تھے۔

نیز آیات تذکیر بایام اللہ کی عمدہ توجیہ ان واقعات کی مختصر وضاحت کرنا بھی ہے جن کی طرف قرآن کریم میں اشارے کئے گئے ہیں، ان کی مثالیں پہلے باب کے بالکل آخر میں گذر چکی ہیں۔

(۵) آیات تذکیر بالموت وابعده میں یعنی جن آیتوں میں موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات و حالات کا تذکرہ ہے، ان کی عمدہ توجیہ ان واقعات و حالات کی منظر کشی کرنا اور ان کی خوب وضاحت کرنا ہے، ان واقعات کی تفصیل بھی پہلے باب کی دوسری فصل میں گذر چکی ہے۔

فعمدة التوجیہ:

- فی آیات الجدل: تحریر مذہب الفرق الباطلة، وتنقیح وجوه الإلزام.
- وفی آیات الأحکام: تصویر صورۃ المسئلۃ، وبیان فوائد القیود، من الاحتراز اور غیرہ.
- وفی آیات التذکیر بآلاء اللہ: تصویر تلك النعم وبیان مواضعها الجزئیة.
- وفی آیات التذکیر بایام اللہ: بیان ترتب بعض القصص علی البعض، وإیفاء حق التعریض الذی یرد فی أثناء سرود القصۃ.
- وفی التذکیر بالموت وما بعده: تصویر تلك الأمور، وتقریر تلك الحالات.

ترجمہ: پس عمدہ توجیہ: آیات جدل میں باطل فرقوں کے مذہب (یعنی ان کے عقائد اور اعمال) کی اچھی طرح وضاحت کرنا ہے اور رد کے طریقوں کو نکھارنا ہے۔

اور آیات احکام میں (عمدہ توجیہ) مسئلہ کی صورت کو واضح کرنا اور فوائد قیود کو بیان کرنا ہے، یعنی احترازی اور غیر احترازی (ہونے کی وضاحت کرنا ہے)

اور آیات تذکیر بالاء اللہ میں (عمدہ توجیہ) ان نعمتوں کی اچھی طرح وضاحت کرتا ہے، اور ان کی جزوی جگہوں کو بیان کرتا ہے۔ (یعنی وہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے کن مخصوص افراد کو عطا فرمائی ہیں) اور آیات تذکیر بایام اللہ میں (عمدہ توجیہ) بعض واقعات کے بعض پر مرتب ہونے کی وضاحت کرتا ہے، اور اس تعریض کا پورا حق ادا کرتا ہے، جو واقعہ کے تذکرہ کے درمیان میں واقع ہوئی ہے۔ اور آیات تذکیر بالموت و ما بعدہ میں (عمدہ توجیہ) ان امور کی اچھی طرح وضاحت کرتا اور ان حالات کو بیان کرتا ہے۔

لغات:

خَوَّرَ الْكِتَابَ: خوبصورت و درست لکھنا، خَوَّرَ الْمَعْنَى: حشو و زوائد سے پاک کرنا.....
الْجَدَلُ: جھگڑا، جھگڑے کی مہارت، جَدَلَ الرَّجُلُ (س) جَدَلًا: سخت جھگڑالو ہونا..... نَفَحَ الْكَلَامَ تَنْقِيحًا: اصلاح کرنا، درست کرنا، نکھارنا..... صَوَّرَهُ تَصْوِيرًا: تصویر بنانا، نقشہ کھینچنا، خوب کھول کر بیان کرنا..... مَرَدَ الْحَدِيثِ (ن ض) مَرَدًا: اچھی طرح بیان کرنا..... قَوَّرَ الْكَلَامَ تَقْوِيرًا: کلام کو ثابت کرنا، وضاحت کرنا۔



توجیہ کی دیگر صورتیں

- توجیہ کی سابقہ صورتوں کے علاوہ کچھ اور صورتیں بھی ہیں، اور وہ یہ ہیں:
- (۱) عدم مناسبت کی وجہ سے جوابات عام قاری کی سمجھ سے بالاتر ہو اس کو قریب الفہم کرنا۔
 - (۲) دو دلیلوں یا دو تعریضوں یا معقول اور منقول کے درمیان اگر تعارض ہو تو اس کو دفع کرنا۔
 - (۳) دو مشتبہ چیزوں کے درمیان فرق کرنا۔
 - (۴) دو مختلف باتوں میں تطبیق دینا۔
 - (۵) اس وعدہ کی صداقت کو واضح کرنا جس کی طرف آیت میں اشارہ آیا ہے۔
 - (۶) آنحضرت ﷺ کو قرآن کریم میں جو حکم دیا گیا ہے، اس پر آپؐ نے کس طرح عمل

کیا اس کو بیان کرنا۔

ان قسموں میں سے بعض کی مثالیں اور توجیہ کی مزید وضاحت دوسرے باب کی تیسری فصل کے آخر میں گذر چکی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرام کی تفسیروں میں نظم قرآن کی توجیہات بہت ہیں، اور توجیہ کا حق اس وقت ادا ہو سکتا ہے جب مفسر دشواری کی مفصل وجہ بیان کرے، اور دشواری کو اچھی طرح حل کرے، پھر اپنی بیان کردہ وجہ اور حل کو انصاف کے ساتھ تولے اور جانچے کہ اس میں کتنا وزن اور کتنی صحت ہے۔

أنواع التوجيه:

ومن فنون التوجيه:

- ۱- تقريب ما كان بعيدا عن الفهم، بسبب عدم الألفة به.
 - ۲- ودفع التعارض بين الدليلين، أو التعريضين، أو فيما بين المعقول والمنقول.
 - ۳- والتفريق بين المتبیین.
 - ۴- والتطبيق بين المختلفين.
 - ۵- وبيان صدق الوعد الذي أشير إليه في الآية.
 - ۶- وبيان كيفية عمل النبي صلى الله عليه وسلم بما أمر به في القرآن العظيم.
- وبالجملة: فالترجيہ كثير في تفسير الصحابة؛ ولا يقضى حكمه حتى يبين المفسر وجه الصعوبة مفصلاً، ثم يتكلم في حل الصعوبة بالتفصيل، ثم يزن تلك الأقوال وزناً عدلاً.

ترجمہ: توجیہ کی صورتیں: اور توجیہ کی شاخوں میں سے ہے:

- ۱- اس بات کو قریب کرنا جو فہم سے دور ہو، اس کے ساتھ الفت (اور مناسبت) نہ ہونے کی وجہ سے۔
- ۲- اور دو لیلوں، یا دو تعریضوں، یا معقول اور منقول کے درمیان تعارض کو دور کرنا۔
- ۳- اور دو مشتبہ چیزوں کے درمیان فرق بیان کرنا۔
- ۴- اور دو مختلف باتوں کے درمیان تطبیق دینا۔

۵- اور اس وعدہ کی صداقت بیان کرنا جس کی طرف آیت میں اشارہ آیا ہے۔

۶- اور نبی کریم ﷺ کے عمل کی کیفیت بیان کرنا اس کام کے بارے میں جس کا آپ کو قرآن عظیم میں حکم دیا گیا ہے۔

الحاصل توجیہ صحابہ کرام کی تفسیر میں بہت ہے، اور اس کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا یہاں تک کہ مفسر دشواری کی وجہ مفصل بیان کرے، پھر دشواری کو حل کرنے میں مفصل گفتگو کرے، پھر ان باتوں کو انصاف کے ساتھ تولے۔



متکلمین کا غلو

لظم قرآن کی توجیہ کرنا، یعنی جہاں پڑھنے والوں کو کوئی دشواری پیش آسکتی ہو اس کو واضح کر کے حل کرنا مفسر کی ذمہ داری ہے، اور کامیاب مفسر وہ ہے جو تمام مشکل مقامات کو حل کرتا ہے، متکلمین اسلام تشابہات کی تاویل اور صفات خداوندی کی حقیقت بیان کرنے میں جو غلو کرتے ہیں، وہ صحیح نہیں صحیح طریقہ وہی ہے جس کو امام مالک، سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور دیگر متقدمین نے اپنایا ہے، اور وہ یہ کہ تشابہات کے ظاہر پر ایمان رکھا جائے، اور اس کی تاویل میں غور و خوض نہ کیا جائے، چنانچہ جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ”استواء“ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ: ”استواء“ کے لغوی معنی معلوم ہیں، اور اس کی کیفیت نامعلوم ہے، اور اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے، اسی طرح امام مالکؒ سے جب ”استواء“ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ام سلمہؓ نے دیا تھا، اور مزید فرمایا کہ جو شخص دوبارہ یہ سوال کرے گا، میں اس کی گردن اڑا دوں گا (العون الکبیر)

غلو المتکلمین

وَأَمَّا غُلُوُّ الْمُتَكَلِّمِينَ فِي تَأْوِيلِ الْمُتَشَابِهَاتِ وَبَيَانِ حَقِيقَةِ الصِّفَاتِ، فَلَيْسَ هَذَا مِنْ مَذْهَبِي، بَلْ مَذْهَبُ مَالِكٍ وَالثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَسَائِرِ الْمُتَقَدِّمِينَ؛ وَهُوَ: إِمْرَارُ الْمُتَشَابِهَاتِ عَلَى ظَوَاهِرِهَا، وَتَرْكُ الْخَوْضِ فِي تَأْوِيلِهَا.

ترجمہ: متکلمین کا غلو: رہا متکلمین کا غلو تشابہات کی تاویل اور صفات خداوندی کی حقیقت بیان کرنے میں، تو یہ میرا مذہب (طریقہ) نہیں ہے، بلکہ مذہب (وہی ہے جو) امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، عبد اللہ بن مبارک اور دیگر متقدمین کا مذہب ہے، اور وہ: تشابہات کو ان کے ظاہر پر جاری رکھنا ہے، اور ان کی تاویل میں غور و خوض ترک کرنا ہے۔



قرآن کریم میں جھگڑا کرنا

جس طرح تشابہات کی تاویل اور صفات خداوندی کی حقیقت بیان کرنے میں غلو کرنا صحیح نہیں، اسی طرح قرآن کریم سے مستنبط کردہ احکام میں جھگڑا کرنا، اور اپنے مذہب کے اثبات اور دوسروں کے مذہب کے انہدام کی کوشش کرنا، اور قرآنی دلائل کو دفع کرنے کی تدبیریں کرنا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں تدارؤ بالقُرآن (قرآن کو باہم ٹکرانے اور رد کرنے) کا اندیشہ ہے، اور تدارؤ بالقُرآن آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے حرام ہے، حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ:

نبی کریم ﷺ نے کچھ لوگوں کو (دیکھا اور) سنا کہ وہ قرآن کریم میں جھگڑ رہے ہیں، تو آپؐ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انھوں نے اللہ کی کتاب کو باہم ٹکرایا، حالانکہ اللہ کی کتاب اس طرح نازل ہوئی ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے، لہذا تم ایک حصہ کی دوسری حصہ کی وجہ سے تکذیب نہ کرو، بلکہ اللہ کی کتاب میں سے جس کو تم جانتے ہو اس کو مان لو، اور جس کو نہیں جانتے اس کو اس کے جاننے والے کے حوالہ کرو۔

سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا يَتَدَارَوْنَ فِي الْقُرْآنِ، فَقَالَ:
 اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهَذَا،
 ضَرَبُوا كِتَابَ اللَّهِ بَعْضُهُ بَعْضٍ
 وَالْمَا نَزَلَ كِتَابُ اللَّهِ يُصَدِّقُ
 بَعْضُهُ بَعْضًا، فَلَا تَكْذِبُوا بَعْضُهُ
 بَعْضٍ، فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُولُوا،
 وَمَا جَهِلْتُمْ فَكَلِّمُوا إِلَى عَالِمِهِ
 رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَهَ (مشکوٰۃ
 شریف، کتاب العلم ص ۳۵)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ البالغہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

يَحُومُ التَّدَاوُ بِالْقُرْآنِ، وَهُوَ أَنْ يَسْتَدِلَّ وَاحِدٌ بِآيَةٍ، فَيُرَدُّ آخَرُ بِآيَةٍ أُخْرَى، طَلِبًا لِإثْبَاتِ مَذْهَبِ نَفْسِهِ، وَهَذَا مَوْضِعُ صَاحِبِهِ، أَوْ ذَهَابًا إِلَى نَصَرَةِ مَذْهَبٍ بَعْضُ الْأَئِمَّةِ عَلَى مَذْهَبٍ بَعْضٍ، وَلَا يَكُونُ جَامِعُ الْهِمَّةِ عَلَى ظَهْرِ الصَّوَابِ، وَالتَّدَاوُ بِالسَّنَةِ مِثْلُ ذَلِكَ (رحمۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۷۲)

تدارؤ بالقرآن حرام ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص ایک آیت سے استدلال کرتا ہے اور دوسرا شخص اس کو دوسری آیت سے رد کرتا ہے، اپنے مذہب کو ثابت کرنے اور اپنے مخالف کے مذہب کو معدوم کرنے کی غرض سے، یا کسی امام کے مذہب کی دوسرے امام کے مذہب کے مقابلہ میں نصرت کرنے کی غرض سے، اور ظہور صواب کا پورا خیال نہ رکھتا ہو، اور تدارؤ بالسنۃ بھی اس کے مانند (حرام) ہے۔

الغرض قرآن کریم کو باہم ٹکراتا اور اس کے دلائل کو دفع کرنا صحیح نہیں، بلکہ آیت کے مدلول اور مفہوم کی جستجو کرنا اور اس کو اپنا مذہب بنانا ضروری ہے، چاہے وہ مدلول اور مفہوم اس کے مذہب کے موافق ہو یا مخالف۔

الجدال فی القرآن

وَالنِّزَاجُ فِي الْأَحْكَامِ الْمُسْتَبْطَةِ، وَإِحْكَامُ مَذْهَبٍ نَفْسِهِ، وَهَذَا مَذْهَبُ الْآخَرِينَ، وَالْإِحْتِيَالُ لِدَفْعِ الْأَدْلَةِ الْقُرْآنِيَّةِ، كُلُّ ذَلِكَ لَيْسَ بِصَحِيحٍ عِنْدِي، وَأَخْشَى أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ مِنْ قِبَلِ "التَّدَاوُ بِالْقُرْآنِ" وَإِنَّمَا اللَّازِمُ أَنْ يَطْلُبَ مَدْلُولُ الْآيَاتِ، وَيَتَّخِذَهُ مَذْهَبًا، سِوَاءَ ذَهَبَ إِلَيْهِ الْمَوَافِقُ أَوْ الْمَخَالَفُ.

ترجمہ: قرآن کریم میں جھگڑا کرنا: اور استنباط کردہ احکام میں جھگڑا کرنا، اور اپنے مذہب کو مستحکم (اور مضبوط) کرنا، اور دوسروں کے مذہب کو منہدم کرنا، اور قرآنی دلائل کو دفع کرنے کے لئے تدبیر کرنا، یہ سب (باتیں) میرے نزدیک صحیح نہیں، اور مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تدارؤ بالقرآن کے قبیل سے ہو، اور آیت کے مدلول کو تلاش کرنا، اور اس کو اپنا مذہب بنانا ہی لازم اور ضروری ہے، خواہ

اس کی طرف موافق کیا ہوا مخالف (یعنی خواہ اس سے اس کے امام نے استدلال کیا ہو جس کی وہ تہلیل کرتا ہے یا اس کے مخالف نے)



لغات قرآن کے سلسلہ میں اہم ہدایت

لغات قرآن یعنی قرآن کریم کے الفاظ کے معانی عام لغت کی کتابوں میں تلاش نہیں کرنے چاہئیں، بلکہ قدیم عربوں کے استعمالات و محاورات سے اخذ کرنے چاہئیں، اور لغات قرآن کے بارے میں صحابہ کرام اور تابعین عظام سے جو آثار و اقوال مروی ہیں ان پر پورا اعتماد کرنا چاہئے۔

لغة القرآن

واما لغة القرآن فينبغي اخذها من استعمالات العرب الاولين، وان يعتمد كليا على آثار الصحابة والتابعين رضي الله عنهم.

ترجمہ: لغت قرآن: رہا لغت قرآن تو اس کو متقدمین عرب کے استعمالات سے اخذ کرنا، اور صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے آثار (اقوال) پر پورا اعتماد کرنا مناسب ہے۔



نحوی ترکیب کے بارے میں اہم ہدایت اور انوکھی تحقیق

قرآن کریم کی ترکیب کرنے میں عجیب خلل واقع ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت نے سیبویہ کے مذہب کو اتنا مضبوطی سے تھام لیا ہے کہ جو بات قرآن کریم کی ترکیب میں سیبویہ کے مذہب کے خلاف ہوتی ہے، اس کی تاویل کرتے ہیں، چاہے وہ کتنی ہی بعید کیوں نہ ہو، حالانکہ یہ طریقہ صحیح نہیں، صحیح اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ جو مذہب سب سے زیادہ قوی اور آیت کے سیاق و سباق سے زیادہ موافقت رکھتا ہو، اس کو اختیار کیا جائے، چاہے وہ سیبویہ کا مذہب ہو یا فراء کا۔

نیز یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ قرآن کریم کی بعض آیتوں میں مشہور نحوی قاعدے کی خلاف ورزی کی گئی ہے، مثلاً سورہ نساء کی آیت ۱۶۲ میں ہے: ﴿وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ﴾ حالانکہ یہاں نحوی قاعدے کے اعتبار سے ﴿وَالْمُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾ ہونا چاہئے تھا، اسی طرح سورہ طہ کی آیت ۶۳ میں ہے: ﴿إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ أُنْجَسَ﴾ حالانکہ یہاں نحوی قاعدے کے اعتبار سے ﴿إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ أُنْجَسَ﴾ ہونا چاہئے تھا، نیز سورہ مائدہ کی آیت ۶۹ میں ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِقُونَ﴾ حالانکہ یہاں وَالصَّابِقِينَ ہونا چاہئے تھا — ان ارشادات خداوندی کے بارے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

سَتَقِيْمُهَا الْعَرَبُ بِاَلْسِنَتِهَا عرب عتقرب اپنی بول چال سے ان کو درست کر دیں گے۔
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا مطلب شاہ صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ: مشہور تعبیرات و محاورات کی مخالفت کرنا بھی ایک تعبیر اور محاورہ ہے، چنانچہ قدیم عرب خطبوں اور عام گفتگو کے دور ان بسا اوقات ایسے جملے استعمال کرتے تھے جو مشہور قاعدے کے خلاف ہوتے تھے، مثلاً مسلم شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

إِنَّ مِنْ أَمَنِ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صَحْبِهِ وَمَالِهِ بیشک لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان ابو بکر (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴) کرنے والے اپنی رفاقت او سال میں ابو بکر ہیں۔

اس ارشاد نبوی میں ”ابو بکر“ ان کا اسم ہے، مگر مرفوع ہے، یہ مشہور قاعدہ کی خلاف ورزی ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری کو جو جاگیر عطا فرمائی تھی اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول مروی ہے: شَهِدَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ أَبُو فُحَّافَةٍ وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَمَعَايَةُ بْنُ أَبِي سَفْيَانَ (بر حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول میں ابو فحافہ، ابو طالب اور ابو سفیان تینوں مضاف الیہ ہونے کے باوجود مرفوع ہیں، یہ بھی مشہور قاعدہ کی خلاف ورزی ہے۔

اور قرآن کریم چونکہ قدیم عربوں کی زبان و لغت میں نازل ہوا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ کہیں ”واو“ کی جگہ ”یاء“ اور ”یاء“ کی جگہ ”واو“ آئے، یا تثنیہ کی جگہ مفرد، اور مذکر کی جگہ مؤنث آئے، لہذا وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ کو مرفوع سمجھ کر تفسیر کرنی چاہئے، اور إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ أُنْجَسَ اور وَالصَّابِقُونَ کو منصوب مان کر تفسیر کرنی چاہئے، کیونکہ یہی تفسیر صحیح اور راجح ہے۔

نحو القرآن

وقد وقع في نحو القرآن خلل عجيب، وهو أن طائفة من المفسرين اختاروا مذهب سيويه، فيؤولون كل ماخالف مذهبه، وإن كان التأويل بعيداً؛ وهذا لا يصح عندي، بل ينبغي اتباع الأقوى، والأوفى بالسياق والسباق، سواء كان مذهب سيويه أو مذهب القراء.

وقد قال عثمان بن عفان رضي الله عنه في مثل قوله تعالى: ﴿وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ﴾: "سُيِّمَهَا الْعَرَبُ بِالسِّيْنِهَا"؛ وتحقيق هذه الكلمة عندي: أن مخالفة التعبير المشهورة أيضاً تعبير صحيح؛ وكثيراً ما يتفق للعرب الأولين: أن يجرى على السنين في أثناء الخطب والمحاورات ما يخالف القاعدة المشهورة؛ ولما نزل القرآن الكريم بلغة العرب الأولين، فلا عجب: أن جاءت "الياء" في موضع "الواو" أحياناً، أو وقع المفرد مقام التنبيه، أو ورد المؤنث مقام المذكر؛ فالمحقق عندي: أن يُفسر "والمقيمِينَ الصلاة" بمعنى المرفوح، والله أعلم.

ترجمہ: قرآن کریم کا نحو: اور قرآن کریم کے نحو میں عجیب خلل واقع ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت نے سیویہ کا مذہب اختیار کیا ہے، چنانچہ وہ ہر اس بات کی جو سیویہ کے مذہب کے خلاف ہے تاویل کرتے ہیں، اگرچہ تاویل بعید ہو، اور یہ میرے نزدیک صحیح نہیں، بلکہ مناسب ہے قوی تر اور (آیت کے) سیاق و سباق سے زیادہ موافق کی اتباع کرنا، چاہے وہ سیویہ کا مذہب ہو، یا فراء کا مذہب ہو۔

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ﴿وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ﴾ جیسے ارشاد خداوندی کے بارے میں کہ: "عرب عنقریب اپنی زبانوں سے ان کو درست کر دیں گے، اور (حضرت عثمان کے) اس قول کی تحقیق میرے نزدیک یہ ہے کہ مشہور تعبیرات کی مخالفت کرنا بھی صحیح تعبیر ہے، اور بارہا قدیم عربوں کے سامنے اتفاقاً ایسا موقع آگیا ہے کہ خطبوں اور عام گفتگو کے درمیان میں ان کی زبانوں پر ایسی بات جاری ہو گئی ہے جو مشہور قاعدے کے خلاف ہے، اور جب قرآن کریم قدیم عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے، تو کوئی تعجب نہیں کہ کبھی "یا" (منسوب) آجائے "واو" (مرفوح) کی جگہ میں، یا مفرد واقع ہو حثینہ کی جگہ میں، یا مؤنث وارد ہو مذکر کی جگہ میں، لہذا میرے نزدیک حق

(ثابت شدہ) بات وَالْمُفِيصِينَ الصَّلَاةَ کو مرفوع مان کر تفسیر کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔



تفسیر میں علم معانی اور بیان کی حیثیت

علم معانی اور بیان کی تدوین چونکہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں نہیں ہوئی تھی بلکہ بعد میں ہوئی ہے، اس لئے علم معانی اور بیان کے وہ نکات جن سے جمہور عرب واقف ہیں، اور ان کے عرف میں رائج ہیں، وہ قرآن کریم کی تفسیر میں معتبر ہیں، اور وہ نکات جن کو صرف گہری نظر رکھنے والے ارباب فن ہی سمجھ سکتے ہیں، وہ قرآن کریم کی تفسیر میں مطلوب نہیں ہیں۔

علم المعانی والبیان

وأما المعانی والبیان فهو علمٌ حادثٌ بعدَ انقراضِ عصرِ الصحابةِ والتابعین رضی اللہ عنہم۔ فما كان منه مفهوماً فی عرفِ جمہورِ العربِ فهو علی الرأسِ والعینِ؛ وأما ما كان منه مخفياً لا یدرکُہ إلا المتعمقون من أربابِ الفنی، فلا نسلُمُ انه مطلوبٌ فی القرآنِ الکریم۔

ترجمہ: علم معانی اور بیان: یہ علم معانی اور بیان تو وہ ایسا علم ہے جو صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا دور ختم ہونے کے بعد وجود میں آیا ہے، اس لئے اس (علم معانی اور بیان) میں سے جو باتیں جمہور عرب کے عرف میں معروف ہیں، وہ سراور آنکھ پر ہیں، (یعنی معتبر ہیں) اور اس میں سے جو باتیں ایسی (دقیق) ہیں کہ ان کو نہیں سمجھتے مگر ارباب فن میں سے گہری نظر رکھنے والے، تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ (باتیں) قرآن کریم (کی تفسیر) میں مطلوب ہیں۔



تفسیر میں صوفیاء کے رموز کی حیثیت

جس طرح علم معانی اور بیان کے وہ نکات جو جمہور عرب کے عرف میں معروف ہیں، وہ تفسیر میں معتبر ہیں، اور جو غیر معروف ہیں وہ تفسیر میں مطلوب نہیں، اسی طرح تصوف کے وہ رموز و مسائل جن کا استخراج استدلال و استنباط کے ان طریقوں سے کیا گیا ہے جو جمہور فقہاء کے

نزدیک معتبر ہیں، وہ رموز و مسائل تفسیر میں معتبر ہیں، اور ان کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسی فقہاء کے استنباط کردہ احکام کی، اور تصوف کے وہ رموز و نکات جن کا استخراج جمہور فقہاء کے نزدیک استدلال و استنباط کے جو طریقے معتبر ہیں ان کے علاوہ کسی گہری مناسبت کی بناء پر کیا گیا ہے، وہ رموز و نکات تفسیر میں مطلوب نہیں، کیونکہ ان رموز و نکات سے نظم قرآن کی وضاحت نہیں ہوتی، بلکہ ان میں سالک یا عارف باللہ کے مخصوص احوال اور نظم قرآن دونوں کی ملی جلی تشریح ہوتی ہے، جو سالک کے دل میں اس وقت منکشف ہوتی ہے جب وہ قرآن کریم سنتا ہے، اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عاشق لیلیٰ و مجنون کا قصہ سن کر اپنی معشوقہ کو یاد کرتا ہے، اور اس کو اپنی آپ بیتی یاد آتی ہے۔

إشارات الصوفية

وأما إشارات الصوفية واعتباراتهم فلأنها ليست في حقيقة الأمر من علم التفسير؛ بل يحدث عند استماع القرآن الكريم أشياء في قلب السالك، وتتولد تلك الأشياء في قلبه بين النظم القرآني، وبين الحالة التي يتصف بها، أو بين المعرفة التي يملكها؛ كمثال رجل يسمع قصة ليلي والمجنون، فيتذكر عشيقته، ويستعيد الذكريات التي كانت بينه وبينها.

ترجمہ: صوفیاء کے رموز: اور رہے صوفیاء کے رموز اور ان کے نکات، تو وہ حقیقت میں علم تفسیر میں سے نہیں ہیں، بلکہ سالک کے دل میں قرآن کریم سننے کے وقت کچھ باتیں پیدا ہوتی ہیں، اور وہ باتیں اس کے دل میں جنم لیتی ہیں نظم قرآن کے درمیان اور اس حالت کے درمیان جس کے ساتھ وہ متصف ہوتا ہے، یا اس معرفت کے درمیان جس کا وہ مالک ہوتا ہے، اس مرد کے حال کے مانند جو لیلیٰ اور مجنون کا قصہ سنتا ہے تو اپنی معشوقہ کو یاد کرتا ہے، اور ان یادوں کو دہراتا ہے جو اس کے اور اس کی معشوقہ کے درمیان پیش آئی تھیں۔



فن اعتبار اور اس کی اہمیت

”اعتبار“ کے لغوی معنی ہیں: عبور کرنا، پار کرنا، آگے بڑھ جانا۔ ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہونا، اور اصطلاحی معنی ہیں: جمہور فقہاء کے نزدیک استدلال اور استنباط کے جو طریقے

معتبر اور رائج ہیں، ان کے علاوہ کسی گہری مناسبت کی بناء پر نصوص سے کوئی نکتہ مستنبط کرنا، حضرت تھانوی قدس سرہ ”مسائل السلوک“ میں تحریر فرماتے ہیں: مَسَائِلُ التَّصَوُّفِ قِسْمَانِ: قِسْمٌ ذَلَّ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ بِوُجُوهِ الدَّلَالَةِ الْمَعْتَبَرَةِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْاجْتِهَادِ تَنْصِيصًا، وَيُسَمَّى تَفْسِيرًا وَاسْتِبْطَاطًا وَيُسَمَّى فِقْهًا..... وَقِسْمٌ لَدَلَالَةِ الْقُرْآنِ عَلَيْهِ بَعِينَهُ، وَلَا عَلَى مَا يَشَارِكُهُ فِي الْعِلَّةِ الشَّرْعِيَّةِ، لَكِنْ لَهُ دَلَالَةٌ عَلَى مَا يَنَاسِبُهُ بِنَحْوِ مِنَ الْمُنَاسِبَةِ، وَيُسَمَّى ”اعتباراً“ (بحوالہ العون الكبير)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ تصوف کے وہ رموز و نکات جن کا استخراج وجوہ معتبرہ کے علاوہ کسی گہری مناسبت کی بنا پر کیا جاتا ہے، اگرچہ وہ تفسیر میں مطلوب نہیں، مگر شرعاً ان کے معتبر ہونے میں کوئی کلام بھی نہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فن اعتبار کو معتبر گردانا ہے، اور آنحضرت ﷺ نے خود یہ راہ اپنائی ہے، تاکہ وارثین انبیاء اس راہ کو اپنائیں، اور لوگوں کو اپنے وہی علوم کے ظاہر کرنے کا موقع ملے۔

(۱) مثلاً آنحضرت ﷺ نے ارشاد خداوندی: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى﴾ (سورہ ییل آیت ۵) کو تقدیر کے مسئلہ میں مثال کے طور پر پیش کیا ہے، حالانکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ: جو شخص راہ خدا میں خرچ کرتا ہے، اللہ سے ڈرتا ہے، اور اچھی بات کی تصدیق کرتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ جنت کا راستہ دکھاتے ہیں، اور جو شخص راہ خدا میں خرچ نہیں کرتا، اللہ سے نہیں ڈرتا، اور اچھی بات کی تکذیب کرتا ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ جہنم کا راستہ کھول دیتے ہیں۔ لیکن فن اعتبار کی رو سے یہ بات جانی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو مخصوص کام اور مخصوص مقام کے لئے پیدا فرمایا ہے، اور ہر شخص کو اسی کام کی توفیق عطا فرماتے ہیں، اور اسی مقام تک پہنچاتے ہیں جس کے لئے اس کو پیدا کیا ہے، چاہے اس کو اس بات کا ادراک ہو یا نہ ہو، اس اعتبار سے اس آیت کریمہ کا تقدیر کے مسئلہ سے گہرا ربط ہو جاتا ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس آیت کریمہ کو تقدیر کے مسئلہ میں دلیل کے طور پر تلاوت فرمایا ہے۔

(۲) ارشاد خداوندی: ﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا، فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ (سورہ الشمس آیات ۷-۸) کا بھی اسی طرح تقدیر کے مسئلہ سے ربط ہے، اگرچہ آیت کریمہ کے وہ معنی جس کے لئے آیت مسوق ہے یہ ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھلائی اور برائی میں فرق کرنے کی سمجھ

دے دی ہے۔ لیکن چونکہ تقدیر کے پہلے اور چوتھے مرحلہ میں مشابہت ہے اس لئے اس آیت کریمہ سے تقدیر کے مسئلہ میں استدلال کرنا صحیح ہے۔ شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ کے باب الایمان بالقدر میں تقدیر کے پانچ مدارج و مظاہر ذکر کئے ہیں۔ جن کی تفصیل ”رحمۃ اللہ الواسعہ“ میں ہے۔ ان میں سے پہلا مرحلہ ہے: دور ازل میں جبکہ اللہ کے سوا کچھ بھی نہ تھا اللہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ عالم کو تمام مصالح کی رعایت کرتے ہوئے بہتر سے بہتر ممکن صورت میں پیدا کریں گے اس وقت ہر چیز تفصیل سے علم الہی میں طے پائی گئی تھی۔ نیکی اور گناہ کی جملہ تفصیلات بھی اس وقت اللہ کے علم ازل میں طے پائی گئی تھیں، صورت علمیہ پیدا کرنے سے یہی مراد ہے، اور تقدیر کا چوتھا مرحلہ ہے: جب شکم مادر میں روح پھونکنے کا وقت آتا ہے اس وقت چوتھی بار تقدیر الہی کا ظہور ہوتا ہے، حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں جو مشکوٰۃ شریف کے باب الایمان بالقدر میں مذکور ہے اس کا ذکر ہے کہ فرشتہ اس وقت چار باتیں لکھتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مولود بد بخت ہو گا یا نیک بخت؟ اس وقت میں اجمالاً نیکی اور گناہ کا ظہور ہوتا ہے غرض ان دونوں مرحلوں میں مشابہت ہے، کیونکہ یہ دونوں تقدیر ہی کے ظہور ہیں، اور نفس و ماسواہا میں چوتھے مرحلہ کا ذکر ہے اس لئے اس مرحلہ کی آیت کو تقدیر کے پہلے مرحلہ کے ثبوت کے لئے پیش کرنا درست ہے۔

﴿نوٹ﴾ آنحضرت ﷺ نے آیات کریمہ سے تقدیر کے مسئلہ میں جو مذکورہ دونوں استدلال فرمائے ہیں وہ مشکوٰۃ شریف باب الایمان بالقدر کی فصل اول صفحہ ۲۰ میں مذکور ہیں۔

فَنُ الْاِعْتِبَارِ

وہنا فائدة مهمة، ينبغي الاطلاع عليها، وهي: أن النبي صلى الله عليه وسلم جعل ”فن الاعتبار“ معتبرا، وسلك ذلك المنهج ليكون سنة لعلماء الأمة، وفتحاً لباب العلوم الموهوبة لهم:

• كما أن النبي صلى الله عليه وسلم تمثل بقوله تعالى: ﴿فَأَمَّا مَنْ آغَىٰ وَآتَقَىٰ﴾ في مسئلة القدر، وإن كان منظور الآيۃ: أن من عمل بهذه الأعمال نُهْدِيهِ إلى طريق الجنة والنعيم، ومن عمل بضدّها نَفْتَحْ لَهُ طريق النار والتعذيب؛ ولكن

يمكن أن يُعلم بطريق "الاعتبار": أن الله تعالى خلق كل أحد لحالة خاصة، ويُجرى عليه تلك الحالة من حيث يدري أولا يدري؛ فبهذا الاعتبار كان لهذه الآية الكريمة ارتباط بمسئلة القدر.

• وكذلك قوله تعالى: ﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا، فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ فالمعنى المنطوق لهذه الآية الكريمة: أن الله تعالى عرّف كل نفس بالبر والإثم؛ ولكن لما كانت بين خلقي الصورة العلمية للبر والإثم، وبين البر والإثم الموجودين بالإجمال وقت نفخ الروح مشابهة فيمكن الاستشهاد بهذه الآية في مسئلة القدر أيضا من طريق الاعتبار؛ والله أعلم.

ترجمہ: فن اعتبار کا بیان: اور یہاں ایک اہم فائدہ ہے، جس سے واقف ہونا مناسب ہے، اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ”فن اعتبار“ کو معتبر گردانا ہے، اور آپ نے یہ راہ اپنائی ہے، تاکہ وہ علمائے امت کے لئے سنت بن جائے، اور ان کے علوم و حبیبہ کا دروازہ کھولنے کا ذریعہ ہو جائے۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد خداوندی: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى﴾ سے تقدیر کے مسئلہ میں استدلال کیا ہے، اگرچہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو یہ کام کرے گا، ہم اس کو جنت اور نعمت کا راستہ دکھائیں گے، اور جو ان کاموں کی ضد کو اپنائے گا، ہم اس کے لئے آگ اور عذاب کا راستہ کھول دیں گے، لیکن اعتبار کے طور پر یہ جانا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خاص حالت کے لئے پیدا فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس پر وہ حالت جاری فرماتے ہیں، چاہے وہ جانے یا نہ جانے، پس اس اعتبار سے اس آیت کریمہ کا گہرا ربط ہے، تقدیر کے مسئلہ کے ساتھ۔

اور اسی طرح ارشاد خداوندی: ﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا، فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ (کا تقدیر کے مسئلہ سے گہرا ربط) ہے، کیونکہ اس آیت کریمہ کے معنی منطوق (یعنی ماسبق لاجلہ الکلام) یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو نیکی اور گناہ کی پہچان کرا دی ہے، لیکن جب نیکی اور گناہ کی صورت علیہ پیدا کرنے کے درمیان، اور اس نیکی اور گناہ کے درمیان جو دونوں نفع و روح کے وقت اجمالی طور پر موجود تھے، مشابہت ہے، تو اس آیت سے بھی تقدیر کے مسئلہ میں استدلال کرنا ممکن ہے فن اعتبار کے طور پر، واللہ اعلم۔



فصل سوم

غرائب قرآن کی وضاحت

غرائب؛ غریبہ کی جمع ہے، اور غریبہ کے معنی ہیں: نادر چیز، انوکھی بات، اور غرائب القرآن کے معنی ہیں: نادر اور انوکھی آیتیں اور سورتیں؛ یعنی وہ آیتیں اور سورتیں جن کی احادیث میں خصوصی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ اور خاص اہتمام کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ غرائب القرآن کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) علم الہد کیر بالاء للہ میں غریب وہ آیت یا سورت ہے، جو صفات خداوندی کی وافر مقدار کو حاوی ہو، جیسے آیت الکرسی، سورہ اخلاص، سورہ حشر کی آخری تین آیتیں اور سورہ مؤمن کی تیسری آیت۔

(۲) اور علم الہد کیر بایام اللہ میں غریب وہ آیت یا سورت ہے، جس میں کوئی نادر قصہ بیان کیا گیا ہو، جیسے اصحاب کہف کا قصہ، اسی لئے اس کو ”عَجَبًا“ کہا گیا ہے۔ یا کوئی معلوم قصہ تمام تفصیلات کے ساتھ بیان کیا گیا ہو، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ، اسی لئے اس کو ”حسن القصص“ کہا گیا ہے۔ یا کوئی ایسا قصہ بیان کیا گیا ہو جس میں عظیم فوائد اور بہت سی عبرتیں ہوں۔ جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ہماری تمنا تھی کہ موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے، تاکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مزید خبریں بتاتے۔

(۳) اور علم الہد کیر بالموت وابعادہ میں غریب وہ آیت یا سورت ہے، جو مثال کے طور پر قیامت کے احوال کو حاوی ہو، اسی لئے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ: جو شخص آنکھوں سے روز قیامت کو دیکھنا چاہے وہ ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ﴾ پڑھے (۴) اور علم الاحکام میں غریب وہ آیت ہے جو حدود شرعیہ کی وضاحت اور مخصوص احکام شرعیہ کی تعیین پر مشتمل ہو، مثلاً سورہ نور کی دوسری آیت، جو حد زنا میں سو کوڑوں کی وضاحت اور تعیین پر مشتمل ہے، اور سورہ بقرہ کی آیت ۲۲۸، جو مطلقہ کی عدت کی وضاحت اور تین حیض یا تین

طہر کی تعین پر مشتمل ہے، اور سورہ نساء کی گیارہویں، بارہویں، اور آخری آیت جو میراث میں ورثاء کے حصوں کی وضاحت اور تعین پر مشتمل ہیں۔

(۵) اور علم الجدل والمخاصمہ میں غریبہ آیت ہے، جس میں گمراہ فرقوں میں سے کسی فرقہ کی گمراہی اور غلط نظریہ کا واضح اور مؤثر رد پیش کیا گیا ہو، جیسے الوہیت مسیح کے نظریہ کو رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کی آیت ۷۵ میں فرمایا ہے: ﴿كَانَا يَاسْكُلَانِ الطَّعَامِ﴾ وہ دونوں (یعنی حضرت مسیح اور ان کی والدہ) کھانا کھاتے تھے، مفسر قرآن علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ: یہ ایسی قوی اور واضح دلیل ہے جسے عالم و جاہل یکساں طور پر سمجھ سکتے ہیں، یعنی کھانا پینا الوہیت کے منافی ہے (نواد عثمانی)

اسی طرح علم الجدل میں غریبہ آیت ہے، جس میں گمراہ فرقوں میں سے کسی فریق کا حال واضح مثال سے سمجھایا گیا ہو، جیسے منافقین کا حال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْفَدَ نَارًا﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۷)

اسی طرح علم الجدل میں غریبہ آیات ہیں، جن میں بت پرستی کی قباحت، اور خالق و مخلوق اور مالک و مملوک کے مراتب کا فرق انوکھی مثالوں سے واضح کیا گیا ہو، یا ریاکاروں اور شہرت پسندوں کے اعمال کے رائیگاں ہونے کو نادر مثال سے واضح کیا گیا ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورہ حج کی آیت ۷۳ میں بت پرستی کی قباحت کو، اور سورہ نمل کے پانچویں رکوع میں خالق و مخلوق کے درمیان فرق مراتب کو، اور سورہ نمل کی آیت ۷۵ میں مالک و مملوک کے درمیان فرق مراتب کو، اور سورہ بقرہ کی آیت ۲۶۳ میں ریاکاروں اور شہرت پسندوں کے اعمال کے رائیگاں ہونے کو نادر اور انوکھی مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔

نیز یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ غرائب القرآن مذکورہ قسموں میں منحصر نہیں ہیں، بلکہ غرائب القرآن کی ان کے علاوہ اور بھی قسمیں ہیں، چنانچہ کبھی کوئی سورت اپنی بلاغت اور تعجب خیز اسلوب بیان کی وجہ سے غریب ہوتی ہے، جیسے سورہ رخصن، اسی لئے حدیث شریف میں اس کو ”عروس القرآن“ (قرآن کی دلہن یعنی زینت) کہا گیا ہے، اور کبھی کوئی آیت نیک بخت اور بد بخت کی صورت حال کا نقشہ کھینچنے کی وجہ سے غریب ہوتی ہے، جیسے سورہ احقاف کی آیات ۱۸۶ تا ۱۸۵ میں نیک بخت اور بد بخت کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

الفصل الثالث

فی

بیانِ غرائبِ القرآنِ الکریم

لِیَعْلَمَ أَنَّ غَرَائِبَ الْقُرْآنِ الْکَرِیمِ الَّتِی خُصِّصَتْ فِی الْأَحَادِیثِ بِمَزِیدٍ مِنَ الْإِهْتِمَامِ وَبِبَيَانِ الْفَضْلِ أَنْوَاعٍ:

۱- فالغریبۃ فی فِی التذکیرِ بِآلَاءِ اللَّهِ: هِیَ آیَةُ جَامِعَةٌ لِّجَمَلَةِ عَظِیمَةٍ مِنْ صِفَاتِ الْحَقِّ تَعَالٰی، مِثْلُ آیَةِ الْکُرْسِی، وَسُورَةِ الْإِخْلَاصِ، وَآخِرِ سُورَةِ الْحَشْرِ، وَأَوَّلِ سُورَةِ الْمُؤْمِنِ.

۲- والغریبۃ فی فِی التذکیرِ بِأَیَامِ اللَّهِ: هِیَ آیَةُ یَبِیْنُ فِیْهَا قِصَّةٌ نَادِرَةٌ، أَوْ قِصَّةٌ مَعْلُومَةٌ بِجَمِیعِ تَفَاصِیلِهَا، أَوْ قِصَّةٌ جَلِیلَةُ الْفَوَائِدِ الَّتِی تَکُونُ مَحَلًّا لِلْإِعْتِبَارَاتِ الْکَثِیرَةِ؛ وَلِهَذَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی قِصَّةِ مُوسَى وَالْخَضِرِ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ: "وَدِدْنَا أَنْ مُوسَى کَانَ صَبْرًا حَتَّى یَقْضَ اللَّهُ عَلَیْنَا مِنْ خَبَرِهِمَا"

۳ - والغریبۃ فی فِی التذکیرِ بِالْمَوْتِ وَمَا بَعْدَهُ: هِیَ آیَةُ تَکُونُ جَامِعَةً لِأَحْوَالِ الْقِیَامَةِ مِثْلًا، وَلِذَا وَرَدَ فِی الْحَدِیثِ الشَّرِیفِ: "مَنْ سَرَّهُ أَنْ یَنْظُرَ إِلَى یَوْمِ الْقِیَامَةِ کَأَنَّهُ رَأَى عَیْنٍ، فَلِیَقْرَأْ ﴿إِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ﴾ و﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ و﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ﴾.

ترجمہ: تیسری فصل: قرآن کریم کی غریب آیتوں اور سورتوں کی وضاحت میں: جاننا چاہئے کہ قرآن کریم کی غریب آیتوں اور سورتوں کی — جن کو احادیث میں مزید اہتمام کے ساتھ، اور فضیلت کی وضاحت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے — کئی قسمیں ہیں:

۱- چنانچہ علم التذکیرِ بِآلَاءِ اللَّهِ میں غریب وہ آیت ہے، جو حق تعالیٰ کی صفات کی عظیم مقدار کو حاوی ہو، جیسے آیت الکرسی، سورۃ اخلاص، سورۃ حشر کی آخری اور سورۃ مؤمن کی ابتدائی آیتیں۔

۲- اور علم التذکیرِ بِأَیَامِ اللَّهِ میں غریب وہ آیت ہے، جس میں کوئی نادر قصہ بیان کیا گیا ہو، یا کوئی

معلوم قصہ اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہو، یا ایسا عظیم فوائد والا قصہ بیان کیا گیا ہو، جو بہت سی عبرتوں کا محل ہو؛ اور اسی لئے نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہماری تمنا تھی کہ موسیٰ علیہ السلام مبر کرتے، تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے ان دونوں کی کچھ اور خبریں بیان فرماتے۔

۳- اور علم التذکیر بالموت وابعادہ میں غریب وہ آیت ہے جو مثلاً قیامت کے احوال کو حاوی ہو، اور اسی لئے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جس کو آنکھوں سے دیکھنے کی طرح روز قیامت کا دیکھنا خوش کرتا ہے (یعنی جو مشاہدہ کی طرح روز قیامت کو دیکھنا چاہتا ہے) تو وہ پڑھے: ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ﴾

۴- والغریبۃ فی فی الاحکام: ہی آیۃ تکرر مشتملۃ علی بیان الحدود، وتعیین الأوضاع الخاصۃ، کمثلی تعین مائۃ جلدۃ فی حد الزنا، وتعیین ثلاث حیض أو ثلاثة اطهار لعدۃ المطلقة، وتعیین انصاء الموارث.

۵- والغریبۃ فی فی الجدال: ہی آیۃ یرد فیہا سو فی الجواب ینہج غریب، یقطع الشبہ بأبلغ وجہ، أو یبین فیہا حال فریق من تلك الفرق بمثل واضح، کقولہ تعالیٰ: ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْفَدَ نَارًا﴾؛ وكذا یبین فیہا شناعۃ عبادۃ الأصنام، والفرق بین مرتبۃ الخالق والمخلوق، والمالك والمملوك بأمثلۃ عجیبۃ؛ أو إيجاب أعمال أهل الریاء والسعۃ بأبلغ وجہ.

۶- وغرائب القرآن لیست بمحصورة فی الأبواب المذكورة، فأحیانا تكون غریبۃ من جہۃ بلاغۃ القرآن، وإنافۃ أسلوبہ، مثل سورة الرحمن؛ ولهذا سمیت فی الحديث بعروب القرآن؛ وأحیانا تكون غریبۃ من جہۃ تصویر صورة سعید وشقی.

ترجمہ: ۳- اور علم الاحکام میں غریب وہ آیت ہے، جو حدود (شرعیہ) کی وضاحت پر، اور احکام خاصہ کی تعین پر مشتمل ہو، جیسے مثلاً حد زنا میں سو کوڑوں کی تعین، اور مطلقہ کی عدت کے لئے تین حیض یا تین طہر کی تعین، اور میراثوں کے حصوں کی تعین۔

۵- اور علم الجدال میں غریب وہ آیت ہے، جس میں ایسے انوکھے انداز سے (کسی شبہ کا) جواب دیا گیا ہو، جو شبہ کو مکمل طریقہ پر ختم کر دیتا ہو، یا اس میں ان (گمراہ) فرقوں میں سے کسی فریق کا حال

میں خوب غور کرنا، اور دل میں اللہ تعالیٰ کا ہر وقت دھیان رکھنا ہے۔ اور ایام اللہ کے تذکرہ کا باطن، ایام اللہ سے مدح و ذم اور ثواب و عقاب کے اسباب کو پہچاننا، اور ان سے نصیحت حاصل کرنا ہے۔ اور جنت اور جہنم کے تذکرہ کا باطن: دوزخ کا خوف اور جنت کا شوق ابھارنا، اور دوزخ کے دردناک عذابوں، اور جنت کی پر لطف راحتوں کو آنکھوں کے سامنے رکھنا ہے۔ اور آیات احکام کا باطن: کلام الہی کے مضامین اور مفاہیم سے مخفی احکام کا استنباط کرنا ہے۔ اور گمراہ فرقوں کے مباحثہ کا باطن: ان کی گمراہیوں اور قباحتوں کی بنیاد پہچاننا، اور اسی جیسی گمراہیوں اور قباحتوں کو ان کے ساتھ ملانا ہے۔

اور ظاہر کی جائے اطلاع: عربی زبان جاننا، اور ان آثار کو پہچاننا ہے جن کا تعلق فن تفسیر سے ہے۔ اور باطن کی جائے اطلاع: ذہن کا رسا اور فہم کا درست ہونا، اور دل کا نور ایمان سے روشن اور پرسکون ہونا ہے، یعنی جس کا ذہن عمدہ، فہم درست اور دل اعمال صالحہ اور ایمان کی روشنی سے منور ہوگا، اور فاسد خیالات اور پریشانیوں سے خالی ہوگا، وہ بطن قرآن کو بخوبی سمجھے گا، اور جس میں یہ خوبیاں نہیں ہوں گی اس کے لئے بطن قرآن کا سمجھنا دشوار ہوگا۔

ظہر القرآن وبطنہ

- لقد ورد فی الحدیث الشریف: ”لکلی آیۃ منها ظہر وبطن، ولکل حرف حدّ ولکل حدّ مُطْلَعٌ“ فینبغی أن یُعْلَمَ أن ظہرَ هذه العلوم الخمسة: هو مدلول الکلام ومنطوقہ؛ والبطن:
- فی التذکیر بِالْآءِ اللّٰہ: هو التّفکّر فی آلاءِ اللّٰہ، ومراقبۃ الحقّ سبحانہ وتعالیٰ.
 - وفی التذکیر بِأَیامِ اللّٰہ: هو معرفۃ مناصب المدح والذم، والثواب والعقاب، من تلك القصص، والاتعاظ بها.
 - وفی التذکیر بِالْجَنۃِ والنار: هو ظهورُ الخوفِ والرجاء، وجعلُ تلك الأمورِ كأنها بمرأی منه.
 - وفی آیاتِ الأحکام: هو استنباطُ الأحکام الخفیۃ بالفحَاوی والإیماءات.
 - وفی مُحَاجَۃَ الْفِرَاقِ الْباطِلِ: هو معرفۃ أصلِ تلك القبائح، وإلحاقِ مثلِها بها.
 - وَمُطْلَعُ الظہر: هو معرفۃُ لغۃِ العربِ والآثارِ المتعلقۃ بعلمِ التفسیر.
 - ومطلعُ البطن: هو لطفُ الذہنِ واستقامۃُ الفہمِ، مع نورِ الباطنِ وسکینۃِ القلبِ واللّٰہ اعلم.

ترجمہ: قرآن کریم کا ظہر و بطن: بیشک حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ: ان (حروف سبعہ) میں سے ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے، اور ہر حرف کی ایک حد ہے، اور ہر حد کی ایک جائے اطلاع ہے، لہذا یہ جاننا مناسب ہے کہ ان علوم خمسہ کا ظاہر: کلام الہی کا مدلول اور اس کا منطوق ہے، اور باطن: آلاء اللہ کی تذکیر میں: اللہ کی نعمتوں میں خوب غور کرنا، اور حق سبحانہ و تعالیٰ کا دل میں دھیان رکھنا ہے۔ اور ایام اللہ کی تذکیر میں: ان قصوں سے مدح و ذم اور ثواب و عقاب کی علت پہچاننا، اور ان (قصوں) سے نصیحت حاصل کرنا ہے۔

اور جنت اور جہنم کے ذریعہ تذکیر میں: (دوزخ کا) خوف، اور (جنت کی) امید ظاہر ہونا، اور ان امور کو ایسا بنانا ہے کہ گویا ان کو دیکھ رہا ہے۔

اور آیات احکام میں: (کلام الہی کے) مضامین اور مغایم سے مخفی احکام کا استنباط کرنا ہے۔ اور فرق باطلہ کے مباحثہ میں: ان قباحتوں (گمراہیوں) کی بنیاد پہچاننا، اور اسی جیسی قباحتوں کو ان کے ساتھ ملانا ہے۔

اور ظاہر کی جائے اطلاع: عربی زبان کو جاننا اور ان آثار کو پہچاننا ہے جو علم تفسیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور باطن کی جائے اطلاع: ذہن کا عمدہ اور فہم کا درست ہونا ہے، نور باطن اور دل کے سکون کے ساتھ، واللہ اعلم۔

لغات:

البطن: کسی چیز کا اندرونی حصہ، پوشیدہ..... الظہر: کسی چیز کا بالائی حصہ، واضح، ظاہر..... مُطْلَع: واقف ہونے کی جگہ، اونچے سے جھانکنے کی جگہ، اِطْلَعَ طَلَعَ الْعُلُوّ: دشمن کی حقیقت حال سے واقف ہونا..... مُرَاقِبَةٌ: گردن جھکا کر سوچنا، دل جمعی سے خدا کا دھیان کرنا رَاقِبَةٌ مُرَاقِبَةٌ: نگہبانی کرنا..... مَنَاطٌ: لٹکانے کی جگہ، علت، سبب..... المَرَامی: منظر، کہا جاتا ہے: هُوَ مَنَى بَمَرَامٍ وَمَسْمَعٍ: وہ ایسی جگہ ہے کہ میں اس کو دیکھ سکتا ہوں اور اس کی بات سن سکتا ہوں..... لُطْفُ الذَّهْنِ: ذہن کا رسا اور عمدہ ہونا، لُطْفٌ (ک) لُطْفًا وَ لَطَافَةٌ: باریک ہونا، عمدہ ہونا..... السَّكِينَةُ: اطمینان، سکون۔



فصل چہارم

بعض وہی علوم کا بیان

شاہ صاحب نے چوتھے باب کے شروع میں، فنون تفسیر کی وضاحت کے بعد فرمایا تھا کہ: اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں مذکورہ فنون کے علاوہ دو تین فنون تفسیر کا القاء فرمایا ہے، اس فصل میں اُن وہی علوم کی وضاحت فرماتے ہیں کہ فن تفسیر میں اللہ تعالیٰ نے جن وہی علوم سے مجھے نوازا ہے ان میں سے:

(۱) انبیائے کرام کے قصوں کی تاویل کا علم ہے؛ شاہ صاحب کی اس موضوع پر ایک کتاب بھی ہے جس کا نام ”تاویل الاحادیث“ ہے، اس کتاب میں شاہ صاحب نے انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے تمام واقعات کی تاویل فرمائی ہے، یہاں صرف تاویل الاحادیث کا مطلب بیان کرنے پر اکتفا فرمایا ہے جو درج ذیل ہے:

تاویل الاحادیث کے معنی ہیں: باتوں کو ٹھکانے پر لگانا، واقعات کی تہ تک پہنچنا، یعنی انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے جو واقعات قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں، اور جن کو معجزات کہا جاتا ہے، اور خارق عادت خیال کیا جاتا ہے، ان میں سے ہر واقعہ کا نبی اور اس کی قوم کی استعداد کے مناسب ایک مبدأ اور سبب ہوتا ہے، جو اللہ کی تدبیر کے مطابق اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوتا ہے، مگر وہ مبدأ اور سبب نہایت مخفی ہوتا ہے، اس لئے اس واقعہ کو خارق عادت کہتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ واقعہ خارق عادت نہیں ہوتا، بلکہ اس کا ایک مخفی سبب اور مبدأ ہوتا ہے، اسی مبدأ اور سبب کو واضح کرنے کا نام ”تاویل الاحادیث“ ہے، اور اسی معنی کی طرف اس ارشاد خداوندی میں اشارہ کیا گیا ہے: ﴿وَيُعَلِّمُكَ مِنَ الْآخَادِيثِ﴾ (سورہ یوسف آیت ۶) اور سکھائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا (ترجمہ شیخ الہند) یعنی خواب سن کر اس کے اجزاء کو ذہانت و فراست

سے ٹھکانے پر لگا دینا، یا ہر بات کے موقع و محل کو سمجھنا، اور معاملات کے عواقب و نتائج کو فوراً پرکھ لینا، یا خدا اور پیغمبروں کے ارشادات، اقوام و امم کے قصص، اور کتب منزل کے مضامین کی تہ تک پہنچ جانا، یہ سب چیزیں ”تاویل الاحادیث“ کے تحت میں مندرج ہو سکتی ہیں (فوائد عثمانی) اس کے بعد شاہ صاحب کی تاویلوں میں سے صرف ایک تاویل نمونہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے، جو حضرات مزید تاویلیں دیکھنا چاہیں وہ شاہ صاحب کی کتاب ”تاویل الاحادیث“ کا مطالعہ کریں، جو قدیم زمانہ سے چھپی ہوئی ہے، اور حال میں پاکستان سے شیخ غلام مصطفیٰ قاسمی کی تحقیق کے ساتھ چھپی ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی چھپا ہوا ہے، مگر وہ اچھا ترجمہ نہیں ہے۔

شاہ صاحب حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں جو واقعہ پیش آیا تھا، اس کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو قوانین نازل کئے گئے تھے ان میں یوم السبت کے احترام کا حکم تھا، مگر حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں کچھ لوگ یوم السبت کا احترام نہیں کرتے تھے، اور مچھلیوں کا شکار کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بندز بنادیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن مچھلیوں کا مزاج فاسد کر دیا، اور ان میں سرانڈ پیدا کر دی جن کو وہ ہفتہ کے روز پکڑتے تھے، پھر جب انھوں نے وہ سڑی ہوئی خراب مچھلیاں کھائیں، تو ان کا مزاج بھی خراب ہو گیا، اور ان کے بدن میں غیر ضروری بال نکل آئے، اور رفتہ رفتہ ان کے بدن متغیر ہو کر بالکل بندروں جیسے ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ نے قانون خداوندی کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے ان پر ذلت اور خواری مسلط فرمادی، تو وہ ذلیل بندر ہو گئے، اور یہ سزا ان کے احوال سے قریب تر تھی، اس لئے ان کو یہی سزا دی گئی (تاویل الاحادیث ص ۵۰ بحوالہ العون الکبیر)

(۲) اور ان وہی علوم میں سے ایک: ان علوم خمسہ کو نکھارنا ہے، جن پر قرآن کریم صراحتہ دلالت کرتا ہے، اس کی تفصیل پہلے باب کے آغاز میں گذر چکی ہے، لہذا وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) اور ان وہی علوم میں سے ایک: قرآن کریم کا فارسی زبان میں ترجمہ کرنا ہے، جو کلمات کی تعداد اور تخصیص و تعیم وغیرہ امور میں نظم عربی سے قریب ہے، البتہ جہاں اندیشہ تھا کہ تفصیل کے بغیر قاری قرآن کریم کا مطلب نہیں سمجھ گا، وہاں اس شرط کو ترک کر دیا گیا ہے، اس ترجمہ کا نام ”فتح الرحمن فی ترجمہ القرآن“ ہے، اور قدیم زمانہ سے چھپا ہوا ہے۔

(۴) اور ان وہی علوم میں سے ایک: قرآن کریم کی خاصیتوں کا علم ہے، جس میں مخصوص

آیتوں، مبارک دعاؤں، اور اسمائے حسنیٰ کی خاصیتوں اور برکتوں سے بحث کی جاتی ہے، متقدمین میں سے کچھ حضرات نے قرآن کریم کو دعا اور وظیفہ کی طرح پڑھنے کی خاصیتیں بیان فرمائی ہیں، اور کچھ لوگوں نے قرآن کریم کو سحر اور جادو کی طرح استعمال کرنے کی خاصیتیں بیان کی ہیں، مثلاً بعض کتابوں میں ہے کہ اگر کسی کی نکسیر بہتی رہتی ہو تو قرآن کریم کی فلاں آیت مریض کی پیشانی پر نکسیر کے خون سے لکھنا، یا پیشاب سے لکھنا، باعث شفا ہے، یہ طریقہ بالکل حرام ہے، اس سے بچنا چاہئے، اور اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہئے۔

البتہ پہلا طریقہ صحیح ہے، اور اس طرح مزید خاصیتیں بیان کرنا جائز ہے، چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی منقول خاصیتوں کے علاوہ ایک دروازہ ناچیز بندہ پر کھول دیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے تمام اسمائے حسنیٰ، آیات عظمیٰ اور مبارک دعاؤں کو میری گود میں رکھ دیا، اور فرمایا کہ یہ (ضرورت کے موقع پر دعا کی طرح) استعمال کرنے کے لئے ہمارا عطیہ ہے۔

لیکن ہر اسم خداوندی، آیت قرآنی اور مبارک دعا چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، جن کو کسی قاعدہ کے تحت میں نہیں لایا جاسکتا، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی حاجت اور ضرورت پیش آئے، یا کوئی حاجت مند درخواست کرے، تو غیبی اشارہ کا انتظار کرے، جس طرح استخارہ میں غیبی اشارہ کا انتظار کیا جاتا ہے، پھر دل میں عالم غیب سے جو اسم خداوندی یا آیت ڈالی جائے، اس کو اس طریقہ پر پڑھے جو اہل فن کے نزدیک مقرر ہے، مثلاً مریض پر یاپانی پریا شیرنی پر پڑھ کر دم کرنا، یا حاجت مند کو خاص وقت میں خاص تعداد کے ساتھ پڑھنے کی ہدایت کرنا، یا تعویذ کے طور پر لکھ کر دینا، یا زعفران سے تشتی اور رکابی پر لکھ کر مریض کو پلانا وغیرہ۔

یہ نہایت قیمتی باتیں اور کارآمد نکات ہیں، جن کو شاہ صاحب نے اس رسالہ میں جمع فرمادیا ہے، ان سے استفادہ کرنا قارئین کا کام ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس رسالہ سے استفادہ کرنے کی اور قرآن کریم کو کماحقہ سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں! اور علوم قرآن کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی راہ ہموار فرمائیں! آمین! یا رب العالمین! والسلام علی المرسلین!

الفصل الرابع

فی

بیان بعض العلوم الوہیۃ

من العلوم الوہیۃ فی علم التفسیر التي سبقت الإشارة إليها:

۱۔ تاویل قصص الأنبياء عليهم السلام؛ وللفقير في هذا الموضوع رسالة مسماة بتاويل الأحاديث، والمراد من التاويل: هو أن يكون لكل قصة وقعت مبدأ من استعداد الرسول واستعداد قومه بحسب تدبير الله الذي أراده في ذلك الوقت؛ وكأنه أشار إلى هذا المعنى في قوله تعالى: ﴿وَيَعْلَمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾
 ۲۔ ومنها: تنقيح العلوم الخمسة التي هي منظوف القرآن العظيم؛ وقد مر تفصيلها في أول الرسالة، فليرجع إليه.

۳۔ ومنها: ترجمة القرآن الكريم باللغة الفارسية، بوجه قريب من النص العربي في مقدار الكلمات، وفي التخصيص والتعميم، وغير ذلك؛ وسميتها بـ "فتح الرحمن في ترجمة القرآن" وقد تركت هذا الشرط في بعض المواضع خوفا من عدم فهم القارئ بدون تفصيل.

۴۔ ومنها: علم خواص القرآن الكريم؛ وقد تكلم جماعة من المتقدمين في خواص القرآن من وجهين: وجه كالدعاء، ووجه كالسحر، أعوذ بالله منه؛ وقد فتح الله على الفقير باباً وراء ما نقل من خواص القرآن، ووضع في حجرى جميع الأسماء الحسنى، والآيات العظمى، والادعية المباركة مرة واحدة، وقال: "هذا عطاؤنا للاستعمال؛ ولكن كل آية واسم ودعاء مشروط بشروط، لاتضبطها قاعدة؛ بل قاعدتها: انتظاؤنا عالم الغيب؛ كما يكون في حالة الاستخارة، حتى ينظر بأى آية أو اسم يُشار إليه من عالم الغيب؛ فيقرأ تلك الآية أو الاسم على طريقة مقررة عند أهل الفن.
 وهذا ما قصدت إيراده في هذه الرسالة، والحمد لله أولاً وآخراً، وظاهراً وباطناً.

ترجمہ: چوتھی فصل: بعض وہی علوم کے بیان میں:

علم تفسیر کے ان وہی علوم میں سے جن کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا ہے۔

۱- انبیاء علیہم السلام کے قصوں کی تاویل (کا علم) ہے، اور فقیر (شاہ ولی اللہ) کا اس موضوع پر ایک رسالہ ہے، جس کا نام ”تاویل الاحادیث“ ہے، اور تاویل سے مراد یہ ہے کہ ہر قصہ جو پیش آیا ہے، اس کا ایک مبداء (سبب) ہوتا ہے، رسول کی استعداد اور اس کی قوم کی استعداد سے، اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر کے مطابق جس کا اللہ نے اس وقت میں ارادہ فرمایا ہے، اور گویا کہ اسی معنی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے اپنے (اس) ارشاد میں ﴿وَيُعَلِّمُكُم مِّنْ تَأْوِيلِ الْاَحَادِيثِ﴾

۲- اور ان (وہی علوم) میں سے ایک پانچ علوم کو نکھارنا ہے، جو قرآن کریم کا منطوق (صریح مفہوم) ہیں، اور ان کی تفصیل رسالہ کے شروع میں گذر چکی ہے، لہذا اس کی طرف مراجعت کی جائے۔
۳- اور ان (وہی علوم) میں سے ایک: قرآن کریم کا فارسی زبان میں ایسا ترجمہ ہے جو نظم عربی سے قریب ہے، کلمات کی مقدار میں، اور تخصیص و تعمیم وغیرہ میں، اور میں نے اس کا نام رکھا ہے: فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن اور میں نے اس شرط کو ترک کر دیا ہے بعض جگہوں میں، تفصیل کے بغیر قاری کے نہ سمجھنے کے خوف کی وجہ سے۔

۴- اور ان (وہی علوم) میں سے ایک: قرآن کریم کی خاصیتوں کا علم ہے، اور متقدمین کی ایک جماعت نے گفتگو کی ہے، قرآن کریم کی خاصیتوں کے بارے میں، دو طریقے سے، ایک طریقہ دعا کی طرح ہے، اور ایک طریقہ جادو کی طرح ہے، اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں اس سے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فقیر پر ایک دروازہ کھولا ہے، قرآن کریم کی جو خاصیتیں منقول ہیں ان کے علاوہ، اور (وہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ میری گود میں تمام اسمائے حسنی، اور آیات عظمیٰ اور مبارک دعائیں رکھ دیں، اور فرمایا کہ: یہ (ضرورت کے موقع پر دعا کی طرح) استعمال کرنے کے لئے ہمارا عطیہ ہے، لیکن ہر آیت، ہر اسم خداوندی اور ہر دعا چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، جن کو کوئی قاعدہ ضبط نہیں کر سکتا، بلکہ اس کا قاعدہ: عالم غیب (کے اشارہ) کا انتظار کرنا ہے، جیسا کہ استخارہ میں (عالم غیب کے اشارہ کا انتظار) ہوتا ہے، یہاں تک کہ دیکھے کوئی آیت یا اسم خداوندی کا عالم غیب سے اشارہ کیا جاتا ہے، پھر اس آیت یا اسم خداوندی کو اس طریقہ پر پڑھے جو اہل فن کے نزدیک مقرر ہے۔

اور یہ وہ باتیں ہیں جن کو اس رسالہ میں ذکر کرنے کا میں نے ارادہ کیا تھا (اور مقدمۃ الکتاب میں وعدہ کیا تھا) اور اللہ تعالیٰ کا شکر اول میں بھی ہے اور آخر میں بھی، ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی۔

تمت بالخیر

کتب ادعیہ، عملیات و تقویٰ ذات، طب و معالجات

آئینہ عملیات	بحرِ عملیات و تصویرات
اصلی جواہرِ خمسہ	عملیات کی مشہور کتاب
اصلی بیاض محمدی	بحرِ عملیات و تصویرات
انکالِ قرآنی	قرآنی وظائف و عملیات
مکتوبات و بیاض یعقوبی	علمائے دیوبند کے بحرِ عملیات و طبی نسخے
بیساریوں کا گھریلو علاج	ہر وقت پیش آنے والے گھریلو نسخے
بنات کے پر اسرار حالات	ان سے محفوظ رہنے کی تدابیر
حصن حصین	عربی دعائیں مع ترجمہ اور شرح اردو
خواص حبیب اللہ و نعم الوکیل	اردو
ذکر اللہ اور فضائلِ درود شریف	فضائلِ درود شریف
ذاد السعد	تقویٰ ذات و عملیات کی مستند کتاب
شمس المعارف الکبریٰ	ایک مستند کتاب
طب جسمانی و روحانی	مسترفی عملیات
طب روحانی مع خواص القرآن	
طب نبوی کلاں	اردو
طب نبوی حضور	آنحضرت کے فرمودہ علاج و نسخے
علاج الغریب	طب یونانی کی مقبول کتاب جس میں مستند نسخے درج ہیں
کمالات عزیز زی	حضرت شاہ جہانگیر رحمتِ ربوبی کے بحرِ عملیات
میرے والد ماجد اور ان کے مجرب عملیات	
مناجات مقبول	دعاؤں کا مستند و مقبول مجموعہ
مناجات مقبول	مرب عربی بیتِ چھوٹا سیب ساز
مناجات مقبول	کاظم میں مکمل اردو ترجمہ
نقش سلیمانی	عملیات و تقویٰ ذات کی مشہور کتاب
مشکل کشا	تمام دینی و دنیوی مسائل کے لئے بحرِ مائیں
مصیبت کے بعد راحت مع برادرِ دافع الافلاس	مولانا مفتی محمد شفیع
نافع الخلائق	عملیات و تقویٰ ذات کی مشہور کتاب
مجموعہ وظائف کلاں	مستند ترین نسخہ

ناشر:- دار الاشاعت اردو بازار کراچی فون ۲۶۳۱۸۶۱-۲۶۳۱۸۶۲-۲۶۳۱۸۶۳-۲۶۳۱۸۶۴

کتاب قصص و اسلامی حکایات وغیرہ

[illegible]

تفصیل و علم قرآنی اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر
دارالاشاعت کی مطبوعہ مستند کتب

نفاذ علم قرآنی

تفسیر قرآنی برائے کمین موانع حدیث ۲۰۰ جلد	مولانا عبدالرشید اعظمی
تفسیر مظہری اردو	۱۲ جلد
تفہیم القرآن	۳۰ جلد
آیتیں اور احادیث	۱۰ جلد
قرآن سائنس اور تفسیر و تفسیر	۱۰ جلد
لغات القرآن	۱۰ جلد
قاموس القرآن	۱۰ جلد
قاموس الفاظ القرآن الکرم (اردو و انگریزی)	۱۰ جلد
مکلف الیاء فی مناقب القرآن (اردو و انگریزی)	۱۰ جلد
احسن القرآنی	۱۰ جلد
قرآن کی باتیں	۱۰ جلد

حدیث

تفسیر ابن ابی شیبہ شرح اردو	۲۰ جلد
تفسیر اسلام	۲۰ جلد
جامع ترمذی	۲۰ جلد
سنن ابوداؤد و شریف	۲۰ جلد
سنن نسائی	۲۰ جلد
معارف الحدیث ترجمہ و شرح	۲۰ جلد
مشکوٰۃ شریف مترجم مع عنوانات	۲۰ جلد
ریاض الصالحین ترجمہ	۲۰ جلد
الادب المفرد کلاس ترجمہ و شرح	۲۰ جلد
مناہج حق ہدیہ شرح مشکوٰۃ شریف	۲۰ جلد
تقریر بخاری شریف	۲۰ جلد
تجوید بخاری شریف	۲۰ جلد
تفہیم الاشیات	۲۰ جلد
شرع الیوم نووی	۲۰ جلد
تفہیم الحدیث	۲۰ جلد

ناشر:- دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون ۲۶۱۸۶۱-۲۶۱۸۶۲-۲۶۱۸۶۳-۲۶۱۸۶۴